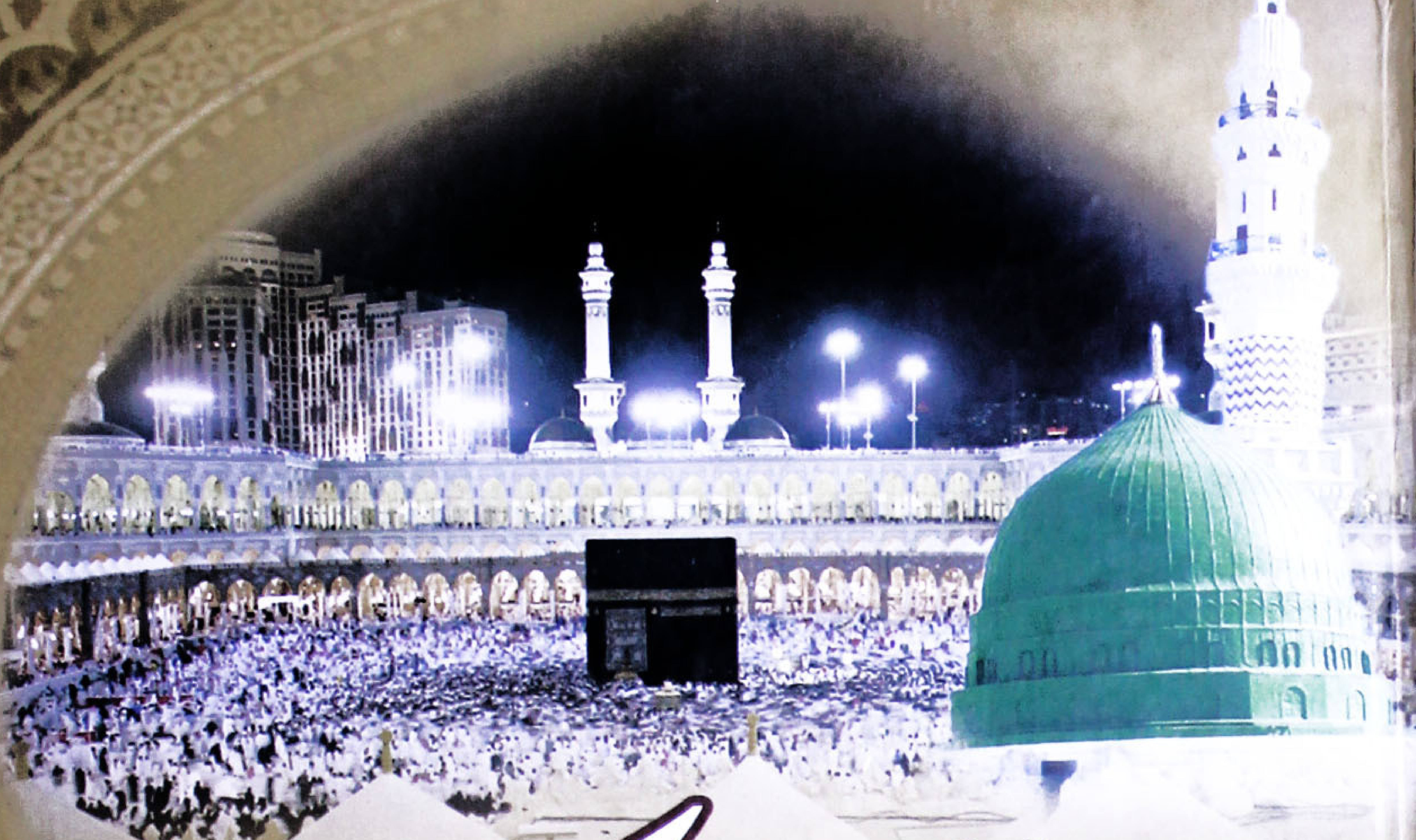

فتاویٰ ملک العلماءؒ

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ

ترتیب و تشویق

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

Marfat.com

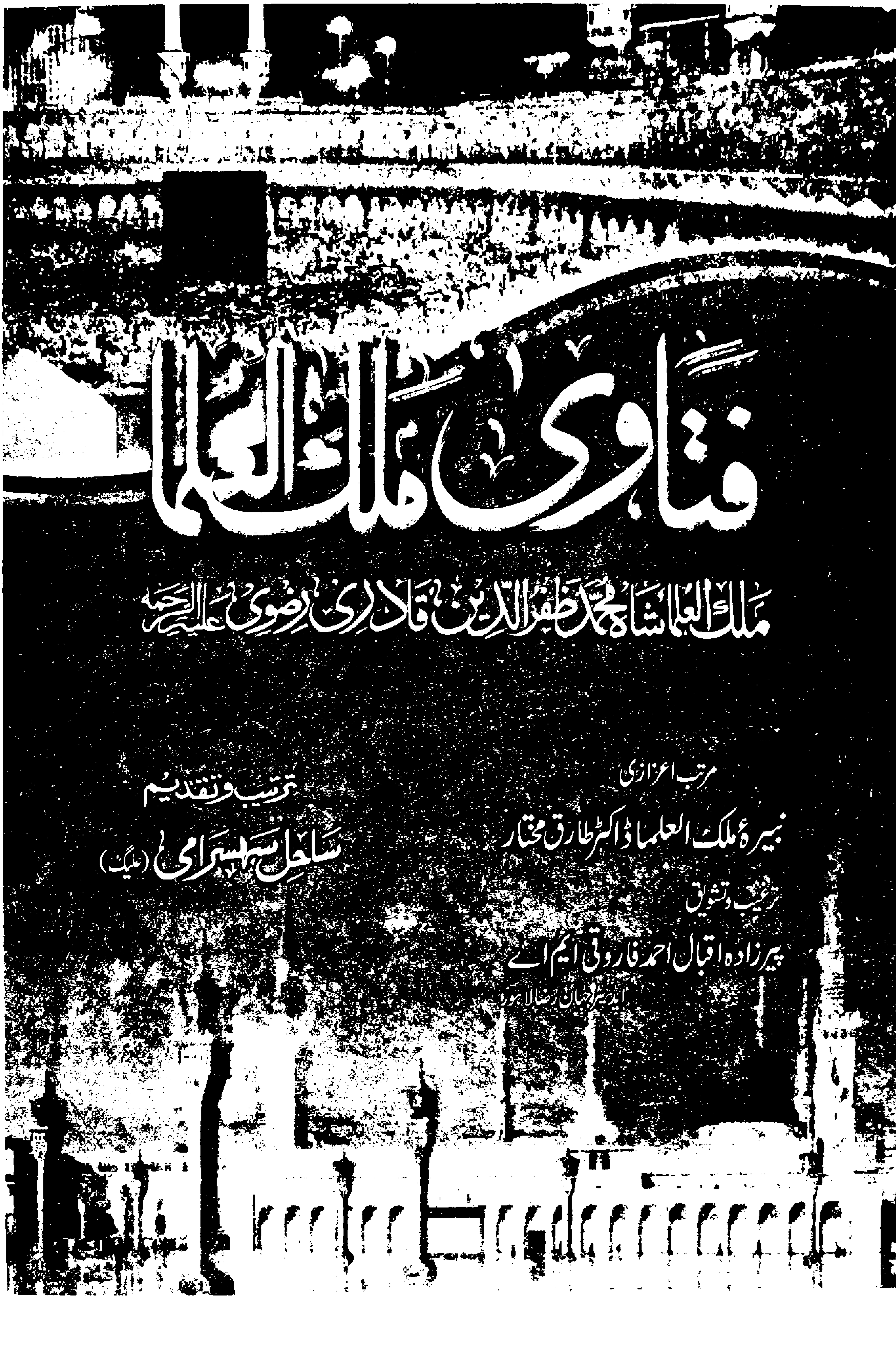

فتاوی ملک العلما

ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ

مرتب اعزازی

نبیرۂ ملک العلما ڈاکٹر طارق مختار

ترغیب وتشویق

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

ایڈیٹر جہان رضا لاہور

ترتیب وتقدیم

ساحل سہسرامی (علیگ)

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر رجسٹری شدہ محفوظ ہیں

نام کتاب: نافع البشر فی فتاوی ظفر (۱۳۴۹ھ)
فتاویٰ ملک العلماء (۲۰۰۵ء)

مصنف: ملک العلماء الشاہ محمد ظفر الدین رضوی قادری (م ۱۹۶۲ء)

موضوع کتاب: فتاویٰ بہ فقہ حنفیہ

سال طباعت: ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء

ترتیب وتقدیم: علامہ ساحل سہسرامی (علیگ)

ترغیب وتشویق: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مقدمہ وکلمات تکریم: ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)

تعداد: ۱۱۰۰ قیمت:

ملنے کے پتے

ادارہ پیغام القرآن
زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور

مکتبہ اشرفیہ
مرید کے ضلع شیخوپورہ

اسلامک بک کارپوریشن
اقبال روڈ راولپنڈی

مکتبہ ضیائیہ
بوہڑ بازار راولپنڈی

مکتبہ غوثیہ ہول سیل
پرانی سبزی منڈی کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
انفال پلازہ، اردو بازار کراچی

علمی کتاب گھر
اردو بازار کراچی

مکتبہ رضویہ
گاڑی کھاتہ آرام باغ روڈ کراچی

احمد بک کارپوریشن
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

مکتبہ سخی سلطان
چھوٹی گھٹی حیدرآباد

مکتبہ اہلسنت
امین پور بازار فیصل آباد

مکتبہ نبویہ
گنج بخش روڈ لاہور

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ مسلم ماڈل ہائی سکول، اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

Marfat.com

شرفِ انتساب

فقہائے احناف خصوصاً

☆ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ
☆ عطائے رسول خواجہ سید معین الدین حسن چشتی حنفی رضی اللہ عنہ
☆ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی قدس سرہٗ
☆ فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی علیہ الرحمہ

کی بارگاہِ قدس میں نذر گدایانہ

چہ از صفائے ارادت زنم بمہر تو دم
ضمیر پاک ، دل روشنت گواہِ من است

گدائے بے نوا

ساحل

Marfat.com

تقریظ جلیل

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

قائم مقام مفتیٔ اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ ملک العلما حضرت علامہ شاہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کے ہیں۔ حضرت ملک العلما میرے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ حضرت کے مسلک عشق ومحبت یعنی سنّیت کی ترویج واشاعت میں گذاری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی حضرت ملک العلما کے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت کا معاملہ رکھا۔ اپنے مشہور قصیدہ ''الاستمداد'' میں فرماتے ہیں ؎

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

آج ملک العلما کے مرتب فتاویٰ دیکھ کر دل ودماغ میں ان کی یاد پھر سے تازہ ہوگئی اور دل کو بے حد مسرت کا احساس ہوا۔ اپنی علالت کے سبب اس مجموعۂ فتاویٰ کو خود تو پڑھ نہ سکا لیکن ان فتاویٰ کے مرتب عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی سلمہ سے کچھ اقتباسات اور ذیلی عنوانات سنے۔ جس قدر فتاویٰ میں نے سنے، خوب ہیں۔ مرتب نے مجھے بتایا کہ بیشتر فتاویٰ اس دور کے ہیں، جب ملک العلما بریلی شریف میں قیام رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلما کے چھ گراں قدر فقہی رسالے بھی اس میں شامل ہیں جو اس مجموعے کی افادیت کو دوچند کرتے ہیں۔

ملک العلما کے ان چند منتشر فتاویٰ کو مرتب سلمہٗ نے بہت کاوش سے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک مبسوط تقدیم بھی تحریر کی ہے جو فقہ کی تعریف، تاریخ وغیرہ اور ملک العلما کی فقاہت کے گوشوں کو محیط ہے۔ یہ تقدیم بہت معلوماتی اور شائقین فقہ کے لیے کارآمد ہے۔

اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اس فقہی خدمت پر جزائے خیر دے اور دین وسنّیت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجموعۂ فتاویٰ کو مقبول عام اور مفید انام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الفقیر محمد اختر رضا القادری الازہری غفرلہ

الفقیر محمد اختر رضا القادری الازہری غفرلہ

Marfat.com

کلمات تکریم

پروفیسر مختارالدین احمد
وائس چانسلر مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، پٹنہ
وسابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

والد ماجد ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفرالدین قادری رضوی علیہ الرحمہ علم وفضل، زہد وتقویٰ میں معاصرین ایک ممتاز شناخت رکھتے تھے۔ انہیں یہ امتیاز بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا اوراس کے حصول میں ان کے مربی اور مرشد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت اور تربیت کا خاصا دخل تھا۔ فاضل بریلوی کی ممتاز ترین شناخت ان کی فقاہت اور فتویٰ نویسی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی استفتا کا جواب ہیں۔ اس لئے والد ماجد بھی ان کے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے فقاہت کا خاص رنگ اور فتویٰ نویسی کی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ دنیا انہیں ایک ماہر ہیئت داں، محدث، خطیب اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتی رہی لیکن ان کی فقیہانہ بصیرت کی روشن دستاویز باضابطہ طور سے آج پہلی بار منظر عام پر آرہی ہے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلی کی بارگاہ میں حاضر ہوکر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گوناگوں اضافہ ہوگیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، گرچہ وقفے کے ساتھ ہی سہی۔ لیکن قیام بریلوی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جاسکیں۔ اس میں ملک العلما کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمابی کیفیت رہی۔ بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیر نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔

والد ماجد کے فتاویٰ کے دو رجسٹر ناچیز نے اپنے ذوق وشوق سے نوعمری کے زمانے میں نقل کئے تھے جب میں عربی فارسی کی ابتدائی درجات کا طالب علم تھا اور ہنوز مدرسے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی صفحات میں حضرت ملک العلما نے جابجا اپنے قلم سے اصلاحات دی ہیں۔ جہاں جہاں مجھ سے الفاظ اور جملے نہیں پڑھے گئے، وہاں میں نے سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ بعد میں جب شعور پختہ ہوا اوران مقامات کی درستگی کی جانب توجہ کی تو والد ماجد کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ اصل مسودہ مجھے دستیاب نہ ہوسکا جس سے میں نے یہ رجسٹر تیار کئے تھے۔ اس لئے وہ سادہ مقامات جوں کے توں رہ گئے۔ بعد میں کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا جو ان کو درست کر کے

Marfat.com

مرتب کرتا۔ بالآخر عزیز گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اس کارِ سعید کا قرعۂ فال نکلا اور انہوں نے بڑی جانفشانی اور خوبی کے ساتھ اس ''ہفت خواں'' کو طے کرلیا۔ اس سلسلے میں ان کے سپروائزر برخوردار ڈاکٹر طارق مختار سلمہٗ نے بھرپور تعاون کیا اور مسودات و مواد کی فراہمی میں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ والد ماجد کی یہ قیمتی یادگار ان کے وصال کے چالیس سال بعد گوشۂ گمنامی سے نکل کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس گرامی کارنامے پر میں صمیم قلب کے ساتھ اپنے دونوں عزیزوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی گرامی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید در مزید سعادتوں کی توفیق بخشے۔ آمین!

مختار الدین احمد
ناظمہ منزل ۴/۲۸۶، سول لائن
امیر نشاں روڈ، علی گڑھ

Marfat.com

تقریب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، ملک العلما، ابوالبرکات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل سنت وجماعت کے ممتاز عالم، جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے آپ ملک کے علما میں صفِ اول کے علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔

فقہ وفتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت ومہارت کے ثبوت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقید المثال مفتی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچپن سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ آپ خلقِ خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

مقدمہ صحیح البہاری میں ہے: ''مولانا (ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی''۔ (۷/۱)

اسی میں ہے: ''ان کی (حضرت ملک العلما کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاویٰ انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاوی ظفر میں موجود ہیں''۔ (۸/۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں: ''مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں (۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں''۔

(مقدمہ صحیح البہاری، پروفیسر مختار الدین احمد دام مجد ہم، ص ۲،۱)

Marfat.com

ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے

(۱) مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو

(۲) عرفِ ناس و حالات زمانہ سے باخبر ہو

(۳) سوال فہم ہو، سائل کے خلجان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے

(۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتیٰ بہا سے استناد کرے

(۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی و محیط ہو

(۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بدمذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے

ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درسگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند و حجت ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مشاغل علیہ مختلف انواع کے تھے۔ زیادہ وقت درس و تدریس کی مصروفیات میں گزرا۔ اسی میں کچھ وقت نکال کر فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کوئی زیادہ نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ بجائے خود اہم اور معتمد و مستند ہے۔ آپ کے انہیں فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بنام ''فتاویٰ ملک العلما'' عزیزم اسعد جناب مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی (ساحل شہسرامی، علیگ) صاحب دام مجدہم کی مساعی جمیلہ سے نظارۂ خلق ہو رہا ہے۔

اس مختصر مجموعے میں بارہ فقہی ابواب ہیں:

(۱) کتاب الطہارۃ -۳ (۲) کتاب الصلوٰۃ -۳۲ (۳) کتاب الزکوٰۃ -۵ (۴) کتاب الصوم -۶ (۵) کتاب النکاح -۲۱ (۶) کتاب الطلاق -۹ (۷) کتاب السیر -۵ (۸) کتاب الوقف -۴ (۹) کتاب القضا -۱ (۱۰) کتاب الاضحیہ -۸ (۱۱) کتاب الحظر والاباحۃ -۲۶ (۱۲) کتاب الفرائض -۶ (۱۳) ضمیمہ -۴ = ۱۳۰

اس میں حضرت ملک العلما کے چھ فقہی رسالے بھی شامل ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) تنویر المصباح للقیام عند حیّ علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)

(۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)

(۳) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)

(۴) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)

(۵) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

(۶) مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)

کتاب کے آغاز میں فاضل مرتب کا طویل مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت ملک العلما کے حالات طیبات، فقہ و افتا کی اجمالی تاریخ اور ترتیب کی تقریب کا تذکرہ ہے۔ اس کے ذیلی عناوین سے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب سلمہٗ نے اس مقدمہ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور اسے جامع اور خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

Marfat.com

فتاویٰ ملک العلما کے مرتب اور مقدمہ نگار محب مکرم جناب مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب زید علمہٗ، ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل، ایک باصلاحیت عالم دین ہیں۔ کئی سال تک جامعہ اشرفیہ کے مدرس و مفتی رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ یہاں انہیں حضرات سادات مارہرہ مطہرہ☆ کے زیر سایہ مزید پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہوگیا۔ یہ ان حضرات کی برکت ہے کہ چند سالوں میں انہوں نے کئی ایک قابل قدر کارنامے☆☆ انجام دئے۔ انہیں میں سے ایک فتاویٰ ملک العلما کی ترتیب بھی ہے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں فتاویٰ کو مرتب کرنے کا بجا طور پر حق تھا اور قارئین محسوس کریں گے کہ مولانا نے حق ترتیب بخوبی ادا کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، انہیں صحت و عافیت کے ساتھ شاد و آباد رکھے، ان کے علم، عمر، فضل، اقبال، اشغال میں برکتیں دے اور ان سے بیش از بیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبولہ لے اور جملہ اہل سنت کی طرف سے انہیں فتاویٰ ملک العلما کی ترتیب و اشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد نظام الدین الرضوی

۳؍جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ/۳؍اگست ۲۰۰۳ء (دوشنبہ)

☆ مارہرہ مطہرہ میں بلگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ تاجدار سلسلۂ برکاتیہ سید شاہ برکت اللہ عشقی پیمی مارہروی قدس سرہٗ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اس خطۂ پاک کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاندان ذیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ بیعت ہوئے۔ عصر رواں میں قادری سلسلے کی اس عظیم خانقاہ کی نمائندگی سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی، پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری سجادہ نشینان خانقاہ برکاتیہ اور سید محمد اشرف قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ فرما رہے ہیں۔ ناچیز انہیں بزرگوں کے سایۂ کرم میں سعادتوں کے ذخیرے سمیٹ رہا ہے۔ ۱۲ ساحل

☆☆ ۲۰۰۱ء کے وسط سے ۲۰۰۳ء کے اخیر تک حضرت امین ملت کی سرپرستی میں ناچیز کو درج ذیل تصانیف و تراجم رقم کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی، فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

۱.	شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن، ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ	صفحات ۶۰۰
۲.	مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری	" ۲۴۸
۳.	حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ	" ۱۲۰
۴.	حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری	" ۲۰۰
۵.	کاشف الاستار شریف (ترجمہ و تقدیم)	" ۷۰۰
۶.	النور والبہاء لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا (ترجمہ)	" ۸۰
۷.	ایم اے عربی کی نصابی نظموں کا ترجمہ	" ۴۰۰
۸.	فتاویٰ ملک العلما (ترتیب و تقدیم)	" ۵۱۲

Marfat.com

حضرت ملک العلما اور ان کے فتاویٰ

ساحل شہسرامی (علیگ)

ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آشنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آگئی تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک ومخاطب بہ مَلِک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابو بکر غزنی کے رہنے والے تھے، آپ غزنی سے تین فرہنگ کے فاصلے پر مقام بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہوگئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳؍ذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعۂ رہتاس (شاہ آباد، شہسرام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبۂ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱-سید ابو بکر غزنوی بن۔ ۲-سید ابو القاسم عبد اللہ بن۔ ۳-سید محمد فاروق بن۔ ۴-ابو المنصور عبد السلام بن۔ ۵-سید عبد الوہاب بن۔ ۶-غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم۔

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/و)

حضرت ملک العلما کی ولادت مبارکہ ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجرا ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند بیتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداءً والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میر زاہد تک کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیر تربیت رہے:

۱-مولانا شیخ محی الدین اشرف۔ ۲-مولانا شیخ بدر الدین اشرف۔ ۳-مولانا مہدی حسن میجروی۔ ۴-مولانا فخر الدین حیدر۔ ۵-مولانا محمد منعم۔ ۶-مولانا معین اظہر رئیس موضع بین۔ ۷-مولوی محمد ابراہیم۔ ۸-حافظ محمد

Marfat.com

اسماعیل بہاری۔ ۹۔منشی اکرام الحق۔

قاضی عبدالودود کے والد ماجد قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ وخلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرھما (۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہل سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ''تحفۂ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق'' جاری کیا جو عرصۂ دراز تک علم وفن اور دین وسنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلما نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵/جمادی الآخرۃ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملاّ جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلما بھی وہاں سے رخصت ہوکر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱-مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی۔ ۲- مدرسہ احسن المدارس۔ ۳- دارالعلوم...... یہاں کے اساتذہ میں شہرۂ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳/صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلما کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوگئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہوکر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت ملک العلما کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱- ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ ۲- مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلما نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف

Marfat.com

کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہوکر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کردیا۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے۔

۱- مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ)۔ ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الھدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ)۔ ۳- مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہسرام (۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ)۔ ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الھدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہوگیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ آگئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گوناگوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلما عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہوگئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب وروز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گذار کر دوشنبہ کی شب میں ۱۹؍ جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہوسکا کہ آپ لذت وصال سے شاد کام ہوچکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ علم وفن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علوم قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید وقرأت، علوم حدیث، حدیث، اصول حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصول فقہ، عقائد وتصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو وصرف، معانی وبیان، فلکیاتی علوم، نجوم، ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل، عقلی علوم منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔ آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود آپ کے مربی اور مشفق، استاذ اور مرشد، عبقری الشرق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت، انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارافتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

''سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں ...... فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے''۔

(حیات ملک العلما ص ۷-۸ مطبوعہ لاہور)

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں۔ ۱- علوم حدیث۔ ۲- فقہ وتصوف۔ ۳- عقائد ومناظرہ۔ ۴- ہیئت وتوقیت۔ ۵- اور سوانحی ادب۔

فقہ وتصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقدمہ ہی تحریر کیا جارہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث:

حضرت ملک العلمانے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا وہاں علمی صدارت کی شہ نشین آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی۔ وعظ وتذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں لیکن اس فن شریف میں

Marfat.com

آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری''۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب حنفی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہو سکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلما کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ رصفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے بحر علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلما نے ان کلمات سے کیا ہے:

''هذا نهر اصغر من البحر الاكبر من بحار علوم سيدي و شيخي نفعنا ببركاته في الدنيا والآخرة'' (صحیح البهاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱/۲۶)۔

عقائد ومناظرہ:

حضرت ملک العلما کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ نت نئے خیموں میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسمٰعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندوپاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاسبان بھی شیرازۂ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسمٰعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیرآبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلما بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلما نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداداد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفیقانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلما کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلما) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلما ص ۱۶)

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھر کا میں دیابنہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہو کر بریلی شریف واپس ہوئے۔ ''اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/ ۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ ''شکست سفاہت'' (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

۱- الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- سجم الکنز ہ علیٰ الکلاب المطرۃ (۱۳۲۸ھ)۔ ۳- النبراس لدفع ظلام المنھاس (۱۳۲۹ھ)۔ ۴- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۵- کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ)۔ ۶- ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ)۔ ۷- گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ)۔ ۸- ظفر الدین الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو بھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلما کے مناظراتی معیار فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابل ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت و توقیت:

یہ فنون حضرت ملک العلما کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس اتہ ،ں

Marfat.com

کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

''(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صحبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

حضرت ملک العلما نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندوپاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے:۔ ۱- الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲- بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳- توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ)۔ ۴- مشرقی اور سمت قبلہ/ مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلما اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں بدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہرکیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے''۔ (حیات ملک العلما ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندوپاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ ''ظہور الاوقات'' کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

(۱) فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ

Marfat.com

مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد، اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سوانحی ادب:

حضرت ملک العلما بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سوقیانہ لب و لہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت و سوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔

۱-شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل)۔ ۲-مولود رضوی (۱۳۶۰ھ)۔ ۳-مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ)۔ ۴-تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ)۔ ۵- اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ)۔ ۶- خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ)۔ ۷- جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- حیات اعلیٰ حضرت/ مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ)۔ ۹- چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ)۔ المجمل المعدد لتالیف المجدد (۱۳۲۷ھ) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہوکر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ بروز چہار شنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"انی نذرت للرحمن انه لما تمت هذه الحاشية اصلي مائة ركعة ان شاء الله"

"میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ ساحل

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خوشبوؤں میں بسے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ "من احب شیئا اکثر ذکرہ"۔ محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلما کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت و خلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہسرامی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گذر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

"رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل

Marfat.com

والصفات وعلم الطریقة وهی مباحث المنجیات والمهلکات وعلم الشریعة الظاهرة"

'زمانۂ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے''۱۲- ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔'' (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلما قدس سرہٗ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب وروز معمولات صوفیہ اوراد کار واشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگارخانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔ معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں کئی صوفیانہ فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک العلما کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ وافتا کے تعلق سے بھی کچھ بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کردیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کرسکیں۔

☆☆☆☆☆

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق وجستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) وافتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں

Marfat.com

چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آ رہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ۴۳) (تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء، ومرسلین، دُعاۃ ومبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں سبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ وافتا مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتا فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

" الفقيه : العالم الذی يشق الاحكام و يفتش عن حقائقها "

''فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے''۔

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح اور مرجوح، مفتیٰ بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہٗ" رد المحتار علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں:

" المفتی هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت و الواجب عليه إذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام على وجه الحكاية فعرف ان ما يكون فی زماننا من فتوىٰ الموجودين ليس بفتوىٰ بل هو نقل كلام المفتی ليأخذ به المستفتی۔ (رد المحتار ۱/ ۴۷)

''مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کردے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے''۔

اسی لئے لوئیس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

" المفتی: الفقيه الذی يعطی الفتوىٰ ويجيب عما ألقی عليه من مسائل المتعلقة بالشريعة "

''مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے''۔ (المنجد ص ۹۸)

عبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام ان الفتوىٰ مطلقاً علیٰ قول الامام" (۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

" الرابعة : الفتوىٰ حقيقية وعرفية۔ فالحقيقية هو الإفتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوىٰ ويقال " بهذا افتى الفقيه ابو جعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالىٰ ۔ والعرفية: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليدا له من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوىٰ ابن نجيم والغزى والطورى والفتاوىٰ الخيرية وهلم تنزلا زمانا ورتبة الى الفتاوىٰ الرضوية جعلها الله تعالىٰ مرضية مُرضية۔ امين"۔

''چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابواللیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتادے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین!'' (الفتاویٰ الرضویۃ۔ مترجم۔ ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ وصحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، در پیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سر چشمۂ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ وافتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ وافتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ وبو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیان تفقہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الٰہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبد اللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

111058

Marfat.com

تیسرا دور :(۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق وغرب اور جنوب وشمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اور عرب وعجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس وافادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

۱- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲- حضرت عبد اللہ بن عمر (م ۷۳ھ) ۔۳- حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔۴- حضرت سعید بن مسیب مخزومی (م ۹۴ھ) ۵۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ)۔۶- حضرت ابو بکر بن عبد الرحمٰن (م ۹۴ھ)۔ ۷- حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ)۔۸- حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر (م ۱۰۶) ۹- حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔۱۰- حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔ ۱۱- حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔۱۲- حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔۱۳- حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔۱۴- حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۴۸ھ)۔۱۵- حضرت ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

۱۶- حضرت عبد اللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔۱۷- حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ)۔۱۸- حضرت عکرمہ ابن عباس (م ۱۰۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

۱۹- حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔۲۰- حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔ ۲۱- حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م ۹۲ھ)۔۲۲- حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔۲۳- حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔۲۴- حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔۲۵- حضرت عمرو بن شرحبیل (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔

۲۶- حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔۲۷- حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔۲۸- حضرت ابو الشعثاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔۲۹- امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ) ۳۰- حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔

۳۱- حضرت عبد الرحمٰن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔۳۲- حضرت ابو ادریس خولانی (م ۸۰ھ)۔۳۳- حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ)۔۳۴- حضرت رجاء بن حیوۃ کندی (م ۱۱۲ھ)۔ ۳۵- حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

۳۶- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔ ۳۷- حضرت ابو الخیر مرشد بن عبد اللہ (م ۹۰ھ) حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی ایوانوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

Marfat.com

۳۹-حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م ۱۰۶ھ)۔ ۴۰-حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴ھ)۔ ۴۱-حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور:

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزۂ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے''۔

اس دور میں امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳ھ-۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ-۲۴۱)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابوثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبد الرحمٰن بن عمر دمشقی اوزاعی (۸۸ھ-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الٰہی، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴)۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

Marfat.com

الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة :لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) صاحب ''مجمع البحار''، ''المغنی'' میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن لله سر خفی فیه لما جمع له شطر الاسلام او ما یقاربه علی تقلیده حتی عبد الله بفقهه وعمل برائه الی یومنا ما یقارب اربع مائة و خمسین سنة وفیه دلیل دلیل علیٰ صحته "۔ (المغنی ص ۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عند اللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔'' (تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی۔ ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہا اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یارا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- مجتہد فی الشرع/مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

۲- مجتہد فی المذہب/مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدست اسرارہم۔

۳- مجتہد فی المسائل/مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع

Marfat.com

کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خصاف (م ۲۶۱ ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۲۱ ھ)، امام ابو الحسن کرخی (م ۳۴۰ ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ ھ)۔

۴- اصحاب تخریج :

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵- اصحاب ترجیح :

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابو الحسن قدوری (م ۴۲۸ ھ)، صاحب ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ ھ) وغیرہ۔

" ھذا اولیٰ ، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس " جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶- اصحاب تمیز :

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷- مقلد محض :

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱- کتب اصول۔ ۲- کتب نوادر۔ ۳- کتب واقعات۔

۱- کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمہ ثلثہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی

Marfat.com

ہیں۔ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذۂ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱-مبسوط ۔۲- جامع صغیر ۔۳- جامع کبیر ۔۴- سیر صغیر ۔۵- سیر کبیر ۔۶- زیادات ۔ یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں،ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

۲- کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی،حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہا۔

۳- کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلٰثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید۔واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

۱- اصول بزدوی۔امام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲ھ)۔۲- المبسوط۔شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)۔۳- بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا۔ملک العلما امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ)۔۴- فتاویٰ قاضی خاں۔امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲ھ)۔۵- الھدایۃ۔امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ)۔۶- البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشباہ والنظائر (م ۹۷۰ھ)۔۷- درمختار شرح تنویر الابصار۔علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)۔۸- ردالمحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ)۔۹- حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۳۰۲ھ)۔۱۰- طحطاوی علی مراقی الفلاح۔علامہ سید احمد طحطاوی۔ ۱۱- فتاویٰ عالمگیری۔مفتی نظام الدین وعلما کا بورڈ۔۱۲- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م ۱۳۴۰ھ) قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہانے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی ۱-متون ۔۲-شروح ۔اور ۳- فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ۔چند مستند متون،شروح اور فتاویٰ یہ ہیں:

Marfat.com

مستند متون :

ا-مختصر امام طحاوی ۔۲-مختصر امام کرخی ۔۳-مختصر امام قدوری ۔۴-کنز الدقائق ۔۵-وافی ۔۶-وقایہ ۔۷-نقایہ ۔۸-اصلاح ۔۹-مختار ۔۱۰-مجمع البحرین ۔۱۱-مواہب الرحمٰن ۔۱۲-ملتقیٰ ۔

مستند شروح :

ا-مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں ۔۲-کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر بیر، سیر صغیر) کی شرحیں ۔۳-مبسوط امام سرخسی ۔۴-بدائع الصنائع ۔۵-تبیین الحقائق ۔۶-فتح القدیر ۔۷-عنایہ ۔۸-بنایہ ۔۹-غایۃ البیان ۔۱۰-درایہ ۔۱۱-کفایہ ۔۱۲-نہایہ ۔۱۳-حلیہ ۔۱۴-غنیۃ ۔۱۵-البحر الرائق ۔۱۶-النہر الفائق ۔۱۷-درر احکام ۔۱۸-درمختار ۔۱۹-جامع المضمرات ۔۲۰-جوہرہ نیرہ ۔۲۱-ایضاح، وغیرہ ۔

امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۂ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، ردالمحتار، منحۃ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریہ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج وہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں ۔

مستند فتاویٰ :

ا-خانیہ ۔۲-خلاصہ ۔۳-بزازیہ ۔۴-خزانۃ المفتیین ۔۵-جواہر الفتاویٰ ۔۶-محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) ۔۷-ذخیرہ ۔۸-واقعات ناطفی ۔۹-واقعات صدر الشہید ۔ ۱۰-نوازل فقیہ ۔۱۱-مجموع النوازل ۔۱۲-ولوالجیہ ۔۱۳-ظہیریہ ۔۱۴-عمدۃ ۔ ۱۵-کبریٰ ۔ ۱۶-صغریٰ ۔ ۱۷-تتمۃ الفتاویٰ ۔ ۱۸-صیرفیہ ۔ ۱۹-فصول عمادی ۔ ۲۰-فصول استروشنی ۔۲۱-جامع صغار ۔۲۲-تاتارخانیہ ۔۲۳-ہندیہ/فتاویٰ عالمگیری ۔۲۴-الاشباہ والنظائر ۔۲۵-منیہ، وغیرہ ۔

قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں ۔فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم نا قابل اعتماد ہیں ۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً ۔متفرق جلدیں)

☆☆☆☆☆

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر.

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں ۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمۂ فتاویٰ مظہریہ ص۵۲) ۔عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے ۔اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہوسکا ۔خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے

Marfat.com

تو پھر فتاوی اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہو سکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب واشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ہے ''کتاب النوازل''۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- فتاویٰ ابی بکر۔ ۲- فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)۔ ۳- فتاویٰ ابن قطان۔ ۴- فتاویٰ ابی اللیث۔ ۵- فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)۔ ۶- فتاویٰ ابن الصباغ۔ ۷- فتاویٰ اسیجابی۔ ۸- فتاویٰ خواہر زادہ۔ ۹- فتاویٰ جخندی (پانچویں صدی)۔ ۱۰- فتاویٰ تمرتاشی۔ ۱۱- فتاویٰ حسام الدین۔ ۱۲- فتاویٰ سراجیہ۔ ۱۳- فتاویٰ ظہیریہ۔ ۱۴- فتاویٰ قاضی خاں۔ ۱۵- فتاویٰ کبریٰ۔ ۱۶- فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)۔ ۱۷- فتاویٰ ابن رزین۔ ۱۸- فتاویٰ صوفیہ۔ ۱۹- فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔ ۲۰- فتاویٰ ابن عقیل۔ ۲۱- فتاویٰ زرکشی۔ ۲۲- فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳- فتاویٰ قاری الہدایہ۔ ۲۴- فتاویٰ حمادیہ۔ ۲۵- فتاویٰ ابن شلبی۔ ۲۶- فتاویٰ ابی السعود۔ ۲۷- فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸- الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ۔ ۲۹- العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰- فتاویٰ جامع البرکات۔ ۳۱- فتاویٰ نقشبندیہ۔ یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہو چکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ''التفرید فی الفروع''۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۲- فتاویٰ فیروز شاہی۔ ۳- فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۴- فتاویٰ اکبر شاہی۔ ۵- فتاویٰ عادل شاہی۔ ۶- فتاویٰ تاتارخانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو

Marfat.com

نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

۱- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۰ھ)۔ ۲- فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رامپوری۔ ۳- فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴- فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵- فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ ۶- فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ ۷- فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ۸- فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۹- فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۰- فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔ ۱۱- فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲- مجموعہ فتاویٰ۔ مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی) ۱۳- فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

فقہ وافتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔

فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست وامارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات ومعاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھئے تو نکاح، طلاق، نسب، پرورش وپرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید وفروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وفائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض وواجبات، سنن ومستحبات سبھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی

Marfat.com

تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصاً کتاب وسنت، تفسیر وحدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تا کہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمۂ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نت نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہوتا کہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل وروایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تا کہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔ ۱- متون۔ ۲- شروح۔ ۳- فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟۔

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمۂ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ "من لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل" (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقیہانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تا کہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگر چہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحتاً تصحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے''۔

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱-قول صوری ۲-قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ " اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام ''میں تحریر فرماتے ہیں:

'' الخامسة ''اقول وباللہ التوفیق: " القول قولان۔ صوری وضروری۔ فالصوری هو المقول المنقول والضروری مالم یقله القائل نصا بالخصوص لکنه قائل به فی ضمن العموم الحاکم ضرورة بان لو تکلم فی هذا الخصوص لتکلم کذا وربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری وح ی قضی علیه الضروری حتی ان الاخذ بالصوری یعد مخالفة للقائل والعدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعا له کأن کان زید صالحا فامر عمرو خدامه باکرامه نصا جهارا و کرر ذلك علیهم مرارا وقدکان قال لهم " ایاکم ان تکرموا فاسقا ابدا"۔ فبعد زمان فسق زید علانیة فان اکرمه بعده خدامه عملا بنصه المکرر المقرر لکانوا عاصین وان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین ومثل ذلك یقع فی اقوال الائمة ۔ (الفتاویٰ الرضویة ۱/۱۰۹ لاهور)

''پانچواں مقدمہ'' میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱-قول صوری اور ۲-قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحتاً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحتاً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحتاً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے

Marfat.com

اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گذار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے''۔

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ائمۂ احناف بعض اوقات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟۔ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱-ضرورت۔۲-حرج۔۳-عرف۔۴-تعامل۔۵-کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔۶-کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کی پیروی نہ کہلائے گی''۔ (فتاویٰ رضویہ ۱/۱۱۰)

اس کی بہت سی نظیریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روا تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے سختی سے روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

''لو ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه سلم راى من النساء ما رأينا لمنعهن من المسجد كما منعت بنو اسرائيل نساءها''

''اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا''۔

(۸) اصحاب ترجیح فقہانے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے

Marfat.com

میں مختلف اقوال مصححہ پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور راجح ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔

اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱- تصحیح کا زیادہ موکد ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔ ۳- تصحیح کا شروح میں اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا۔ ۴- فقہا نے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح کا استحسان ہونا۔ ۶- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ ۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔ (مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصا جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور وخوض، تلاش وجستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور وخوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق درشق کی پیچ داریوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور صناعی سے بالکل احتراز کرے، دوٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

☆☆☆☆☆

فقہ وافتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلما کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، متبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔

۱- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلود الأضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)۔ ۳- التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)۔ ۴- بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)۔ ۵- الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)۔ ۶- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۷- القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ ۹- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ)۔ ۱۰- تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ)۔ ۱۱- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)۔ ۱۲- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۳- جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۴- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ) ۱۵- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ وافتا کے موضوع

Marfat.com

سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلما کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خود نوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، خدا ترس، بندۂ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آز کا گذر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو اسی مجموعۂ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ''تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب'' کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ''ہادی الھداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ) اور ''سد الفرار للمہاجری بہار'' (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا'' کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تمیں، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اِس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلّانا، صرف اپنا الّو سیدھا

[illegible] اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰

Marfat.com

جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔''

علمی سطح پر حضرت ملک العلما کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلما جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلما کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منکم هلال شهر فلیصمه" یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

Marfat.com

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "و تیقن بہ" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شہدت الھلال نہیں کہتے بلکہ شاہدت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''دوسری حدیث میں ہے: من یبنی للہ مسجدا! جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وفی روایۃ ولو کمفحص قطاۃ اگر چہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی وفی روایۃ او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی روایۃ یذکر اللہ عز وجل فیہ تا کہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایۃ من درر و یاقوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجہ وابن حبان و سیدنا ابو حنیفۃ وابن خزیمۃ والبزار فی مسندہ والطبرانی فی الصغیر والترمذی وھو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان و عمرو جابر بن عبد اللہ وابی ذر وانس بن مالک وابی امامۃ وابی ھریرۃ واسماء بنت الصدیق و عمرو بن عبسۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین''۔

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے "تنویر المصباح" "نصرۃ الاصحاب" "اعلام الساجد" میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جا سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت :

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہا اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلما آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھر پور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد

Marfat.com

دلاتے۔ اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟۔ امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ''یہ صورت مکروہ ہے'' حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استفتا ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ''پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں'' انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلما کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ملک العلما نے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔ میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل... فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے...

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب بھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت ونادانی وخرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابی داؤد وحاکم وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔ اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔ تو اس سے عدول محض جہالت ونادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرہما کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔

خامساً: آپ کا فرمانا اذا تعارضا امامان الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے:......

''یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا''۔

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔ صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ

Marfat.com

میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ انتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گلے میں علماء عرب وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو ما بین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا واز رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض اماماں ،در المختار، حررہ العبد محمد ابراهیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے"۔

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلما نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلما کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات

Marfat.com

تحسیں۔ جواب میں حضرت ملک العلما نے جس جزئیات نگاری، ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ حضرت کی فقاہت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعہ سے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ میں یہاں اکیس نکات پر پھیلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بدمذہب ہیں اور بدمذہب کی توقیر حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جا سکتا۔ بدمذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟۔ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

''غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آ جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا''۔

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کر دی:

''غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود ونصاریٰ ویہود ومجوس وروافض وغیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟۔''

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے۔ ''ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی''۔ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

''غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر ووافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا وملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت واقوال وافعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں''۔

Marfat.com

اس سے نرالی توجیہ ایک ہندوستانی قانون کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

’’شارع عام اور اسی طرح سرِ راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ بایں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آ کر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر کر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنّی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجا لانے سے باز رکھے اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے‘‘۔

اخیر میں دو اور عقلی ردّ لکھتے ہوئے جواب مکمل فرماتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں شقیں بھی خالص منطقی ہیں اور تفقہ کی چاشنی سے لبریز۔ اس لئے ان کے اقتباسات ذرا طویل ہونے کے باوجود پیش کرتا ہوں۔ حضرت ملک العلماء رقم طراز ہیں:

☆ ’’ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ .... تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی و آزار رسانی و بدنیتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بعینہٖ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پوجا پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدنیتی و آزار رسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ ایسے ناجائز و فاسد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہٰذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

☆ اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بد مذہب و گمراہ ہے۔...... اس کے

Marfat.com

ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟۔ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہرحال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مر جائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی برّاقی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص...... پر موجود ہے) یونہی ''کھڑکی کا فیصلہ'' میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبر آشنا فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ''اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد'' میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر حوالجات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص...... پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جا سکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''عبارت ہذا، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ و قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصّھم اللہ العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قدمنا عن الھندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قولہ ویتصدق بجلدھا وقولہ ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز

Marfat.com

لانہ قربۃ کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے۔ لما فی عرز الاحکام "او یجعلہ آلۃ کجراب وخف وفرو" اہ وفی الخانیۃ: "ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیۃ فروا او بساطا او متکئا یجلس علیہ" اہ وفی الکافی والھدایۃ: "او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا" اہ کالدلو والسفرۃ والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول نا جائز ہے۔ تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے: ولا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ"

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول نا جائز ہے۔ لما فی الھدایۃ والتبیین والکافی والطحاوی وخزانۃ المفتیین: "ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استہلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول۔

ثانی جائز ہے۔ لما فی الھدایۃ وشرح الکنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانۃ المفتیین: "ولا باس بان یشتری بہ ما ینتفع بعینہ فی البیت مع بقائہ استحسانا"۔

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔ دو جائز، دو نا جائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو نا جائز وممنوع۔ وقد مضت الادلۃ آنفاً۔"

تصوف:

حضرت ملک العلما خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملاّ نہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ، سوقیانہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، غمگسارانہ لہجے کیا ہیں؟۔ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب الحظر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص...... پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہو سکتا ہے؟۔ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا

Marfat.com

ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

(حدیث مبارک ذکر کر کے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی .... تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو"۔

توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترھیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاضر یصدقه قال کنا عند النبی صلی الله علیه وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب قلنا لا یا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنی بهذه الکلمة ووعدتنی علیها الجنة وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادہ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا اله الا الله کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الٰہی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرهما

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا اله الا الله کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا اله الا الله تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله الحمد والله تعالیٰ اعلم۔"

Marfat.com

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معمولات، کتاب وسنت سے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپرد قلم کرتے ہیں:

''پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت والجماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع

بے علم نتواں خدارا شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہنچوائے گا۔

اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے ''جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے''

ابریز میں ہے: اذا لم یکن علم لدیه بظاهر و لا باطن فاضرب به ل جج البحرقال الشيخ رضي الله عنه مراده بعلم الظاهر علم الفقه و التوحيد اى القدر الواجب منهما على المكلف و مراده بعلم الباطن معرفة الله تعالىٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

لا تقدمن قبل اعتقادك انه مربّ و لا اولى بها منه في العصر(اى) و لا تقدمن على شيخ بقصد الدخول في صحبته حتى تعتقد انه من اهل التربية و انه لا احق منه بها في زمنه۔

''یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں''۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

Marfat.com

ہمہ شہر پرزخوباں، منم وخیال ماہے   چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

تنقید :

حضرت ملک العلما کو نقد ونظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو ملیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔نقد ونظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلما کے حضور پیش کی گئیں۔آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کردیا۔یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔آپ رقم طراز ہیں :

''علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں۔کہاں تک کوئی لکھے۔اب دو فتوے وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔اگر چہ وہ وسعتِ علم وفسحتِ ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونتیسویں سوال ''رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہبند باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں ہے ''ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔فقط''۔یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے''۔نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا''۔نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفراد ہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا ،دھوکے کی ٹٹی ہے''۔نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔(ص ا س ۱۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی

Marfat.com

تو قیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی'' ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم''۔

رہا محشی روداد اور ''صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا محض ''با درہوا'' اور ''رو درقفا'' اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہٖ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام وما لا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیرہ ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یقیس علی نفسہ کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ، عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے'' المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیۃ''اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ''معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے''۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: ''فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلافے وتفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگرچہ درغیر قدوم سفر نیز باشد''۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منھ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ''تفہیم المسائل'' ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے ''مطالب المومنین'' سے نقل کیا'' یکرہ الانتفاع بالقبر ''اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ''قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں''۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ''یکرہ التمتع بالمقبرۃ وان لم یبق آثارہ''قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ''اگرچہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور

Marfat.com

براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنا لیا؟۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!''

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔ احقر زیرِ نظر مجموعۂ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے۔ اب کچھ باتیں ترتیبی مراحل کے تعلق سے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلما علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ سے ان کی سادگی، رواداری، علم وفضل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی نسبت خاص کی وجہ سے احقر کو بے حد عقیدت ہے۔ حضرت کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوتی ہے لیکن چند مضامین کے سوا نہ حضرت پر کوئی کام ہو سکا اور نہ حضرت کی نگارشات کو ہی منظرِ عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہو سکی۔ تنویر المصباح، نصرۃ الاصحاب، مبارک پور، گھوسی، لاہور اور ہزاری باغ سے شائع ہوئیں۔ ''تنویر السراج فی ذکر المعراج'' اور صحیح البہاری کی کچھ قسطیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود رفاقتی مصنف تذکرۂ علمائے اہلِ سنت کا مضمون ''ملک العلما اور علم حدیث'' قدرے مفصل ہے جو تین قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوا۔ لیکن

مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں

اب جمود ٹوٹ چکا ہے۔ حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت ہو چکی ہے۔ برادرِ محترم مولانا ملک الظفر شہسرامی ایڈیٹر الکوثر (سہ ماہی) سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ناچیز کی رائے کو شرفِ قبول عطا کرتے ہوئے اپنے سہ ماہی رسالہ الکوثر شہسرام کا ''ملک العلما نمبر'' نکالنے کا پختہ عزم کر لیا اور ان کی دو سالہ جانفشانہ کاوش کے بعد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل گرانقدر نمبر مرحلۂ اشاعت کے قریب آن پہنچا ہے۔ حضرت کی گرانقدر تصنیف ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری'' کی جلد اول (عقائد) پر لاہور کی رضا فاؤنڈیشن کام کر رہی ہے۔ احقر نے بھی مختلف جہت سے حضرت ملک العلما کے حضور قلمی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

۱۔ ''ملک العلما اور علمائے شہسرام'' (مطبوعہ ماہنامہ جہان رضا جون ۱۹۹۹ء)۔ ۲۔ علم توقیت میں ملک العلما کے ایک ممتاز شاگرد، علامہ عبد الرؤف بلیاوی، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (مطبوعہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء)۔ ۳۔ ''تاج العلما اور سید العلما کے گرامی مکاتیب بنام ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدست اسرارہم (مطبوعہ جہان رضا، لاہور۔ فروری ۲۰۰۳ء)۔ آج سے چار سال پہلے بہت کاوش کے ساتھ حضرت کا رسالہ "سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون" کو جدید انداز میں ''اسلامی نظریہ موت'' کے نام سے ایڈٹ کر کے اس پر تقدیم لکھی، کتابت کے مراحل سے گذارا۔ یہ کتاب المجمع العلمی ہزاری باغ سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ کی ترتیب کے بارے میں احقر نے آج سے تین سال پہلے نبیرۂ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب سے تذکرہ کیا تھا۔ موصوف نے بطیب خاطر پورا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف مرحلوں

Marfat.com

میں پیہم اصرار کے بعد اس کی نقول حاصل ہوئیں بالآخر ناچیز نے ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ میں اس کی ترتیب کا آغاز کر دیا۔ بیشتر مسودات بہت ژولیدہ خط تھے اور بعض کے اوراق تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ ان کی سیاہ زیراکس کاپیاں پڑھنا بھی دشوار۔ بہر حال! احقر نے اپنے مولیٰ کے بھروسے پر حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی روحانیت سے استعانت کرتے ہوئے اس ناصاف مسودے کی زیراکس کاپیاں دیکھنی شروع کیں۔ ناقل نے کتابت میں اتنی زیادہ غلطیاں کی تھیں کہ اسے پڑھنے اور درست کرنے میں کئی ہفتے بیت گئے۔ بہت سے اوراق کرم خوردہ تھے یا ان کی سطریں وقفے وقفے سے مسلسل نہ تھیں۔ انہیں ملانے اور وہاں مناسب الفاظ جوڑنے میں جو زحمت اٹھانی پڑی اس کا بیان نہیں کر سکتا۔ اس تجربے سے فتاویٰ رضویہ کے مجاہد مرتبین کی جانکاہیوں کا قدرے اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جزائے خیر دے اور ان کی تربتیں شاداب رکھے۔ آمین! بعض ناقص عبارات کی تلاش اور درستگی میں کئی کئی دن لگ گئے۔ مہینوں کے بعد یہ مسودہ ٹائپسٹ کے حوالے ہوا۔ جناب مولانا احسن نیازی صاحب جو حلقۂ دیوبند سے تعلق رکھنے کے باوجود کافی روادار ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے یہ ناقص اور بدخط مسودہ پڑھ کر ٹائپ کیا اور بہت حد تک صحت کتابت کا خیال رکھا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ اگر وہ نہ ملتے تو مجھے پورا مسودہ اپنے قلم سے صاف کرنا پڑتا جو میرے لئے کافی صبر آزما اور وقت صرف مرحلہ تھا۔ بہر کیف! ان مسلسل جانکاہیوں کے بعد چار مہینے کے عرصے میں حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کے اس قلمی سرمائے کو منظر عام پر لانے کے قابل کیا جا سکا۔

اس مجموعۂ فتاویٰ میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں جن میں کئی ایک بہت مبسوط، مفصل اور بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں میں یہ چھ رسائل بھی ہیں:

۱- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ) اقامت میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔

۲- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ رویت ہلال کے مسائل۔

۳- تحفت الاحباب فی فتح الکوّۃ و الباب (۱۳۳۶ھ)۔ کھڑکی کا فیصلہ

۴- اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)
قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم۔

۵- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ایصال ثواب کے شرعی طریقے۔

۶- مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)۔ عرس کے جواز کا ثبوت۔

یہ وہ رسائل ہیں جو کسی استفتا کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے۔ اس لئے دراصل یہ فتاویٰ ہیں، گو اپنے حجم کی وسعت اور ضخامت کے سبب انہوں نے مستقل تصنیف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک قیمتی رسالہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صفوں میں شامل ہونے سے رہ گیا: القول الاظهر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ یہ رسالہ جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر تھا۔

یہ پورا مجموعہ گیارہ ابواب پر تقسیم ہے جن میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

Marfat.com

(۱) کتاب الصلوٰۃ ۔۳۲۔ (۲) کتاب الزکوٰۃ ۔۵۔ (۳) کتاب الصوم ۔۶۔ (۴) کتاب النکاح ۔۲۱۔ (۵) کتاب الطلاق ۔۹۔ (۶) کتاب السیر ۔۵۔ (۷) کتاب الوقف ۔۴۔ (۸) کتاب القضا ۔۱۔ (۹) کتاب الاضحیۃ ۔۸۔ (۱۰) کتاب الحظر والاباحۃ ۔۲۶۔ (۱۱) کتاب الفرائض ۔۶ =۱۲۴۔

یہ سارا سرمایہ دو رجسٹروں میں محفوظ تھا۔ ایک رجسٹر صحیح حالت میں تھا اور دوسرا خستہ۔ ان کے علاوہ کچھ بوسیدہ اوراق پریشاں بھی تھے۔ اس مجموعے کے بیشتر فتاویٰ ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ کے دوران کے ہیں جس زمانے میں ملک العلما بریلی شریف میں قیام فرماتے تھے۔ مسودات کے آغاز میں حضرت علام رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

" الحمد للہ وبہ نستعین وبحمدہ ورضاہ ظفر الدین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین عالم علوم الاولین والآخرین وعلیٰ الہ وصحبہ وعلمائہ وحزبہ لا سیما الامام الاعظم والغوث الاعظم وسائر الاولیاء والعلماء۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدھم ومولاھم وعلیھم وبارك وسلم ۔ امین!

امابعد! فقیر بارگاہ رضوی محمد ظفر الدین بہاری میجروی قادری برکاتی غفر لہ ما مضیٰ وما سیاتی ملتمس کہ یہ چند استفتامع جوابات ہیں جو بزمانہ قیام بریلی شریف میں سائلوں کے جواب میں لکھے گئے۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حنفی بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔ وما ذلك علی اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل"۔

یہ تحریریں سو سال پہلے کی ہیں اس لئے طرز املا آج سے بہت مختلف تھا۔ احقر نے اسے دور حاضر کے طرز املا کے مطابق ٹائپ کرایا ہے۔ پیراگرافنگ بھی میری ہے۔ آیات قرآنی کی تخریج کر دی گئی ہے اور جہاں ترجمہ نہیں تھا، وہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاہکار ترجمۂ قرآن کنز الایمان سے ترجمے کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ فقہی عبارات میں حوالوں کی تخریج کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ کام کافی دشوار گذار ثابت ہوا۔ بعض بعض عبارتوں نے کئی کئی گھنٹے لے لئے۔ اس لئے پھر اس کا خیال کئی وجہ سے ترک کر دیا۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا فائدہ خواص اٹھا سکتے ہیں، عوام کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور جو حضرات فقہ وافتا سے شغف رکھتے ہیں، ان کی نگاہ خود ہی ضروری مراجع پر ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کتابوں کے ایڈیشن بدلتے رہتے ہیں، اس لئے یہ حوالے خواص کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے۔ تیسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ حضرت مصنف نے جن کثیر در کثیر فقہی مآخذ کا استعمال کیا ہے، وہ ساری کتابیں تو کیا ان کا نصف بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے مہتم بالشان ادارے میں موجود نہیں۔ دراصل یہ دارالافتا کی چیزیں ہیں، شاید اسی لئے ان کی فراہمی کی جانب پوری توجہ نہیں کی گئی۔ مکمل فراہمی کتب کی ناکامی کے سبب تشنہ کامی تو بہر صورت رہتی، اس لئے میں نے باقی کتب کی تخریج کا خیال چھوڑ دیا۔ البتہ جہاں جہاں آسانی کے ساتھ حوالے مل سکے، انہیں شامل کر لیا گیا ہے، اس لئے معاملہ بالکل سوکھا بھی نہیں ہے۔

ترتیب کے بعد تقدیم، فہرست مضامین اور فہرست مآخذ تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔ تقدیم خاصی طویل ہوئی اور

Marfat.com

اس نے قریب قریب ایک مہینے کا وقت لے لیا۔اس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادے رہے:

۱- شرح عقود رسم المفتی ۔علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی

۲- مقدمۂ ردالمحتار علی الدر المختار۔علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی

۳- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (مترجم) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری۔رضا اکیڈمی ممبئ۔

۴- تاریخ التشریع الاسلامی ۔محمد خضری بک/مترجمہ عبدالسلام ندوی۔دار المصنفین ۔اعظم گڈھ

۵- الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ۔الدکتور وھبۃ الزحیلی ۔دارالفکر۔دمشق

۶- مقدمہ عمدۃ الرعایۃ حاشیۂ شرح وقایہ۔علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی ۔ فاروقیہ بکڈپو۔دہلی

۷- فتاویٰ مظہریہ۔علامہ مفتی مظہر اللہ نقشبندی۔مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد۔ادارۂ مسعودیہ۔کراچی۔

۸- آداب الافتا۔مولانا سید ظہیر احمد قادری رضوی۔بیت السادات،دودھ پور۔علی گڑھ

۹- تاریخ علم فقہ۔مفتی سید عمیم الاحسان ۔مکتبہ برہان ۔دھلی

۱۰- مقدمۂ فقہی پہیلیاں ۔علامہ ارشد القادری۔کتب خانہ امجدیہ۔دہلی

۱۱- حیات اعلیٰ حضرت ۔ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری۔قادری بکڈپو،نو محلہ ۔بریلی

۱۲- حیات ملک العلما۔پروفیسر مختار الدین احمد۔ادارۂ نعمانیہ۔لاہور

۱۳- ماہنامہ جہان رضا۔جون ۱۹۹۹ء۔مدیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ۔مرکزی مجلس رضا۔ممبئ۔

ان مآخذ کے علاوہ میرے مربی اور مشفق استاذ،فقیہ اعظم ہند شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گذارے ہوئے وہ آٹھ سالہ لمحات بھی اس راہ میں میرے رہنما رہے جن کے دوران میں نے حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

فہرست مضامین میں پہلے ارادہ تھا کہ فتاویٰ رضویہ کے جدید ایڈیشن کے طرز پر مضامین اور ضمنی مسائل کی الگ الگ فہرست تیار کی جائے لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس کا ارادہ ترک کر دیا۔اس کی دو وجہ میرے سامنے تھی:

۱- حضرت ملک العلما کا یہ ذخیرہ فتاویٰ چند سال کی کاوشوں پر محیط اور مختصر ہے اس لئے اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ذخیرے میں وہ تنوع بھی نہیں جو امام احمد رضا کا حصہ تھا۔امام احمد رضا کے یہاں تو علوم کا سمندر موج مارتا نظر آتا ہے۔وہ صرف علوم اسلامیہ سے ہی اپنے فتاویٰ میں استفادہ نہیں کرتے بلکہ معقولات،ارضیات اور فلکیات کی جملہ شاخیں ان کے وسیع ذہن میں سمٹی ہوئی تھیں۔اس لئے وہ سب سے اپنے موقف کی تائیدیں پیش کرتے اور سوالات کے گوشے اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔اس لئے وہاں ضروری ہے کہ ضمنی غیر متعلق افادات کی بھی الگ سے فہرست دی جائے تاکہ قاری آسانی کے ساتھ بھرپور استفادہ کر سکے۔فتاویٰ ملک العلما میں بھی فیض رضا کی تجلیاں پھیلی ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر رسائل کی فہرست میں ☆ دے کر اہم ضمنی مسائل کی جانب اشارے کر دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

مآخذ کی فہرست میں پورا ذخیرہ کھنگالنے کے بعد کتابوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ا۔تفسیر۔۲۔حدیث۔ ۳۔عقائد، اصول، فقہ۔۴۔سیرت، تصوف وغیرہ۔ ہر ایک خانے کی کتابیں الفبائی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔ ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی بقید سن وفات بھی درج کئے گئے ہیں۔ اس ذیل میں فتاویٰ رضویہ کے جدید لاہوری ایڈیشن سے کافی مدد ملی۔ مولیٰ تعالیٰ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہٗ کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے جزائے خیر دے جنہوں نے یہ گرانقدر سنہرا سلسلہ ترتیب واشاعت شروع کر رکھا ہے۔ اب تک کی اطلاع کے مطابق اس کی چھبیس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے علاوہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ کی فہرست کتب، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی ''اسلامی علوم فنون ہندوستان میں''، راغب طباخ کی ''تاریخ افکار وعلوم اسلامی'' اور اپنے پاس موجود دیگر کتابوں سے بھی استفادے رہے۔ پھر بھی کہیں کہیں مصنف کا نام یا سن وصال دریافت نہ ہوسکا اس لئے کافی مشقت خیزی کے باوجود تشنگی باقی رہ گئی۔

اب اخیر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جن کے تعاون اور کرم فرمائیوں کے سہارے یہ مرحلۂ سعادت اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس خصوص میں مخدوم گرامی تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ قائم مقام مفتی اعظم ہند، بین الاقوامی شہرت یافتہ بزرگ محقق پروفیسر مختارالدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے کلمات کریمہ سے اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ گرامی قدر مرتب اعزازی، نبیرۂ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب زیدکرمہٗ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر ہر قدم پر احقر کا تعاون فرمایا اور اپنی شفقتوں کے سائے میں یہ مراحل طے کرائے۔ محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی خلیفہ تاج الشریعہ کا بھی دلی شکریہ کہ انہوں نے اپنے کلمات خیر سے ناچیز کو یاد کیا۔ جناب احسن نیازی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت اپنائیت اور محنت کے ساتھ اسے کتابت کے مرحلے سے گذارا، یہ انہیں کا حصہ تھا ورنہ اس ناقص مسودے کو دوسرا ہاتھ بھی نہ لگاتا۔

ترتیب وکتابت میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ خامیاں دور دور ہی رہیں لیکن بتقاضائے بشریت سہو ممکن ہے۔ اہل نظر اپنی مخلصانہ ہدایات سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔

مولیٰ تعالیٰ میری یہ مختصر سی فقہی خدمت قبول فرمائے، اس گنہگار کے لئے سامان آخرت کرے اور اپنے محبوب بندے حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی روحانی توجہ ارزانی کا سبب بھی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی

۲۱ ربیع النور شریف ۱۴۲۴ھ/۲۴ مئی ۲۰۰۳ء بروز شنبہ، ایک بجے دن

Marfat.com

ملک العلما - ماہ وسال کے آئینے میں

نبیرۂ ملک العلما، ڈاکٹر طارق مختار
شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت، ۱۰؍محرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسملہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : ۲۵؍جمادی الآخرۃ کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک اور دارالعلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پیلی بھیت آ گئے

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے

۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری

۱۳۲۲ھ : ملک العلما کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دارالعلوم منظر اسلام کا قیام

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸؍رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الهدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس و افتا سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا

۱۳۲۵ھ : التعلیق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (فقہ) کی تصنیف

Marfat.com

۱۳۲۶ھ : دارالعلوم منظر اسلام میں درس وافتا کا آغاز

۱۳۲۶ھ : بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : المجمل المعدد لتالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : رجم الکلنزہ علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پُر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے

۱۳۲۹ھ : النبراس لدفع ظلام المنہاس (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ایما پر مدرسہ حنفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے

۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت وہیئت) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوبین، کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اطیب الاکسیر فی علم التکسیر، کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے

۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : عقد مسنون ہمراہ رابعہ خاتون بنت منشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ)

۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : صاحبزادی زرینہ خاتون کی ولادت

۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ وانساب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینہ (حدیث) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : صاحبزادی ولیہ خاتون کی ولادت

۱۳۳۴ھ : سال کے اخیر میں خانقاہ کبیریہ شہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی

Marfat.com

حیثیت سے شہر ام تشریف لے گئے

۱۳۳۴ھ : کشف الستور عن مناظرۃ رامپور، کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : گنجینۂ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : آغاز سال میں ایک صاحبزادے تولد ہوئے لیکن عالم شیر خوارگی میں انتقال ہوگیا

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : مؤذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ) (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التکسیر، کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) لی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلما (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : صاحبزادی ریحانہ خاتون کی ولادت [ربیع خاتون]

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت بہار کے زیر انتظام آگیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ پھر سینئر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے

۱۳۳۹ھ : ہادی الہداۃ لترک الموالاۃ (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۴۲ھ : صاحبزادی صفیہ خاتون کی ولادت

Marfat.com

۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتھی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف
۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف
۱۳۴۴ھ : صاحبزادی شمیمہ خاتون کی ولادت
۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف
۱۳۴۶ھ : صاحبزادی نعیمہ خاتون کی ولادت
۱۳۴۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف
۱۳۴۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی
۱۳۴۸ھ : تسہیل الوصول الی علم الاصول (فقہ واصول) کی تصنیف
۱۳۴۹ھ : نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)
۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف
۱۳۵۴ھ : نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ : الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ : الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد وکلام) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف
۱۳۵۸ھ : مشرقی اور سمت قبلہ (ہیئت) کی تصنیف
۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف
۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظما فی فضل العلما (فضائل) کی تصنیف
۱۳۶۶ھ : سد الفرار المہاجری بہار (نصائح/سیاست) کی تصنیف
۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف
۱۳۶۹ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف
۱۹۴۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے
۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے
۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف
۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

Marfat.com

۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق میتن گھاٹ، پٹنہ کی استدعا پر پورنیہ (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا

۱۳۸۰ھ : کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے

۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے ''النور والضیا فی سلاسل الاولیا'' تصنیف فرمایا

۱۳۸۲ھ : ۱۹؍جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸؍نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

Marfat.com

پیش لفظ

مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی
مرکزی دارالافتا،۸۲،سوداگران، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ میں ملک العلما حضرت علامہ مفتی محمد ظفرالدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بے مثل، ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے خصوصا فنون نادرہ ہیأت وتوقیت، ہندسہ وریاضی، جبر وتکسیر، اوفاق واعداد میں آپ کی شخصیت یکتائے روزگار تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ سولہ خانوں کے نقوش گیارہ سو طریقوں سے بھر لیتے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سولہ سو طریقوں سے یہ نقوش بھرنے کی مہارت حاصل تھی۔

یوں تو آپ کی شخصیت ایک ہیأت داں اور محدث کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے لیکن جب آپ کے فتاویٰ پر نظر جاتی ہے تو آپ فقہ واصول میں بھی بے مثل و بے نظیر نظر آتے ہیں بلکہ فقہیات کے میدان میں بھی آپ پورے طور سے امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نیابت فرماتے دکھائی دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی لکھتے ہیں:

''مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں، یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو اُن کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ ملک العلما نے بھی اسی بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے، گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیأت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔''

[فتاویٰ ملک العلما ص ۳۹]

حضرت ملک العلما کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ آداب افتا اور جزئیات فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک ممتاز فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۵۴ رسال فتویٰ نویسی فرمائی اور فقہی موضوعات پر کثیر رسالے تحریر فرمائے۔ چنانچہ خود فاضل مرتب نے اپنی تقدیم میں حضرت کے ۱۵ رفقہی رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

فتاویٰ ملک العلما کے فاضل مرتب علامہ ساحل شہسرامی زید مجدہٗ نے ملک العلما کے فقہی شہ پارے کی ترتیب کا تذکرہ ۲۰۰۳ء کے وسط میں مجھ ناچیز سے کیا تھا۔ پھر جب موصوف اپنا مرتب کردہ یہ قیمتی مجموعۂ فتاویٰ لے کر بریلی شریف آئے تو میں اس گراں قدر مجموعے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ساحل صاحب نے نہ صرف یہ کہ حضرت ملک العلما کے بہت ہی ژولیدہ خط فقہی شہ پاروں کی نہایت سلیقے سے شیرازہ بندی کی ہے بلکہ اپنی تقدیم میں وہ جواہر پارے بکھیرے ہیں جن کی قدر و قیمت کو اہل نظر بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں تیار کی گئی اس تقدیم میں حضرت ملک العلما کی

Marfat.com

حیات طیبہ، ان کے علم وفضل کا تعارف، مختلف علوم میں عبقریت، ادبی سلاست اور فقہی مہارت کے گلشن ہزار رنگ کی ایسی سیر کرائی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً فقہ وافتا کی تشریح، ان کی عہد بہ عہد تاریخ، مستند حنفی فقہا اور کتابوں کی تفصیل، فتویٰ نگاری کی تاریخ اور اس منصب عظیم کے تقاضے پر جیسی گفتگو کی ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بہت جامعیت رکھتی ہے۔

علامہ ساحل منصب افتا کے تقاضے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خداترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔'' [فتاویٰ ملک العلما، ص ۳۰]

فقیہ کے ذاتی اوصاف کے اس جامع تعارف کے بعد علمی سطح کی خصوصیتوں کا تذکرہ دس نکات کی صورت میں پیش کیا ہے جو بزرگوں کی مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے سیکڑوں صفحات کا خلاصہ ہے۔ یہ نکات ہر مبتدی شائق فقہ کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تقدیم نگار نے اس جامع تلخیص کے سلسلے میں خاص فیض اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے اٹھایا ہے۔ اس کے بعد انھیں اصول کی روشنی میں حضرت ملک العلما کی فقہی بصیرت پر بھرپور گفتگو ملتی ہے۔ وسعت نگاہ، آداب افتا کی رعایت، تفقہ، تصوف، تنقید کے ذیلی عنوانات سے ملک العلما کی فقاہت ایسی آشکار کی ہے کہ ہر قاری ملک العلما کی فقاہت کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔

اس کتاب کی گراں قدری اور مرتب کی پرخلوص محنت کا اثر ہے کہ سیدی وسندی واستاذی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ نے بطیب خاطر اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور المجمع الرضوی کے بانی شہزادۂ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد عسجد رضا خان قادری بریلوی مدظلہ العالی اور ادارے کے نگراں حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا نعیمی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اس سلسلے میں محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا اویسی اور حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری صاحبان کا تعاون بھی شامل رہا۔

اراکین ادارہ اس گراں قدر اشاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ حضرت ملک العلما کے اس فن پارے کی اہل سنت بالخصوص صاحبان افتا کے حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف، مرتب اور ادارے کے اراکین وجملہ معانین کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

Marfat.com

ساحل شہسرامی-ایک تعارف

☆ قلمی نام : ساحل شہسرامی (علیگ)
☆ نام : ارشاد احمد رضوی
☆ ولدیت : جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وصی احمد حبیبی
☆ تاریخ پیدائش : ۱۹؍ستمبر ۱۹۷۳ء
☆ مستقل پتہ : کاشانۂ برکات رضا۔ وصی منزل محلہ مدار دروازہ، شہسرام 821115
☆ موجودہ پتہ : پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور، علی گڑھ
☆ تعلیمی نسبتیں : ضیائی، مصباحی، علیگ
☆ تعلیمی اسناد : عالمیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ الحنفی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) الہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

☆ **مقالات:** دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات

☆ **فتاویٰ** : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

☆ **تصانیف وتراجم:**

تصانیف:

(۱) خاندانِ برکات کی علمی اور ادبی خدمات — مطبوعہ
(۲) تبرکات خاندان برکات — مطبوعہ
(۳) تصانیف خاندان برکات — مطبوعہ
(۴) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن-ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ — مطبوعہ

یہ کتاب امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی۔

(۵) مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی-حیات اور شاعری — مطبوعہ
(۶) تاریخ ولادت نبوی — غیر مطبوعہ
(۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ — غیر مطبوعہ

Marfat.com

(۸) خواجۂ ہند کی صوفیانہ شاعری — غیر مطبوعہ

(۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار — غیر مطبوعہ

(۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی - حیات وافکار — غیر مطبوعہ

(۱۱) امام احمد رضا اور شہسرام — غیر مطبوعہ

(۱۲) مفتی اعظم — غیر مطبوعہ

(۱۳) صدر الشریعہ — غیر مطبوعہ

(۱۴) ملک العلما — غیر مطبوعہ

(۱۵) شدھی تحریک اور حضرت صدر الافاضل — غیر مطبوعہ

(۱۶) حافظ ملت — غیر مطبوعہ

(۱۷) شارح بخاری — غیر مطبوعہ

(۱۸) حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری — زیر طبع

(۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات وخدمات — زیر طبع

تراجم:

(۱) کاشف الاستار شریف - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی — زیر طبع

(۲) النور والبہا لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا۔ سراج العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری — زیر طبع

(۳) وجود العاشقین ۔ خواجہ سید محمد بندہ گیسودراز — غیر مطبوعہ

(۴) ایم اے عربی (اے ایم یو) کی نصابی نظموں کا ترجمہ — زیر طبع

مرتبات:

(۱) مقالات شارح بخاری (تقریباً چودہ سو صفحات) — زیر طبع

(۲) اسلامی نظریۂ موت - ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی — مطبوعہ

(۳) فتاویٰ ملک العلما — مطبوعہ

☆☆☆☆☆

Marfat.com

فہرستِ مضامین

۱-	شرف انتساب	۳
۲-	تقریظ جلیل — تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری	۴
۳-	کلمات تکریم — پروفیسر مختار الدین احمد	۵
۴-	تقریب — مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی	۷
۵-	تقدیم — علامہ ساحل شہسرامی	۱۰
	☆ حیات ملک العلما	۱۰
	☆ علوم حدیث میں عبقریت	۱۳
	☆ مناظرانہ مہارت	۱۴
	☆ ہیئت توقیت میں درجہ امتیاز	۱۵
	☆ سوانحی ادب پر عبور	۱۷
	☆ تصوف سے والہانہ لگاؤ	۱۹
	☆ فقہ وافتا کی تعریف	۲۰
	☆ فقہ وافتا کی تاریخ	۲۲
	☆ فقہا کے طبقات	۲۵
	☆ کتب احناف کے طبقات	۲۶
	☆ مستند متون، شروح اور فتاوی	۲۸
	☆ فتاویٰ کی تاریخ	۲۸
	☆ منصب افتا کے تقاضے	۳۰
	☆ مفتی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے۔	۳۱
	☆ حضرت ملک العلما کی فقاہت	۳۴
	☆ کچھ ترتیب کے متعلق	۴۸
۶-	ملک العلما ماہ وسال کے آئینے میں- ڈاکٹر طارق مختار	۵۳
۷-	پیش لفظ — مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی	۵۸
۸-	علامہ ساحل شہسرامی- ایک تعارف	۶۰

Marfat.com

فتاویٰ ملک العلما

کتاب الطہارۃ - ۱

۱- نجاست سے آلودہ روئی کے کپڑے کو کیسے پاک کریں؟ ۷۷
۲- کیا کتا نجس العین ہے اور حضرت امام اعظم کے یہاں اسے بغل میں لے کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۷۷
۳- کیا ڈھیلے سے استنجا بدعت ہے؟ ۷۸
۴- عمامہ پر مسح کرنا کیسا ہے؟ ۷۹

کتاب الصلوٰۃ - ۲

۵- کیا اقامت بیٹھ کر سننی چاہئے؟ [تنویر المصباح للقیام عند حی علیٰ الفلاح، ۱۳۳۰ھ]
☆ وقت تکبیر قیام سے متعلق چھ شکلیں ہیں:
☆ (۱) ایک ہی شخص امام و مکبر دونوں ہو اور اس نے مسجد میں آ کر تکبیر شروع کی ہو۔ ۸۱
☆ (۲) ایک ہی شخص امام و مکبر ہے اور اس نے مسجد میں پہونچنے سے قبل تکبیر شروع کر دی۔ ۸۲
☆ (۳) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۳
☆ (۴) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد خلافِ جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۵
☆ (۵) امام مسجد میں قریب محراب موجود ہے۔ مقتدی بھی موجود ہیں، تکبیر شروع ہو گئی، اس وقت بعض مقتدی مسجد میں داخل ہوئے۔ ۸۶
☆ (۶) امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور مؤذن غیر امام ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اس میں مجتہدین کے پانچ قول ہیں: ۸۸
☆ قول اول: امام و مقتدی سب ختم تکبیر کے بعد کھڑے ہوں (امام شافعی وغیرہ) ۸۸
☆ قول دوم: سب قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ (امام احمد بن حنبل) ۸۹
☆ قول سوم: پہلے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ دوسرے پر نماز شروع کر دیں۔ ۹۰
☆ قول چہارم: امام مالک وقت کی تحدید نہ کی۔ مگر اکثر مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ختم کے بعد سب کھڑے ہوں۔ ۹۱

Marfat.com

☆ قول پنجم: سب حی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علی الفلاح کی ابتدا پر کھڑے ہوں (امام اعظم)
اس پر پچاس کتب دینیہ کی تصریحات۔ ۹۳
☆ مخالفین کے شبہات وخیالات کے جوابات ۹۸
۶- سجدے میں جانے کا طریقہ کیا ہے؟ ۱۰۵
۷- امام جہاں کھڑا ہوتا ہے، وہ جگہ عام صف سے چار انگل بلند ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ دہلیز اور محراب کا کیا حکم ہے؟ ۱۰۷
۸- امام نے قرأت شروع کر دی تو کیا اب مقتدی ثنا پڑھ سکتا ہے؟ ۱۱۰
۹- دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھنا کیسا ہے؟ ۱۱۱
۱۰- جمعہ کی نماز میں امام پہلی صف کے اندر بیچ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ ۱۱۲
۱۱- مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقتدی باقی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہیں اور مسافر امام کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہوا تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ ۱۱۳
۱۲- ایک امام بہرا اور مکروہ آواز ہے اور دوسرا صحیح سنتا ہے اور اچھی آواز رکھتا ہے تو ان میں کس کی امامت بہتر ہے؟ ۱۱۴
۱۳- ولد الحرام کی امامت کیسی ہے؟ ۱۱۴
۱۴- جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کرتا ہے، رفع یدین اور آمین بالجہر کہتا ہے، اس کی امامت کیسی ہے؟ ۱۱۷
۱۵- زید کا خویش قادیانی ہوگیا، زید کی لڑکی اب بھی اس قادیانی کے یہاں ہے۔ زید نے اپنے داماد سے بول چال بند کر دی ہے لیکن اپنی بچی اور اس کے بچوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس صورت میں زید کی اقتدا میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ ۱۱۸
۱۶- غیر مقلد، سنی مسجد کا امام نہیں ہوسکتا۔ (بہت نفیس بحث) ۱۱۹
۱۷- زید کے بواسیری مسّوں سے رطوبت جاری رہتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک ہی وضو سے عشاء اور تراویح کی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ امامت کرے تو کیا حکم ہے؟ ۱۲۷
۱۸- زید نے کانپور میں اقامت اختیار کی، شادی بیاہ کیا، ذاتی مکان بنایا، اولاد ہوئی پھر بچے جوان ہوئے تو آیا کانپور زید اور اس کے بچوں کا وطن اصلی ہوا یا نہیں؟ ۱۲۸
۱۹- جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہئے، اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ۱۳۰
۲۰- عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ اذان ہی نہیں، اسے تغلیباً اذان کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے اسے اقامت کی طرح مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونا چاہئے۔ اصل حکم شرعی کیا ہے؟ ۱۳۱
۲۱- خطبہ پڑھنا اور سننا سنت ہے یا فرض؟ ۱۳۲
۲۲- دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۳۳

Marfat.com

۲۳- دیہات میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ ۱۳۵
۲۴- ظہر احتیاطی کی اصل کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۳۷
۲۵- جو دیہاتی جمعہ نہ پڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟ ۱۳۹
۲۶- کیا جمعہ کی صحت ادا کے لئے سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی شرط ہے؟ ۱۳۹
۲۷- دیہات میں نمازِ عیدین جائز یا نہیں؟ ۱۴۰
۲۸- بمبئی سے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید قرباں کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۴۱
۲۹- نمازِ جنازہ میں جو چیزیں امام پڑھتا ہے، کیا مقتدی بھی وہی پڑھیں؟ ۱۴۱
۳۰- ایک مسجد آبادی کے شمالی کنارے پر ہے۔ مسجد دور ہونے اور راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ پنج وقت نمازیں باجماعت ادا کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں آبادی کے جنوبی کنارے پر نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۱۴۲
۳۱- حلال اور حرام دونوں قسم کی رقم مخلوط ہے اس سے مسجد بنوانا کیسا ہے؟ ۱۴۴
۳۲- ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ اسے کرایہ پر اٹھانا کیسا ہے؟ ۱۴۵
۳۳- مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے اور اس سے روکنے والے کا کیا حکم ہے؟ ۱۴۶
۳۴- ☆ پرانی مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟ (فارسی)
☆ زیارتِ قبور کا جواز قرآنِ حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟
☆ بے نمازی کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
☆ ضیافت میت کا شرعی حکم کیا ہے؟
☆ بے نمازی کی قبر پر جانا کیسا ہے؟
☆ گائے کی قربانی کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟ ۱۴۷

کتاب الزکوٰۃ ۳

۳۵- زید کی پونجی ایک ہزار تھی۔ ایک سال تجارت کے بعد دو سو روپے کا اسے منافع ہوا۔ زکوٰۃ کس پر فرض ہوگی؟ اصل پونجی پر، صرف منافع پر یا دونوں پر؟ ۱۴۹
۳۶- کھاس کے پولوں عشر واجب ہے یا نہیں اور اس کے مصارف کیا ہے؟ ۱۴۹
۳۷- نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰
۳۸- حضراتِ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰
۳۹- قرض دار سید زادے کا قرض، زکوٰۃ کے مال سے ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ۱۵۲

Marfat.com

کتاب الصوم ۴

۴۰- کیا روزہ رکن اسلام ہے؟ اور آیۂ کریمہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ" میں "شَهِدَ" سے کیا مراد ہے؟ ۱۵۴

۴۱- رسالۂ مبارکہ "عید کا چاند" (۱۳۷۰ھ) (ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید منانا یا روزہ رکھنا کیسا ہے؟) ۱۵۵

☆ کس وقت روزہ رکھنا فرض اور عید کرنا واجب ہے؟ ۱۵۶

☆ چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا ہر جگہ والے خود دیکھ کر روزہ اور عید منائیں یا دوسری جگہ کی رویت بھی کفایت کرے گی؟ ۱۶۰

☆ اختلاف اقوال ائمہ کی صورت میں کس پر عمل کرنا چاہئے؟ ۱۶۵

☆ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں کیا لندن میں چاند کی رویت کی خبر سے ہندوستان والے عید وغیرہ منا سکتے ہیں؟ ۱۶۹

☆ جدید اطلاعی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون وغیرہ اس سلسلے میں شرعاً معتبر ہیں یا نہیں؟ ۱۷۱

☆ کیا جمعیت العلما نے فتویٰ دے دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جاسکتی ہے، کیا یہ فتویٰ شرعاً درست ہے؟ ۱۷۵

۴۲- روافض کہتے ہیں کہ روزہ رات میں افطار کرنا چاہئے۔ اسلامی حکم کیا ہے؟ ۱۸۰

۴۳- افطار کی دعا میں سب ماضی کے صیغے ہیں۔ ان سے معنی مستقبل مراد لئے جائیں گے یا ماضی؟ ۱۸۱

۴۴- نماز اور روزے کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟ ۱۸۱

۴۵- نماز اور روزے کا فدیہ کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۸۳

کتاب النکاح ۵

۴۶- ایجاب وقبول کے دوران اگر کسی نے قبول میں صرف الحمدللہ کہا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ ۱۸۴

۴۷- چوری چھپے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس عورت سے تعلق زوجیت مشہور نہ ہو۔ ۱۸۴

۴۸- عمرو کے نکاح میں پھوپھی زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ ۱۸۵

۴۹- عمرو کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سے زید کی شادی جائز یا نہیں؟ ۱۸۶

۵۰- ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس عورت کی، پہلے شوہر سے سات برس کی لڑکی تھی اور اس شخص کا پہلی بیوی سے دس برس کا لڑکا تھا ان دونوں کے مذکورہ بیٹا بیٹی کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۱۸۶

۵۱- سگی بھتیجی بہو بیوہ سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ۱۸۶

۵۲- ایک غیر مسلم طوائف نے بغیر اسلام لائے ایک مسلمان سے نکاح کیا، اس کے ساتھ کچھ دن رہ کر اسلام لائی اور پھر بکر کے ساتھ نکاح کیا۔ کون سا نکاح صحیح ہوا؟ ۱۸۷

Marfat.com

۵۳- ایک شخص نے ایک نوجوان کو اس وعدے پر اپنے گھر میں رکھا میں تمہیں اپنا داماد بناؤں گا، تم میرے گھر کا خیال رکھو۔ مجوزہ داماد بہت قرض دار تھا اس شخص نے اس کا قرض ادا کیا اور مجوزہ داماد نے اس سے شادی کا تقاضہ کیا تو اس نے کہا کچھ رقم ہو جائے تو شادی کردوں۔ پھر وہ نوجوان اور اس کی لڑکی فرار ہو گئے۔ مقدمہ دائر ہوا اور دونوں پکڑے گئے اب یہ شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس قلاش سے نہ کر کے دوسرے سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت کرنے پر لڑکی بھی پہلے نکاح ہونے سے انکاری ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے فرار ہو کر نکاح کر لیا تھا۔ لڑکی بالغہ ہے۔ اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۸۷

۵۴- زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ پھر حلالہ کرنے کے لئے عمرو کو مقرر کیا کہ وہ نکاح کر کے صحبت کرے اور دو تین دن کے بعد طلاق دیدے۔ عمر کا اس طور سے نکاح درست ہے یا نہیں، اور وہ عورت شوہر اول زید کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟ (فارسی) ۱۹۰

۵۵- نابالغ کا نکاح باپ کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا ماں اسے روک سکتی ہے اور ولی کون ہے؟ ۱۹۱

۵۶- ولی غیر جابر نے نابالغہ بچی کا نکاح زید سے کیا۔ بلوغ کے بعد اسے فسخ نکاح کا حق حاصل یا نہیں اور کیا فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی شرط ہے؟ (فارسی) ۱۹۱

۵۷- بالغہ ہندہ کا نکاح اس کی مرضی اور اطلاع کے بغیر اس کے بھائی نے زید سے کر دیا اور ایک حیلہ سے اسے زید کے یہاں لے کر پہنچا۔ ہندہ کو جب اس رشتہ کی اطلاع ہوئی وہ فوراً زید کے یہاں سے چلی آئی۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۹۲

۵۸- زید نے نابالغہ ہندہ کی شادی اپنی ولایت میں کی۔ ہندہ کے ماں باپ حیات نہیں، نانا، نانی نے اس کی پرورش کی۔ ہندہ نے بالغ ہونے کے بعد بھی سسرال آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا، یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۱۹۳

۵۹- زید فضولی نے ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے خالد کے ساتھ ایک مجمع عام میں کر دیا۔ گواہ متعین نہ کئے۔ زید یا ہندہ کے باپ نے ہندہ سے نکاح کے پہلے اجازت لی تھی یا نکاح کے بعد اطلاع دی مگر ہندہ کو اتنی خبر تھی کہ آج خالد کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ دوسروں نے جب اسے نکاح کی خبر دی تو ہندہ چپ رہی اور خلوت صحیحہ بھی ہو گئی اس صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ (چند مفتیان کرام کے جوابات اور اخیر میں حضرت ملک العلما کا مفصل اصلاحی جواب) ۱۹۴

۶۰- اگر والدین سید لڑکیوں کا نکاح پٹھان لڑکوں سے کرادیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں اور کفائت کا کیا مطلب ہے؟ ۲۰۳

۶۱- ☆ بالغہ ہندہ نے ولی کی اجازت کے بغیر زید غیر کفو کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۲۰۴

☆ زید کی منکوحہ ہندہ کا نکاح بالجبر عمرو کے ساتھ کرانا کیسا ہے اور اس میں شریک افراد کا کیا حکم ہے؟ ۲۰۵

۶۲- ☆ عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

☆ عاقلہ بالغہ نے بذریعہ تحریر زید کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا زید نے اپنی وکالت میں اس کا نکاح عمرو سے کر کے اسے مطلع کر دیا۔ یہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟ ۲۰۶
۶۳- زید نے اپنی مطلقہ بیوی ہندہ کو کچھ زمین دَینِ مہر میں زبانی دیدی تھی، جس پر ہندہ قابض بھی ہے۔ لیکن زید اب رجسٹری سے انکار کرتا ہے۔ وہ زمین اب کس کی ہے اور زید کا انکار کیسا؟ ۲۰۷
۶۴- زید حنفی نے اپنی حنفیہ بیوی سے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا۔ بعد میں بیوی کی اطاعت سے خوش ہو کر اس نے مہر تین ہزار کر دیا۔ یہ اضافہ جائز ہے یا نہیں؟ ۲۰۷
۶۵- ہندہ نے شیر خوار بچہ چھوڑا۔ اس کی پرورش کا حق کسے ہے جب کہ اس کا باپ، دادا، دادی، نانا، نانی موجود ہیں؟ متوفیہ کا جہیز کس کی ملکیت ٹھہرے گا اور بچے کے مال کا ولی کون ہے؟ ۲۰۸
۶۶- شادی کے وقت یا شادی کے بعد عورت کو شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ جو زیورات اور ظروف دیتے ہیں، وہ کس کی ملکیت سمجھے جائیں گے؟ ۲۰۹
۶۷- پتوہ کو سسر نے عاریتاً زیور دیا، اب اس کا مالک کون ہے؟ ۲۱۰

کتاب الطلاق ۶

۶۸- زید نے تحریر کے ذریعہ معلق طلاقِ رجعی اور طلاق بائن دی تو کیا حکم ہے؟ ۲۱۱
۶۹- زید نے کچھ روپیہ لے کر ہندہ کی علیحدگی پر کورٹ میں اپنی رضامندی داخل کر دی اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۱۲
۷۰- زید نے نکاح ثانی کے ولی سے کہا ''میں اپنی پہلی بیوی کو خفیہ طلاق دے سکتا ہوں'' پھر ولی کو ایک علیحدگی جگہ لے گیا اور کہا: آپ کسی پر یہ طلاق دینا ظاہر نہ کیجئے۔ لیکن اس نے وکیل سے کہہ دیا۔ ولی اور وکیل نے زید سے پوچھا: کام ہو گیا؟ اس نے کہا ہاں! کام ہو گیا الخ۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ ۲۱۳
۷۱- اگر شوہر بیوی سے کہے ''تو میری ماں میں تیرا بیٹا'' تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ۲۱۴
۷۲- زید نے اپنی بیوی سے کہا ''تجھ کو رکھو تو اپنی ماں کو رکھوں'' ظہار ہوا یا نہیں؟ ۲۱۵
۷۳- کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے ''اگر تو نکاح کرے تو تو ماں ہے'' اس سے نکاح کے بعد ظہار ہوگا یا نہیں؟ ۲۱۶
۷۴- اگر شوہر کا عنین ہونا تحقیق سے معلوم ہو تو نکاح فسخ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ (فارسی) ۲۱۷
۷۵- کنوارے مرد اور عورت نے زنا کیا تو ان کی سزا کیا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ ۲۱۷

کتاب السیر ۷

۷۶- ایمان اور کفر کی حقیقت کیا ہے، کفر کی کتنی صورتیں ہیں، کوئی مسلمان کافر کب ہوتا ہے؟ ۲۱۹
۷۷- دار الحرب اور دار الاسلام کسے کہتے ہیں اور ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب؟ ۲۲۱

Marfat.com

۷۸- زید نے کہا ''تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے''؟ اس کا کیا حکم ہے؟ ۲۲۲
۷۹- ہندوؤں کے ساتھ موالات اور ان کی خاطر گائے کی قربانی ترک کرنا کیسا ہے؟ ۲۲۴
۸۰- ☆ وہابی کسے کہتے ہیں، وہ شرعاً کافر ہیں یا بے دین؟ ۲۲۸
☆ وہابیوں سے میل جول رکھنا کیسا ہے وغیرہ وغیرہ؟ ۲۲۹
۸۱- ترکِ موالات اس وقت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں اور حرمین طیبین کو انگریزوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟ ۲۳۱

کتاب الوقف ۸

۸۲- ہندو زمیندار کی زمین پر اس کی اجازت سے بنائی گئی مسجد، مسجد ہے یا نہیں؟ ۲۳۵
۸۳- طوائف عورتوں کی بنوائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد ہیں یا نہیں؟ ۲۳۶
۸۴- ایک جگہ، قبرستان کے لئے وقف ہے لیکن اب وہاں تدفین نہیں ہوتی۔ وہاں مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۷
۸۵- چار بھائیوں نے اپنی موروثی جائداد والدین کے فاتحہ، قرآن خوانی اور مفلس رشتہ داروں کی امداد کے لئے وقف کر دی۔ بعد میں کورٹ میں مقدمہ کیا کہ چونکہ اس میں مفلس عزیزوں کی تنخواہ کا بھی معاملہ ہے لہٰذا یہ وقف نہیں۔ تو ایسی جائداد شرعاً وقف سمجھی جائے گی یا نہیں؟ ۲۳۸

کتاب القضا ۹

۸۶- رسالہ مبارکہ " تحفة الاحباب فی فتح الكوة والباب "(١٣٣٦ھ) ۲۳۹

کتاب الاضحیۃ ۱۰

۸۷- ☆ بندوق سے " بسم الله الله اكبر " کہہ کر شکار کیا۔ ذبح کرنے سے پہلے شکار مر گیا، اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ ۲۷۲
☆ کھٹک ہندو بکری کا گوشت بیچتا ہے۔ مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے۔ کھٹک وہیں سے لے جا کر گوشت فروخت کرتا ہے ایسی صورت میں اس سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟ ۲۷۲
☆ زید زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن پھر بھی بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ ۲۷۳
۸۸- اگر کوئی مسلمان بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ (فارسی) ۲۷۳
۸۹- ☆ بتوں پر چھوڑے جانور کو خرید کر قربانی کرنا یا اس کا گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟
☆ کسی مسلمان نے دوسرے کو اپنا جانور یہ کہہ کر دیا کہ اسے لے جاؤ اور اپنے نام سے قربانی کر لو تو اس کا ثواب کس کو ملے گا، قربانی کرنے والے کو یا جانور دینے والے کو بھی؟
☆ عقیقہ کی مدت کس عمر تک ہے؟ جوانی میں کسی کا عقیقہ ہو تو کیا اس کے سر کے بال بھی اتارے جائیں گے؟ ۲۷۵
۹۰- ☆ نمازی اگر غیر نمازی کے ساتھ مل کر قربانی کرے تو نمازی کے ثواب میں کوئی کمی تو نہ ہوگی؟

Marfat.com

☆ حضور نے ایک چتکبرا مینڈھا ساری امت کی جانب سے قربانی کیا تو پھر چند امتی ایک خصی میں حصہ دار کیوں نہیں بن سکتے؟ ☆ ختنہ وغیرہ کی دعوت میں شرکت کیسی ہے؟ ☆ قاضی کو نکاح خوانی کا نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ☆ اجنبی شخص جس نے دلہن کو دیکھا بھی نہیں اور نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، اس کی شہادت پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۷۶
۹۱- قربانی کی کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۲۷۸
۹۲- قربانی کی کھال کی قیمت سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور " یتصدق بجلدها "میں صدقۂ واجبہ مراد ہے یا صدقۂ نافلہ؟ [اعلام الساجد بصرف جلود الاضحية فی المساجد، ۱۳۲۵ھ] ۲۷۹
۹۳- قربانی کی کھال بیچ کر مدارس کے مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۹۰
۹۴- ☆ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کی رقم مدارس میں براہِ راست صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں؟
☆ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟
☆ ہندہ کا زید سے ناجائز تعلق ہوا اور حرام حمل بھی ٹھہر گیا، اسی حالت میں ان دونوں کا نکاح کرا دیا گیا۔ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ ۲۹۱

کتاب الحظر والاباحۃ ۱۱

۹۴- حدیث شریف " لولاك لما خلقت الافلاك "کس کتاب میں ہے؟ ۲۹۳
۹۵- کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ ۲۹۶
۹۶- کیا حضور کو علمِ غیب ہونا قرآن حکیم سے ثابت ہے؟ ۲۹۸
۹۷- حضور کے علم کو ازلی یا ابدی کہنا درست ہے یا نہیں؟ ۲۹۹
۹۸- اگر حضور کو علم غیب تھا تو حدیث جبریل میں " ماالمسئول عنها اعلم من السائل "کا کیا مطلب ہے؟ ۲۹۹
۹۹- کیا ایک دن میں کئی ختم قرآن کر سکتے ہیں؟ ۳۰۱
۱۰۰- ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں؟ ۳۰۱
۱۰۱- حقوق اللہ، حقوق العباد پر مقدم ہیں یا نہیں اور باپ کو ناراض کر کے منازل سلوک طے کرنا کیسا ہے؟ باپ کا اس کو اذکار و اشغال سے روکنا خطا ہے یا نہیں؟ ۳۰۳
۱۰۲- جو ہندو مسلمان ہونے کے ارادے سے قرآن حکیم پڑھنا چاہتا ہے، اسے قرآن پڑھانا کیسا ہے؟ ۳۰۹
۱۰۳- محمد، احمد دونوں اسمِ گرامی کی اسلامی فضیلت کیا ہے؟ ۳۱۰
۱۰۴- عالمِ خواب میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ ۳۱۱
۱۰۵- مرشد سے توجہ لینا، ہاتھ پیر چومنا، مکاشفہ کا قائل ہونا، اجرت پر وعظ کہنا، میلاد شریف پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۱۲
۱۰۶- مداریہ سلسلہ میں بیعت ہونا کیسا ہے اور کیا یہ سلسلہ متصل ہے؟ جاہل سے بیعت کیسی ہے اور کیا سید

Marfat.com

سے بیعت ہونا افضل ہے؟ ۳۱۷
۱۰۷- فاتحۂ مروجہ جائز ہے یا نہیں؟ ۴۸۶
۱۰۸- ایصال ثواب کا شرعی طریقہ کیا ہے اور کیا یہ طریقے زمانۂ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج تھے؟
[رسالۂ مبارکہ "نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب" ۱۳۵۴ھ] ۳۲۰
☆ جواب سوال اول: قرآنِ حکیم، احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت۔ ۳۲۱
☆ قرآنِ حکیم میں ایصال ثواب کے طریقے: ۳۲۷
☆ اول: مغفرت کی دعا کرنا ۳۲۷
☆ دوم: ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم وکرم چاہنا۔ ۳۳۰
☆ سوم: میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا۔ ۳۳۲
☆ چہارم: مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں ٹھہر کر اس کے لئے دعائے خیر کرنا۔ ۳۳۴
☆ دعا کرتے وقت چند چیزوں کا اہتمام کریں: ۳۳۵
☆ اول: قرآن شریف کی کچھ سورتیں یا آیتیں پڑھیں۔ ۳۳۵
☆ دوم: اول آخر درود شریف پڑھیں۔ ۳۳۸
☆ سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل خیر کریں تا کہ رحمت الٰہی متوجہ ہو۔ ۳۴۰
☆ جوابِ سوال دوم: احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے: ۳۴۰
☆ پہلا طریقہ: سورہ یٰس شریف پڑھنا۔ ۳۴۱
☆ دوسرا طریقہ: میت کو بوشہ دینا۔ ۳۴۱
☆ تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا۔ ۳۴۷
☆ چوتھا طریقہ: کفن پر کوئی آیت یا دعا لکھنا۔ ۳۵۱
☆ پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت خوبیاں بیان کرنا۔ ۳۵۴
☆ چھٹا طریقہ: نماز جنازہ پڑھنا۔ ۳۵۵
☆ ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کے پڑوس میں دفن کرنا۔ ۳۵۶
☆ آٹھواں طریقہ: قبر تیار ہو جائے تو کوئی پرہیز گار شخص قبر میں تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی آیت یا دعا پڑھے۔ ۳۵۹
☆ نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا۔ ۳۶۱
☆ دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔ ۳۶۳
☆ گیارہواں طریقہ: نکیرین کے سوال کے وقت میت ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ ۳۶۵
☆ بارہواں طریقہ: بعد دفن قبر پر اذان دینا۔ ۳۶۷
☆ تیرہواں طریقہ: قبر پر کھجور کی شاخ یا کوئی سبز چیز رکھنا۔ ۳۶۹

Marfat.com

☆ چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سرہانے سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور پائینتی آخر رکوع پڑھنا۔ ۳۷۹
☆ پندرہواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے۔ ۳۸۰
☆ سولہواں طریقہ: زیارت قبور کرنا کہ اس سے میت انس حاصل ہوتا ہے۔ ۳۸۱
☆ سترہواں طریقہ: رات کے آخری حصہ میں قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا۔ ۳۸۳
☆ اٹھارہواں طریقہ: جمعرات، جمعہ کے دن خاص طور سے والدین اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرنا۔ ۳۸۵
☆ انیسواں طریقہ: سال بہ سال متعین دن میں قبروں کی زیارت کو جانا۔ ۳۸۷
☆ بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا۔ ۳۸۹
☆ اکیسواں طریقہ: قرآن حکیم پڑھ کر اس کا ثواب بخشنا۔ ۳۹۱
☆ بائیسواں طریقہ: نماز روزہ کا ثواب میت کو بخشنا۔ ۳۹۴
☆ تیئسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر میت کی طرف سے وقف کرنا۔ ۳۹۶
☆ چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔ ۳۹۷
☆ پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا۔ ۴۰۰
☆ جوابِ سوال سوم: حضرات صحابہ نے ایصالِ ثواب کے کون سے طریقہ اختیار کئے؟ ۴۰۲
☆ جواب سوال چہارم: فقہ حنفی میں ایصال ثواب کا طریقہ۔ امام اعظم کی وصیت ۴۱۲
☆ ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ ۴۱۳
۱۰۹- عرس کا شرعی حکم کیا ہے؟ [مواهب ارواح القدس لكشف حكم العرس، ۱۳۲٤ھ] ۴۲۱
☆ سند اول و دوم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے بدر کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ ۴۲۳
☆ اس حدیث پر مولوی اسحاق صاحب کے شبہے کا مفصل اور مسکت جواب۔ ۴۲۴
☆ سند سوم: تعیین اور تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے: شرعی اور عادی۔ ۴۳۱
☆ سند چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور صلحائے امت سبھی امور خیر کے لئے مخصوص دن مقرر فرماتے آئے ہیں۔ صوم دوشنبہ، جہاد اور وعظ کے لئے پنج شنبہ، درس کے آغاز کے لئے چہار شنبہ کی تعیین ملتی ہے۔ ۴۳۲
☆ سند پنجم: اصل اشیا میں اباحت ہے۔ ۴۳۴
☆ مولوی اسحاق کی عبارت ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست'' کا علمی محاسبہ۔ ۴۳۶
☆ سند ششم: عرس کو سواد اعظم مستحسن سمجھتا ہے۔ ۴۳۸
☆ سند ہفتم: مخالفین کے مستند اصحاب علم کی عبارتوں سے عرس کے جواز کی تائید۔ ۴۳۸
☆ سند ہشتم: حرمین شرفین کے علما کا تعامل اس کا موئد ہے۔ ۴۳۹
☆ سند نہم: ''احب الاعمال الى الله ادومها'' سے استناد۔ ۴۴۰

Marfat.com

☆ سند دہم: عرس کا انعقاد عامۂ اہل اسلام کا عرف ہے جو شرعاً ایک قوی دلیل ہے۔ ۴۴۱
☆ تاثیر عرف کی متعدد نظیریں۔ (تلفظ نیت، تثویب، خطبے میں خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر، سلطان اسلام کے لئے دعا، اذان کے بعد تسلیم، نماز عصر کے بعد مصافحہ، قرآن حکیم کی تزئین، مسجد کی آرائش، ختم تراویح میں دعا اور تین بار سورہ اخلاص کی قراءت، میلاد شریف کی مروجہ محفلیں، قیام وسلام، تقلید شخصی) ۴۴۳
☆ عرس میں منہیات شرعیہ بہر صورت حرام ہیں۔ اسے بقدر استطاعت روکنا واجب۔ ۴۴۹
☆ زیارت قبور شرعاً مستحب ہے۔ ۴۵۲
۱۱۰- جواز فاتحہ کے دلائل اور ایک تحریر کا رد۔ ۴۵۴
۱۱۱- تعزیہ بنانا، اس پر مہندی، مالیدہ، کھچڑا وغیرہ چڑھانا اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ ۴۶۳
۱۱۲- ☆ تعزیہ مروجہ بنانا اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے؟ ۴۶۳
☆ تندرست و توانا شخص جو صاحب نصاب بھی ہے، گداگری کرتا ہے۔ اس کی امامت کیسی ہے؟ ۴۶۶
☆ محفلِ وعظ ختم ہونے کے بعد سامعین کا عالمِ دین سے مصافحہ کرنا مسنون ہے یا بدعت؟ ۴۶۸
☆ جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں دوسروں کا جانا یا وہاں موجود لوگوں کا کہیں اور بھاگنا کیسا ہے نیز اس کے چھوت کی بیماری ہونے پر اعتقاد رکھنے کا کیا حکم ہے؟ ۴۷۱
۱۱۳- طاعون کی جگہ جانا یا وہاں سے بھاگنا کیسا ہے؟ ۴۷۱
۱۱۴- مزاراتِ اولیا کی توہین گناہ ہے یا نہیں؟ ۴۷۲
۱۱۵- ☆ کسی زیارت پر چادر چڑھانا اور سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ☆ میلاد شریف پڑھنا اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنا کیسا ہے؟ ☆ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ ☆ شیخ سدو کا بکرا پالنا اور کھانا کیسا ہے؟ ۴۷۳
۱۱۶- فرنچ کٹ داڑھی رکھنے والا فاسق ہے یا نہیں؟ ۴۷۵
۱۱۷- حنفی کو شافعی یا مالکی مذہب اختیار کرنا کیسا ہے؟ ۴۷۶
۱۱۸- ہندوؤں کو سلام کرنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۴۷۶
۱۱۹- روافض کے گھر کھانا پینا کیسا ہے؟ ۴۷۷
۱۲۰- کیا آیت کریمہ میں ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر بے قاعدگی سے پڑھنے سے شیطان کا نام آجاتا ہے؟ ۴۷۷
۱۲۱- باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے تو قد افلح میں الف کیوں ساقط ہوسکتا ہے؟ ۴۷۸

کتاب الفرائض ۱۲

۱۲۲- کیا متوفیہ ہندہ کی تجہیز و تکفین اور فاتحہ سوم و چہلم کے مصارف اس کی متروکہ جائداد سے ادا کیے جائیں گے؟ ۴۸۱
۱۲۳- ہندہ نے مرنے سے پہلے مکان اپنے بیٹے زید کو ہبہ کردیا تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ ۴۸۱

Marfat.com

۱۲۴- زید نے اپنے ورثہ میں دولڑکے، ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا۔ اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ ۴۸۳
۱۲۵- حکیم نظام الدین نے چار لڑکے ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ ۴۸۴
۱۲۶- متوفی زید سنی کے ورثہ شیعہ ہیں۔ تو زید کا ترکہ اس کے شیعہ وارثین کو بھی ملے گا یا نہیں؟ ۴۸۵
۱۲۷- زید نے اپنے حقیقی بھائی وارثِ شرعی کو محروم کرنے کے لئے بینک میں جمع شدہ رقم ایک غیر وارث کے نام ہبہ کردی اور اس کی دستاویز بھی لکھ دی لیکن وہ رقم موہوب لہ کو وصول نہ ہوئی۔ اب اسے بھائی کی حق تلفی کا خیال آیا تو وہ یہ ہبہ فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟ ۴۸۸

ضمیمہ

۱۲۸- فرائض ونوافل میں سورۂ فاتحہ یا کسی سورت کے دوبار پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ ۴۹۰
۱۲۹- حضور کے وصال کے بعد کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ تشریف لاکر حسنین کریمین کے اصرار پر اذان دی؟ اور آپ کا وصال کہاں ہوا؟ ۴۹۲
۱۳۰- مسجد کی کمزور عمارت کو شہید کرکے نئی عمارت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ ۴۹۳
۱۳۱- ☆ شوہر نے بیوی سے کہا: تم میرا کہنا مانو، نہ مانوگی تو تمہیں طلاق دیتا ہوں، پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں پھر زوجہ کی سخت کلامی پر کہا تم پر طلاق ہے، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟
☆ قربانی کی کھال وغیرہ کی قیمت مسجد میں نذر کرسکتے ہیں؟
☆ قربانی کا جانور قرض کی رقم میں محسوب کرکے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟
☆ کیا قصاب کی اجرت قربانی سے پہلے ہی متعین کرلینی چاہیے؟ ۴۹۳

کتابیات

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر
[۱۳۴۹ھ]

فتاویٰ ملک العلما

ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہٗ

Marfat.com

Marfat.com

کتاب الطہارۃ ۱

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از اعظم گڑھ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ
روئی کا کپڑا نجاست سے ناپاک ہو جائے تو کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا و الباطل باطلا۔ جس طرح بے روئی کا نجس کپڑا نجاست سے پاک کیا جاتا ہے ویسے ہی روئی کا کپڑا بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر لائق نچوڑنے کے ہو تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اتنا نچوڑنے سے کہ قطرہ نہ ٹپکے، پاک ہو جائے گا اگر نجاست مرئیہ نہ ہو۔
شرح وقایہ میں ہے: "وعما لم یر اثرہ بغسلہ ثلثا و عصرہ فی کل مرۃ۔"
عالمگیریہ میں ہے: "وان کانت غیر مرئیۃ یغسلھا ثلث مرات کذا فی المحیط۔" اور اگر نجاست مرئیہ ہو تو زوال عین سے پاک ہو جائے گا۔
وقایہ میں ہے: "عن نجس مرئی بزوال عینہ ھکذا فی الغلمگیریۃ۔"
اور اگر نچوڑنے کے لائق نہ ہو تو ہر بار خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ دھوئیں۔
ہندیہ میں ہے: "وما لا ینعصر یطھر بالغسل ثلث مرات و التجفیف فی کل مرۃ لان للتجفیف اثرافی استخراج النجاسۃ وحد التجفیف ان یخلیہ حتی ینقطع التقاطر و لا یشترط فیہ الیبس ھکذا فی التبیین" ۱۲ مختصرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحب کتے کو نجس العین بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ درمختار میں حضرت امام اعظم نے کتیا کے پلے کو بغل میں دبا کر نماز پڑھنا جائز لکھا ہے؟

Marfat.com

الـــــجـــــواب

یہ اس شخص کا افترا محض ہے۔ نہ درمختار امام اعظم کی تصنیف ہے، نہ اس قائل کو جواز فعل وصحت عمل مع عدم جواز الفعل میں تمیز ہے۔ جواز بمعنی صحت و بمعنی اباحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اول ہرگز مستلزم ثانی نہیں۔ بہت افعال کہ مکروہ تنزیہی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں، منافی صحت نماز نہیں ہوتے۔ تو نماز ان افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح ومسقط فرض۔ مگر وہ فعل جائز مباح نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند۔ ہمارے علماء کہ محل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز جانتے ہیں جواز بمعنی صحت میں کلام فرمارہے ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ بے ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ وناپسند نہیں۔ غیر مقلدین وہابیہ کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہ کرام حصھم اللہ باللطف العام میں شمار کرنا محض سفاہت وبے عقلی ہے۔ حضرات صاحبین اور ان کے موافقین رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کتا نجس العین ہے۔ اور طاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظیم مطلقا ان صورتوں میں نماز فاسد بتاتے ہیں۔ رہے قائلین طہارت، وہ بھی اسائت وکراہت کی تصریح کرتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت وحاجت خواہ اپنی نادانی وجہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس میں معاذ اللہ کیا طعن ہے؟ ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہئے یا کرے تو کوئی ناپسندیدہ نہیں تو ایک بات تھی۔ مگر جانتا ہوں وہ اس تہمت سے پاک ومنزہ ہیں وللہ الحمد۔

بالجملہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جانور، سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح ومعتمد وموید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔

امام ابوالبرکات محمود نسفی کافی میں فرماتے ہیں: الکلب لیس بنجس العین۔

حلیہ میں ہے: ”کون الکلب لیس بنجس العین وھو المرجح فی المختصر والھدایۃ والوقایۃ والنقایۃ والمختار والکنز والوافی والاصلاح ونور الایضاح والملتقیٰ والتنویر۔ کل اھاب دبغ فقد طھر الا جلد الخنزیر والادمی فمقتضیٰ ھذہ الکلیۃ طھارۃ جلد الکلب بالدباغ۔ ھکذا فی مجمع الانھر ومتنہ ملتقیٰ الابحر وجامع الرموز ومراقی الفلاح والتیسیر والبزازیۃ والدر المختار وغیر ذلک من معتمدات الاسفار۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از میرٹھ مقام اکلہ رسول پور مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیا ارشاد ہے علما کا اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین جو بعد پیشاب، مدام پانی سے استنجا پاک کیا کرتے ہیں اور ڈھیلے سے بدعت بتاتے ہیں، یہ قول وفعل ان کا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

Marfat.com

الـــــجـــــــــــواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عادت مختلف تھی۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

''مرن ازواجکن ان یستطیبوا بالماء فانی استحییھم فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہ۔''

تم اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجا کیا کریں پس میں ان سے کہنے سے شرماتی ہوں۔پس تحقیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے بعد استنجا پانی سے فرمایا کرتے۔رواہ احمد والترمذی والنسائی۔

ابوداؤد،ابن ماجہ میں انہیں سے مروی:''قالت بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام عمر خلفہ بکوز من ماء فقال ما ھذا یا عمر؟ فقال ماء تتوضؤ بہ قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت لکان سنۃ۔''

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی لے کر کھڑے ہوئے۔فرمایا: اے عمر کیا ہے؟ عرض کیا کہ استنجاء کے لئے پانی ہے۔فرمایا مجھ پر واجب نہیں کیا گیا ہے کہ طہارت کروں ہر پیشاب کے بعد پانی سے اور اگر ایسا کروں تو بلاشبہ سنت ہوجاوے۔ المراد بالوضوء ھھنا الاستنجاء بالماء کما ذکرہ النووی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈھیلے سے استنجاء کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے استنجا فرماتے۔محض پانی سے استنجا کرنے میں حرج نہیں البتہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کو بدعت بتانا غلط ہے اور سفاہت ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔ہندیہ میں ہے:''الافضل ان یجمع بینھما''۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ مرسلہ جناب مذکور الصدر صاحب

غیر مقلدین وضو میں بلا عذر اگر مسح سر کیا کرتے ہیں عمامہ پر اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں ثابت ہے۔کیا رسول خدا نے گاہے کسی عذر سے ایک دوبار یا بلا عذر، اکثر فعل ہذا بنوع مسطورہ ادا کیا ہے؟ اور یہ حدیث کس پائے میں ہے؟ اور نیز مذکور ہذا حدیث کس کتاب میں ہے اور حنفی کرام کو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الـــــجـــــــــــواب

غیر مقلدین کا محض عمامہ پر مسح کرنا محض جہالت ہے۔ہرگز ہرگز مسح کرنا جائز نہیں۔اگر کرے گا وضو نہ ہوگا۔نماز مشروط بشرط وضو ہے۔جب وضو ہی نہیں ہوا، نماز بھی نہیں ہوگی۔

خلاصہ پھر فتاوی عالمگیریہ میں ہے:" ولا یجوز المسح علی القلنسوۃ والعمامۃ وکذا لو مسحت

Marfat.com

المرأة على الخمار الا انه اذا كان الماء متقاطرا بحيث يصل الماء الىٰ الشعر فح يجوز ذلك عن الشعر۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے:"والمرأة اذا مسحت علىٰ اخمارها لا يجوز الا اذا كان دقيقا ينفذ الماء فيه فبلغ ربع راسه كذا فى السراجية والغنية والخانية۔"

اقول اور بر ظاہر کہ آدمی کس طرح عمامہ پر مسح کرے؟ سر میں تری تک محسوس نہیں ہوسکتی فضلا ان يبلغ ربع راسه۔

رہی حدیث، جومروی ہے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے:" قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح علىٰ عمامته وخفيه۔"سواس کے یہ معنی ہیں کہ سر پر تحت عمامہ کے مسح فرما کر عمامہ پر ہاتھ گذرانا۔

قسطلانی میں ہے:" يمسح علىٰ عمامة بعد مسح الناصية ويدل عليه حديث ابى داؤد عن انس رضى الله عنه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه۔'ث

علاوہ بریں اولاً حدیثِ مسح عمامہ کی محتمل اور نہیں چھوڑا جاتا متیقن بوجہ محتمل کے۔

ثانیا اللہ تعالیٰ نے حکم مسح سر کا دیا ہے نہ مسح عمامہ کا۔ اور حدیث مسح عمامہ کی آحاد ہے۔ جس سے زیادتی کتاب پر جائز نہیں اور نہ وہ اس کا ناسخ ہوسکے۔ كما هو مبرهن فى فن الاصول اور یہی مذہب ائمہ وعلماء کا ہے اور یہی قول سفیان ثوری و مالک بن انس و ابن مبارک و امام شافعی وحضرت امام الائمہ، سراج الامۃ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الصلوٰۃ ۲

تنویر المصباح للقیام عندحی الفلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ مذہب احناف کیا ہے۔ مدلل ارشاد ہو۔

(محمد سلیمان قادری)

الجواب

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ فاقول باللہ التوفیق۔

شکل اول: امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) درمختار میں ہے:"اذااقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظہیریۃ"۔ "فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کر لے"۔

(۲) فتاوی عالمگیریہ میں ہے:"وان کان المؤذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامۃ"۔ "اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہو جائے"۔

(۳) فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملامسکین میں ہے:"ھذا اذا کان المؤذن غیر الامام وان اتحدوا اقام فی المسجد اجمعوا ان القوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامۃ"۔ "(حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت

Marfat.com

ہے جب امام اور موذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اجماع ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس تصریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکبر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا امام اور مکبر تو کھڑا ہو اور ہم بیٹھے رہیں، یہ خلاف تعظیم مکبر ہے اس لئے ہم مکبر کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جدّت اور اجتہاد محض تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) جامع الرموز میں ہے،''لو کان الامام موذناً لم یقم القوم الاعند الفراغ وھذا اذا اقام فی المسجد''۔''اگر امام خود مکبر ہو تو جب مسجد میں آ کر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

(۵) بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:''ھذا کلہ اذا کان الموذن غیر الامام فان کان واحد او اقام فی المسجد فالقوم لایقومون حتیٰ یفرغ من الاقامۃ''۔'' یہ(حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا) اس وقت ہے جب موذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے، مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔

(۶) ملتقی الابحر اور اس کی شرح (۸) مجمع الانہر میں ہے:''وفی القھستا فی نقلا عن المحیط۔''لو کان الا مام موذناً لم یقم القوم الا عندالفراغ''۔''اگر امام ہی مکبر ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔ واللہ اعلم۔

شکل دوم: امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو، جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے:''والافقد قاموا اذا دخلہ کما فی المحیط''۔

''اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آ کر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دی تھی تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے''۔

Marfat.com

(۳) فتح اللہ المعین میں ہے:''وان خارجه قام كل صف ينتهى اليه الامام''۔''اگرامام اورموذن دونوں ایک ہی شخص ہواورامام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر شروع کردی تو جس جس صف کے سامنے امام گزرتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوجائیں''۔

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:''و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علیٰ انهم لا يقومون مالم يدخل الامام فى المسجد''۔''اگرامام وموذن دونوں ایک ہی شخص ہواورامام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر کہنی شروع کردی تو مقتدی اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو''۔

(۵) درمختار میں ہے:''وان خارجه قام كل صف ينتهى اليه، بحر''۔''اگرامام نے تکبیر خارج مسجد ہی سے شروع کردی تو جیسے جیسے صفوں کے سامنے امام آتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ یہ بحرالرائق میں ہے''۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل سوم: امام اورموذن دوشخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آرہا ہے تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہوجائیں، نہ جب موذن حی علی الفلاح کہے بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں اس وقت کھڑے ہوں۔

(۱) شرح بخاری وفتح الباری شرح بخاری میں ہے:''واذا لم يكن الامام فى المسجد فذهب الجمهورالى انهم لا يقومون حتى يروه''۔''تکبیر شروع ہوئی اورامام مسجد میں نہیں تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ مقتدی جس وقت تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں''۔

اور یہی حدیث بخاری ومسلم شریف سے ثابت ہے:''عن ابى قتادة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوٰة فلاتقوموا حتى ترونى''۔''جب اقامت کہی جائے (اور میں مسجد میں موجود نہ ہوں) تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ یہ مذہب متفق علیہ تمام ائمہ وعلما کا ہے''۔

(۵) التعليق الممجد میں ہے:''وقال ابو حنيفة واصحابه اذالم يكن معهم الامام فى المسجد فانهم لايقومون حتىٰ يروا الامام لحديث ابى قتادة عن النبى صلى الله عليه وسلم اذااقيمت الصلوٰة فلا تقوموا حتى ترونى وهو قول الشافعى و داؤد''۔''امام ابوحنیفہ اوران کے شاگردوں نے

Marfat.com

فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور یہی قول شافعی اور داؤد کا ہے''۔

(۶) درمختار میں ہے:''وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیه''۔''تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے، باہر سے آگے کی طرف سے آ رہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں''۔

(۷) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما راؤ االامام''۔''اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں''۔

(۸) بدائع الصنائع میں ہے:''فان کان خارج المسجد لایقومون مالم یحضرلقول النبی صلی الله علیه وسلم ''لاتقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت ''وروی عن علیٰ رضی الله عنه '' انه دخل المسجد فرایٰ الناس قیاماً ینتظرونه فقال مالی اراکم سامدین ای واقفین متحیرین'' ولان القیام لاجل الصلوٰة ولا یمکن اداء هابدون الإمام فلم یکن القیام مفیدا ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکمارا وه قاموا لانه کما دخل المسجد قام مقام الامامة''۔''پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے: مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں''۔

اس لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا امامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

(۹) تبیین الحقائق وشرنبلالیہ میں ہے:''دخل من قدام وقفوا حین یقع بصر هم علیه''۔''اگر امام مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں''۔ هکذا فی فتح الله المعین والخلاصة والطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح۔ والله تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

شکل چہارم: امام و موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: ''والافیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علیٰ الاظھر''۔''ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں''۔

(۲) دوالمحتار میں علامہ شامی فرماتے ہیں: ''قولہ والاای وان لم یکن الامام بقرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد او خارجہ و دخل من خلف''۔ ح ۔''اوراگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ ہے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی''۔

(۳) ایسا ہی علامہ حلبی شارح درمختار نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) فتاوی ہندیہ میں ہے: ''فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکما جاوز صفا قام ذالک الصف والیہ مال شمس الائمہ الحلوائی والسرخسی و خواھر زادہ''۔لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔اسی کی طرف شمس الائمہ حلوائی، سرخسی، اور خواہرزادہ کا میلان ہے''۔

(۵) بدائع الصنائع میں ہے: ''وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفاقام ذالک الصف لانہ صار بحال لو اقتد وابہ جاز فصار فی حقھم کانہ ا خذ مکانہ''۔''اوراگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی ۔کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو جائز ہے تو ان کے حق میں ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا''۔

(۶) تبیین الحقائق میں ہے: ''و ان لم یکن الامام حاضراً لا یقومون حتیٰ یصل الیھم ویقف مکانہ فی روایۃ وفی اخریٰ اذا اختلط بھم وقیل یقوم کل صف ینتھی الیہ الامام وھو

Marfat.com

الاظھــر"۔''اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے، مقتدی سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے''۔

(۷) شرنبلالیہ میں ہے:''والافیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر"۔''اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آرہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے''۔

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے:''فـان لـم یـکـن وقف کل صف انتھیٰ الیہ الامـام علیٰ الاصح خلاصہ وفی الزیلعی وھوا لاظھر"۔''پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آرہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ یہ اظہر ہے''۔

(۱۱) بحرالرائق میں ہے:''والافیـقـوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر"۔''اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے''۔

(۱۲) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح:''قـولـہ یـقـوم کـل صف الخ وفـی عبـارۃ بعضھم فکلما جـاوز صـفـا قام ذلك الصف"۔''بعض فقہا کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے، وہ صف کھڑی ہو جائے''۔ واللہ اعلم۔

شکل پنجم: امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چلی، بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علیٰ الفلاح پر پہونچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:''واذادخل الرجل عند الاقامة یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ الموذن حی علیٰ الفلاح کذا فی (۲) المضمرات"۔" ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حی الفلاح پر پہونچے تب وہ

Marfat.com

کھڑا ہو۔اسی طرح مضمرات میں ہے''۔

(۳) درمختار میں ہے:''دخل المسجد والموذن یقیم قعد الیٰ قیام الامام فی مصلاہ''۔''ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ مکبر تکبیر کہہ رہا ہےتو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلی پر کھڑا نہ ہو، یہ بھی کھڑا نہ ہو''۔

(۴) ردالمحتار میں ہے:''ویکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذابلغ الموذن حی علیٰ الفلاح''۔''اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہےلیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حی علیٰ الفلاح پر پہونچے اس وقت کھڑا ہو''۔

(۵) طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے:''واذااخذ الموذن فی الاقامۃ ودخل رجل فی المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کمافی المضمرات(٦) فہستانی ویفہم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون''۔ ''علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں:اور جب موذن نے تکبیر شروع کی اورایک شخص مسجد میں داخل ہواتو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے، یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہ قہستانی نے کہااوراس سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہو جانا مکروہ ہےاورلوگ اس سے غافل ہیں''۔

(۷) وقایہ و(۸) جامع الرموز میں ہے:''وفی الکلام ایماء الیٰ انہ لو دخل المسجد احد عندالاقامۃ یقعد لکراھۃ القیام والانتظار کما فی المضمرات''۔''اوراس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہواتو وہ بیٹھ جائے۔اس لئے کہ کھڑا رہنا اورانتظار کرنا مکروہ ہےجیسا کہ مضمرات میں ہے''۔

(۹) فتاوی بزازیہ میں ہے:''دخل المسجد و ھویقیم یقعد ولایقف قائما''۔''کوئی شخص مسجد میں داخل ہوااورموذن تکبیر کہہ رہا ہےتو یہ آنے والاشخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے''۔

(۱۰) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے:''ویقوم الامام والقوم ای من مواضعھم الیٰ الصف وفیہ اشارۃ الی انہ اذادخل المسجد یکرہ لہ الانتظار قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عندحی علیٰ الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات''۔''امام اورقوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی

Marfat.com

جگہ بیٹھ جائے پھر حی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو"۔ واللہ اعلم۔

شکل ششم: امام ومقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موذن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ ومجتہدین کے پانچ قول ہیں:

قول اوّل: امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعتِ علما کا یہ ہے کہ اس صورت میں امام ومقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے۔ جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: "وقد اختلف السلف متیٰ یقوم الناس الیٰ الصلوٰۃ (الیٰ ان قال) ومذھب الشافعی وطائفۃ انہ یستحب ان لایقوم حتی یفرغ الموذن من الاقامۃ وھوقول ابی یوسف"۔ "اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے"۔

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے: "واختلف فی وقت القیام الیٰ الصلوٰۃ فقال الشافعی والجمھور عندالفراغ من الاقامۃ وھوقول ابی یوسف"۔ "اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علمانے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام ومقتدی کھڑے ہوں اور یہ قول امام ابی یوسف کا ہے"۔

(۳) نووی شرح مسلم میں ہے: "واختلف العلماء من السلف فمن بعد ھم متی یقوم الناس الصلوٰۃ ومتی یکبر الامام فمذھب الشافعی وطائفۃ أنہ یستحب ان لایقوم احد حتی یفرغ الموذن من الاقامۃ"۔ "علمائے سلف اور ان کے بعد علمانے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے امام ومقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک موذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے"۔

(۴) التعلیق الممجد میں ہے: "قولہ انہ یقوم الیٰ الصلوٰۃ اختلفوا فیہ فقال الشافعی

Marfat.com

والجمھور یقومون عندالفراغ من الاقامۃ وھو قول ابی یوسف"۔یعنی علما نے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمہور کا قول یہ ہے کہ جب موذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام ومقتدی کھڑے ہوں۔یہی قول امام ابی یوسف کا ہے''۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے:''وابو یوسف احتج بحدیث عمر رضی اللہ عنہ فانہ بعد فراغ الموذن من الاقامۃ کان یقوم فی المحراب"۔''امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موذن کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول دوم: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے، اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوتی ہے۔ ہر علم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چار دن بلکہ پورے دس سال خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل، ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے:''وکان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال الموذن قدقامت الصلوٰۃ وبہ قال احمد"۔''حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہ قول امام احمد کا ہے''۔

(۲) عینی شرح بخاری میں ہے:''وقال احمد اذاقال الموذن قدقامت الصلوٰۃ یقوم"۔''امام احمد نے فرمایا کہ جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں''۔

(۳) اسی میں ہے:''وکان انس رضی اللہ تعالی عنہ یقوم اذا قال الموذن قدقامت الصلوٰۃ وکبرالامام وحکاہ ابن ابی شیبۃ عن سوید بن غفلۃ و کذا قیس بن حازم وحماد"۔''انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریمہ کہتا۔محدث ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ اور قیس بن حازم اور حماد سے اس کو حکایت کیا''۔

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے:''وعن انس انہ کان یقوم اذاقال الموذن قدقامت الصلوٰۃ رواہ

Marfat.com

(۵) ابن المنذر و کذ ارواہ(٦) سعید بن منصور من طریق ابی اسحاق عن اصحاب عبداللہ"۔''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابو اسحاق عبداللہ سے روایت کیا''۔

(۷) مصنف میں ہے: ہشام یعنی ابن عروہ بھی قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۸) عینی میں ہے:''کرہ ھشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتیٰ یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ''۔''مصنّف میں ہے کہ ہشام یعنی ابن عروہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے''۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول سوم: اسی کے قریب قریب امام زفر وحسن ابن زیادہ کا قول ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کردیں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے:''وقال زفراذاقال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ مرۃ قاموا واذاقال ثانیا افتتحوا''۔ ''امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کردیں''۔

(۲) بدائع الصنائع میں ہے:''وعندزفرو حسن ابن زیادیقومون عند قولہ قد قامت الصلوٰۃ فی المرۃ الاولیٰ ویکبرون عند الثانیۃ''۔''امام زفر وحسن ابن زیاد کے نزدیک پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کہیں''۔

(۳) ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے:''وقال الحسن بن زیاد یقومون عند قولہ قدقامت الصلوٰۃ قاموا الیٰ الصف واذاقال ثانیا کبروا''۔''امام حسن بن زیاد نے فرمایا کہ جب موذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسرے مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں''۔

(۵) جامع الرموز میں ہے:''وقال الحسن وزفراذ اقال قد قامت الصلوٰۃ مرۃ (٦) کما فی المحیط''۔''امام حسن وزفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے''۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

قول چہارم: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے، چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بھاری بھرکم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علما اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے)

(۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (۲) وفتح الباری شرح بخاری میں ہے: ''وقال مالک فی الموطا لم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ بحد محدود الانی اریٰ ذالك علیٰ طاقة الناس فان فیهم الثقیل والخفیف و ذهب الاکثرون الیٰ انهم اذا کان الامام معهم فی المسجد لم یقوموا حتی یفرغ من الاقامة''۔ ''امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن میں اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض بوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں''۔

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقد اختلف السلف متیٰ یقوم الناس الیٰ الصلوٰۃ فذهب مالك وجمهور العلماء الیٰ أنه لیس لقیامهم حد''۔ ''سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ تو امام اور جمہور علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں''۔

اسی میں ہے: ''ولکن استحب عامتهم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامة''۔

لیکن عام علمائے مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اسی وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور ایک روایت امام مالک سے ہی اسی قسم کی منقول ہے جسے امام قاضی عیاض نے ان سے نقل کیا ہے۔

(۴) نووی شرح مسلم میں ہے: ''ونقل القاضی عیاض عن مالك رحمه الله و عامة العلماء انه یستحب ان یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامة''۔ ''امام قاضی عیاض نے امام مالک اور علما عامہ سے ایک روایت نقل کی کہ مستحب ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن تکبیر شروع کرے''۔

(۵) التعلیق الممجد شرح مؤطا امام محمد میں ہے: ''و عن مالك یقوموه عند اولها وفی

Marfat.com

الموطانہ یریٰ ذالک علیٰ طاقۃ الناس فان فیھم الثقیل والخفیف کذا ذکر القسطلانی"۔ ''اور ایک روایت امام مالک سے ہے کہ لوگ اول اقامت کے وقت کھڑے ہوں اور مؤطا میں ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت پر ہے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض ثقیل ہوتے ہیں اور بعض خفیف تو سب کا حکم ایک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا''۔

(۲) علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں: ''ومن ثم اختلف السلف فی ذالک فقال مالک رحمۃ اللہ علیہ انی اریٰ ذالک علیٰ قدرطاقۃ الناس فان منھم الثقیل الخفیف ولا یستطیعون ان یکونوا کرجل واحدوذھب الاکثرالیٰ انھم اذاکان الامام معھم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الامامۃ واذالم یکن فی المسجد لم یقوموا حتی یروہ"۔ ''نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، چوں کہ اس کے متعلق کسی حدیث میں صاف حکم نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ سلف نے س مسئلہ میں اختلاف کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض بوجھل اور بعض ہلکے ہوتے ہیں تو وہ سب ایک شخص کی طرح نہیں ہوسکتے (سب کو ایک حکم نہیں دیا جاسکتا) اور اکثر علمائے لکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہوجائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں اور جب مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں''۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک اور مالکیہ کے تین قول ہیں:

(۱) اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ضعف وقوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔

(۲) ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ ابتدائے اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہوجائیں۔ عام علمائے مالکیہ بموجب اسی ایک روایت کے اسی طرف گئے ہیں۔

(۳) اور اکثر علمائے مالکیہ کا یہ قول ہے کہ تکبیر ختم ہوجانے پر لوگ کھڑے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: ائمہ مجتہدین کے چار قول اوپر گزرے اور پانچواں قول امام الائمہ، مالک الازمہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متبعین عام مسلمان ہندو پاکستان اور دنیا کے مسلمانوں میں تین حصے ہیں اور جن کے

Marfat.com

مقلدین ہم سب لوگ ہیں، آئندہ مفصل ومدلل آتا ہے۔لیکن شراح بخاری نے ایک روایت سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز سے ذکر کی ہے اسے ذکر کردیا جاتا ہے۔وہ یہ کہ: جب مؤذن اللہ اکبر کہے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے صفوں کو برابر کریں اور جب لا الہ اللہ کہے تو امام تکبیر شروع کرے۔

عمدۃ القاری وفتح الباری شروح بخاری میں ہے:''واللفظ للاول و عن سعید بن المسیب وعمر بن عبدالعزیز "انہ اذاقال المؤذن اللہ اکبر وجب القیام و اذقال حی علی الصلوٰۃ اعتدلت الصفوف ، اذاقال لاالہ الااللہ کبرالامام''۔

لیکن ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب یا عمر بن عبدالعزیز کوئی امام مجتہد صاحب مذہب نہیں کہ لوگ ان کے مقلد ہوں نہ اس قول کی تائید کسی حدیث سے ذکر کی۔اس لئے اسکی حیثیت محض ایک ذاتی رائے کی ہے تو ائمہ کے اقوال، احادیث کے ارشاد کو چھوڑ کر اس کی آڑ پکڑنا صرف اپنی بات کی پچ ہوگی۔اسی وجہ سے علامہ عینی نے اس کو ذکر کر کے صاف فرمایا ہے:

''وذھب عامۃ العلماء الیٰ انہ یکبر حتیٰ یفرغ المؤذن من الاقامۃ''۔''اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہوجائے اللہ اکبر نہ کہے۱۲م''۔

آخر مضمون کی تائید وتوکید،تصدیق وتوثیق علمائے عامہ کے قول سے فرمادی اور اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام کرنا محض ان کی ذاتی رائے تھی۔اس لئے اس کی تصدیق کسی عالم کے قول سے نہ فرمائی۔

قول پنجم: امام الائمہ، مالک الازمہ، امام اعظم، ہمام اقدم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اوران کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کا ہے: جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے:''وقال ابو حنیفۃ و محمد یقومون فی الصف اذاقال حی علیٰ الصلوۃ''۔''امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوصف میں کھڑے ہو جائیں''۔ اورایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن ''حی علی الفلاح'' کہے، اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے:''عن ابی حنیفۃ یقومون اذاقال حی علیٰ الفلاح''۔''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں''۔

بعض علما نے قول اول کو راجح بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی

Marfat.com

قدس سرہ العزیز نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ دراصل یہ دوقول متعارض ومتخالف نہیں ہیں۔اس لئے چاہئے کہ حی علیٰ الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علیٰ الفلاح کی ابتدا کے وقت کھڑے ہوں۔تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتدا کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے:''ولا تعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند حی علیٰ الصلوٰة والمحیط والمضمرات ومن معهما عند حی علیٰ الفلاح فانا اذا حملنا الاول علیٰ الانتهاء والآخر علیٰ الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن "حی علیٰ الصلوة" ویاتی حی علیٰ الفلاح"۔''میرے نزدیک وقایہ اور ان کے متبعین کے قول''یقومون عند حی علیٰ الصلوة''۔''(حی علیٰ الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں) اور محیط اور مضمرات اور ان دونوں کے ہم خیالوں کے قول عند حی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں۔اس لئے کہ ہم اول یعنی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو انتہا پر حمل کریں۔یعنی جب حی علیٰ الصلوٰۃ کہہ لے اور دوسرے قول یعنی حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قول متحد ہو جائیں''۔

آگے فرماتے ہیں:''هذا مایعطیه قول المضمرات یقوم اذا بلغ المؤذن حی علیٰ الفلاح''۔''یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن حی علیٰ الفلاح پر پہونچے''۔

(۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے:''قال ابو حنیفة رضی الله عنه والکوفیون یقومون فی الصف اذاقال حی علیٰ الصلوة''۔''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور علمائے کوفہ نے فرمایا کہ مؤذن جب حی علیٰ الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوں''۔

(۵) قسطلانی میں ہے:''وعن ابی حنیفه انه یقوم فی الصف عند حی علیٰ الصلوة''۔''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں حی علیٰ الصلوہ کہنے کے وقت کھڑا ہو''۔

(۶) عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے:''وعن ابی حنیفة یقومون اذاقال حی علیٰ الفلاح''۔''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ حی اعلی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۷) بدائع الصنائع میں ہے:''والجملة فیه ان المؤذن اذاقال حی علیٰ الفلاح فان کان معهم

Marfat.com

فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف"۔ ''اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علیٰ الفلاح کہے اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں''۔

(۸) تنویر الابصار میں ہے: ''والقیام لامام وموتم حین قیل حی علیٰ الفلاح ان کا ن الامام بقرب المحراب"۔ ''اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حی الفلاح کہا جائے''۔

(۹) ردالمحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''قوله حین قیل حی علیٰ الفلاح کذافی (۱۰)الکنز و (۱۱)نورا الایضاح و(۱۲)الاصلاح وْ(۱۳)الظهیریة و(۱٤)البدائع وغیرها والذی فی الدررمتنا و (۱۵)شرحا عندالهیعلة الاولیٰ حین یقال حی علیٰ الصلوٰة ـ اه و عزاه الشیخ اسماعیل فی شرحه الیٰ (۱٦)عیون المذاهب و(۱۷)الفیض (۱۸)والوقایة و(۱۹)النقایه (۲۰)الحاوی و(۲۱)المختار اه قلت واعتمدهٗ فی (۲۲)الملتقیٰ وحکیٰ الاول بقیل لکن نقل (۲۳)ابن الکمال تصحیح الاول ونص عبارته قال فی(۲٤) الذخیرة یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح عند علمائنا الثلثه"۔ ''ماتن کا یہ قول کہ امام ومقتدی حی علیٰ الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ایسا ہی کنز، نورالایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام ومقتدی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسماعیل نے اس کو شرح میں عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اس پر متن ملتقیٰ میں اعتماد کیا اور اول کو قیل سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے تینوں امام، امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک۔

(۲۵) مراقی الفلاح میں ہے: ''ومن الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضراً بقرب المحراب (حین قیل) ای وقت قول المقیم (حی علیٰ الفلاح) لانهٗ أمربه فیجاب"۔ ''آداب ومستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے، اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حی علیٰ الفلاح کہے، اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے''۔

Marfat.com

(۲۶)طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:''واذااخذالمؤذن فی الاقامة و دخل رجل فی المسجد فانهٗ یقعدو لاینتظر قائماً فانه مکروه کما فی (۲۷)المضمرات (۲۸) قهستانی، ویفهم منه کراهة القیامه ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون''۔''جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اورکوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔قہستانی اوراسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہےاورلوگ اس سے غافل ہیں''۔یعنی مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کربھی محض رسم ورواج کی وجہ سے ابتداہی سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

(۲۹)ایضاح میں ہے:''یقوم الامام والقوم عند حی علی الفلاح''۔''امام اورمقتدی حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۳۰)تبیین الحقائق میں ہے:''قوله والقیام حین قیل حی علی الفلاح لانه امربه فیستحب المسارعة الیه''۔''مستحب ہے کھڑا ہونا جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے۔اس لئے کہ مکبر نے اس کاحکم کیا تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے''۔

(۳۱)فتح اللہ المعین حاشیہ شرح کنز ملامسکین میں ہے:''(قولهٗ والقیام حین قیل حی علی الفلاح) مسارعة لامتثال الامرهذا اذاکان الامام بقرب المحراب''۔''جبکہ مؤذن حی علی الفلاح یہ کہےاس وقت کھڑا ہونامستحب ہے،امتثال امر کی جلدی کے لئے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

(۳۲)بحرالرائق میں ہے:''لانهٗ امربه فیستحب المسارعة الیه اطلقهٗ فشمل الامام والماموم ان کان الامام بقرب المحراب''۔''جب مکبر حی علی الفلاح کہےاس وقت امام اورمقتدیوں کا کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ مکبر نے اس کاحکم دیا تو اس کی تعمیل میں جلدی کرنا مستحب ہے۔اور ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی دونوں کوشامل ہے یہ حکم اس وقت ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

(۳۳)علامہ شرنبلالی حاشیہ دُررالحکام شرح غررالاحکام میں فرماتے ہیں:''(قوله والقیام عند الحیعلة الاولی) اطلقه فشمل الامام ولاماموم''۔''جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہےاس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام ومقتدی دونوں کوشامل ہے''۔

Marfat.com

(۳۴) مجمع الانہر میں ہے:''واذاقال الموذن فی الاقامة حی علیٰ الصلوٰة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلثة'' ۔''جس وقت مؤذن تکبیر میں حی علیٰ الصلوٰۃ کہے،اس وقت ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہئے''۔

(۳۵) محیط و (۳۶) ہندیہ میں ہے:''یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح عند علمائنا الثلثة وھوا الصحیح'' ۔''کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب موذن حی علیٰ الفلاح کہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور یہی صحیح ہے''۔

(۳۷) جامع الرموز میں ہے:''یقوم الامام والقوم عند حی علیٰ الصلوٰة ای قبیله لکن فی (۳۸) الاختیار اذاقال حی علیٰ الصلوٰة و فی (۳۹) الاصل و غیره:'' الاحب ان یقوموا فی الصف اذاقاله المؤذن'' ۔''اور امام و مقتدی حی علیٰ الصلوۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے کچھ پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب حی علیٰ الصلوۃ کہے اور اصل وغیرہ میں ہے:محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علیٰ الصلوٰۃ کہے''۔

(۴۰) فتاویٰ بزازیہ میں ہے:''دخل المسجد وھو یقیم یقعد ولایقف قائماً'' ۔''کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ موذن تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو''۔

اس عبارت اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے (جو نمبر ۲۶ میں گذری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والا شخص جو کھڑا ہے،اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سنے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور حی علیٰ الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو کب جائز ہوسکتا ہے کہ کھڑا ہوجائے اور کھڑے ہوکر تکبیر سنے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۴۱) علامہ شیخ شلبی حاشیہ تبیین الحقائق میں (۴۲) وجیز امام کردری سے اور وہ (۴۳) مبتغیٰ سے نقل کرتے ہیں:''قوله فی المتن والقیام ای قیام الامام والقوم قال فی الوجیز والسنة ان یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح اه ومثله فی المبتغی'' ۔''متن میں جو والقیام فرمایا اس کے معنی امام اور قوم کا کھڑا ہونا ہے۔وجیز میں میں فرمایا:سنت یہ ہے کہ امام اور قوم سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علیٰ الفلاح کہے ایسا ہی مبتغیٰ میں ہے''۔

Marfat.com

(۴۴) الدرر المنتقی شرح الملتقی میں ہے: ''اذا قال المقیم حی علی الصلوٰۃ سیجی مافیه قام الامام ان کان بقرب المحراب والجماعة مسارعة لامره'' ۔''جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے قریب ہے آئے گا جو کلام اس میں ہے تو اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو وہ اور سب مقتدی کھڑے ہوں، اس کے حکم تعمیل میں جلدی کریں''۔

(۴۵) عینی شرح کنز میں ہے: ''والخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای حین یقول المؤذن حی علی الفلاح'' ۔''مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت موذن حی علی الفلاح کہے''۔

(۴۶) شرح الیاس میں ہے: ''یقوم الامام والقوم للصلوۃ اذا قال الموذن حی علی الفلاح''۔''امام ومقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الفلاح کہے''۔

(۴۷) مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے: ''قال ائمتنا ویقوم الامام والقوم عندحی علی الصلوٰۃ''۔''ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۴۸) مبسوط امام سرخسی میں ہے: ''فان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب الهم ان یقوموا فی الصف اذاقال المؤذن حی علی الفلاح'' ۔''پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب جانتا ہوں ان کے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے''۔

(۴۹) موطا امام محمد باب تسویۃ الصف میں ہے: ''قال محمد ینبغی للقوم اذاقال الموذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب فاذااقام الموذن الصلوۃ کبرالامام وھوقول ابی حنیفة'' ۔''امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہئے کہ جس وقت موذن حی علی الفلاح کہے، نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف باندھیں اور صفوں کو درست کریں۔ مونڈھے سے مونڈھے ملا کر کھڑے ہوں اور موذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے''۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تسویہ صفوف کا بے معنی عذر کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرمادیا اور بتادیا کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا تسویہ صفوف کے منافی نہیں۔ آخر مغرب، عشا، ظہر، عصر کی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا پھر صف درست کرنے کی ضرورت ہوتی

Marfat.com

ہے۔ ہرگز نہیں اسی طرح اگر نمازی حضرات آتے ہی صف درست کر کے بیٹھیں تو جس وقت کھڑے ہوں گے صف درست رہے گی۔ مسجدوں میں جانماز (صفیں) اسی لئے بچھائی جاتی ہیں کہ جیسے جیسے نمازی آتے جائیں ٹھکانے سے بیٹھتے جائیں تاکہ جب کھڑے ہوں صف درست شدہ رہے۔ اردو محاورہ میں گھاس کی جاء نماز کو اس لئے صف کہا کرتے ہیں کہ اس سے صف کی درستی کا کام لیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ آکر باقاعدہ نہ بیٹھا کریں تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ اس حیلے سے دوسرے مستحب کام کو جس کو بعض علما نے سنت بھی فرمایا ہے کما مرّ عن الوجیز، اس کو ترک کر کے مرتکب کراہت کے ہوں۔ ولو فرضنا صفیں درست نہیں ہوتیں تو امام محمد نے صاف تصریح فرمادی کہ جب مکبر حی علیٰ الفلاح کہے اس وقت سب کھڑے ہوں اور صفیں درست کرلیں اور یہ نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ فرماتے ہیں ''وھو قول ابی حنیفۃ'' اسی طرح صاف اور صریح روایت کتاب الآثار میں بھی ہے۔

''قال اخبرنا ابو حنیفۃ قال حدثنا طلحۃ بن مطرف عن ابراھیم اذا قال المؤذن حی علیٰ الفلاح ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ''۔ ''امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابوحنیفہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے طلحہ بن مطرف نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جب موذن حی علیٰ الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہئے کہ کھڑے ہو جائیں پس صف درست کریں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے''۔

امام محمد کے الفاظ دونوں حدیثوں میں ینبغی ہیں اور ہر علم والا جانتا ہے کہ لفظ ینبغی متأخرین کے محاورہ وعرف میں مندوبات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور متقدمین کے محاورہ وعرف میں اس کا استعمال عام ہے جو واجب تک کو شامل ہے۔

ردالمحتار، حواشی اشباہ، عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ''لفظ ینبغی فی عرف المتأخرین غلب استعمالہٗ فی المندوبات واما فی عرف القدماء فاستعمالہٗ فی عام حتی یشمل الواجب ایضا''۔ ''(متاخرین کے عرف میں لفظ ینبغی (چاہئے، مناسب ہے) کا استعمال زیادہ تر مندوب اور پسندیدہ کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن متقدمین کے عرف میں اس لفظ کا استعمال اس سے عام معنی کے لئے ہے یہاں تک کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے ۱۲م)''۔

Marfat.com

بالجملہ پچاس کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت و مدلل ہوگیا کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے قریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام و مقتدی سب کو چاہئے کہ جس وقت مکبر حی علیٰ الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ یہی مسئلہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا ہے۔ پس حنفیوں کو چاہئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کردے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرنے، اس وقت امام و مقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضمون ع ایاز قدر خود بشناس، دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم و رواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان و پاکستان یا سارے جہان سے جہاں سے ہوسکے، مستند علمائے دین کے فتاویٰ منگالے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمۂ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرسکتے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتویٰ نہیں پیش کرسکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۲) بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا۔ تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا ''بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ'' پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمۂ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما مرّ عن المصنف۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علیٰ الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مرّ عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔

Marfat.com

''ونص عبارته هكذا''وابويوسف احتج بحديث عمر رضى الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم فى المحراب''۔ ''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔

(۳) بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ از روئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو ترجیح ہے۔ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے۔ اگر اس دورِ آزادی میں کہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے جو چاہے خیال رکھے۔ لیکن یہ تو ''مدعی سست گواہ چست'' کی مثل ہے۔ امام مالک خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔ كمامرّ عن عون المعبود وفتح البارى قال مالك فى المؤطا:لم اسمع فى قيام الناس حين تقام الصلوة بحد محدود۔ ''امام مالک نے موطا میں فرمایا کہ نماز میں لوگ کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی''۔ اس لئے وہ اپنی ذاتی رائے یہ لکھتے ہیں: ''الا انى ارىٰ ذالك علىٰ طاقة الناس''۔ ''لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت پر ہے''۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مالکیہ میں اختلاف ہوا۔ اکثر علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو لے، لوگ کھڑے نہ ہوں اور عام علمائے مالکیہ امام مالک سے ایک روایت کے مطابق ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کو مستحب جانتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ ''عن'' کر کے مذہب بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے قال یاذهب یامذهب فلان یاعند فلان کے الفاظ لاتے ہیں اور اگر کوئی ایک روایت ہو تو اس کو عن سے تعبیر کرتے ہیں۔

مقدمہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ''الفرق بين 'عندهٗ' وعنه ان الاول دال علىٰ المذهب والثانى علىٰ الرواية۔ فاذاقالوا "هذاعندا بى حنيفة"دل ذلك علىٰ انه مذهبه واذاقالوا''وعنه كذا'' دل علىٰ انه رواية عنه۔ ''عندہٗ اور عنہ میں فرق یہ ہے کہ عندہ مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عنہ ایک روایت پر تو جس وقت علما کہیں ''هذا عن ابى حنيفة ''اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ ان کا مذہب ہے اور جب کہیں 'وعنه كذا' تو معلوم ہوگا کہ ان سے یہ ایک روایت ہے''۔

تو ایسی حالت میں اولاً یہ خیال کرنا کہ از روئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو

Marfat.com

ترجیح ہے' محض غلط ہے۔

ثانیاً عام علما کے مسلک کو امام مالک کا مسلک بتانا بھی غلط۔

ثالثاً اس کو از روئے حدیث شریف مرجح ماننا بھی غلط۔

رابعاً ایسا کہنا ''مدعی ست گواہ چست'' کا مصداق بنتا ہے۔

خامساً اپنے کو امام مالک سے بھی اعلم بالحدیث ہونے کا اشعار ہے۔ اگرچہ امام مالک فرماتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں معلوم، لیکن مجھ کو حدیث معلوم ہے، اس کے رو سے امام مالک کے مذہب کو ترجیح ہے۔

سادساً بخاری شریف کی حدیث ''لاتقوموا حتیٰ ترونی'' سے استدلال کرنا اور لکھنا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد کھڑا ہونے سے ممانعت کی وجہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (امام) کی مسجد میں عدم موجودگی ہے۔ پس اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی نرا اجتہاد ہی اجتہاد اور ائمۂ مجتہدین فقہا و محدثین سب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مجتہدین کا اختلاف اسی صورت میں ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کا مفصل حکم شکل سوم و چہارم میں گزرا۔ اس میں اختلاف ہی نہیں۔

عینی شرح بخاری میں ہے: ''قال ابو حنیفة ومحمد یقومون فی الصف اذاقال حی علیٰ الصلوٰة فاذاقال قد قامت الصلوٰة کبّر الامام لانهٗ امین الشرع وقد اخبر بقیامها فیجب تصدیقهٗ واذالم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الیٰ انهم لا یقومون حتیٰ یروه''۔ ''امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں''۔

اسی کو بدائع میں فرمایا: ''والجملة فیه ان الموذن اذاقال حی علیٰ الفلاح فان کان الامام معهم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف''۔ ''اور خلاصۂ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب مؤذن ''حی علی الفلاح'' کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑے ہوں''۔

Marfat.com

تنویرالابصار وغیرہ کی عبارت اوپر گزری: ''والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علیٰ الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب''۔ ''مستحب ہے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا جب ''حی علیٰ الفلاح'' کہا جائے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

عون المعبود و فتح الباری میں ہے: ''وذھب الاکثرون الیٰ انھم اذا کان الامام معھم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الاقامۃ''۔ ''اکثر علما اس امر کی طرف گئے ہیں کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو مقتدی سب نہیں کھڑے ہوں گے جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے۔

للہ انصاف! کیسی کھلی ہوئی تصریح ہے کہ امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں اور آپ فرماتے ہیں ''اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (امام) موجود ہوں، تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

سابعاً امام کی موجودگی کی صورت میں ابتدائے اقامت سے مقتدیوں کے کھڑے ہو جانے کی دلیل میں اس کو پیش کرنا کہ اگر امام موجود ہو تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط۔ مانع نہیں تو دلیل نہیں۔ اصل ضرورت اس وقت قیام کی محرک اور مثبت کی ہے۔ نفی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

ثامناً یہ خیال کہ کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط ہے۔ مانع ہے اور زبردست مانع ہے۔

بدائع میں ہے: ''انا نمنعھم عن القیام کیلا یلغو قولہٗ حی علیٰ الفلاح لان من وجدت منہ المبادرۃ الیٰ شئ فدُعائہ الیہ بعد تحصیلہ ایاہ لغو من الکلام''۔ ''ہم حی علیٰ الفلاح کہنے کے قبل کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی امر کی طرف مبادرت و مسابقت ہو چکی ہو، اب اس کو اس شئی کی طرف بلانا ایک لغو کلام ہے''۔

مکبر حی علیٰ الصلوۃ، حی علیٰ الفلاح کہہ کر نمازیوں کو بلاتا ہے کہ آؤ طرف نماز کے، آؤ طرف فلاح و بہبود کے تو چاہئے کہ اس کی تعمیل میں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ لوگ پہلے ہی سے کھڑے ہو چکے ہوں تو یہ کہنا بالکل لغو اور بے معنی ہوگا۔ تو کیا لغو کام سے بچانا زبردست مانع نہیں؟

تاسعاً اس کو دوسری حدیث مسلم شریف ''عن ابی ھریرۃ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی

Marfat.com

الله علیه و سلم فیاخذالناس مصافهم قبل ان یقوم رسول الله صلی الله علیه و سلم مقامه" سے بالکل عیاں ماننا طرفہ تماشا ہے۔

امام نووی، امام عینی، امام ابن حجر، شرح مسلم، عمدۃ القاری، فتح الباری میں فرماتے ہیں: "و قولهٗ فی روایة ابی هریرة رضی الله عنه فیاخذالناس مصافهم قبل خروجه لعله کان مرة اومرتین و نحو هما لبیان الجواز اولعذر ولعل قوله صلی الله علیه و سلم فلا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذلك"۔ "حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانے سے پہلے ہی صحابۂ کرام اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے (تو یہ حدیث بظاہر حدیث ابو قتادہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو یہ سب ائمہ محدثین، شراح بخاری و مسلم اس کا جواب دیتے ہیں کہ) شاید ایک یا دو مرتبہ کبھی ایسا ہوا ہو، وہ بھی صرف بیان جواز کے لئے (یعنی اگر ایسا بھی کوئی کرلے تو جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ) لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اس سے منع فرمادیا کہ میرے آنے سے قبل مت کھڑے ہو جایا کرو"۔ تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بھی کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں "یاخذ الناس مصافهم" ہے یعنی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حدیث "فیقوم الناس مصافهم" تو ہے نہیں، جس سے استدلال کیا جاسکے اور بالکل عیاں کہا جاسکے۔

عاشراً یہ خیال کہ سب سے زیادہ واضح طور پر اس مضمون "ابتدائے اقامت کے وقت کھڑا ہونا" کی تائید ابن شہاب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں آتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، صریح دھوکہ ہے۔ یہ تو ابن شہاب زہری سے ایک روایت ہے۔ ابن شہاب کون ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو تو صحابہ بیان کر سکتے ہیں، نہ کہ تابعی اور وہ بھی صغیر۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی، اور اگر تابعی کے قول سے سند لینا ہے تو ہشام ابن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی بات کیوں پس پشت ڈالی جائے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے اور جب تابعی سے سند لانا ہے تو صحابہ کرام تو ان سے اہم و اقدم ہیں اور وہ بھی صرف زیارت کر کے گھر چلے

Marfat.com

جانے والے یا دو چار دن خدمت اقدس میں رہنے والے نہیں بلکہ پورے دس سال خدمت اقدس میں بسر کرنے والے، سفر وحضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ استدلال کیا جائے جن کا عمل قول دوم بیانِ مذہب امام احمد میں نووی، عینی، فتح الباری سے گزرا: ''و کان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوٰۃ و بہ قال احمد''۔ ''حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام احمد اسی کے قائل ہیں''۔

بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اشداء علی الکفار رحماء بینھم، قوت وشوکتِ اسلام خلیفۂ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کیوں ساقط النظر ٹھہرایا جائے جن کا عمل مبارک علامہ سرخسی نے مبسوط میں ضمن دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ بیان فرمایا: ''وابو یوسف احتج بحدیث عمر رضی اللہ عنہ فانہٗ بعد فراغ المؤذن من الاقامۃ کان یقوم المحراب''۔ ''امام ابو یوسف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لائے کہ وہ مؤذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔

غرض کتب حدیث وشروح حدیث و کتب متون وشروح وحواشی، فتاوی فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام ومقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔ واللہ الھادی وھو الموفق واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ

سجدہ میں جاتے وقت پیشتر ہاتھ زمین پر ٹیکنا چاہئے یا گھٹنے پر؟ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنا اٹھانا چاہئے یا ہاتھ۔؟ غیر مقلدین سجدہ میں پیشتر قیام سے جاتے ہوئے زمین پر ہاتھ لگاتے ہیں پھر گھٹنے۔ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنے اٹھاتے ہیں ازاں بعد ہاتھ۔ اور اپنے پیروں کے درمیان کشادہ رکھتے ہیں اور جانبین داہنے بائیں مقتدیان کا باہمی یکے بعد دیگرے پیر سے ملانا کس طرح آیا ہے؟ پس ہم گذارش رکھ کر امر واضح ہونے کے طالب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے ہر دو پائے مبارک نماز میں کس قدر فاصلہ سے رکھتے تھے اور صحابہ کرام کا جماعت میں مونڈھے سے مونڈھا ملانا ثابت ہے یا پیر سے پیر؟ اور نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہل جانا وغیرہ۔ حرکات محررہ بالا اگر کوئی حنفی اختیار کرے تو اس کی نماز کیسی رہے گی؟ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا مقلد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ بعدہ' ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر رکھے اور اٹھتے وقت برعکس اس کے یعنی پیشانی اٹھائے اس کے بعد ناک بعدہ' ہاتھ پھر گھٹنے۔

مسند امام الائمہ سراج الامۃ میں ہے: "ابو حنیفة عن عاصم عن ابیه عن وائل بن حجر رضی الله تعالیٰ عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا قام یرفع یدیه قبل رُکبتیه۔"

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھالیتے''۔اخرجه الطحاوی والاربعة وقال الترمذی حدیث حسن وصححه ابن خزیمة وابن حبان۔

اصلاح ومنیہ وکنز الدقائق میں ہے: ''ویسجد فیضع رکبتیه اولا ثم یدیه ثم وجهه بین کفیه ویدیه حذاء اذنیه ویرفع راسه اولا ثم یدیه ثم رکبتیه هکذا فی الصغیری والغنیة شرح المنیة وتبیین الحقائق۔''

پھر ہندیہ میں ہے: ''قالوا اذا اراد السجود یضع اولا ماکان اقرب الیٰ الارض فیضع رکبتیه اولا ثم یدیه ثم انفه ثم جبهته واذا اراد الرفع یرفع اولا جبهته ثم انفه ثم یدیه ثم رکبتیه هکذا فی الطحطاوی والدر المختار وغیرهما من معتمدات الاسفار۔''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اذا سجد احدکم فلیبدء برکبتیه ولا یبرك بروك الفحل۔''
''تم میں کوئی شخص سجدہ کرے تو چاہئے کہ پہلے گھٹنے کو رکھے اور اونٹ کی نشست نہ بیٹھے''۔

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا، جو سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے پھر پاؤں؟۔فرمایا" او یصنع ذلك الا احمق ومجنون۔ کیا ایسا کوئی کرتا ہے سوا بے وقوف اور پاگل کے۔

نماز کے اندر پاؤں میں فاصلہ چار انگل ہونا چاہئے۔خلاصہ میں ہے: "وینبغی ان یکون بین قدمیه قدر اربع اصابع فی قیامه۔ هکذا فی مراقی الفلاح۔"

نماز میں حکم مونڈھے ملانے کا ہے نہ پاؤں ملانے کا۔سجدہ میں اگر پاؤں بالکل اٹھے ہیں تو مفسد نماز ہے:
غنیۃ پھر عالمگیری میں ہے: ولو سجد ولم یضع قدمیه علیٰ الارض لا یجوز۔"

ہدایہ میں فرمایا: "واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فریضة فی السجود کذا فی مجمع الانهر معزیا الیٰ التبیین واختاره الفقیه ابو اللیث وصححه فی العیون کما فی البحر۔''

ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رصوا صفوفکم وقاربوا بینهما وحاذوا بالاعناق۔ '' گھنی کرو اپنی صفوف کو کہ باہم دو شخصوں میں فاصلہ نہ رہے اور صفیں نزدیک نزدیک باندھو کہ دو صفوں میں حاجت سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور محاذات میں رکھو گردنوں کو''۔

ابوداؤد اور نسائی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

Marfat.com

"رصوا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل۔ "

محض انگوٹھا ہل جانا یا انگلیوں کو حرکت دینا مفسد نماز نہیں، مکروہ ہے۔

فتاویٰ اسعدیہ سیدنا اسعد المدنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: "(سوال) رجل هو في الصلوٰة يصلي ويرفع احدىٰ رجليه وتارة يرفع اصابع رجليه هل يجوز الاقتداء به ام لا افتونا ؟ (جواب) اذا رفع رجله ثلث مرات متتابعات تفسد صلاته وصلاة القوم والا فلا واما حركة الاصابع مع اثبات الرجل فلا تفسد به الصلوٰة واما الكراهة فظاهرة والحالة هذه اه۔" غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فرض سر پر رہتا ہے۔ وقد فصله مجدد المائة الحاضرة في " النهي الاكيد عن الصلوٰة وراء عدى التقليد۔" والله تعالىٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مرسلہ فخر الدین محصل مداری دروازہ ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جہاں امام نماز کھڑا ہو کر پڑھتا ہے اگر وہ پانچ انگل بلند ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس پر نماز جائز نہیں تو اس کے نیچے کھڑا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو کچھ قباحت ہے یا نہیں؟ اور دہلیز کا کیا حکم ہے؟ آیا دہلیز کا حکم محراب کا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت مکروہ ہے۔ لمشابهة اليهود فانهم يجعلون لامامهم دكانا والاصح ان لا تقدير بل كلما يقع به الامتياز يكره كما في الدر۔

اور اگر اسے دور کریں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ بقول امامنا رضي الله عنه اني اكره للامام ان يقوم بين الساريتين كما في المعراج۔

اور اگر صحن میں کھڑا ہو کر بلندی پر سجدہ کرے تو سخت مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ۔

صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑا صحن سے ہموار کریں۔ امام صحن میں کھڑا ہو کر اس طاق پر سجدہ کرے، اب کوئی کراہت نہیں اور دہلیز میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب: پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ کراہت جب ہے کہ امام اکیلا دکان پر کھڑا ہو اور دکان کی مقدار ارتفاع میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ثم قدر الارتفاع قامة لا باس بما دونها ذكره الطحاوي وقيل انه مقدر بما يقع به الامتياز وقيل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترة وعليه الاعتماد

Marfat.com

کذا فی التبیین و فی غایة البیان هو الصحیح کذا فی البحر الرائق انتهیٰ۔"

بلندی کا اندازہ قد ہے۔اس سے کم میں کچھ حرج نہیں۔امام طحاوی نے یوں کہا کہ جس انداز سے امتیاز ہو(اس قول کو مجیب نے نقل کیا)۔بعض یہ فرماتے ہیں کہ تین گز شرعی مقدار ہے جیسا کہ سترہ۔یہی معتبر ہے اور اس آخر قول پر اعتماد ہے۔یہ تبیین میں ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔

اسی میں اور درمختار میں ہے: "اذا تعارض امامان معتبران غیر احدهما بالصحیح والآخر بالاصح فالاخذ بالصحیح اولیٰ" والله تعالیٰ اعلم۔

حررہ لعبد محمد ابراهیم سنی حنفی چشتی رشیدی عفا الله عنه بجاه نبیه صلی الله علیه وسلم۔

جواب ثانی: جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل اور عوام کے دھوکہ دہی کے لئے۔جو"اس لئے الخ" لکھا بھی، سو دعویٰ سے محض بے لگاؤ ہے۔فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع الله المسلمین بطول بقائه نے اختیار فرمائی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "قوله وقیل ما یقع به الامتیاز هو ظاهر الروایة کما فی البدائع۔اقول هکذا فی الطحطاوی والبحر الرائق۔"

طحطاوی میں ہے: "والروایة قد اختلفت فی المقدار والاخذ بظاهر الروایة اولیٰ۔"

بحرالرائق میں ہے: "فالحاصل ان التصحیح قد اختلفت فالاولیٰ العمل بظاهر الروایة واطلاق الحدیث۔"

اسی میں ہے: "الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح بظاهر الروایة۔"

بلکہ اس میں صاف تصریح فرمادی کہ ایسے موقع پر ظاہر الروایۃ کو ڈھونڈنا، اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے:"اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن الظاهر الروایة والرجوع الیها بلکہ انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی فرماتے ہیں: "المقلد لا یحوز له ان یحکم الا بما هو ظاهر الروایة۔"

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت ونادانی وخرق اجماع ہے۔

بحرالرائق میں ہے: "ما خرج عن ظاهر الروایة فهو مرفوع عنه۔"

درمختار میں فرمایا: "وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع فثبت ان الحکم والفتیا علی ما خرج عن ظاهر الروایة جهل وخرق للاجماع ولکن الوهابیة قوم لا یعقلون۔"

ثانیا یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو۔اور احادیث ابی داؤد وحاکم

Marfat.com

وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا ینبغی ان یعدل عن الدرایة ای الدلیل اذا وافقتها روایة اه۔"

ثالثاً تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: "یکره ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معه۔" تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "اختلف التصحیح والفتویٰ کما رایت والعمل بما وافق اطلاق المتون الخ اه" بلکہ بہت علمانے خلاف اطلاق بعض ترجیحات وافتا کو بھی نہ مانا۔

ردالمحتار باب فی البیر میں ہے: "مخالف لاطلاق المتون قاطبة فلا یعبئو به وان التی به ایضا کذا فی المحیط هو الصحیح واخره البحر والمنح وتبعه التنویر والدر لکن لا یعول علیه لخلافه اطلاق المتون الخ۔"

رابعاً بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا کما فی الرد عن البحر ان ما خرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع عنه وان المرجوع عنه لیس قولا له۔

پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرہما کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔ کما صرح فی التوشیح اذ ا رجع عنه المجتهد لا یجوز الاخذ به۔

خامساً آپ کا فرمانا اذا تعارض امامان الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے: "وقال شیخنا الرملی فی فتاویه وبعض اللفظ اکد من بعض (الیٰ ان قال) والاصح اکد من الصحیح۔"

ردالمحتار میں ہے: "قوله اکد من بعض ای اقویٰ فتقدم علی غیرها" "یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا"۔

شرح عقود میں علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: "وکذا لو صرح فی احداهما بالاصح وفی الاخریٰ بالصحیح فان الاولیٰ آکد من الصحیح اه قد بینا معنی الآکد من الطحاوی۔"

سادساً ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافهم۔ صاحب یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر بہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

Marfat.com

جب آپ اعتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے جس کے گلے میں علماء عرب، وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ماروشن دلِ ماشاد۔ کلمہ پڑھو ،علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر۲ بنا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن، پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟ ۔ ع شرم بادت از خدا واز رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض امامان ،در المختار، حررہ العبد محمد ابراهیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ عبدہ العاصی الفقیر ظفر الدین احمد عفی عنہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش صاحب محصل چندہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی ۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعد تکبیر اولیٰ کے جماعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کردی تو اس شخص کو سبحان (ثنا) پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت پڑھے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صلوٰۃ جہریہ میں جب امام نے قراءت شروع کردی تو مقتدی ثنا نہ پڑھے بلکہ چپکا سنے۔ لان الاشتغال به يفوت عليه الاستماع والانصات وكلاهما فرض والثنا سنة فترك السنة هو المتعين دون ترك الفرض۔

منیہ میں ہے: " اذا ادرك الامام وهو يجهر يستمع وينصت" جب امام کو قراءت جہریہ کرتا ہوا پائے تو چپکا سنتا رہے۔

غنیۃ میں ہے: " لا ياتي به مطلقا لاطلاق النص" یعنی جب امام کو فاتحہ پڑھتا ہوا پائے تو مطلقا ثنا نہ پڑھے بوجہ مطلق ہونے نص کے۔ " وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔" (الاعراف: ٢٠٤) "اور جب قرآن پڑھا

Marfat.com

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو" (کنز الایمان)۔

حلیہ میں امام شمس الدین حلوائی سے ہے: "لا یاتی بالثناء فیما اذا ادرکه فی حالة القیام فی الرکعة الاولیٰ" "ثنا نہ پڑھے جبکہ امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پڑھتے پائے"۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "المسبوق اذا ادرك الامام فی القراء ة التی یجهر بها لا یاتی بالثناء وقد مر۔"

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "اذا ادرك الامام فی القرائة فی الرکعة التی یجهر بها لا یاتی بالثناء كذ فی التبیین هو الصحیح كذا فی التجنیس وهو الاصح هكذا فی الوجیز للكردری۔" واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب مقام اکلہ رسول پور میرٹھ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں شکوک لاحقہ ومسائل مسئولہ ادامهم الله تعالیٰ فی اقام الدین و الشریعة غیر مقلدین وہابیہ سفر وحضر میں مدام نماز دو دو وقت میں ملا کر پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر دو بجے پڑھی تو اس کے ساتھ ہی نماز عصر پڑھتے ہیں وعلی ہذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھتے ہیں۔ آیا یہ کیسا ہے اور پیغمبر خدا نے عذراً یا بلا عذر، اول اسلام یا آخر عمر میں ایک بار یا ہمیشہ یہ عمل رکھا؟

الجواب

ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً وحضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث صحاح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ وحضرت سعد بن ابی وقاص وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عمر فاروق وحضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز وامام سالم بن عبداللہ بن عمر وعلقمہ بن قیس واسود بن یزید وحسن بصری وابن سیرین وابراہیم نخعی وامام مکحول وجابر بن زید وعمرو بن دینار وحماد بن ابی سلیمٰن وامام اجل سراج الملۃ والدین امامنا الاعظم ابوحنیفہ اور یہی مذہب قاضی ابو یوسف وامام ابوعبداللہ محمد شیبانی وامام زفر وامام حسن بن زیاد وغیرھم تبع تابعین وائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ ان لوگوں کا نماز ظہر دو بجے پڑھنا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر ملا دینا، کسی طرح جائز نہیں۔ اور اس صورت میں نماز عصر ضائع وناکارہ رہ جائے گی۔ جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز، پہروں چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے، قطعاً نہ ہوگی۔ یونہی ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشا نبٹا لینے سے بھی نہ ہونا واجب۔ احادیث میں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع منقول، اس میں صراحۃً جمع صوری (یعنی واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا، اب ظہر آخر وقت، عصر اول وقت میں پڑھ لی تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت

Marfat.com

میں ہوئیں اور فعلاً وصورۃً مل گئیں تو ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلا شبہ جائز ہے۔) مذکور یا مجمل ومحتمل جو اسی صریح مفصل، پر محمول۔ بالجملہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا، دو قسم ہے۔ صوری ومعنوی۔ اور ثانی بھی دو صورت پر مشتمل۔ جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصلاً بلا فصل پچھلے وقت کی نماز عصر یا عشا پیشگی پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے تب دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔ پچھلی صورت بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہے۔ اول میں جمع تقدیم دوم میں جمع تاخیر۔ اور اول یعنی ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ہو فقط صورتاً جمع ہو کہ پہلی اپنے وقت کے آخر اور دوسری اپنے وقت کے اول میں ہو، یہ بلا شبہ جائز ہے اور اب بھی مرض وسفر میں اس کی اجازت ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ''للمسافر و المريض تاخير المغرب للجمع بينهما و بين العشاء فعلا كما فى الحلية و غيرها ان تصلى فى اخر وقتها و العشاء فى اول وقتها اه وهكذا تاخير الظهر الىٰ العصر بل هو اولىٰ كما صرح به فى البحر الرائق۔''

کتاب الحج میں ہے: ''قال ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ الجمع بين الصلاتين فى السفر فى الظهر فى العصر و المغرب و العشاء سواء يوخر الظهر الىٰ اخر وقتها ثم يصلى و يعجل العصر فى اول وقتها فيصلى فى اول وقتها و كذلك المغرب و العشاء و يوخر المغرب الى اخر وقتها فيصلى قبل ان يغيب الشمس و ذلك آخر وقتها و يصلى العشاء فى اول وقتها حين تغيب الشمس فهذا الجمع بينهما۔'' و قد فصل هذه المسئلة عالم اهل السنة مجدد المائة الحاضرة فى كتاب مستقل سماها ''حاجز البحرين الواقى عن الجمع بين الصلوتين'' فمن اراد الاطلاع على ما فيها من الفوائد فليطالعها و الله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع کہمریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ فضل حسین ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ نماز جمعہ میں ہمیشہ امام اپنے برابر ایک صف جماعت کھڑی کرتا ہے۔ اور باوجود ہونے جگہ کے مسجد میں ہمیشہ برابر امام کے دونوں جانب یعنی دائیں بائیں صف کھڑا کرتا ہے۔ اور وہ اس کو صف اول کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس طرح ہوئی؟۔ بینوا توجروا۔
رقمہ فضل حسین زمیندار۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ کیونکہ مقتدی جب دو سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھنا واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی۔ اور جو نماز کہ کراہۃ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے، اس کا لوٹانا واجب ہے۔

درمختار میں ہے: '' و كذا كل صلوٰة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها۔ اسی میں ہے: (

Marfat.com

والزوائد) یصف (خلفه) فلو توسط اثنین کره تنزیها وتحریما او اکثر وصرح به الهدایة والکافی والبدایة والتبیین والفتح ومجمع الانهرو المستخلص وابو السعود" جتنی نمازیں اس طرح پر پڑھی ہیں، سب دہرائی جائیں اور اس کے بدلے چار رکعت ظہر ادا کی جائے۔ والمسئلة فی الدر المختار ورد المحتار وغیرهما من معتمدات الاسفار۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش سرائے خادم بریلی ۷ ربیع الثانی ازتلہر ضلع شاہجہان پور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، باقی دو رکعتوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی آخر کی دو رکعتوں میں پڑھے، درمیان شرع شریف کے اور مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہوگی یا نہیں؟ اور اگر امام مسافر کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں موافق مذہب اصح، باقی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھیں۔ صرف اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں اور کسی نے پڑھی تو نماز ہو جائے گی، نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ بعض کا یہی مذہب ہے اگرچہ ضعیف ہے۔

ملتقی الابحر میں ہے: "واقتداء المقیم به (ای المسافر) صحیح فیهما ویقصر هو ویتم المقیم بلا قراء ة فی الاصح۔" مقیم کی اقتداء مسافر کے لئے وقت، غیر وقت دونوں میں صحیح ہیں۔ مسافر قصر کرے اور مقیم بلا قرأت اپنی نماز تمام کرے۔

تنویر الابصار میں ہے: "وصح اقتداء المقیم بمسافر فی الوقت وبعده فاذا قام (المقیم) الیٰ الاتمام لا یقرء فی الاصح۔"

غنیۃ شرح منیہ میں ہے: "ولو اقتدیٰ المقیم بالمسافر صح سواء کان فی الوقت او خارجه لعدم المانع فاذا صلیٰ المسافر رکعتین سلم ویقوم المقیم فیتم صلاته بغیر قراء ة فی الاصح وقیل یتم بقراء ة لانه منفرد۔"

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "وان صلیٰ المسافر بالمقیمین رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتهم کذا فی الهدایة وصاروا منفردین المسبوق الا انهم لا یقرؤن فی الاصح هکذا فی الصغیری والتبیین والبحر وملا مسکین۔"

اور اگر امام مسافر کے پیچھے التحیات میں شریک ہو تو بعد سلام امام مثل سائر مسبوقین لاحق اپنی نماز ادا کرے۔ یعنی بعد سلام امام کھڑا ہو کر دو رکعتیں بلا قراءت بقدر فاتحہ محض سکوت کے ساتھ ادا کرے اور ان پر قعدہ کر کے دو رکعتیں مع قراءت پڑھے، جن میں تیسری کو سبحنك اللهم سے شروع کرے اور اگر عکس کیا یعنی بعد سلام امام پہلی دو رکعت با قراء

Marfat.com

ت ادا کی پھر دوبسکوت تومذہب مفتیٰ بہ پر نماز ہوجائے گی مگر گناہگار ہوگا۔

درمختار میں ہے:" اللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه کمقیم ائتم بمسافر وحکمه کمؤتم فلا یاتی بقراء ة ولا سهو ویبدء بقضاء ما فاته عکس المسبوق ثم ما سبق به بها ان کان مسبوقا ایضا ولو عکس صح واثم لترك الترتیب۔"

ردالمحتار میں ہے:"قوله ما سبق به بها ثم صلی اللاحق ما سبق به بقراء ة ان کان مسبوقا ایضا بان اقتدیٰ فی اثناء صلاة الامام ثم نام مثلاً وهذا بیان للقسم الرابع وهذا المسبوق اللاحق وحکمه ان یصلی اذا استیقظ مثلا ما نام فیه ثم یقضی ما فاته فلو عکس بان یبتدء بما سبق بما نام صح واثم اه ملتقطا" (الدر المختار ملخصا علی هامش رد المحتار ج ص٥٩٤ الیٰ ٥٩٦۔) والله اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ گورکھپور متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی عبدالقیوم صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بہرا ہے اور کریہہ الصوت اور دوسرا شخص بہرا نہیں یعنی حواس خمسہ اس کے صحیح ہیں اور نہ کریہہ الصوت ہے بلکہ اس دوسرے شخص کی قراءت وتجوید بہ نسبت بہرے کے بہتر ہے تو بحالت مساوی اعلم ہونے کے ان دونوں آدمیوں میں شرعاً مرجح ولائق امامت کونٰ ہوسکتا ہے؟ بینوا بالبراهین والکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

اگر اور باتوں میں وہ مساوی ہوں تو شخص ثانی احق بالامامۃ ہے۔

ہندیہ میں ہے: کل من کان اکمل فهو افضل لان المقصود کثرة الجماعة ورتبة الناس فیه اکثر هکذا فی التبیین۔ بالجملہ غرض شارع کی تکثیر جماعت ہے تو چاہئے کہ احسن الصوت، کریہ الصوت پر مقدم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح اور ایک وجہ فضیلت اسے اس پر یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی واقع ہو اور مقتدی اس کی اصلاح کرے تو بہرے کو سننا مشکل ہوگا مگر دیگر امور اہم مثل صحت عقیدہ وغیرہ میں مساوات کے بعد اسے دیکھیں گے، کما اشار الیه المجیب سلمه الله تعالیٰ والله تعالیٰ اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ....ڈاکخانہ کرتھا، ضلع گیا۔ ۲۱ رشوال ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا! جواب سوالات ذیل بہ سند صحیح کتاب معتبر حنفی المذہب قول مفتیٰ بہ آگاہ فرمائیے۔

(۱) امامت ولدالحرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نماز اس کے پیچھے جائز یا ناجائز اور امامت صحیح یا غیر صحیح؟

Marfat.com

(۲) صحیح النسلوں میں ولد الحرام افقہ ہے، امامت کے لئے کون افضل ہوگا؟

(۳) امام نے ارکان نماز فرائض، واجبات وغیرہ بلا مفسدات مقام پر ادا کیا۔ جماعت میں مقتدی دو قسم کے ہیں۔ بعض اس کی امامت سے رضا مند اور بعض ناخوش و بے زار۔ ان میں سے کس طبقے کی نماز صحیح ہوگی، امام کی نماز کی کیا حالت ہوگی بوجہ بیزاری قوم؟

(۴) حدیث ابوداؤد ''ولا یقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له کارهون'' کا کیا مطلب ہے؟ یہ حدیث صحیحین میں ہے یا نہیں؟ محل توارد حدیث، اصول جانچ و پرتال حدیث سے جس میں درآمد بھی داخل ہے، کیا حکم رکھتی ہے؟ قسم و مدارج حدیث قوی وضعیف عمل درآمد علمائے حنفی المذہب کا اس پر اعادہ امامت، رواۃ و رجال حدیث کے کل ثقہ و محفوظ ہیں یا بعض مجروح و مخدوش؟ یہ حدیث تہدیداً یا حکماً امام کے حق میں ہے یا اور کے؟ اور ''من تقدم قوما'' سے کیا مطلب؟ آیا امام نماز مراد ہے یا اور؟ اور ''کارهون'' سے کیا مطلب؟ کس چیز سے ناخوشی و کراہت؟

الجواب

(۱) امامت ولد الزنا جائز و صحیح، مکروہ بہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث میں ہے: ''صلو اخلف کل برّو فاجر''۔

درمختار میں ہے: ''ویکره تنزیهاامامة عبد (الیٰ ان قال) وولدالزنا''۔

منحۃ الخالق حاشیۂ بحر الرائق شامی میں ہے: ''قال الرملی: ذکر الحلبی فی شرح منیة المصلی ان کراهة تقدیم الفاسق والمبتدع کراهة التحریم وامّاالعبدالاعرابی وولدالزنا والاعمیٰ فالکراهة فیهم دون الکراهة فیهما''۔

ہدایہ میں ہے: ''ویکره تقدیم العبد (الی ان قال) وولدالزنا وان تقدموا جازاه مختصراً۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: ''وکره امامة العبد والاعمیٰ والاعرابی وولدالزنا الجاهل فقط''۔

(۲) ولد الحرام جو افقہ ہو، اگر وہ مختقر میں نہیں، وہی امامت کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ کراہت اس کی بے علمی عادی یا علیٰ اختلاف الاقوال نفرت حضار کی وجہ سے ہے۔

مراقی الفلاح میں بعد عبارت مسطورہ لکھا: ''الذی لاعلم عنده ولا تقویٰ فلذا قیده مع ماقبله بقوله: ''الجاهل'' اذ لو کان عالما تقیا لا تکره امامته لان الکراهة للنقائص''۔

حاشیۂ طحطاویہ میں ہے: ''فلو کان عنده علم لا کراهة''۔

Marfat.com

بحرالرائق میں ہے:''وولدالزنا اذاکان افضل القوم فلا کراھۃ اذالم یکونا محتقرین بین الناس لعدم الکراھۃ'' فقط۔

(۳) نماز امام وہر دوقسم کے مقتدیوں کی صحیح ہے۔ البتہ کارہین کی کراہت امام کی کسی خرابی یا مقتدیوں کے احق بالامامت ہونے کی وجہ سے ہے تو ایسے شخص کو خود امام بننا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ احق بالامامت ہے تو اصلاً کراہت نہیں بلکہ ایسے شخص کی امامت سے کراہت کرنا خود ہی مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے: ولو امّ قوما وھم کارھون ان الکراھۃ لفسادفیہ او لانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد: " لایقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوماً وھم لہ کارھون"، وان ھو احق لا والکراھۃ علیھم"۔

(۴) یہ حدیث صحیحین میں حقیر کی نظر سے نہیں گذری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد وابن ماجہ میں حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے:''فلانہ لاتجاوز صلاتھم اذانھم العبد الأبق حتیٰ یرجع وامرأۃ باتت وزوجھا عنیھا ساخط و امام قوم وھم لہ کارھون"۔ امام ترمذی نے فرمایا:''حسن غریب''۔

نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا:''ایما رجل امّ قوماً وھم لہ کارھون لم تجز صلاتہ''۔

نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے:''من امّ قوما وھم لہ کارھون فان صلاتہ لا تتجاوز ترقوتہ''۔

نیز جمع الجوامع پھر کنز العمال میں بروایت ابوعبید، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:''انہ اتاہ قوم برجل قالوا ان ھذا یؤمّنا ونحن لہ کارھون فقال لہ لخروط۔ أتؤمّ قوماً وھم لک کارھون''۔

نیز اس حدیث کو بیہقی وعراقی نے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنیً روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابوداؤد اگر چہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق، جبر نقصان ہو کر لااقل حسن ٹھہرے گی۔ حدیث مذکور اگر چہ بظاہر تحریم ونفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض ظاہر پر حمل کر کے حرمت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کراہت ونفرت کسی امر دینی وسبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ ایسا خیال خود ہی مذموم ہے، کما مر عن الدرالمختار۔

Marfat.com

شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا: ''وهم له کارهون لمعنی مذموم عنه شرعا لان الامامة شفاعت ولا یستشفع العبد الا من یحبه''۔ ''تقدم قوما'' سے امام بننا اور نماز پڑھانے کو آگے بڑھنا مراد ہے۔ والله تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک پنجاب ضلع گجرانوالا مرسلہ محمد حیدر صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

الحمدلله وحده والصلوٰة والسلام علی من لا نبی بعده۔ اما بعد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جناب کے پاس ایک استفتا بہ نشان ذیل آیا ہوگا: ''ضلع گجرانوالا تحصیل وزیرآباد موضع پہرو کی ملک پنجاب''۔ وہ میرے واسطے ہی لکھا ہے۔ مجھ کو ہی کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں، یہ آمین بالجہر کرتا ہے ورفع یدین کرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ضاد کو مشابہ دال کے نہیں پڑھتا ہے۔ خالصاً لوجہ اللہ ونصحا لخلق اللہ ٹھیک ٹھیک لکھ دیجئے گا۔ مجھ کو ان لوگوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ میرے پیچھے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اگر استفتا نہیں آیا ہو تو براہ مہربانی اس کارڈ پر لکھ دیجئے گا کہ آیا جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے نکالے اور وہ مشابہ دال نہ پڑھے اور رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کرے آیا ایسے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جزا کم الله تعالیٰ عنا خیر الجزاء علاوہ اور علوم کے علم حدیث مولانا نذیر حسین صاحب سے پڑھی ہے۔ مفصل فتویٰ ہو اور میرے حال پر رحم کیجئے گا۔ اطلاعاً گذارش کر دی ہے۔

العاجز المدعو محمد حیدر علی عفی عنہ۔

الجواب

الحمد لاهله والصلوٰة علی اهلها فالسلام علی من اتبع الهدیٰ۔ ایک استفتا ضلع گجرانوالا سے ضرور آیا ہوا ہے۔ جس کا جواب بوجہ کثرت کار و مشاغل افکار اس وقت تک معرض تعویق میں رہا۔ آمین بالجہر ورفع یدین منکر تقلید سے ضرور آیت بدمذہبی ہے۔ جس کے کرنے والوں کو بسبب انکار تقلید و دیگر عقاید فاسدہ کے ہرگز حق امامت حاصل نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز ناجائز و گناہ اور اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ کہ مکروہ تحریمی ہوئی کہ ایسا شخص فاسق بالاعتقاد ہے اور امام بنانا تعظیم۔ وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام بلکہ بہتیرے وجوہ سے نماز محض باطل کما حققه حضرة مجدد المائة الحاضرة فی الرسالة المبارکة ''النهی الاکید عن الصلوٰة وراء عدی التقلید۔'' نیز مسئلہ ضاد کی تحقیق بھی اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے رسالہ ''الجام الصاد عن سنن الضاد'' میں فرمائی ہے، جس کے مطالعہ سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی انہیں غیر مقلدین میں سے تھے۔ اگر آپ ان کے ہم عقیدہ ہیں تو ہرگز آپ کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور اگر آپ کو خاص ان مسائل میں اشتباہ ہے تو کتب فقہیہ کا مطالعہ کیجئے یا بندہ کے پاس تشریف لے آیئے۔ اور باوجود انکار تقلید شافعیت کی آڑ

Marfat.com

تجر الیٰ غائۃ البوار ونہایۃ الخسار ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر مرسلہ......... ۱۲ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید مسلمان دیندار اہلسنت و جماعت سے ہے۔اس کا خویش کہ پہلے اہلسنت سے تھا، بالفعل صحبت مریدان قادیان سے قادیانی ہوگیا۔حالانکہ مرزا قادیان کو دیکھا بھی نہیں ہے۔اعتقاد فاسد ہوگیا اور اس کی زوجہ یعنی زید مذکور بالا کی دختر ہنوز دین اہلسنت پر قائم ہے۔اس واسطے زید مذکور نے اپنے خویش قادیانی سے ملنا اور بولنا ترک کردیا ہے اور اپنی دختر سے ملتا ہے اور اس کے بچوں نابالغ کو دیتا لیتا ہے۔اس صورت میں زید مذکور بالا کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الـــــجـــــــــــواب

قادیانی کہ اپنے لئے رسالت ونبوت کا مدعی اور انبیاء اور خصوصاً عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلی گالیاں دینے والا ہے قطعاً یقیناً اجماعاً سخت مرتد وسخت عدو اللہ، سخت دشمن اسلام ہے۔اس کا مرید ہونا تو نہایت عظیم آفت ہے۔جو اس کے کفری عقائد پر مطلع ہوکر اسے مسلمان جانے،وہ ہرگز مسلمان نہیں۔جو شخص اس کا مرید ہو،اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔اس کے ساتھ صحبت، زنائے محض ہوتی ہے۔خواہ عورت دین اسلام پر قائم رہے یا وہ بھی اسی کے ساتھ ہوجائے۔ہر طرح زنائے محض ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:" (ومنہا ای من الوجوہ الاربعۃ) ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرءۃ مسلمۃ ولا کتابیۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ۔"

پس ایسی صورت میں اگر عورت بھی اسی مذہب پر ہوجائے، جب تو ظاہر کہ باپ پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے ۔اور اگر عورت دین حق پر قائم بھی رہے تو باپ پر فرض ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، اسے زنا سے بچائے اور قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو تفہیم کرے کہ اسے چھوڑ دے۔ان احکام میں سے جس کی تعمیل نہ کرے گا، گناہگار ہوگا۔پہلی دوصورتوں میں تو صریح فاسق ،شدید مرتکب کبیرہ ہے۔اس کے پیچھے نماز ممنوع وگناہ اور صورت آخرہ میں کراہت سے خالی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔(الأنعام : ٦٨) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(کنز الایمان) حلبی اور صغیری اور کبیری میں ہے:" وفیہ اشارۃ الی ان انہم لو قدموا فاسقا یاثمون علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ"۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆

Marfat.com

(سوال دستیاب نہ ہوسکا ۱۲ ساحل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

(۱) استحقاق امامت کا دعویٰ محض باطل ہے۔ مسجد سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی ہے۔ بانی کی اولاد سنی حنفی موجود ہے۔ امام ومؤذن مقرر کرنا، بانی مسجد اور اس کے بعد اس کی اولاد کا حق ہے۔

عالمگیری جلد اول ص ۲، فتاوی قاضیخان جلد اول ص ۳۳ پر ہے: "رجل بنیٰ مسجدا وجعله لله تعالیٰ فهو احق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصر والقناديل والاذان والاقامة والامامة ان كان اهلا لذلك فان لم يكن فالرأ ى فی ذلك اليه" (الاشباه والنظائر مع غمز العيون ص ۱۸۵) البانی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشيرته اولیٰ من غيرهم

(۲) عام اہل محلہ سنی حنفی ہیں۔ اور خود اہل محلہ میں اگر اختلاف ہو، بعض ایک امام کو چاہیں اور اکثر دوسرے کو، تو اکثر ہی کی رائے معتبر ہے۔ اگرچہ جسے بعض قلیل چاہتے ہیں، وہ اس سے قراءت میں افضل ہو۔

عالمگیری جلد اول ص ۳۰ پر ہے۔ اذا اختار بعضهم الاقرء واختار بعضهم غيره فالعبرة للاكثر كذا فی السراج الوهاج۔

(۳) مسجد جامع میں اقامت جمعہ اہل محلہ کے لئے ہے اور اس کا امام وخطیب مقرر موجود ہے، دوسرے کو اصلا اس میں حق نہیں۔ اگر سوا ان کے خطبہ پڑھے یا امامت کرے، ہرگز جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۵۲ وردالمحتار میں ہے: "خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم يجز۔"

فتاویٰ سراجیہ جلد اول ص ۲۹ میں ہے: "لو صلیٰ احد بغير اذن الامام لا تجوز الا اذا اقتدیٰ به من له ولاية الجمعة۔"

(۴) غیر مقلدین اہل سنت سے خارج اور مبتدع ہیں۔

طحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ ص ۱۵۳ میں ہے: "من كان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔" اور مبتدع کی امامت مکروہ وممنوع ہے۔

ردالمحتار جلد اول ص ۵۸۵ پر ہے: "المبتدع تكره امامته بكل حال۔"

طحطاوی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۴ پر ہے: "الكراهة فيه تحريمية على ما سبق۔"

صغیری ص ۲۷۰ پر ہے: يكره تقديم الفاسق كراهة تحريم وعند مالك لا يجوز تقديمه وهو رواية عن احمد و كذا المبتدع۔

(۵) امام بنانا، تعظیم وتوقیر ہے اور امردین میں مبتدع کی توقیر حرام ہے۔

مشکوۃ شریف مطبع مجتبائی دھلی ص ۳۱ پر ہے: "عن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه

Marfat.com

وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الاسلام۔" "جس نے کسی مبتدع کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی"۔

(۶) فاسق معلن کی امامت مکروہ وممنوع۔ غنیۃ ص ۵۱۳ پر ہے: "لو قدموا فاسقا یأثمون۔" اور بدمذہبی ہر فسق سے بدتر فسق ہے۔

غنیۃ ص ۵۱۴ پر ہے: "یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل۔"

ابوالسعود حاشیۂ کنز جلد اول ص ۲۰۸ پر ہے: "علل الزیلعی الکراھة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اھانته شرعا فمفادہ کون الکراھة تحریمیة"۔

سنن ابن ماجہ ص ۷۲ا پر ہے: "عن جابر ابن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال یٰایها الناس (فذکر الحدیث الیٰ ان قال) ولا یؤم فاسق مؤمنا الا ان یقھرہ سلطان یخاف سیفه وسوطه۔" "یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں بیان فرمایا: فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کرے کہ اسے اس کی تلوار اور تازیانے کا ڈر ہو۔"

یہاں غیر مقلدین کی سلطنت نہیں تو وہ محض ناجائز دباؤ ڈال کر ہماری مسجد میں استحقاق امامت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) غیر مقلدین کی بدعت لزوم کفر تک پہنچی ہوئی ہے جس کا مفصل بیان مع ثبوت "کوکبہ شہابیہ" میں ہے اور ایسے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز محض ناجائز ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد اول ص ۱۴۶ پر ہے: "روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الصلوٰۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز۔"

شرح فقہ اکبر امام اعظم ابوحنیفہ ص ۵ پر ہے: "لا تجوز خلف المبتدع۔"

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ پر ہے: "ان بدعتھم لما اشتدت الیٰ ان وصلت قریبا الیٰ الکفر اورثت شبھة فی ایمانھم فتمنع من الاقتداء بھم وحکم بفساد صلاۃ من اقتدیٰ بھم۔"

شرح فقہ اکبر ص ۱۸۷ پر ہے: "خیر منھم ببطلان الصلاۃ خلفھم احتیاطا"

(۸) حدیث نماز اہل نجران اگر صحیح وثابت ہو تو وہ کافر مستامن تھے، امان لے کر حاضر ہوئے تھے اور ایسے کفار سے تعرض منع ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں نماز سے نہ روکنے دیا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے روکنا چاہا تھا۔

مواہب لدنیہ وشرح مواہب زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۴۷ پر ہے: "(قاموا یصلون فیه فاراد الناس منعھم) لما فیه من اظهار دینھم الباطل بحضرۃ المصطفیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وفی مسجدہ۔

Marfat.com

(فقال صلی الله تعالیٰ علیه و سلم دعوهم) تالیفا لهم و رجاء اسلامهم و لدخولهم بامان فاقرهم علیٰ کفرهم و منع من تعرض لهم فلیس فیه اقرار علیٰ الباطل۔"

امان لے کر آنے والے کفار پر مدعیان اسلام کا قیاس نہیں ہوسکتا۔ جن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستامن کفار کے لئے یہ منقول ہے، انہیں نے مسلمانان تارک قربانی کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

ابن ماجہ ص ۵۸ پر ہے: "عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم قال من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا۔"

انہیں نے کچا لہسن پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور بقیع تک نکلوادیا۔

صحیح بخاری شریف مطبع احمدی جلد اول ص ۱۱۸ پر ہے: "عن جابر بن عبد الله قال قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم من اکل هذه الشجرة یرید الثوم فلا یغشانا فی مسجدنا۔ عن انس بن مالك قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم من اکل هذه الشجرة فلا یقربن و لا یصلین معنا۔"

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم قال فی غزوة خیبر من اکل من هذه الشجرة یعنی الثوم فلا یاتین المساجد۔"

ایضاً ص ۲۰۱ پر ہے: "ان عمر ابن الخطاب خطب یوم الجمعة فذکر انکم ایها الناس تاکلون شجرتین لا اراهما الا خبیثتین هذا البصل و الثوم و لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه و سلم اذا وجد ریحهما من الرجل فی المسجد امر به فاخرج الیٰ البقیع۔"

کلمہ گو منافقین جمعہ کے مجمع میں ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکلوادیئے گئے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۲۲۱ پر ہے: "عن ابن عباس قال خطب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان فانك منافق و اخرج یا فلان فانك منافق۔"

غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود ونصاریٰ ویہود ومجوس وروافض وغیرھم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا۔

(۱۰) انہیں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صرف کلمہ گو ہونے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے بلکہ مطلقاً مسلمان ہونے سے بھی مسجد میں آنے تک کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ جماعت و امامت تو خاص بات ہے کہ آخر وہ منافق بھی کلمہ گو تھے، اپنے آپ کو غیر

Marfat.com

مقلدین کی طرح مسلمان ہی کہتے۔اور قربانی نہ کرنے یا لہسن پیاز کھانے والے تو ضرور مسلمان ہیں۔پھر بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے روکا اور نکلوا دیا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے فریق کے لئے عبادت خانہ بناتا ہے۔اور شرع نے مساجد میں انہیں کا حق مقدم رکھا ہے، جن کے لئے بانی نے مسجدیں بنائیں ولہذا اہل محلہ اپنی حاجت مقدم رکھنے کے لئے غیر اہل محلہ کو مسجد میں نماز سے منع کر سکتے ہیں۔

درمختار ہاشمی ص ۷۷ پر ہے: "لاهل المحلة منع من ليس منهم عن الصلوٰة فيه۔"

سنیوں حنفیوں کی بنائی ہوئی مسجدوں میں غیر مقلدین کا دعویٰ مساوات حق، جس کی بنا پر مزاحمت کرسکیں، بالکل بے بنیاد ہے۔

(۱۲) سنیوں حنفیوں نے مسجد بنائی اور اس کے نمازی ہیں اور ان ہی کا حق مقدم ہے۔اور انہیں غیر مقلدین کے آنے سے ایذا پہنچتی ہے۔ان کے خیالات منتشر ہوتے ہیں، ان کی نماز خراب ہوتی ہے۔اور غیر مقلدین کی اپنی مسجد موجود ہے اور اس میں ان کی نماز ہوسکتی ہے اور ان کے نزدیک بھی حنفیوں کی مسجد میں پڑھنا، کچھ ان پر فرض، واجب نہیں تو اپنی عبادت اپنے معبد میں ہوسکتے ہوئے دوسروں کی مساجد پر جدید قبضہ چاہنا اور ان کا دل دکھانا اور ان کے حق مقدم میں دست اندازی کرنا، صریح مداخلت بیجا و آزار رسانی اور صاف بدنیتی پر مبنی ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین، ہمارے ائمہ کو بُرا کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ہمیں مشرک بتاتے ہیں تو ہماری بنائی مسجدوں پر ان کا قبضہ کرنا، ہماری امامت کرنا، ہماری جماعت میں مل کر اپنی آوازوں اور حرکتوں سے اپنا غیر مقلد اور ہمارے اماموں کا دشمن، ہمارا مخالف ہونا، عین نماز میں جتانا، ضرور ناحق ایذا و آزار رسانی ہے۔اور بحکم شرع ہماری مسجدوں میں ہمارا حق مقدم ہے۔اور حدیث وفقہ کا حکم ہے کہ ایذا رساں کے لئے مسجد میں آنے کا حق نہیں اور یہ کہ مسجد سے نکال دیا جاوے۔

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اكل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا يوذينا بريح الثوم "۔اس کے اخراج کی حدیث ابھی گزری۔

درمختار ص ۱۷۷ پر ہے: "يكره دخول اكل نحو ثوم ويمنع وكذا كل موذ ولو بلسانه۔"

الاشباہ مع غمز العیون ص ۳۸۱ پر ہے: "يكره لمن اكل ذا ريح كريهة ويمنع منه وكذا كل موذ فيه ولو بلسانه۔"

ردالمحتار جلد اول ص ۶۹۱ پر ہے: "قال الامام العينى فى شرحه علىٰ البخارى: علة النهى اذىٰ الملئكة واذىٰ المسلمين ولا يختص بمسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والحق بالحديث كل من اذى الناس بلسانه وبه افتىٰ ابن عمر وهو اصل فى نفى كل من يتاذىٰ به اه مختصرا۔"

(۱۴) مسجدیں اہل سنت حنفیہ بنائیں، وہی اس کے نمازی ہیں اور انہیں کا حق مقدم ہے۔اور غیر مقلدین کا ان پر قبضہ

Marfat.com

ہونا یقیناً، ان کی نفرت کا موجب ہے۔ اور شرع کا حکم ہے کہ جس شخص کے مسجد میں آنے سے اس کے نمازیوں کو نفرت ہو، وہ مسجد میں جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اس لئے جذامی ومبروص کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ بیماری میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں۔

ردالمحتار جلد اول ص۲۹۲ پر ہے: "یلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ما له رائحة کریهة ماکولا او غیره والقصاب والسمّاك والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق وقال سحنون لا اری الجمعة علیهما۔" (۱/۶٦۱ مطلب فی الغرس فی المسجد)

(۱۵) مسجدیں ہر فریق کی جدا ہیں اور ہر ایک اپنی مسجد میں اپنے طور سے عبادت کرسکتا ہے۔ کسی فریق کے نزدیک اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد میں پڑھنے کے لئے شرع کا کوئی حکم نہیں۔ ہم ان کی مسجد پر دعویٰ نہیں کرتے، وہ ہماری مسجد پر بالجبر قبضہ چاہتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کو ضرور اپنے مذہبی رو سے سخت آزاردہ ہے۔ اور غیر مقلدین کی وہ ایذائیں کہ بعض اوپر بیان ہوئیں، علاوہ ہیں۔ یہ امور باعثِ اشتعال فریقین ہوتے ہیں۔ جس کے سبب ملک میں بکثرت مقدمات ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ تو ان میں جو فریق اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد پر قبضہ چاہے وہ ضرور فتنہ پھیلاتا اور اشتعال طبع دلاتا ہے۔ تو اس کو روکنا شرعاً وقانوناً ہر طرح لازم ہے۔ اگر کوئی مسجد میں کشت وخون کرنے جائے تو وہ ضرور شرعاً وقانوناً دخول مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اور اس وقت صرف اپنے مسلمان ہونے کو استحقاق دخول کی دستاویز نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمارے رب عزّ وجلّ نے قرآن عظیم میں فرمایا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔ تو ایک فریق کے دوسرے کی مساجد میں جانے سے جب فتنہ اٹھے، جس کی نظیریں ملک میں بکثرت موجود ہیں۔ تو وہ اس ارادۂ قتل والے سے زیادہ مستحق باز رکھے جانے کا ہے۔ اور ہرگز شرعاً وقانوناً اسے ان مساجد میں جانے کا حق حاصل نہیں۔

(۱۶) غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی، سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر ووافر ہیں۔ لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا وملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا۔

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت واقوال وافعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہوکر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے۔ اور بحکم قرآن عظیم، جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، وہ اس آیت کا مصداق ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ" (البقرة: ۱۱۴) "اس سے بڑھ کر ظالم

Marfat.com

کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے؟ انہیں روا نہیں تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر خوف کھاتے۔

(۱۷) شارع عام اور اسی طرح سر راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ بااین ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آ کر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کرلیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے۔ اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

(۱۸) ہمارے اور غیر مقلدوں کے مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ جس کی رو سے ہمارے مذہب میں ان کی نماز محض باطل و فاسد ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے طرز کی نماز میں بھی ہمارے نزدیک خارج ہیں، فضول بے معنی حرکات کر رہے ہیں۔ ازاں جملہ غیر مقلدوں نے خون اور مردار اور شراب کو ناپاک نہ جانا۔ جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب روضۂ ندیہ کے ص ۱۲ پر ہے۔ تو اگر غیر مقلد کے دامن میں سیر بھر گوشت مردار کا بندھا ہوا اور خون نے ناک سے نکل کر تمام داڑھی اور سینے کو رنگ دیا ہو اور سارے چہرے پر شراب کا غازہ ملا ہو بلکہ شراب کے مٹکے میں غوطہ کھالیا ہو، نماز ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نماز نہیں اور اشیائے مذکورہ سب ناپاک ہیں۔

عالمگیری جلد اص ۱۷ پر ہے: ''الخمر والدم والمیتة نجس نجاسة غلیظة ھکذا فی فتاوی قاضی خاں۔'' نیز غیر مقلدوں کا مسئلہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو، نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا مزا یا بو نہ بدل جائے۔ یہ مسئلہ بھی ان کی کتاب طریقۂ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ مطبع فاروقی دھلی کے ص ۷۹۶ اور انہی کی دوسری کتاب فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے ص ۵ پر موجود ہے۔ تو خون تو بڑی چیز ہے۔ اگر پاؤ بھر پانی میں دو چار ماشے اپنا یا کتے کا

Marfat.com

پیشاب پڑ جائے، غیر مقلدوں کے نزدیک پاک رہے گا اور اس سے وضو و نماز صحیح ہے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اگر کسی عظیم الشان کنویں میں بھی ایک بوند نجاست پڑ جائے، سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عالمگیری ص ۸ جلد اپر ہے:" فارة تفسخت فی الجب ثم صب قطرة من ذلك الماء فی البئر ینزح جمیعا کذا فی خزانة المفتیین"۔

نیز اسی فتح المغیث کے ص ۶ پر ہے: "کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر" لیکن ہمارے مذہب میں پگڑی کا دھونا بھی کافی نہیں، سر کا مسح فرض ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا " وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ "(المائدہ: ٦) "اور سروں کا مسح کرو" (کنز الایمان) اسی طرح بہت مسائل ہیں۔ تو اختلافِ مذہب کی حالت میں انہیں کیونکر ہماری امامت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسی حالت میں اگر وہ ہماری صف میں کہیں آ کر شامل ہوں تو ہمارے مذہب میں اصلاً جائز نہیں۔ کہ جب وہ نماز سے خارج ہیں تو یہ ایسا ہوا کہ نماز کی صف بندھی اور بیچ میں ایک شخص بے نیت نماز حائل ہے۔ یہ قطع صف ہوا جو حرام ہے۔

سنن نسائی ص ۱۳۷ اپر ہے: "عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم قال من وصل صفا وصله الله و من قطع صفا قطعه الله۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو صف کو وصل کرے، اللہ تعالیٰ اسے صلہ عطا فرمائے اور جو صف کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے۔

تو غیر مقلدین کا ہمیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے یا اپنی نماز میں انھیں شریک کرنے پر مجبور کرنا، صراحۃً ہمارے مذہب میں دست اندازی ہے۔ جس کا حق انھیں شرعاً و قانوناً کسی طرح حاصل نہیں۔

(۱۹)　قانون ہمیں ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ ہم اپنے مذہبی خیالات سے باز رہیں یا ان کی مخالفت پر مجبور کئے جائیں۔ ہمارے مذہب میں غیر مقلدین، مبتدع بد دین ہیں۔ جس کا ایک ثبوت اوپر طحطاوی علی الدر المختار سے گذرا۔ اور اس بارے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے علمائے کرام کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اهل البدع شر الخلق و الخلیقة۔" بدمذہب سارے جہان سے بدتر، بہائم سے بدتر ہیں۔

مسند امام احمد مطبوعہ مصر ہامش جلد اول ص ۱۱۰ پر ہے، نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اصحاب البدع کلاب النار"، بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔ ایضا کتاب مذکور ص ۱۱۰۔

جب ہم شرعاً و قانوناً ہرگز مجبور نہیں کہ کتے کو اپنی نماز کی صفوں میں کھڑا کریں یا اپنی مسجدوں میں آنے دیں۔ تو جو ہمارے مذہب میں بحکم حدیث اس سے بدتر ہیں، انہیں اپنی نماز میں شریک کرنے پر ہمیں مجبور کرنا، ضرور ہمیں مذہبی نقصان پہنچانا ہے، جو کسی طرح قرین انصاف نہیں۔

(۲۰)　ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "مَا كَانَ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يَّعۡمُرُوۡا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ بِالۡكُفۡرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ

Marfat.com

وَفِی النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ" (التوبة:۱۷-۱۸) "مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر، ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔" (کنزالایمان)

تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی و آزار رسانی و بد نیتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پوجا پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدنیتی و آزار رسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ ایسے ناجائز و فاسد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

(۲۱) اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بدمذہب و گمراہ ہے۔ کما قال الله تعالیٰ: "وَاِنَّا اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" (سبا: ۲٤) "اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں" (کنزالایمان) اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہوچکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بد دین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بد دین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

بہر حال! حاصل حکم یہ ہے کہ تم ہماری مساجد میں نہ آؤ۔ ایسا حکم کہ شرع کا متفق علیہ ہے، اسے چھوڑ کر بے بنیاد دعویٰ پیش کرنا، کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اب قرآن کی آیت سنئے۔

اللہ عزوجل وعلا قرآن عظیم میں فرماتا ہے: "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ

Marfat.com

الظّٰلِمِیْنَ ۔"(الأ نعام : ٦٨) ''اور جو تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھو''۔
تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی ص ۳۸۷ پر ہے: "ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع۔" ''یعنی ظالم لوگ مبتدع اور فاسق اور کافر ہیں۔ اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔''
ارشادالساری شرح بخاری جلد ۹ ص ۳۹ پر ہے: ''ان ھجرۃ اھل الھواء والبدع دائمۃ علی مر الاوقات ما لم تظھر التوبۃ والرجوع الیٰ الحق ''یعنی بدمذہبوں سے جدائی ہمیشہ ہے چاہے کتنا زمانہ گزرے، جب تک ان سے توبہ اور حق کی طرف رجوع ظاہر نہ ہو۔
کنز العمال ہامش مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۲ پر ہے: "عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اذا رأیتم صاحب بدعۃ فاکفھروا فی وجھہ فان اللہ تعالیٰ یبغض کل مبتدع۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بدعتی، بدمذہب کو دیکھو اس کے ساتھ ترشروئی کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مبتدع کو دشمن رکھتا ہے۔
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۴۹ پر ہے: "مجالسۃ الاغیار تجر الیٰ غایۃ البوار ونھایۃ الخسار"۔ ''یعنی غیروں کے پاس بیٹھنا، بربادی اور کمال تباہی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔
شفا شریف امام قاضی عیاض مطبع صدیقی بریلی ص ۱۹۷ پر ہے: ''قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ'' ص ۲۰۰ پر ہے: "فالصادق فی محبۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من تظھر علامات ذلک علیہ"۔ ص ۲۰۱ پر ہے: "ومنھا مجانبۃ من خالف سنتہ وابتدع فی دینہ''۔
''یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کی اولاد اور ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز تم میں کوئی مومن نہیں جب تک میں اسے خود اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سچا وہ ہے، جس پر محبت کی علامتیں ظاہر ہوں۔ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں اور مبتدعوں سے دوری اختیار کرے۔
شفا شریف میں ہے: "ومنھا بغض من ابغض اللہ ورسولہ ومعاداۃ من عاداہ ومجانبۃ من خالف سنتہ وابتدع فی دینہ۔"(۲/۲۲) ۔واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ احمد حسن صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بواسیری مسوں سے رطوبت ہر وقت

Marfat.com

جاری رہتی ہے۔تو اس صورت میں ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح زید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ درصورت دیہات میں نہ ہونے کسی شخص خواندہ کے، زید نماز جماعت سے فرض عشاء اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب بواسیری مسوں سے رطوبت جاری ہو یعنی نماز کا کوئی پورا وقت شروع سے ختم تک ایسا گذر گیا ہو کہ اس کو وضو کر کے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو اور جب سے اب تک پانچوں وقت نماز کے ہر وقت میں بلا ناغہ آرہی ہو اگرچہ ہر وقت میں ایک ہی دفعہ آتی ہو تو جب تک یہ حالت باقی رہے، اسے حکم معذور کا ہے۔ وہ پانچوں وقت وضو تازہ کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر واجب، سنت نفل، سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔

کنز الدقائق مع البحر میں ہے: ''وتتوضأ المستحاضة ومن به سلسل البول او استطلاق بطن او انفلات ريح او رعاف دائم او جرح لا يرقأ لوقت كل فرض ويصلون به فرضا (كان او واجبا) او نفلا وهذا اذا لم يمض عليهم وقت فرض الا وذلك الحدث يوجد فيه (ولو مرة)'' وہ ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے۔مگر اس کی اقتداء طاہروں اور دوسرے عذر سے معذوروں کے لئے درست نہیں، فرائض میں نہ تراویح میں۔ تراویح وغیرہا نوافل ہیں۔

ہدایہ میں ہے: ''ولا يصلي الطاهر خلف من هو في معنى المستحاضة اه كمن به سلس البول واستطلاق البطن وانفلات الريح والجرح السائل والرعاف ويجوز له اقتداء اى معذور بمثله اذا اتحد عذرهما لا ان اختلف اه''

فتح، غنیۃ شرح منیہ میں ہے: ''لا يصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر۔'' والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کانپور مسجد رنگیان مرسلہ مولوی نثار احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مع اہل وعیال کانپور میں بہ نیت اقامت مقیم ہوا۔عرصہ دراز کے بعد ایک شادی بھی کانپور میں کی اور مکان ذاتی بنایا اور حیثیت کے موافق کچھ معاش بھی ہے۔تخمیناً ستائیس برس یا کچھ زیادہ مقیم رہا۔اب ان کا انتقال ہوگیا۔وقت اقامت کانپور کے ایک پسر مسمّی بہ عمرو تخمیناً دو تین سال کا ہمراہ تھا۔اب اس عمرو کی عمر ستائیس سے زیادہ ہے۔زید نے اس مدت میں عمرو کا عقد لکھنو میں کرادیا تھا۔عمرو صاحب اولاد بھی کانپور میں ہوا اور عمرو کانپور سے کوچ کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔اس قدر زمانہ کے بعد اتفاق سے دوسرے شہر میں نوکر ہوکر چلا گیا اور ارادہ ہے کہ کوچ کرے گا۔

اس صورت مسئولہ میں زید کا وطن اصلی کانپور ہوا یا نہیں؟ ہوا تو کیوں اور نہیں تو کیا وجہ؟ جب زید کا وطن اصلی بن جاوے تو عمرو پسر کا باوجود اس کیفیت کے کہ ارادہ کوچ نہیں اور اس قدر عمر بھی اس نے شہر میں گذاری ہو، وطن اصلی بنایا

Marfat.com

نہیں اور کون سی علت نہیں کی۔ اور نہ ہونے کی بر تقدیر بن جانے کے دوسرے شہر کے نوکری باوجود کوچ کے ارادہ کے وطن اصلی کو باطل کرے گی یا نہیں؟ اور کیا علت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب زید مع اہل وعیال کانپور آ کر بہ نیت اقامت مقیم ہوا اور اپنا ذاتی مکان بنایا اور وہیں شادی بھی کر لی اور کہیں کوچ کا بھی ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ اسی طرح عمرو کہ وہاں ۲۴ سال سے زائد سے مقیم ہے، وہیں صاحب اولاد ہوا، کہیں کوچ کا ارادہ بھی نہ کیا، تو کانپور ضرور ان دونوں کا وطن اصلی ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "الوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخری اتخذها دارا وتوطن بها مع اهله وولده ولیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها۔"

تبیین الحقائق میں ہے: "وهو (الوطن الاصلی) مولد الرجل او البلد الذی تاهل فیها۔"

حاشیہ علامہ شلبی میں فتح القدیر سے ہے: "ای و من قصد التعیش به لا الارتحال (۱/۴۰۳)"

جامع الرموز میں ہے: "الوطن الاصلی ان یکون مولده وماهله ومنشأه کما فی المحیط وغیره من الاختیار علیٰ الاولیین لکونه ابعد من الخلاف۔"

درمختار میں ہے: "الوطن الاصلی موطن ولادته او تاهله او توطنه۔"

ردالمحتار میں ہے: "قوله: او تاهله ای تزوجه، قال فی شرح المنیة: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الاقامة به فقیل لا یصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وهو الاوجه۔ قوله ای توطنه ای عزم علیٰ القرار فیه وعدم الارتحال وان لم یتاهل قلت فبالاولیٰ اذا تاهل۔"

عمرو کا دوسری جگہ قیام کہ نہ اس کی مولد ہے، نہ وہاں اس نے شادی کی، نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کر لیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت چھوڑوں گا۔ بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی، بر بنائے تعلق نوکری ہے۔ تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی، اگر چہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ ہو، اگر چہ وہاں تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے، نہ مستقل مستقر۔ تو یہ صرف وطن اقامت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ووطن اقامته وهو البلد الذی ینو المسافر الاقامة فیه خمسة عشر یوما او اکثر۔"

تبیین میں ہے: "ووطن اقامته وهو الموضع الذی ینو المسافر ان یقیم فیه خمسة عشر یوما فصاعدا۔"

حاشیہ شلبی میں ہے: "ای علیٰ نیته ان یسافر بعد ذلك اه فتح۔"

وہ وطن اصلی کو باطل نہیں کر سکتا۔ تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولا یبطل الوطن الاصلی بانشاء السفر وبوطن الاقامة"۔

ح ط ش میں ہے: "لم یبطل الوطن الاصلی بوطن الاقامة۔"

Marfat.com

عمرو جب کانپور آئے گا، بمجرد دخول مقیم ہو جائے گا اور اتمام واجب۔ جامع الرموز میں ہے: یبطل الاصلی (السفر) ای وطن السفر المسمی بوطن الاقامۃ و الوطن المستعار الحادث ایضا فلو خرج الیٰ الاول صار مقیما بمجرد دخول فیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اندر مسجد کے یا باہر؟ بینوا توجروا۔ السائل سید محمد عمر غفرلہ از شہر پیلی بھیت محلہ احمد زئی۔

الجواب

اذان نبوی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثمانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی وصدیقی وفاروقی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱) عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون ھو الثانی" یعنی لفظ بین یدیہ کے معنی تو یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد۔ مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: "وبسند آخر عنہ کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علیٰ المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمرؓ" یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مواجہہ، میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابوداؤد

(۳) تعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمد (۴) میں ہے: "وعند الطبرانی (۵) کان یوذن بلال علیٰ باب المسجد علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وابی بکر وعمر۔"

(۶) کشف الغمہ میں ہے: "وکان الاذان الاول علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما اذا جلس الخطیب علیٰ المنبر علیٰ باب المسجد۔" مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع ومکروہ ہے۔

(۷) فتح القدیر میں ہے: "الاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلَی المئذنۃ فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا یوذن فی المسجد" (فتح القدیر، باب الاذان: ۱/۲۱۵)

(۸) اسی میں ہے: "ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ۔"

(۹) غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی میں ہے: "الاذان انما یکون فی المسجد والاقامۃ فی داخلہ۔"

(۱۰) فتاوی تاتارخانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیریہ، (۱۳) قاضی خان، (۱۴) خلاصہ (۱۵)، خزانۃ

Marfat.com

المفتین ،(۱۶) بحرالرائق میں ہے:" ینبغی ان یوذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد۔" اذان مئذنہ پرہو یا بیرون مسجد کہی جائے۔اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(۱۷) شرح مختصروقایہ علامہ برجندی میں ہے:" وفیہ اشعار بانہ لا یوذن فی المسجد۔"

(۱۸) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: "یکرہ ان یوذن فی المسجد کمافی القهستانی"(۱۹) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷) (۲۰) النظم (۲۱) شرح طحاوی پھر (۲۲) شرح قدوری محمود زاہدی میں ہے: ولا یوذن الا فی فناء المسجد او علی مئذنۃ۔

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم واطلاق صاف بتارہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعیٰ التخصیص فعلیہ ان یاتی بالتنصیص ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدہ العاصی ظفر الدین البہاری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولانا محبوب علی خان رضوی احاطہ ڈاکٹر عبدالسبحان خان محلہ کرنیل گنج کانپور۔۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں ہے اور حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی فتویٰ میں کوئی عبارت ایسی نہیں لکھی، جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو۔لہٰذا مسجد میں یہ اذان مکروہ نہیں ہے۔عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ، اذان ہی نہیں ہے۔اس کو تغلیباً اور بربنائے تقویٰ اذان کہہ دیا ہے۔اور اذان خطبہ کا مقصود اعلام نہیں ہے۔حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کا یہ دعویٰ کہ اذان خطبہ جمعہ، مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں، بالکل غلط، بے بنیاد وخلاف عقل ونقل وتصریح علماء ہے۔زید سے پوچھا جائے کہ اذان خطبہ اذان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ممانعت وکراہت اس کو کیوں شامل نہیں؟ کیا زید دکھا سکتا ہے کہ یہ اذان، اذان نہیں؟ یا علماء نے اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟ جب دو بات میں سے ایک بھی نہیں، تو زید کا دعویٰ بالکل محض ہے۔اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اذان نہیں، لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی المولیٰ علیہ وسلم وحضرات شیخین کرام کے زمانہ مبارکہ میں نماز جمعہ بغیر اذان ہوا کرتی تھی۔ وھذا لا یقول بہ جاھل نیز یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے فتوائے مبارکہ میں کوئی عبارت ایسی نہ لکھی جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو، یہ بھی بالکل غلط۔اعلیٰ حضرت کی تحریر میں عبارت فتح القدیر ملاحظہ ہو: فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے۔اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔اس عبارت میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ ہے۔ جسے منکرین مخالفین کو بھی انکار

Marfat.com

کرتے نہ بنی۔ اسی طرح غایۃ البیان شرح ہدایہ میں ہے۔ عمرو کا کہنا بھی بالکل لغو ومہمل ہے۔ اگر اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، تو اس کا کیا جواب ہے کہ سرکار دو عالم صلی المولیٰ علیہ وسلم وحضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں جمعہ کی نماز بے اذان ہوا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ عربی کی بڑی بڑی کتابوں کی شان عظیم ہے، فارسی کی چھوٹی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ زادالتقویٰ میں ہے: اذان ثانی وقتیکہ برائے خطبہ الخ

ترغیب الصلاۃ میں ہے: درعہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بنائبہا وبانگ مکرر شد۔ اب کوئی عمرو صاحب سے پوچھے کہ جب اذان خطبہ، اذان ہی نہیں تو اذان ثانی، کے کیا معنی اور ''مکرر شد'' کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے بچائے۔ آمین واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اور سننا سامعین پر فرض ہے یا سنت؟ بعض لوگ نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

خطبہ تین طرح کے ہیں:

(۱) خطبہ جمعہ کہ فرض ہے۔ اس واسطے بے خطبہ نماز درست نہیں۔ کما ذکر عن الزهری قال بلغنا انه لا جمعة الا بخطبة

شرح وقایہ میں ہے: '' وشرط لادائها المصر (الیٰ ان قال) والخطبة۔''

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''الجمعة لا تجوز بدون الخطبة۔''

عالمگیریہ میں ہے: "حتی لو صلوا بلا خطبة لم یجز۔"

(۲) خطبۂ عیدین۔ اور وہ سنت ہے۔

درمختار میں ہے: "تجب صلاتهما بشرائطهما سوی الخطبة فانها سنة۔"

ردالمحتار میں ہے: "انها فیهما سنة حتی لو لم یخطب اصلا صح واساء لترك السنة۔"

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''وصلاة العید تجوز بدون الخطبة۔''

ہندیہ میں ہے: ''والخطبة بعد الصلاة وتجوز الصلاة بدونها۔''

(۳) خطبہ نکاح اور وہ مستحب ہے اور اسماع اور انصات سب میں فرض ہے۔

درمختار میں ہے: ''وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح وختم وعید علی المعتمد''

پھر نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھنا، کس طرح درست ہوسکتا ہے۔؟

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلاة'' بلکہ پڑھنا گناہ وممنوع ہے۔ عقبہ

Marfat.com

بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی: ''قال الصلوۃ والامام یخطبه معصیة''۔
اس لئے کہ خطبہ میں حکم اسماع اور انصات ہے۔ فلا یشتغل بها لان الاشتغال بها یفوت علیه الاستماع هکذا فی الهدایة والدر المختار وغیر ذلك من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ بازار شفاخانہ ضلع نینی تال مرسلہ محمد عبد الرحمٰن ٹھیکہ دار ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ فرماتے ہیں:

لا جمعة ولا تشریق ولا صلوٰة عید ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة

''نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں۔''

''صححه ابن حزم فی المحلی'' اور یہی مذہب ہے صحابہ سے، خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن وابراہیم نخعی ومجاہد وابن سیرین اور ثوری وسحنون وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کما فی الغنیة شرح المنیة۔

ملتقی الابحر میں ہے: ''لا تصح الجمعة الا بستة شروط المصر او فنائه الخ کذا فی الکنز والاصلاح وتنویر الابصار ومراقی الفلاح وشرح الوقایة والسراجیة''۔

تبیین میں ہے: '' حتی لا یجوز اداؤها فی المفاوزة ولا فی القریٰ کذا فی مجمع الانهر والصغیری والبحر والغنیة والحلیة وملا مسکین۔''

خزانۃ المفتیین میں ہے: ''لا یجوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصر الجامع فلا یجوز اقامتها فی القریٰ ولا المفاوز البعیدة من الامصار۔''

یعنی'' جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو مصر سے دور ہیں۔ اگر پڑھیں گے گنہگار رہوں گے''۔

''لانه اشتغال بما لا یصح ومع ذلك اما ترك الظهر وهو فرض او ترك جماعة وهی واجبة ثم الصلاة فرادیٰ مع الاجتماع وعدم المانع شنیعة اخریٰ غیر ترك الجماعة فان من صلیٰ فی بیته معتزلا عن الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا فرادیٰ حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد ترکوا الجماعة

Marfat.com

واتوا بھذہ الشنیعة زیادة علیه فیودی الیٰ ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما یصلونه لما لم یکن مفترضا علیھم کان نقلا واداء النفل بالجماعة والتداعی مکروہ ثم ھم یعتقدونھا فریضة علیھم ولیس کذلك قاله فی "العطایا النبویة" وکذا افید علی ھامش رد المحتار۔"

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ لما فی رد المحتار عن الجواھر: "لو صلوا فی القریٰ لزمھم اداء الظھر۔"

اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دائمی بازار ہو اور وہ پرگنہ ہو جس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

بحر الرائق میں ہے: "وفی حد المصر اقوال کثیرة اختاروا منھا قولین، احدھما فی المختصر ثانیھما ما رووہ لابی حنیفة انه بلدة کبیرة ،فیھا سکك واسواق ولھا رساتیق وفیھا والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غیرہ والناس یرجعون الیه فی الحوادث۔"

اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم سے ہے کما فی الغنیة والحلیة والدر والھندیة والخانیة والخلاصة والعنایة وفتح اللّٰہ المعین والسراجیة وحاشیة الدر لمولانا عبد الحکیم۔ اور وہ تعریف کہ مالا یسع اکبر مساجدہ اھله مصر ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ کما فی البحر اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب، کما فی الدر۔ تو اس قول کا اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حرمین محترمین جن کے مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جمعہ قائم ہے، شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اور جس تعریف سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں، غیر معتبر ہے۔ غنیۃ شرح منیۃ ص ۵۵۰ میں ہے: "الفصل فی ذلك ان مکة والمدینة مصران تقام بھما الجمع من زمنه صلی الله علیه وسلم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لا یصدق علیٰ احدھما فھو غیر معتبر حتّٰی التعریف الذی اختارہ جماعة من المتاخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرھما وھو ما لو اجتمع اھله فی اکبر مساجدہ لا یسعھم فانه منقوض بھما، اذ مسجد کل منھما یسع اھله وزیادة۔"

اسی لئے مجمع الانہر میں ہے: "اذ ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین۔" بالجملہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے، ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از راکباب ڈاک خانہ منگڈ و محلہ حسین باڑہ مرسلہ مولوی عبد الشکور صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

مقتدائے زماں، پیشوائے اہل ایماں، جناب مولانا صاحب مدظلہ۔

Marfat.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ فتویٰ مفتی قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کا، حضور کے پیش کرنا ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس میں حضور کا مہر و دستخط چاہئے۔ ورنہ اس کی غلطی سے ہم لوگوں کو اطلاع فرمادیں والسلام۔

ما قولکم ایھا العلماء الکرام دریں مسئلہ کہ نماز جمعہ در دیہات جائز است یانہ؟ واگر خواندہ شود شرائط صحت آن چیست؟ وبحالت در وجود ہمہ شرائط جمعہ ظہر احتیاطی خواند یانہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

منجملہ شروط صحت نماز، مصر بودہ ست۔ ودر دیہات جمعہ نزد حنفیہ بحکم ایں روایت ہدایہ: "صلوٰۃ الجمعۃ لا تصح الا فی الجامع او مصلّٰی المصر ولا تجوز فی القریٰ" ادانمی شود۔ لیکن در تعریف مصر اختلاف است۔ فقہا متقدمین مصر آنرا گویند کہ حاکم وقاضی آنجا قدرت اجرائے احکام شرعیہ، حدود وقصاص داشتہ باشد۔ مگر چوں تسلط کفار غالب شدودین اسلام ضعیف گردیدہ تحقق شرط مذکور مفقود شد، یعنی باوجود حاکم، اسلام عنقا صفت شد واگر جائے حاکم اسلام باقیست، قدرت اجرائے حد۔ ندارد۔ واز فقہائے متاخرین فقط کثرت اسلام رااعتبار نمودہ، جائے راکہ وسیع تر مساجد آنجا گنجائش نمازیان مکلّف نداشتہ، آنرا مصر بموجب روایت مفتیٰ بہ قرار دادہ اند۔

چنانچہ درردالمحتار مذکوراست: "ویشترط لصحتھا سبعۃ اشیاء الاولیٰ المصر وسو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ اکثر الفقھاء لظھور التوانی فی الاحکام وظاھر المذھب ان کل موضع لہ امیر وقاضی یقدر علی اقامۃ الحدود" (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۱/۱۳۷)

علامہ شامی محشی درمختار در تائید روایات مذکوری آرد: "(لقولہ ما لا یسع الخ) ھذا یصدق علی کثیر من القریٰ (قولہ المکلفین بھا) احتراز عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین عن ط: القھستانی (قولہ وعلیہ فتویٰ اکثر الفقھاء الخ) وقال ابو شجاع ھذا احسن ما قیل وفی الولوالجیۃ ھو صحیح بحر وعلیہ منتھی الوقایۃ ومتن المختار وشرحہ وقدمہ فی متن الدر علی القول الاخر وظاھرہ ترجیحہ وایدہ صدر الشریعۃ لقولہ لظھور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار۔" (رد المحتار: ۱/۱۳۷)

پس بر تحقیق مذکورہ بالا آنجا تعریف مصر صادقست۔ یعنی دہیکہ دراں چند مسجد باشند واہل اسلام کہ نماز برآنہا فرض است، این قدر کثیر باشد کہ در مسجد کلاں آنجا گنجائش متصور نہ باشد، آنرا حکم مصر است۔ واگر دراں موضع از جانب حاکم اسلام، امام جمعہ مقرر نہ باشد، اہل اسلام ہر کہ امام خود مقرر کردہ باشند، پس او جمعہ ادا سازند۔ نماز جمعہ ادا خواہد شد، بحکم ایں روایت فتاوی عالمگیریہ: "بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ومصر القاضی بتراضی المسلمین اھ۔"

وبحالت شک در وجود شرائط جمعہ یعنی بودن مصر وحاکم اسلام یا نائب آں در صحت جمعہ شک آوردہ ظہر اقتضائی

Marfat.com

روایت مشہور بخوف عدم اعتقادعدم فرضیت جمعہ بہتر ست کہ عوام نخواہند۔ واہل گرخواند درخانۂ خودخفیہ خواندتا فساداعتقاد بر آں نشود۔ وبحکم ایں روایت درمختار وفی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰة الاربع بعدها بنية اٰخر ظهرخوف اعتقادعدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط فی زماننا واما من لا يخاف عليه مفسدة منها فالاولیٰ ان تكون فی بيته خفية هذا ما القی فی الخاطر الفاطر محمد لطف الله غفر له۔

الجواب صحیح۔ فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات کرام حنفیہ خصهم الله تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں۔ اگر پڑھیں گے، گنہگار ہوں گے۔ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ وغیر معتبر کو اختیار کرنا فقاہت سے ازبس دور۔ حسب اقرار خود وتصریح علمائے کرام ظاہر الروایۃ، كل موضع له امير وقاضی يقدر علیٰ اقامة الحدود كما فی الهندية والظهيرية والخانية والعناية والبحر والدر المختار وغيرها من معتمدات الاسفار، علمانے غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کو جہالت ونادانی وخرق اجماع فرمایا ہے۔

بحرالرائق میں ہے: ''ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرفوع عنه۔''

درمختار میں ہے: "ان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع اقول فكيف بالافتاء بالمرجوع عنه۔''

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا: "المقلد لا يجوز له ان ان يحكم الا بما هو ظاهر الرواية اه۔'' اس پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہونا اور ولوالجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی وجہ نہیں ہوسکتی ہے، کہ تعریف كل موضع الخ پر بھی اکثر فقہا كما فی العناية وعلی هذا شارح منيه نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔ پس جبکہ تصحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحرالرائق میں ہے: '' الفتویٰ اذا اختلف كان الترجيح لظاهر الرواية۔''

اسی میں ہے: "اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها۔'' علیٰ هذا توانی فی الاحکام کو وجہ اختیار اس روایت کی گردانا بھی بعد غور معلوم ہوسکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں "يقدر علی اقامة الحدود" ہے، نہ يقيم الحدود۔ بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔ وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود۔ اور وجہ ترک قوی (اولاً غیر ظاہر الروایۃ ہونا ثانیاً اس تعریف کی رو سے مکہ معظمہ ومدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج ہونا) موجود۔

غنیۃ میں ہے: "والفصل فی ذلك ان مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه عليه السلام الی اليوم فكل موضع كان مثل احدهما فهو مصر وكل تفسير لا يصدق علی احدهما فهو غير معتبر حتی التعريف الذی اختاره جماعة المتاخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهله فی اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة فلا

Marfat.com

یعتبر هذا التعریف اهـ" (غنیة المستملی شرح منیة المصلی ص ۵۵۰)
اورسبب اختیار موضع لہ امیر وقاضی الخ ظاہر وبیّن۔ ولہذا اسی کا اختیار انسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنگالہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲ رجب ۱۳۲۳ھ متعلم مدرسہ عالیہ رامپور
چہ می فرمایند رازداران دین متین ودقیقہ شناسان شرع متین اندریں مسئلہ کہ آخر الظہر باحتیاط الظہر بعد فرض الجمعہ بدیار ما مروج است، اصل آں چیست؟ وباداے آں در ہر چہار رکعت بعد الفاتحہ سورت خواندہ شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا چوں جمعہ مشروط بشرائط نزد ائمہ ما سادات کرام حنفیہ علیهم الرضوان من الملك العلام بود ووجود ہمہ شروط دریں بلاد محل تامل اختلاف است۔ بدیں وجہ اکثر مشائخ بخارا بلکہ جمہور ائمہ دین وعلماء معتمدین بمقامیکہ در جواز صلاۃ جمعہ شک افتد، بعد اداے چہار رکعت سنت بعد جمعہ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ نماز یکہ وقت او یافتم وہنوز او نکردہ ام یا نماز جمعہ متعدد جا خواندہ شود۔ (اگر چہ حسب مذہب مفتیٰ بہ توارد جمعہ مطلقا جائز ودرست ست۔ کما اعتمد علیه فی الکنز والوافی، والملتقی والکافی و الطحطاوی، والهندیة والشامی، والمحیط وجواهر الاخلاطی، وصححه مفتی الجن والانس نجم الدین والعلامه الشرنبلالی فی المراقی، قال فی شرح الوقایة" وبه یفتیٰ" وفی شرح المجمع والحاوی القدسی وجواهر الاخلاطی" وعلیه الفتویٰ"۔ وفی فتح القدیر "علیٰ المفتی به"، وفی المحیط وتکملة الرازی" وبه ناخذ"۔
خواص را حکم چہار رکعت سنت بعد الجمعۃ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ آخرین ظہرے کہ وقت او یافتہ ام وہنوز ادا نکردہ ام۔

قال فی الحلیة شرح المنیة "وقد یقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك اذا تعددت فی المصر وهی واقعة اهل مرو فیفعل ما فعلوه" قال المحسن "لما ابتلی اهل مرو باقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امر ائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حقا احتیاطا"

درفتاویٰ عالمگیریہ ست: "ثم فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصر او غیره واقام اهله الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بها الظهر حتی لو لم تقع الجمعة موقعها یخرج عن عهدة فرض الوقت بیقین۔" کذا فی الصغیری والغنیة شرحی المنیة والکافی،

Marfat.com

وفتح القدير والقنية والطحطاوی وحاشية المراقی والحاوی القدسی، والبحر الرائق ومجمع الانهر وشرح المجمع ونهر الفائق، والفتاویٰ الظهيرية والحجة وخزانة المفتيين ومختار الفتوىٰ والسراجية وشرح الكنز لملا مسكين، والتاتارخانية، والفتاویٰ الصوفية، وجامع المضمرات، والدر المختار والفتاویٰ الرحمانية وخزانة الروايات، واختاره الامام محسن والتمرتاشی والعلامه ابن الشحنة والباقانی والمقدسی وابو السعود والقاضی بديع الدين وشيخ الاسلام وغيرهم من الائمة الكرام عليهم الرحمة والرضوان من الملك العلام۔

اما عوام کہ بہ تصحیح نیت قدرت ندا ند یا بہ سبب ایں رکعات اربعہ جمعہ را فرض ندانند وآنہا قائل فرضیت صلاتین شوند، محکوم بایں حکم نیند۔ بلکہ اوشاں را بروئش اطلاع نشود کہ ایں فتنہ آکد واہم مفسدہ اشد واعظم ست۔ درحق شاں ہمیں بس ست کہ بر بعض روایات نماز اوشاں ادا می شود۔ ولہذا در ''نور الشمعہ'' تصریح فرمود: ''نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔''

درمراقی الفلاح مذکور است: "بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة ان الجمعة ليست بفرض او تعدد المفروض فی وقتها ولا يفتیٰ بالاربع الا الخواص ويكون فعلهم اياها فی منازلهم اه۔"

ولہذا در طحطاوی فرمود: "فالاولیٰ ان تكون فی بيته خفية خوفا من مفسدة فعلها اقول وهو اعتقاد الجهلة الخ وبمثله صرح غير واحد من الائمة۔"

ودر ضم سورۃ اختلاف لکن احوط ضم در رکعات اربعہ ست۔

در بحر الرائق نویسد: "ثم اختلفوا فی القراءة فقيل يقرء الفاتحة والسورة فی الاربع وقيل فی الاولين كالظهر۔"

صاحب منحۃ الخالق فرمائد: ''ويقرؤن فی جميع ركعاتها۔''

در فتح اللہ المعین ست: "واختلفوا فی ضم السورة للفاتحة فی الاربع او فی الاولين فقط والاحتياط ان يقرء هما فی الاربع هكذا فی العالمگيری عن فتاوی (اهو) "ينبغی ان يقرء الفاتحة والسورة فی الاربع التی يصلی بعد الجمعة فی ديارتنا كذا فی التتارخانية"اه

اقول لکن الحق هو التفصیل اے شخصے کہ قضا ہائے ظہر برگردن ندارد، در رکعات اربعہ ضم نمائد وگرنہ در اولین فقط۔

قال الحلبی: ''وينبغی ضمها فی الكل ان لم يكن عليه قضاء فان وقعت فرضا فالسورة لا تضر وان وقعت نفلا فالضم واجب وان كان عليه قضاء لا يضم فی الاخيرين لانها فرض البتة۔'' والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ از ڈاکخانہ شاہی مرسلہ شاہزادہ علیخان صاحب ۱۴؍ رجب ۱۳۲۳ھ

جو شخص دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اس کو معاف ہے کیا کوئی گرفت نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جمعہ نہ پڑھنے میں کوئی گرفت نہیں بلکہ پڑھنے میں ہے۔ جمعہ کے بدلے اور روز کی طرح نماز ظہر ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از قصبہ جادو ضلع مندسور، گوالیار مرسلہ مولوی عبدالملک ۳؍ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا موافق مذہب احناف کے اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں ایک محلہ میں قریب قریب آباد ہیں۔ جمعہ روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجدوں میں مثل صلاۃ خمسہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ منجملہ اس کے شرائط کے حضور سلطان ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھا کریں۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے لئے سلطان یا اس کے نائب یا ماذون کا حاضر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اگر اس میں سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے۔ اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے۔ امیدوار قول فیصل ہوں۔

الجواب

اگر جادو ایسا قصبہ ہے کہ اس میں متعدد کوچے، دائمی بازار رہتا ہے اس کے متعلق گاؤں گنے جاتے ہیں، اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر بھی مقرر ہے، جو از روئے حشمت و شوکت کے اس قابل ہے کہ اس سے مظلوم کا انصاف ظالم سے ہو سکے، تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے ہے۔ کما فی الخانیة والهداية والدر والخلاصه وغیرها اور اگر یہ تعریف اس پر صادق نہیں تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں رہی۔ رہ گئی شرط سلطان تو اگر سلطان نہ ہو تو اس کا نائب یا ماذون و ماذون الماذون وهلم جرا چاہئے۔ اور اگر ان سب میں کوئی نہ ہو تو بضرورت مسلمانوں کے اتفاق سے جسے چاہیں، امام بنالیں۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "وان لم يكن ثمه قاضي ولا خليفة الميت فاجتمع العامة على تقديم رجل جاز لمكان ضرورة۔ هكذا في الصغيری والبحر والطحطاوی والبزازية والسراجية والخلاصة والفتاوىٰ لقاضيخان وغيرها۔"

درمختار میں ہے: "واما مع عدمهم فيجوز للضرورة۔"

ردالمحتار میں ہے: "في معراج الدراية عن المبسوط "البلاد التي في ايدي الكفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر بل القضاة والولاة مسلمون يطيعونهم عن ضرورة او بدونها وكل مصر فيه وال من جهتهم يجوز له اقامة الجمعة والاعياد"۔

Marfat.com

اقول ولیس حضور السلطان فی الصلاۃ شرطا قطعا والا لم یجز الا فی موضع واحد من المملکۃ جمیعا بل المراد اذنہ بالاقامۃ کما یدل علیہ قول العلامۃ محمد علاء الدین الحصکفی صاحب الدر المختار او مامورہٗ باقامتھا فالکل من القولین لہ وجہ لکن الاظھر والابین ھو الاول والاحسن ما حررنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد۔ بیتھو شریف۔ ۶ر صفر ۱۳۲۳ھ

دیہات میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دیہات میں نماز عید جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ شرائط اس کے سوا خطبہ کے، شرائط جمعہ ہیں۔

شرح وقایہ میں ہے: "وشرط لھا شروط الجمعۃ وجوبا واداءً الا الخطبۃ ھکذا فی الغنیۃ والاصلاح۔"

خلاصہ میں ہے: "ویشترط للعید ما یشترط للجمعۃ من المصر والسلطان الخ ھکذا فی العالمگیریۃ وقاضی خان والخزانۃ ولفظھا لھا۔"

اور جمعہ دیہات میں درست نہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: "وشرط لادائھا المصر او فناؤہ۔"

عالمگیریہ میں ہے: "ومنھا المصر ھکذا فی الکافی کذا فی الاصلاح والسراجیۃ۔"

غنیۃ میں فرمایا: "اما شروط الاداء فستۃ ایضا الشرط الاول المصر او فنائہ فلا یجوز فی القریٰ عندنا ھکذا فی الصغیریٰ۔"

اور یہی مذہب صحابہ سے خاتم الخلفا مولیٰ علی وحذیفۃ رضی اللہ عنہما اور تابعین سے عطا، حسن بن ابی الحسن، نخعی، مجاہد ابن سیرین، ثوری، سحنون، ہے کما فی الغنیۃ۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "والجمعۃ لا یجوز اقامتھا فی الرساتق ولا المفاوز البعیدۃ من الامصار۔"

"جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں۔ جس میں سے ایک مصر ہے۔ تو جائز نہیں ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو امصار سے دور ہیں۔

ابوبکر بن ابی شیبۃ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں: "لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر والاضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔"

"نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق اور نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں" صححہ ابن حزم فی المحلی۔

اور اسی پر عمل خیر القرون صحابہ کرام کا رہا کہ اس وقت بحمد اللہ کثرت سے بلاد فتح ہوئے لیکن بجز امصار کہیں نصب

Marfat.com

منبر وا قامت جمعہ وعیدین کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔
درمختار میں ہے: "وفی القنیة صلوٰۃ العید فی القریٰ تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرطه۔"
قنیہ میں ہے: عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کے ساتھ اشتغال ہے جو درست نہیں۔ اس کے لئے مصر شرط ہے۔ وانتفاء الشرط یستلزم انتفاء المشروط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شاہ سلامت اللہ مصنف "الشمس الطالع" از رامپور ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہاں پور کے رہنے والے دو شخص، ثقہ عادل، بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا ۲۹ کے حساب سے نہ ہوگی؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع موافق ظاہر الروایۃ (کہ اسی پر عمل واجب اور اس کا خلاف مرجوح ومرجوع عنہ ہوتا ہے جس پر افتا جہل وخرق اجماع۔ کما فی الدر المختار) شاہجہاں پور میں ۲۹ کا چاند ثابت ہوکر چہارشنبہ کو عید اضحی کرنی لازم ہے کہ نصاب شہادت کامل۔ ان کی شہادت واجب الاعتبار اور اختلاف مطالع کا موافق ظاہر الروایۃ اور مذہب مفتیٰ بہ وتصریحات علماء، اصلاً اعتبار نہیں۔
عالمگیریہ میں ہے: "ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة کذا فی فتاویٰ قاضی خان وعلیه فتویٰ الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوائی، قالوا: رایٰ اهل مغرب هلال رمضان یجب الصوم علیٰ اهل مشرق کذا فی الخلاصة۔"
اور ہلال عید الفطر کی طرح حکم ہلال عید اضحیٰ ہے۔ خزانۃ المفتیین میں خلاصہ سے ہے:
"وهلال ذی الحجة کالفطر وهو ظاهر المذهب۔" پس اسی پر عمل واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از سرکار بیتھو شریف ۶ صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جو کچھ امام کو پڑھنا چاہئے، وہ مقتدی کو بھی پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مقتدی بھی سب پڑھیں کہ نماز جنازہ صرف ذکر ودعا ہے، قراءت قرآن نہیں۔ اور مقتدی کو بھی صرف قراءت

Marfat.com

قرآن عظیم ہی منع ہے، باقی دعا واذکار میں وہ امام کے شریک ہیں، مثل امام سب کچھ پڑھیں۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔" جب تم کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا مانگو۔

فی العطایا النبویۃ: "فی الرحمانیۃ فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن ثم یکبرون ویصلون علیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیہم فی التکبیرات الثلث ولا قراءۃ فیہا۔"
خزانۃ المفتیین میں ہے: "فان کان المیت غیر بالغ فان الامام ومن خلفہ یقولون اللّٰہم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا اجرا وذخرا واجعلہ لنا شافعا ومشفعا۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مسئولہ ذیل میں؟

ایک بستی کی مجموعی آبادی ۱۵۰ گھر کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۰ گھر کی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی مسلسل ہے اور مسلمانوں کا محلہ اتر دکھن لانبا ہے، شمالی کنارے سے جنوبی کنارے تک، محلہ کی لانبائی تقریباً چار سو قدم ہے۔ زمانۂ قدیم سے ایک مسجد محلہ کے بالکل شمالی کنارے پر ہے، جس میں پنج وقتی اور جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے۔ محلہ چونکہ جنوبی کنارے پر زیادہ آباد ہے اور مسجد شمالی کنارے پر ہے۔ اس لئے بیشتر نمازی پنج وقتی نماز میں مسجد نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ اس مسجد میں زیادہ تر لوگوں کے نہیں پہونچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا راستہ ایک کھار کے کنارے سے ہے، جو برسات کے چار مہینوں میں دس ہاتھ تک (لانبائی میں) دو فٹ پانی میں ڈوبا رہتا ہے اس لئے آمد ورفت میں سخت دقت ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا مجبوریوں کی وجہ سے بستی کے لوگوں کی اور محلہ کے جنوبی کنارے پر رہنے والے لوگوں کی خواہش ہے کہ جنوبی کنارے پر ایک مسجد پنج وقتی نماز ادا کرنے کے لئے بنائیں (جو لب سڑک وشاہراہ ہوگی)۔ اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں اس مسجد کی بنا درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: عبد الغنی عفی عنہ۔ تاریخ بست وچہارم ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ

الجواب

صورت مسئولہ میں، جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اب مسجد ہے اور جہاں پر دوسری مسجد بنانی چاہتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر بُعد اور دوری ہے کہ اس مسجد کی اذان اُس مسجد تک نہیں جاتی۔ اور بستی کا نقشہ دیکھنے سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی اس خطۂ زمین کے قریب ہے۔ جہاں لوگ مسجد بنانی چاہتے ہیں اور اس مسجد بنانے

Marfat.com

ے ہرگز اس پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں، نہ اس کا خیال ہے۔ بلکہ اس مسجد سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ دور ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نہیں جاتے ہیں، اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس مسجد کے بن جانے سے وہ لوگ بھی مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے ثواب پانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اس مسجد کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بنانے والے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے: "من بنیٰ للّٰہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔" "جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے یعنی مقصود اس سے خداوند عالم کی رضامندی وخوشنودی ہو، نہ ریا و شہرت، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا"۔

بلکہ جتنے لوگ اس میں چندہ دیں گے اور مسجد کے بنانے میں شریک ہوں گے، سب کے لئے یہی اجر ہے کہ خداوند عالم جنت میں ان کے لئے گھر بنائے گا۔

تفسیر روح البیان جلد۲ ص۵۸۲ میں ہے: "واذا اشترک جماعۃ فی عمارۃ مسجد فھل یحصل لکل منھم بیت فی الجنۃ کما لو اعتق جماعۃ عبدا مشترکا بینھم فانھم یعتقون من النار ویجوزون العقبۃ بقولہ تعالیٰ: "مَا اَدْرٰكَ مَاالْعَقَبَةُ ،فَكُّ رَقَبَةٍ" وقد فسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فك الرقبۃ بعتق البعض والقیاس الحاق المساجد بالعتق لان فیہ ترغیبا وحملا للناس علی انشاء المساجد وعمارتھا۔"

"یعنی اگر ایک جماعت کسی مسجد کی تعمیر کرنے میں شریک ہو تو کیا ہر ایک کے لئے جنت میں گھر ہوگا؟ جس طرح ایک جماعت اپنے مشترک غلام کو آزاد کرے تو وہ سب کے سب آتشِ دوزخ سے آزاد ہو جائیں گے اور ان سب لوگوں کو عقبہ کی جزاء دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عقبہ کیا چیز ہے؟ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فك رقبۃ کی تفسیر بعض غلام آزاد کرنا، فرمایا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ مسجد بنانے کو بھی غلام آزاد کرنے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں لوگوں کو ترغیب ہے، مسجد بنانے اور اس کی عمارت پر"۔

رہا قرآن شریف میں ایک مسجد قبا کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا ذکر وعید کے ساتھ "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ۔" (التوبۃ: ۱۰۷) میں اس وجہ سے ہے کہ ان منافقین نے دوسری مسجد اس لئے بنائی تھی کہ پہلی مسجد کو ضرر پہونچائیں۔ اس کا منشا ان کے اندرونی کفر کو تقویت دینا، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی، تشتت وتفرق پیدا کرنا تھا۔ تو جہاں یہ باتیں نہ ہوں گی، دوسری مسجد بنانا، ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

جواب صحیح ہے مگر فاضل مجیب نے جو شرائط تحریر فرمائے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے۔ خصوصاً تشتت وتفرق پیدا کرنا کسی طرح لازم نہ آئے۔

محمد اصغر حسین عفی عنہ ۴؍ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

Marfat.com

مسئلہ مولوی محمد رضوان از کانپور مسجد رنگیان ۱۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسب ناجائز اور قدرے تجارت بھی کرتی ہے۔ یعنی سال میں ہزار پانسو کا مال خرید کر فروخت کرتی ہے اس درمیان میں دو چار مکان بھی اس نے خریدا اور وہ مال اس کے پاس کچھ کسب حرام سے پیدا ہوا تھا اور کچھ بطور حلال۔ لیکن یہ امر کہ کس قدر حلال اور کس قدر مال حرام ہے، کچھ معلوم نہیں۔ بعد چند دنوں کے اس مال کی وارث اس کی ماں یعنی ہندہ کی ماں نے اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کیا۔ اب لوگ اس خیال سے کہ مسجد میں روپیہ ناجائز بھی لگا ہے، نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ من کل الوجوہ اس سے آگاہی دی جائے کہ یوں ہی مسجد بنوانا مال مختلط سے بلا جریان ارث جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

ایسی مسجد میں نماز صحیح ہونے میں تو کلام نہیں۔ اولاً لعدم الاخلال برکن او شرط۔

ثانیاً یہ مسجد مال مختلط سے بنی ہے، نہ خاص حرام سے۔ ایسے مقام پر ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ عنہم تصریح فرماتے ہیں کہ حرام پر محمول نہ کریں گے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ شی بعینہ حرام سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے فتاویٰ ظہیریہ سے ،کہا امام فقیہ ابواللیث نے ،بعضوں نے فرمایا: "یجوز ما لم یعلم انه یعطیه من حرام قال محمدو به ناخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفة واصحابه۔"

ثالثاً اگر بالفرض مال حرام ہی سے ہے اور مسجد تعمیر کی تو اگر زر حرام دکھا کر بائع سے کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دیدے پھر وہی روپیہ ثمن میں ادا کرے۔ اور اگر وہ روپیہ نہ دکھایا یا مطلقاً خریدا پھر ثمن میں زر حرام دیا گیا، زر حرام پر عقد کیا اور دیتے وقت مال حلال ادا کیا، تو یہ خریدی شی حسب مذہب مفتی بہ امام کرخی کے حلال ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "تصدق لو تصرف فی المغصوب والودیعة وربح اذا کان متعینا بالاشارة او بالشراء بدراهم الودیعة او الغصب ونقدها وان اشار الیها ونقد غیرها والیٰ غیرها او اطلق ونقدها لا وبه یفتیٰ۔"

درمختار میں ہے: "اکتسب حراما واشتریٰ به او بالدراهم المغصوبة شیئا قال الکرخی ان نقد قبل البیع تصدق بالربح والا لا۔"

ردالمحتار ج ۴ ص ۲۴ پر ہے: "توضیح المسئلة ما فی التتارخانیة حیث قال رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتریٰ فهذا علیٰ خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الیٰ البائع اولا ثم اشتریٰ منه بها او اشتریٰ قبل الدفع بها ودفعها او اشتریٰ قبل الدفع بها ودفع غیرها او اشتریٰ مطلقا ودفع تلك الدراهم او اشتریٰ بدراهم اخر ودفع تلك الدراهم قال ابو نصر یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول والثانی لا یطیب وفی الثلاث الاخیرة یطیب وقال ابو بکر لا یطیب فی الکل لکن الفتوی الاٰن علیٰ قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اه وفی الوالجیة وقال بعضهم لا یطیب فی الوجوه کلها وهو

Marfat.com

المختار لکن الفتوىٰ الآن علی قول الکرخی دفعا للحرج بکثرۃ الحرام اھ۔"
رابعاً کسب ناجائز سے جو کچھ ہندہ نے حاصل کیا تھا، جب مخلوط ہوکر وارث یعنی اس کی ماں کے پاس پہنچا اور اس کو اس مال کی کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ کس کس سے لیا اور کتنا کتنا لیا، تو اس کے لئے یہ حلال ہے۔
شامی میں ہے: "وان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام و لا یعلم اربابه و لا شیئا منه بعینه حل له و الاحسن دیانة التنزه عنه اھ۔"
اسی کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے: "فی المجتبیٰ مات و کسبه حرام فالمیراث حلال۔" اور مال حلال سے جو مسجد بنائی گئی، وہ مسجد ہی ہوگی اور اس کو ویران اور خراب کرنا، اپنے دین کو ویران اور خراب کرنا ہے کہ اس مسجد میں صحت نماز میں شک نہیں۔ اور مال مخلوط سے جو مسجد بنائی جائے، وہ بھی مسجد ہے۔ لیکن بنانے والے کو اس کی اجازت نہ تھی کہ جب تک اس حرام سے میراث حاصل نہ کر لیتا مال مخلوط کو دوسرے کام میں صرف کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سنبھل ضلع مرادآباد مرسلہ محمد مدنی صاحب ۲/ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
ہادی و رہنما بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ قصبہ سنبھل میں ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ جس کے بابت علماء صاحبان فرماتے ہیں کہ اس کا کرایہ لینا منع ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہ تہ خانہ یعنی دکان بند کرائی جارہی ہے۔ جس کے باعث سے مسجد کے دو روپیہ ماہوار کی آمدنی میں فرق آنے والا ہے۔ امر دریافت طلب ہے کہ یہ بات اگر جائز ہو تو معزز فرمائیں کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے یا نہیں؟ اور اس کا روپیہ مسجد کے صرف میں آنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہ مصارف مسجد کے لئے ایسی دکان کو کرایہ پر دینا، اس کا مسجد میں صرف کرنا، موافق مذہب ظاہر الروایۃ جائز و درست ہے، جبکہ تعمیر مسجد سے وہ دکان بنائی گئی ہو۔ جس کا مانع محض جاہل یا مجنون لا یعقل ہے۔ اس کے ثبوت میں تصریحات علماء بکثرت موجود، جس کے آگے مانعین کے اوہام بالکل مردود ہیں۔
بحر الرائق میں ہے: "بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانه یجوز له اذ لا ملك فیه لاحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس۔ هذا هو ظاهر المذهب کذا فی ملا مسکین شروح الکنز و حاشیة فتح الله المعین معزیا الی الفتح۔"
درمختار میں ہے: "واذا جعل تحته سردابا لمصالحه جاز کمسجد المقدس کذا فی حاشیته للطحطاوی و رد المحتار للشامی۔"
مگر یہ ان ہی صورتوں میں ہے جبکہ تعمیر مسجد کے وقت دکان بنائی گئی ہو۔ اور اگر بعد تمامی مسجدیت پھر کسی نے بنالیا ہو تو درست نہیں۔ کما صرح به العلامة الشلبی لقوله: "فان قیل لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا علی المسجد

Marfat.com

قیل لایستحب ذلك ولكنه لو جعل ذالك فی الابتداء ھکذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا علیه ویجوز المسجد والوقت الذی تحته ولوانه بنیٰ المسجد اولا ثم اراد ان یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل" ھکذا فی الدر المختار ورد المحتار من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر محلہ قراولان مسئولہ مولوی امین اللہ صاحب ۱۳ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس بارے میں کہ مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے؟ اور دینے والے کی فضیلت اور جو کوئی دینے والے کو منع کرے تو کیا عقاب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد میں خرچہ دینا یعنی اس کی تعمیرات میں فروش وحوض وحمام، و دیگر مصارف میں مثل روشنی وغیرہ کے صرف کا اتنا ثواب ہے جس کو شمار میں نہیں لاسکتے۔ اس کا ثواب بما لا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

رب العزۃ جل وعلا فرماتا ہے: "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ" ''خدا کی مسجدیں وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہوں''۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما یلحق المومن من عمله بعد مماته مسجدا بناه۔" ''بے شک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے، وہ مسجد ہے جس کی بنا میں اس نے شرکت کی''۔ اخرجه ابن خزیمة وابن ماجة والبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

حضور اقدس نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من بنیٰ لله مسجدا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة۔" ''جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر بنائے گا''۔ وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی اور بعض روایت میں ہے موتی اور یاقوت سے۔ رواه احمد والبخاری ومسلم وابن ماجة وابن حبان وابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی المسند والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر وایضا فی الاوسط وابن عدی عن سیدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هریرة واسماء بنت سیدنا الصدیق رضی الله عنهم اجمعین۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو، چاہے شرکت پیسوں سے ہو یا روپوں سے یا اشرفیوں سے، سب کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ لا ینقص من اجورهم من شیء۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار روپے والے کا سوا اور دس روپیہ والے کا ایک روپیہ اور دس آنہ کے مالک کا چار پیسہ، سب ایک حیثیت میں ہے۔ اور جو شخص اسے روکے، سخت گناہگار، آثم، فاسق، مرتکب گناہ کبیرہ، مستحق وعید، مناع للخیر ہے۔ اعاذنا الله

Marfat.com

منہ ومن سائر اھل الاسلام بصدقۃ نبیہ صاحب التاج والمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

چہ می فرمانید علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہا:

اول اینکہ مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل کردن جائز است۔

دوم: آنکہ زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف؟

سوم: گزاردن نماز جنازہ بے نمازی جائز است یا نہ؟

چہارم: اگر شخصے بمیرد، درآں خانہ اندرون سہ روز اتخاذ ضیافت، خواہ دفن کنندگان باشد یا غیر اوشاں جائز است یا حرام؟

پنجم: زیارت قبور بے نمازی چہ حکم دارد؟

ششم: قربانی بقر کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث؟

الجواب

(۱) معاذاللہ من ذلک مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل ہرگز روا نیست کہ ایں ابطال غرض وقف است کہ اصلا روا نیست۔ لا یجوز تغییر الوقف۔

صاحب فتح القدیر فرمائید: ''الواجب ابقاء الوقف علیٰ ما کان علیہ'' علمائے کرام فرمودہ اند کہ مسجد را مدرسہ یا قبرستان وعکس نتواند کرد۔

درفتاوی عالمگیریہ از سراج الوہاج است: "لایجوز تغییر الوقوف عن ھیأتہ فلا یحول الدار بستانا ولا لخان حماما ولا الرباط دکانا۔'' پس چوں تبدیل ہیئت جائز نیست، تغیر اصل مقصود چگونہ روا باشد۔ آرے اگر حول مسجد ہمہ ویران شد ومسجد از آبادی دور افتادہ ماند وہیچ کس درنمی آید، اگر نقل نہ کنند غاصبان وظالمان مال او را می برند، ایں گاہ ضرورت بر جواز نقل فتویٰ دادہ اند۔ کما فصلہ فی رد المحتار۔

(۲) رسول اللہ ﷺ فرمودند: ''کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروا القبور۔'' الخمسۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ودرقول اللہ عزوجل: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ۔''(التوبۃ: ۸٤) اشارہ است بزیارت قبور مسلمانان۔

(۳) نماز جنازہ بر ہر مسلم متقی باشد یا فاسق سوائے اربعہ مذکورین فی کتب الفقہ کہ درآں تارک الصلوۃ نیست فرض است۔ صاحب درمختار فرمائد: ''وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب الخ۔''

(۴) رسم مذکور سخت قبیح واتخاذ ضیافت مذکور گناہ وناجائز است۔ امام محقق علی الاطلاق در فتح القدیر وعلامہ

Marfat.com

حسن شرنبلالی درمراقی الفلاح وامام بزازی درفتویٰ وغیرہم من الاعلام درمصنفات خودش آوردہ اند وعبارت چنیں است :"یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) جائز است کہ رقت قلب ودموع چشم وذکراز وہم حاصل است۔ لاجرم علامہ تصریح فرمودند: "والزیارة بهذا القصد یستوی فیها جمیع القبور۔"

(۶) ازہردو۔ قال اللہ تعالیٰ:" وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ الآیة۔"(الحج: ۳۶)

خود حضور اقدس ﷺ از ازواج مطہرات بقرہ ذبح فرمودہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم راامر فرمودہ اند۔ البخاری عن ام المؤمنین الصدیقه رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت:" ضحّی رسول اللہ ﷺ عن نسائه با لبقر۔" وشیخین وابوداؤد از جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی:" امرنا رسول اللہ ﷺ ان نشترك فی الابل والبقرة كل سبعة منا فیه بذاته۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الزکوٰۃ ۳

مسئلہ از بارہ بنکی قصبہ ردولی مرسلہ محمد الطاف الرحمٰن ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی تجارت کی۔ بعد ایک سال کے دوسو روپیہ منافع ہوا۔ سال اول میں زکوٰۃ صرف دوسو روپیہ منافع پر لازم ہوگی یا صرف ایک ہزار اصل پر یا دونوں پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس تاریخ سے وہ مالک نصاب ہوا، جب اس تاریخ پر سال گزرے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تاریخ مذکور پر دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے دَین وغیرہ ضروریات سے فاضل، اس وقت کتنا مال ہے؟ خواہ نقد، خواہ مال تجارت، خواہ دوسروں پر قرض۔ ان سب پر زکوٰۃ آنے کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت جتنا اس وقت موجود ہو، بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت لگائی جائے۔ جو نفع مال تجارت ہے، وہ اگر اس تاریخ سال، تمام نصاب سے پہلے مل گیا تو وہ بھی حساب کیا جائے گا۔ اگر چہ تمامی سال سے ایک ہی گھڑی پیشتر ملا ہو۔ اور جو نفع اس تاریخ کے بعد ہوگا، وہ اس سال میں محسوب نہ کیا جائے گا۔ سال آئندہ میں اس کا حساب لگایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ومن كان له نصاب كاملا وفى اثناء الحول وجد مالا من جنسه، ضمه الى ماله وزكاه ولو كان من غير جنسه من كل وجه كالغنم مع الابل فانه لا يضم هكذا فى الجوهرة النيرة فان استعفاه بعد حولان الحول فانه لا يضم ويستانف له حول آخر بالاتفاق۔ هكذا فى شرح الطحاوى۔"

والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ واجد علی خاں بریلی محلہ سوداگران ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۴ھ

مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گھانس یعنی پولوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصارف، مصارف زکوٰۃ ہیں یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پولوں کا طریقہ جس طرح آپ کے گاؤں میں مروج ہے کہ اس کی احتیاط اور نگاہداشت ہوتی ہے، ضرور ان پر عشر ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ علماء نے جو حطب اور قصب کو مستثنیٰ فرمایا، اس سے مراد وہی ہے کہ جس سے استغلال ارض مقصود نہ ہو۔ یہاں تک کہ عامہ کتب مذہب مثل بحر، بدائع وردالمحتار ودرمختار وخانیہ وخزانۃ

Marfat.com

المقتبین وغیرہا، میں تصریح فرمایا:

واللفظ للاول" انما استثنی الثلاثة لانه لا یقصد بها استغلال الارض غالبا حتی لو استغل بها ارضه وجب العشر اه۔" "یعنی صاحب کنز نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ غالباً ان سے مقصود استغلال ارض نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مشغول کرے ان جزؤں کے ساتھ زمین کو، ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

اور مصارف اس کے مصارف زکوٰۃ ہیں۔ فتح القدیر، ردالمحتار اور خانیہ اور فوائد متفرقہ پھر خزانۃ المفتیین میں ہے:" ویصرف العشر الیٰ من یصرف الیه الزکوٰة اه قال فی الجوهرة :مصرفه مصرف الزکوٰة۔" واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی سید حسن ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا ولینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نانا نانی کو نہیں دے سکتا۔ چچا کو دینا جائز ہے بلکہ اس میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحمی۔

خانیہ ج ۱ص ۱۲۸ میں ہے:"(ای لا یجوز دفع الزکوٰة) الیٰ والدیه واجداده وجداتهٖ وان علوا من قبل الاباء والامهات ویجوز الیٰ سائر قرابته نحو الاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات اه۔" هکذا فی کنز الدقائق وشرحیه البحر وتبیین الحقائق۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک کاٹھیاوار ضلع راجکوٹ، دھوراجی مرسلہ موسیٰ الان ۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

بخدمت فیض درجت، مجدد مائۃ حاضرہ، عالم اہلسنت، مولانا وبالفضل اولانا، کمترین حاجی موسیٰ الان مقام دھوراجی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے عرض رساں ہے کہ بندہ سے زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کوشش ہوتی ہے، وہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے دلا کر حق الٰہیہ ادا کرتا ہے۔ اور اس دینے میں حضرات سادات کرام کو بھی بقول شامی و بحر الرائق ومراقی الفلاح شامل کرتا ہے۔ پر اب مولانا مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی مرحوم کے فتاویٰ جلد اول میں ایک فتویٰ دیکھنے میں آیا، جس میں صاف ممانعت حضرات سادات کو دینے کی لکھی ہے بلکہ شامی بحرالرائق اور مراقی الفلاح کے قول کو صاف نامعتبر لکھا ہے۔ لہٰذا میں متردد ہوں کہ حضرات سادات کرام کے لئے غیروں کے پاس میں جو کوشش کرتا ہوں تو محنت برباد اور گناہ لازم ہوتا ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا جواز یا عدم جواز موافق حکم شریعت غراء کے لکھ کر ناچیز کو اس مخمصہ سے نجات بخشیں اور عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بنی ہاشم کو زکوٰۃ وصدقات دینا زنہار جائز نہیں۔ نہ انہیں لینا حلال۔ سیدنا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں

Marfat.com

اس کے تحریم میں وارد آئیں۔ ہمارے ائمۂ ثلثہ بالا جماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں اور کافہ فقہا علی الاطلاق اسی پر ماشی اور اجلہ محققین اہل شروح وفتاویٰ وارباب تصحیح وفتویٰ مثل امام ابوبکر مرغینانی صاحب ہدایہ وامام فقیہ النفس قاضی خاں وامام طاہر صاحب خلاصہ وامام صاحب کافی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بے اشعار خلاف، امر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایت ضعیفہ مخالفہ لو بھی نہیں دیتی۔ قابل التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا تھا، ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے۔ جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں۔

مجمع الانہر میں ہے: "لا تدفع الیٰ ھاشم وھو ظاهر الرواية وروىٰ ابو عصمة عن الامام انه يجوز في زمانه الخ۔"

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔

امام خیر الدین الرملی عالم فلسطین اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: "هذا هو المذهب الذى لا يعدل عنه الى غيره وما سواه روايات خارجة عن ظاهر الرواية وما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه لما قرروه في الاصول من عدم امكان صدور قوانين مختلفين متساويين عن مجتهد والمرجوع عنه لم يبق قولا له كما ذكروه وحيث علم ان القول هو الذى تواردت عليه المتون فهو المعتمد المعمول به الخ۔"

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پرآشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟

اقول: بڑے مال والے اگر اپنی خاص جیب سے بطور نذر وہدیہ ان حضرات کی خدمت نہ کریں، تو یہ ان کی بے سعادتی بھی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدامجد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی ملجا و ماویٰ نہ ملے گا۔ کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال، جو انھیں کے صدقہ میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُن کا ایک حصہ صرف کیا کریں۔ کہ اس سخت حاجت کے دن اس جواد وکریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں سے مشرف ہوں اور متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ تعالیٰ وہ تدبیر ممکن کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمت سادات بھی بجا ہو۔ یعنی کسی مسلمان مصرف زکوٰۃ معتمد الیہ کو جو اس کی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ میں کچھ روپے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دے۔ پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کو نذر کر دو۔ تو قرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ میں اور ہندیہ میں ہے: "اذا اراد ان يكفن من زكوٰة ماله لا يجوز والحيلة ان يتصدق بها علىٰ فقير من اهل الميت ثم هو يكفن به فيكون له ثواب الصدقة ولاهل الميت ثواب التكفين وكذلك في جميع البر الخ۔"

Marfat.com

مگراس میں اتنی دقت ہے کہ اگراس نے نہ مانا تو اس پر کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا۔ اسے اختیار ہے، چاہے دے یا نہ دے۔ لہٰذا فقیر غفر اللہ لہ کے نزدیک اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ سے بیس روپیہ سید کو نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے۔ کسی فقیر، عاقل، بالغ، مصرف زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر، سوا سیر غلہ دکھائے کہ ہم یہ تمھیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے، بیس روپیہ کو بیچیں گے۔ یہ روپیہ تمھیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو۔ اب بیع شرعی کر کے روپے بہ نیت زکوٰۃ اُسے دے۔ جب وہ قابض ہو جائے، اپنا مطالبہ ثمن میں پہلے اول تو خود ہی لے اور وہ انکار نہ کرے گا۔ اور اگر کیا بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے۔ اور دائن جب اپنے دَین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے۔ اب یہ روپیہ لے کر بطور خود سید یا بنائے مسجد میں صرف کردے کہ یہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

درمختار میں ہے: ''یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰۃ مالہ ثم یاخذ ھا من دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ اھ۔'' من الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علیٰ بنی ھاشم لعالم اھل السنۃ مجدد المأۃ الحاضرۃ سیدی احمد رضا خان متع اللّٰہ المسلمین بطول بقائہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ رحیم بخش خان بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب وتسلیمات کے عرض خدمت اقدس ہے۔ جناب عالی! ایک شخص سید زادہ ہے اور وہ شخص قرض دار ہے۔ اور اس شخص کے معاش سے قرض ادا نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔؟ ایک شخص کہتا ہے کہ جائز ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ صحیح طور پر بدلیل لکھ کر روانہ فرمائیں۔ بینوا توجروا فقط۔

الجواب

زکوٰۃ اور اسی طرح تمام صدقات واجبہ، اوساخ الناس حضرات سادات کرام کو دینا ناجائز وحرام، نہ ان کے دیئے زکوٰۃ ادا ہو۔

فتح القدیر میں ہے: ''لا تدفع الی بنی ھاشم ھذا ظاھر الروایۃ۔''

مجمع الانھر میں ہے: ''لا تدفع الی بنی ھاشم وھو ظاھر الروایۃ۔''

رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان، مصرف زکوٰۃ، معتمد علیہ کو جو اپنی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردے۔ پھر اس سے کہے: تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کو نذر کردو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو گئی اور یہ جو سید نے پایا، نذرانہ تھا۔ اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

Marfat.com

ذخیرہ وہندیہ میں ہے:"واذا اراد ان یکفن میتا من زکوٰۃ ماله لا یجوز والحیلة ان یتصدق بها علیٰ فقیر من اهل المیت ثم ہو یکفن به، یکون له ثواب الصدقة ولاهل المیت ثواب التکفین وکذٰلك فی جمیع ابواب البر کعمارة المساجد وبناء القناطیر، الحیلة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علیٰ فقیر ثم یامره بالصرف الیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة اه ملخصا۔"

اقول ویظهر لی ان ثواب تلك القرب لهما جمیعا لان من دل علیٰ خیر کان کفاعله والتفصیل فی فتاوینا والله تعالیٰ اعلم۔

صح الجواب فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الصوم ٤

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" کی آیت میں "شہد" سے کیا مراد ہے؟۔اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کر کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلا شبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم واعظم فرائض اسلام سے ہے۔ جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ ثابتہ سے مدلل ہے۔ قال تعالیٰ: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"۔(البقرۃ: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے (متبرک مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں، تو جوشخص پائے تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم يكن مسافرا فليصمه" یعنی جوشخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منكم هلال شهر فليصمه" یعنی جوشخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "و تیقن به" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شہدت الہلال نہیں کہتے بلکہ شاھدت۔

اقول وهذا كما ترىٰ لانك تقول شهدت الهلال لما رائيته و شهدت الهلال اعم منه كما صرح به في نفسه لقوله وشهد من الشهود والتركيب يدل على الحضور اما ذاتا او علما وقد قيل لكل منهما۔

(۳) تفسیر فتح الرحمان علامہ شیخ علی مہائمی میں ہے: "(فمن شهد) اى علم (منكم الشهر) باستكمال شعبان او شاهد الهلال (فليصمه)۔" یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے دیکھنے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

Marfat.com

(۴) تفسیر کبیر میں ہے: "(فمن شهد) ای من شاهد الشهر بعقله ومعرفته (فليصمه)" یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جانے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگر چہ بظاہر متعدد اقوال معلوم ہوتے ہیں مگر سب ایک ہیں لما فيه بمنزله قيود و احترازات۔ خلاصہ یہ کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا ثقہ عادل کی گواہی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کرکے اس پر فرض ہے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلف مقیم تندرست غیر معذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ كما صرح به المهائمی فی فتح الرحمان واشار اليه النووی فی "روح المسائل فی الفروع" لقوله شهود الشهر اما بالروية والسماع والخازن لقوله" وقيل هو محمول على العادة شهود الشهر ای روية الهلال ولذالك قال النبی صلى الله عليه وسلم صوموا لرويته وافطروا لرويته اخرجاه فی الشيخين ولا خلاف انه يصوم رمضان من رائ الهلال ومن استكمل شعبان وفصله الامام الرازی فی الكبير كما هو دابه حيث قال:" اعلم ان قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه يستدعی بحثين۔ البحث الاول ان شهود الشهر بما ذا يحصل؟ فنقول اما بالروية واما بالسماع فنقول اذا رأى انسان هلال رمضان فأما ان يكون منفردا بتلك الروية أو لا يكون؟ فان كان منفردا بها فأما ان يرد الامام شهادته أو لا يردها؟ فان تفرد بالروية ورد الامام شهادته لزمه ان يصوم لأن الله تعالى جعل فی حقه فوجب ان يجب عليه الصوم واما ان انفرد بالروية وقبل الامام شهادته أو لم ينفرد بالروية فلا كلام فی وجوب الصوم واما السماع فنقول اذا شهد عد لان على روية هلال حكم به فی الصوم والفطر جميعا واذا شهد على هلال رمضان يحكم به احتياطا لامر الصوم۔" (التفسير الكبير ۵/۲۵٦)

ان دونوں اکابر مفسرین کی تصریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ من شهد منكم الشهر کے معنی من علم کے ہیں۔ اور یہی مفہوم حدیث شریف "صوموا لرويته وافطروا لرويته" کا ہے۔ كما نص عليه الخازن وبعد تصريحات العلماء فی كتب اللغة لسان العرب بين الروية النظر بالعين والقلب۔ اسی میں ہے:" وروية القلب هو العلم"

تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی رویت پر بھروسہ کرکے یا شعبان کے تیس دن پورے کرلو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی افطار کرو عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی رویت پر بھروسہ کرکے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کرکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

عید کا چاند

(رسالہ مبارکہ "عید کا چاند" کے آغاز میں مرتب قیس محمد خاں قادری رزاقی کے وہ مراسلات ہیں جو انہوں نے امیر جماعت اہل حدیث اور امیر شریعت پھلواری شریف کی خدمت میں چاند کی بابت ارسال کئے تھے۔ پھر ان پر

Marfat.com

مفصل تنقیدی تبصرہ اور ماہنامہ نقیب کے ایڈیٹر کے مضمون کا علمی محاسبہ ہے۔ چونکہ یہ چیزیں زیر نظر کتاب سے غیر متعلق تھیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا گیا۔۱۲ ساحل)۔

کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) روزہ رکھنا کب فرض ہوتا ہے اور کب روزہ کھولنا اور عید کرنا واجب ہوتا ہے؟

(۲) چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ ہر مقام اور ہر شہر والوں کو خود ان کے دیکھنے پر حکم ہوگا یا ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ روزہ رکھنے اور کھولنے کا حکم ہوگا اور کب؟

(۳) اگر اس بارے میں علما کے اقوال مختلف ہیں تو ان قولوں میں کس پر فتویٰ ہے کس پر عمل کرنا چاہئے؟

(۴) مشرق مغرب کا ایک حکم ہونا اس وقت تھا جب رسل ورسائل کے ذرائع محدود تھے۔ اب سارے کرۂ زمین کی خبر چند منٹوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت لندن کے افق پر چاند ہونے کو ہندوستان کے افق پر ماننا کیونکر ممکن ہے؟

(۵) زمانے کی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال وغیرہ سے جب خبروں کی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں تو ان کو نہ ماننا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے اور اس بارے میں عام علمائے ہندوستان کا کیا فتویٰ ہے؟

(۶) سننے میں آیا ہے ۱۹/ اگست کو مراد آباد میں جمعیت العلما نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جا سکتی ہے۔ اس فتوے کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

امید کہ ان سوالوں کے جوابات آیات واحادیث وکتب فقہیہ کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول جناب مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین پھلواری شریف قدس سرہٗ کی تحقیقات کی روشنی میں تحریر فرمایا جائے تو بہت بہتر ہو کہ خود غرضوں کے سوا صوبہ بہار کے علما وعوام کسی کو ماننے میں نہ عار ہو اور نہ کسی کو ہمت انکار ہو۔ بینوا توجروا۔

قیس محمد خاں قادری رزّاقی عفی عنہٗ محلہ مغلپورہ پٹنہ سٹی ۲۲/ اگست ۱۹۵۱ء

الجواب

جواب سوال اول: قال الله تعالیٰ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا لوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی پائے یہ مہینہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

مَن سے مراد عاقل بالغ تندرست مسلمان ہیں۔ شہد یا شہود سے ہے جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا جو سفر کا مقابل ہے یعنی جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا

Marfat.com

رض ہیں۔ یا مشاہدہ سے بنا ہے یعنی تم میں سے جو کوئی ماہِ رمضان کا چاند مشاہدہ کرلے تو اس میں روزہ رکھے۔

تفسیر ابو سعود میں ہے: ''فمن شهد منكم الشهر اى حضر فيه ولم يكن مسافرا وقيل من شهد منك هلال الشهر فليصمه''

تفسیر کبیر میں ہے: ''(المسئلة الثانية) شهد اى حضر و الشهود الحضور ثم ههنا قولان احدهما ان مفعول شهد محذوف لان المعنى فمن شهد منكم البلدا و بيته بمعنى لم يكن مسافرا والقول الثانى مفعول شهد هو الشهر و التقدير من شاهدا لشهر بعقله و معرفته فليصمه'' تفسیر کبیر جلد (۲ ص ۱۸۴)۔

حدیث شریف میں ہے: ''اذارايتم الهلال فصوموا واذارايتم فافطروا وان غم عليكم فعدوا ثلثين يوما'' ''جب دیکھو رمضان شریف کا چاند تو روزہ رکھو اور جب دیکھو شوال کا چاند تو افطار کرو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو گنتی تیس دن پوری کرو''۔ رواه الامام احمد والبيهقى عن جابر رضى الله عنه ورواه الامام احمد ومسلم والنسائى وابن ماجه عن ابى هريره ورواه النسائى و ابن ماجة عن ابن عباس ورواه ابو داؤد من حذيفة''۔

دوسری حدیث میں ہے: ''اذاجاء رمضان فصم ثلاثين الا ان نرى الهلال قبل ذلك'' ''جب رمضان شریف کا مہینہ آئے تو تیس دن روزہ رکھو مگر یہ کہ تیس کے قبل عید کا چاند دیکھا جائے تو ۲۹ ہی دن روزہ رکھنا ہوگا''۔ رواه الطبرانى فى الكبير عن عدى بن حاتم رضى الله عنه۔

تیسری حدیث میں ہے: ''اذارائيتم الهلال فصوموا واذاراً يتموه فافطروافان غم عليكم فاقدروالـه رواه البخارى و مسلم والنسائى وابن ماجه وفى رواية فان غم عليكم فعد وا ثلثين''۔ رواه الطبرانى فى الكبير عن طلق بن على رضى الله عنه۔

اس مضمون کی حدیثیں اس قدر ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، جن کا خلاصہ حکم یہ ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال کے ص ۳ میں فرماتے ہیں: فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔ تو جو کوئی تم میں سے حاضر ہو یعنی پائے اس مہینہ کو تو چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے شہد کے معنی حضر کے ہیں۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جو مسلمان اس مہینے کو پائے اس حال میں کہ مکلف بالشرع اور تندرست و مقیم ہو، اس پر اس مہینہ کا روزہ فرض ہے۔ بیمار و مسافر کو اس کے بعد کی آیہ شریفہ میں قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ مفسرین نے فمن شهد منكم الشهر فليصمه کے کئی معنی کیے ہیں۔ ازانجملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: هو اهلاله بالدار اپنے گھر میں

Marfat.com

مقیم ہو اور رمضان مبارک کا چاند دیکھے تو چاہئے کہ روزہ رکھے۔ یعنی ضرور ہے، فرض ہے کہ روزہ رکھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ شہود ماہ رمضان سے اہل اسلام پر روزہ فرض ہو جاتا ہے اور شہود رمضان سے غرض ماہ رمضان کا چاند دکھائی دینا ہے۔

پھر اسی استفتا کے ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں اور اگر آسمان صاف ہونے کے ساتھ ۲۹ رکو چاند نہ دیکھا گیا ، وہاں کے آدمی نے چاند نہ پایا، وہ شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنے کے بعد ماہ رمضان جانے اور روزہ رکھے پھر اگر ۲۹ رشعبان کو ابر ہونے کے سبب سے چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو بھی شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیہ کریمہ کے موافق اس نے رمضان کا مہینہ ابھی پایا نہیں ہے۔ ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے خبر کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۹ پر اس مسئلہ کو حدیث جامع ترمذی: ''صوموا لرويته وافطروا لرويته فان حالت دونكم غيابة فاكملوا ثلثين يوما'''' چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اور اگر بدلی حائل ہو جائے (چاند دیکھنے سے) تو تیس دن مہینے کا پورا کرو''، سے مدلل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم یہ ہے کہ بدلی حائل ہونے کے سبب سے اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورا کر کے روزہ رکھو اور اگر عید کا چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے تو تیس دن روزے کے پورے کرو، نہ یہ کہ دور کے شہر و ملک کی روایت کی خبر تار برقی پر منگاؤ اور اس برقی خبر پر ۲۹ دن کے بعد روزہ رکھ لو یا عید مناؤ اور روزہ کو رخصت کر دو۔

پھر بحوالہ علامہ عینی ابو عمر یعنی ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہیں: ''لا يصح اعتقاد رمضان الا برويۃ فاشية او شهادة عادلة او اكمال شعبان ثلثين يوما وعلىٰ مذهب جمهور فقهاء الا مصار بالحجاز والعراق والشام والمغرب'' ماہِ رمضان ہونے کا اعتقاد صحیح نہیں مگر صاف ظاہر رویت ہلال سے یا عادل کی گواہی سے یا ماہ شعبان کا تیس دن پورا کرنے سے۔ اسی پر بلاد حجاز اور عراق اور شام اور ملک مغرب کے جمہور فقہا کا مذہب ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اور جمہور فقدروا کے معنی کہتے ہیں اکملوا یعنی پورا کرو تیس دن۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ابتدائے ماہ میں روزہ کا واجب ہونا اور انتہائے صوم میں افطار کا واجب ہونا، دونوں ہی کا تعلق چاند ہو جانے سے ہے اور چاند کا ہونا اپنی جگہ یا قرب وجوار کی رویت پر ہے، نہ حساب نجوم پر، نہ اور شہروں سے برقی خبر منگانے پر۔

نیز امیر شریعت اول رحمہ اللہ اسی استفتا کے ص ۱۳ پر فرماتے ہیں: ابر کی حالت میں تیس دن کا مہینہ پورا کرنا شعبان میں ہو یا رمضان، ہر ایک میں ہے۔ عقود الجواهر ''المنيفة فى رواية الامام ابى حنيفه رحمه الله''۔

Marfat.com

میں مرتضی زبیدی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: "وفیہ عن الحکم یتعلق بالرویۃ ولاعبرۃ بقول الموقنین وان کانو اعدو لا فی الصحیح و ھو مذھب الجمھورالامن شذمن المتاخرین۔" اس روایت میں حکم چاند دیکھنے کے متعلق ہے اور یقین سے بتانے والے کے قول کا اعتبار نہیں اگر چہ وے عادل ہوں۔صحیح اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اگر چاند نکلنے کی جگہ آسمان میں ابر یا غبار کی وجہ سے رویت نہ ہو اور قرب وجوار سے رویت کی خبر آئے تو ماہ رمضان کے چاند کی تصدیق ایک مسلمان کی گواہی سے ہو جائے گی عادل ہو یا نہ لیکن فاسق نہ ہو اور ماہ شوال کی رویت کے لئے دو گواہ عادل کا ہونا چاہئے۔غیر عادل یا ایک کی گواہی افطار کے لئے معتبر نہیں''

یہ چند اقتباسات استفتائے رویت ہلال کے بحوالہ صفحے لکھے گئے۔اب حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے جواب استفتائے رویت ہلال کے چند اقتباسات تمام علمائے ہند خصوصاً حضرات صوبہ بہار کے لئے پیش کرنا مناسب جانتا ہوں جس سے مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور ابین ہو جائے۔جواب ص ۵ پر لکھتے ہیں: درمنثر میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:''واخرج الحاکم و صححہ والبیھقی فی سننہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جعل اللہ الاھلۃ مواقیت للناس فصوموالرویتہ وافطروالرویتہ فان غم علیکم فعدوا ثلثین"۔ ''حاکم نے اس کو روایت کیا اور صحیح بتایا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے چاندوں کو لوگوں کے اوقات بتانے کو بنایا ہے تو روزہ رکھو اسے دیکھ کر اور افطار یعنی فطر یوم عید کرو اس کو دیکھ کر۔پھر اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن رمضان کے شمار کرلو''۔

پھر ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اپنی تفسیر احکام القران میں لکھتے ہیں: ''محمول علی العادۃ بمشاھدۃ الشھروھی رویۃ الھلال و کذلک قال صلی اللہ علیہ وسلم :صوموالرویتہ وافطروالرویتہ" یہ مہینہ دیکھنے کی عادت پر محمول ہے اور وہ چاند دیکھنا ہے۔ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی مہینہ تمام کرو) چاند دیکھ کر۔

پھر اس جواب کے ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں: رمضان مبارک کا چاند ہونے کے بعد روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔اسی طرح رویت شوال پر روزہ کا تمام ہونا بھی ہے۔تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد لکھتے ہیں:''وفیہ اشارۃ الی ان الصوم والفطر یعتبر برویۃ الھلال وھوالذی علیہ اسم الشھر سواء کان تسعۃ وعشرین او ثلاثین یوما کاملا" ''اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ اور فطر کا اعتبار کیا جاتا ہے چاند دیکھنے پر اور اسی پر مہینے کا نام ہے،خواہ انتیس دن کا ہو یا پورے تیس دن''۔

Marfat.com

پھر فرماتے ہیں: اور تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد معروف بہ ملا جیون لکھتے ہیں: "ای یرید الله ان تکملوا مدة رمضان من الهلال الیٰ الهلال کاملة اذا کان خطابا للکل من علیه الصوم او تکملوا عدة قضائه اذا کان خطابا بالمسافر و المریض خاصة"۔ "حضرت تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رمضان کا شمار ایک چاند سے دوسرے چاند تک کامل پورا کرو، جب خطاب ان کی طرف سمجھا جائے کہ جن پر روزہ فرض ہے یا یہ معنی کہ قضا شدہ روزہ کو گن کر پورا کرو جب خطاب خاص کر مسافر یا بیمار کے لئے سمجھا جائے" اور اسی قول کو علامہ عبد العزیز کی تفسیر فتوحات ربانیہ اور ابو حیان اندلسی کی تفسیر بحر المحیط اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور کی عبارات سے اور تقویت پہونچائی۔

الحمد للہ کہ جواب سوال اول کا آیۂ کریمہ تفسیر، حدیث کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال و جواب استفتائے رویت ہلال کے اقتباسات سے جن کو حضور نے بیس کتابوں کی عبارات سے مبرہن و مدلل فرمایا ہے، مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ سوال و جواب جس کو ذاتی رائے کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رمضان شریف کی ابتدا اور اسی طرح عید بھی چاند دیکھنے ہی سے ہوتی ہے اور ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھنا فرض ہوگا اور اسی طرح اگر شوال کا چاند ۲۹ رمضان کو نہ ہو تو تیس دن پورے روزہ رکھ کر عید کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم: اس بارے میں علما کے تین قول ہیں:

پہلا قول: ہر شہر کی رویت اسی شہر والوں کے لئے ہوگی۔ دوسری جگہ والوں کے لئے اس کا حکم نہ ہوگا۔ یہ قول قاسم، سالم، عکرمہ، اسحٰق وغیرہ کا ہے۔ یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔

امیر جماعت اہل حدیث مولانا حکیم سید عبد الخبیر صاحب اپنے فتویٰ مسلکہ جامعہ الاقوال فی رویۃ الھلال ص ۷ میں سوال ایک جگہ کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کے جواب میں لکھتے ہیں: ایک جگہ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اس چاند کا حکم نہیں چل سکتا: جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت کریب کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک شام سے مدینہ منورہ پہونچے اور انہوں نے شب جمعہ کے چاند دیکھنے کی خبر دی اور مدینہ والوں نے چاند شب شنبہ کو دیکھا تھا تو حضرت عبد اللہ ابن عباس نے اس روایت کو مدینہ والوں کے لئے نہیں قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی رویت کے حساب سے روزہ رکھیں گے اور یہ صرف اپنی ہی رائے نہیں بیان فرمائی بلکہ فرمایا ھکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه و سلم۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۷ پر حدیث مسلم شریف مذکور ترمذی شریف سے

Marfat.com

نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماجاء لکل بلد رویتھم پھراس حدیث کونقل اور ترجمہ کر کے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد واقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتادیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا معمل رہنا ظاہر کیا۔

نیز جواب استفتائے رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابو الطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں ''قوله هكذاامرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتمل ان يكون معناه انه امرنا ان لا نقبل شهادة الواحد فى حق الا فطار اوانه امر نابان نعتمد علىٰ روية اهل بلد نا ولا يعتمد علىٰ روية غير اهل بلد نا والمصنف حمله علىٰ المعنى الثانى فلذا استدل به''۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت افطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہر والوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا''۔

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''ظاهره اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابى ذهب الىٰ ظاهره القاسم و سالم وعكرمة وهومذهب اسحٰق وقالوا ان لكل قوم رويتهم انتهى''۔

''اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمہ رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اسحٰق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ انتہیٰ''۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب اور دور کی حدوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں علما کے پانچ قول ہیں:

(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے وہ دور ہے۔

(۲) جہاں تک مطلع واحد ہو وہ قریب ہے اور جہاں کا مطلع دور ہو وہ دور ہے

(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے اقلیم میں روزہ رکھنا افطار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

Marfat.com

(۴) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور مراد اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔

(۵) ۲۴ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دور سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استفتا رویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ''ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں ابر کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب وجوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آ گیا اور وہاں سے خبر تصدیقی آ گئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب وجوار کے دیکھنے کی تصدیق ہوگئی تو اگر ابر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی مروی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں دور سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فمن شهد منكم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہان بھر کے لوگ مطالع مختلف کے رہنے والے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت ہلال پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آ گیا ہے (اس جگہ حضور نے کریب والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریبہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا اقلیم کا اتفاق ہو، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں طحطاوی حاشیہ درمختار سے ہے ص ۱۶: ''واطلق المصنف فشمل ما اذا كان بينهما تفاوت بحيث مختلف المطلع اولا وفصل بعض بالتفاوت وعدمه وحدا لتفاوت شهر فصاعدا اعتبار ابقصة سليمان عليه الصلاة والسلام''۔ ''مصنف نے مطلق کہا تو دونوں کو شامل ہوگیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت وعدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینے کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ شامی رحمہ اللہ بھی مثل طحطاوی کے لکھنے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تبریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں اختلاف مطالع نہیں ہو سکتا پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آیۂ شریفہ فمن شهد منكم الشهر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں قاضی ابوبکر

Marfat.com

بن عربی مالکی نے بھی تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے: "السابعة اذا اخبر مخبر عن روية بلد فلا يخلو ان يقرب اويبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فقد قال قوم لاهل كل بلد رويتهم وقيل يلزمهم ذلك"۔ "(اس آیت کے متعلق) ساتواں مسئلہ کو جب کوئی مخبر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہوگا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہوگا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لینا ان کو ضرور ہوگا"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: "قال القرطبي قال شيوخنا يعني المالكية اذا كانت روية الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الىٰ غير هم بشهادة اثنين لهم الصوم انتهى قال الخطابي وبه قال اكثر الفقهاء واليه ذهب الشافعي واحمد ولكن المذكور فى كتب الشافعية ان ذلك فيما تقاربت البلاد و قال الحافظ وان تباعدت فلا يجب عندا كثر هم واوجبه ابوالطيب وحكاه البغوى عن الشافعي لكنه قال ابن عبدالبر اجمعوا علىٰ انه لا تراعى الروية فيما بعد عن البلاد كخراسان والاندلس نتهى"۔ "قرطبی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (وہ خبر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو ان پر روزہ واجب ہے انتہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر فقہا نے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ ابوالطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے خراسان اور اندلس۔ انتہیٰ"۔

تیسرا قول: جو حنفیہ کا ظاہر المذ ہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا علم نہ ہوا بلکہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار یا حکایت یا اور کسی واہی تباہی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہونچی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳۰ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳۰ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہوگا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت در مختار میں ہے: "واختلاف المطالع وروية نهارا قبل الزوال وبعده غير معتبر علىٰ

Marfat.com

ظاہر المذہب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اہل المشرق برویۃ اہل المغرب اذاثبت عندھم رویۃ اولئک بطریق موجب کما مرقال الزیلعی الاشبہ ان یعتبرلکن قال الکمال الاخذبظاہر الروایۃ احوط"۔ " اورمطالع کا اختلاف اوردن کوچاند دیکھنا زوال کے پہلے اور بعداس کے، سب نامعتبر ہے۔ظاہر مذہب پراوراکثر فقہا اسی بات پر ہیں اوراسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کولازم ہوگا (روزہ یاافطار) مغرب والوں کے چاند دیکھنے سے جب اہل مشرق پراہل مغرب کا چاند دیکھنا شرعی شہادت سے ثابت ہوجائے جیسا کہ گزرا۔زیلعی نے کہا کہ اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے"۔

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی ردالمحتار سے دونوں قول (اختلاف وعدم اعتبار) ذکر کے نقل فرمایا: "و ظاہر الروایۃ الثانی وھو المعتمد عندالمالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرویتہ فی حدیث صوموالرویۃ بخلاف اوقات الصلاۃ"۔ "اورظاہر روایت نے ثانی کولیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتمد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی حدیث صوموالرویتہ میں رویت مطلق کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب بخلاف نماز کے اوقات کے"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کریب کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کرکے فرماتے ہیں: "وقال بعض اصحابنا نعم الرویۃ فی موضع جمیع اہل الارض"۔ "اورلوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی، کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر المذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعضوں کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۳۴ پر ابوالطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: "و ظاہر الروایۃ فی مذہبنا انہٗ یثبت برویۃ اہل بلدہ علیٰ اہل بلد اٰخرلعموم الخطاب فی قولہ صوموا معلنا بمطلق الرویۃ فی قولہ لرویتہ وبرویۃ قوم یصدق اسم الرویۃ فیثبت مایتعلق بہ من عموم الحکم فیعم الوجوب"۔ "اورہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہروالوں کی رویت دوسرے شہروالوں پر ثابت ہوجائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لرویتہ میں اعلان مطلق رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہوجاتا ہے تو جو کچھ اس کے متعلق ہوگا، عام حکم ہونے سے وہ بھی

Marfat.com

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا''۔

اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۱ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:''و ظاهر المذهب عن ابی حنیفة انه اذاثبت فی مصرلزم سائرالناس فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب و انما یلزمهم اذاثبت عندهم رویة اولئك بطریق موجب''۔ ''اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے''۔

پھر اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے:'' کان یتحمل اثنان الشهادة او یشهداعلی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ماذااخبراان اهل بلده، کذاراوء ه لانه حکایة حلبی''۔ ''دو شخص خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی دو شخص گواہی دیں یا متواتر خبر آئے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (الی قولہ)، طریق موجب کی شرط نے تار برقی پر آنیوالی خبر کو اخبار کے پرچوں میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر چھپتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی نا قابل اعتبار دور کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ نفع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی نا قابل اعتبار خبر وں پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم و افطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔

الحمد للہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب درخواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین سولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۴ والی عبارت کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رد کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سویم: حضرت عزت حق سبحنہ تعالیٰ شانہٗ علمائے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی مجمل مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کا حل بہت آسانی سے ہو سکتا

Marfat.com

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علما کے تین قول ہیں:

قول اول: ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی کی طرف قاسم، سالم، عکرمہ گئے ہیں۔ یہی مذہب اسحٰق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پٹنہ کا ہے۔

قول دوم: اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب و جوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو لیا جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زیلعی، صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استفتائے رویت ہلال کے ص ۱۷ پر علامہ شامی کی عبارت ''فقیل بالاول و اعتمده الزیلعی و صاحب الفیض و هو الصحیح عند الشافعیة''۔ کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ پہلی بات لی جائے گی یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زیلعی اور صاحب فیض نے اس پر اعتماد کیا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس دقت کو جواب استفتائے رویت ہلال من قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ حلبی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ''طریق موجب کی شرح معلوم کرنے کے بعد جاننا چاہئے کہ بعید المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے''

قول سوم: اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہا کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاف، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسین قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے جیسے آجکل کے عام علما۔ انہیں کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں: ''واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوه و صححوه کمالو افتوافی حیاتهم''۔ ''ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علما نے ترجیح دی اور جس کی

Marfat.com

تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے'' نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول وضوابط مقرر فرمادیے تو ہمارا فرض مذہبی ومنصبی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

درمختار میں ہے:'' رسم المفتي ان ماا تفق عليه اصحابنا في الروايات الظاهرة يفتي به قطعاً''۔ '' جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا''۔ کیونکہ وہ ائمہ ثلاثہ سے بروایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال میں درمختار کی عبارت اوپر گذری کہ انہوں نے بحرالرائق شرح کنزالدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا عليه اكثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔اسی میں ہے، وعليه المفتوى اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔تو جس قول پر علمائے سابقین فتویٰ دے چکے، ہماری کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟ اسی کو علامہ کمال نے الاخذ بظاهر الرواية احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔اسی کو علامہ شامی نے فرمایا: هو المعتمد عند نا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔پھر معتمد کو چھوڑ کر غیر اعتمادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتمد بلکہ مالکیہ کا یہی مذہب ہے، حنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہوسکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علما تصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''وفي وقف البحر فانه اذا كان احد القولين ظاهر الرواية والا خير غير ها فقد صرحوا اجمالا بانه لايعدل عن ظاهر الرواية''۔ ''بحرالرائق کی کتاب الوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ایک ظاہر الروایہ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایہ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایہ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایہ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علما نے مطلقاً تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایہ سے عدول جائز نہ ہوگا۔

اسی میں ہے:''فهو ترجيح ضمني لكل ما كان ظاهر الرواية فلايعد ل عنه بلاترجيح صريح لمقابله''۔ '' تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس قول کے لئے جو ظاہر الروایہ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو''۔اور اس جگہ مقابل کی اصلا ترجیح نہیں بلکہ قیل سے تعبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

Marfat.com

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ''و کذا یرجح اذا کان احدھما ظاھر الروایة''۔ ''اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب دو قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو''۔ پھر فرماتے ہیں: ''وبہ صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاھر الروایة لماسیاتی ان الفتیابالمرجوح جھل''۔ ''ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں مفتی بہ تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آتی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و نادانی ہے''۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصلا فتویٰ نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اوپر گذری ''وعلیہ الفتویٰ بحر عن الخلاصہ'' پھر فرمایا: ''و فیہ من باب الصرف اذااختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایة والرجوع الیھا''۔ ''جب تصحیح مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں کو علما نے صحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرما دی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''ماخرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لایجوز الاخذبہ''۔ ''جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ کو لینا جائز نہیں''۔

درمختار میں ہے: ''ان الحکم والفتیابا لمرجوح جھل و خرق الاجماع''۔ ''حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے''۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اولیٰ من ھذابالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایة اذالم یصحح والافتا بالقول المرجوع عنہ اھ''۔ ''اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنہ پر فتویٰ دینا ہے''۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''الواجب الرجوع الیٰ ظاھر الروایة عند اختلاف الترجیح''۔ ''ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلا ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا''۔

نیز ردالمحتار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ''اذاذکر فی ظاھر الروایة حکم من دون ذکر خلاف کان

Marfat.com

مقتضاه انه قول ائمتنا الثلثة"۔ " جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے"۔

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں:"لا یحل الافتاء بالمرجوح و لاینفذ القضاء به"۔ "قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا"۔

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں:"ماخالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لا صحابنا"۔ "جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں"۔

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح ہوگی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب، اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم: مولیٰ تعالیٰ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے ذہن رسا سے ایسے اصول وقواعد بنائے، ایسی باتیں بتا گئے جو بعد کے شبہات وشکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔

درمختار جلد اول میں ہے:"ان الحكم الملفق باطل بالاجماع"۔ "حکم ملفق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالاجماع باطل ہے"۔

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں:"مثاله متوضى سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلىٰ فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية الخ"۔ "اس کی مثال یہ ہے کہ ایک باوضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہوسکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول لے اور خون نکلنے سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے مگر چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو چھوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔

Marfat.com

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور اپنی جدّت سے تلفیق ہے تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جہاں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ مشرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کوا کائیں کائیں کرتا جارہا ہے، کسی کی سمجھ میں آگیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہوگیا تو پٹنہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ ابر و باد کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا رویت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زباں اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گذریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزادی و بے قیدی میں مطابق قواعد شرع مقبول الشہادہ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ فساق فجار کی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت و روایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا ثبوت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق رویت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھولنے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کالمیل فی المکحلہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور وہ بھی نہ صرف ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گذرے گی قاضی مجرم نہ قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگرچہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا زور تو عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراع کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ ریڈیو تار ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علما سے پوچھتے ہیں ''سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تار اور ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ موافق مذہب احناف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اپنے استادوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

Marfat.com

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو مقصد ایک ہی رہا۔فقہا کی تحریرات وتحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہوں، غیر معتبر ہیں۔اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔اس لئے کہ ان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔اگرچہ ان کے نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے عوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔اس سے فائدہ نہ اوٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہا کی تصریح لاعبرۃ لا ختلاف المطالع کونہیں مانتے۔ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار و لائق عمل دار آمد نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹرنک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال پنجم: تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان عادل کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تا، رٹیلیفون، ٹرنک کال، ریڈ، یو وغیرہ خبر رسانی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دنیا نے ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کردے یا تار دیدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جا کر وہیں سے نشر کردے۔اس میں متخاصمین کا بہت روپیہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بچ جائے گا۔اگر کچہریوں میں اس کو رائج نہ کرسکیں تو الیکشن کا زمانہ قریب، ہے کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کرائیے کہ ووٹروں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کردے یا تار دیدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جا کر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ووٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔جب کچہریوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کرلیں تب علمائے کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انچ کی بیشی کی ہمت نہیں کرسکتے، ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمربستہ۔میری یہ غرض نہیں

Marfat.com

کہ چونکہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی وقت کچہریوں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائیں گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے قواعد وقانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال وغیرہ برقی خبریں صرف خبررسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین وموجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیقات کو پیش کرسکتا ہوں (۱) رسالہ مبارکہ أزکیٰ الاھلال بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملتِ طاہرہ سیدی و سندی، شیخی و مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلی قدس سرہٗ العزیز (۲) رسالہ جامع الاقوال فی رویت الھلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزاں شاہی برادر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ (۳) رسالہ نادر تحفہ جامعہ حبیبیہ (٤) جوابات استفتاعزیزی و تلمیذی مولوی سید شاہ محمد فرید الحق سلمہٗ ولیعہد سجادہ عمادیہ پٹنہ۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ ازکیٰ الاہلال اور ہندوستان کے ایک سو کیانوے مشاہیر علما کی تصدیقات ہیں۔ ازکیٰ الاہلال فتاویٰ رضویہ میں چھپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العلما کے فتوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے خذف کردیا ۱۲ ساحلؔ)

فقیر قادری محمد ظفرالدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یوپی، سی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اضلاع، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور ومستند علمائے سابقین ومعاصرین کی ایک سو کیانوے تحریرات فتاویٰ وتصدیق ہیں، جن میں بالاتفاق حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ رویت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، افطار، قربانی، نماز کا حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علمانے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات رویت ہلال نہیں ہوسکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا قاضی کے پاس شہادت رویت گذرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کرسکتا ہے، سرکاری آدمی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی طرف سے جامع مسجد مدنپورہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۷۱ھ کو: ن

Marfat.com

میں زیر صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں الہ آباد، لکھنؤ، دہلی، فیض آباد، بریلی، مرادآباد، سنبھل، پیلی بھیت، مظفرپور، بہار، داناپور، گونڈہ، بہرائچ، نانپارہ، ناگپور، جبل پور، فتحپور، کانپور، بستی، رائے بریلی، بلیا، اعظم گڑھ، مبارکپور، بنارس، بھاگلپور و دیگر مقامات کے علمائے کرام و مفتیان عظام نے شرکت فرمائی۔ مزید دلائل شرعیہ کے تحت یہ طے فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر معتبر ہے ہی، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلۂ رویت ہلال کا اعلان ہو تو وہ بھی غیر معتبر اور نا قابل عمل ہے۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود و قصاص ہی میں جاری و نافذ ہوگا اور ایسا قاضی واقعی قاضی شرع، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کرے گا نیز یہ کہ وہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی قضا آل انڈیا ہوگی، وہ ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر، ہر قصبے اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال ہوئی اور دوسری جگہ نہیں ہوئی تو جہاں رویت ہوئی وہاں آل انڈیا قاضی نہ ہوا تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آل انڈیا قاضی کا ہونا قطعاً ناممکن۔ لہٰذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول ولایق عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ خلافت بمبئی۔ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۱۵ مشہور و مستند علمانے دستخط فرمائے خلافت بمبئی ۱۴؍نومبر ۱۹۵۱ء)

الجواب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو، اصرف وہاں والوں پر روزہ، افطار، اضحیہ واجب ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ''الاصل بقاء الشهر فلا ينتقل عنه الابدليل ولم يوجد''۔ فلہٰذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو، اوہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کرو، نماز عید ادا کرو، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، ان تمام مقامات کے لئے روزہ و افطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم و اعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، عمل نہ ہوگا، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جا کر خود حکم کرے۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس۔ ے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز، نہ اس حکم پر عمل جائز۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: ''الفرق بين رسول القاضي و كتابه حيث يقبل كتابه ولايقبل رسوله فلان غاية رسوله ان يكون كنفسه وقدمنا انه لو ذكرمافي كتابه لذلك القاضي بنفسه لايقبله وكان القياس في كتابه كذلك الاانه اجيز باجماع التابعين على خلاف القياس فاقتصر عليه''۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

کتبہ الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی۔

(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ جنہیں یہاں سے حذف کردیا گیا۔۱۲ ساحل)

ان تمام تحریرات، فتاویٰ وتصدیقات کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے ابروغبار کی حالت میں ایک شخص کی اگرچہ مستورالحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹرنک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی بہ قول ہے۔ ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہی خبر ہوگی۔ کسی صورت، کسی حالت میں حدود سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان مثبت وملزم نہیں ہوسکتا ہے۔ مذکورہ بالا ایک سو اکیانوے فتاویٰ وتصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات وتصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، ازدیاد حجم وضخامت و صرف کثیر طباعت واشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ وتصدیقات کا بیش قیمت ذخیرہ بہت کافی ہے۔ درخانہ کس ست یک حرف بس ست اور منکر متعصب ہٹ دھرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات فتاویٰ وتصدیقات سب بیکار ہیں واللہ الہادی وھو تعالیٰ اعلم۔

ضمیمہ جواب سوال پنجم: صدق جدید لکھنؤ نمبر ۶ ۱۱/ جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک بیرسٹرایٹ لا اور سشن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔ مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے۔ ایک حصہ اس کا عام انگریزی داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہوسکتا ہے تو پھر عید کی بابت ہر سال یہ دبدھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کچہری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔ سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democrettic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول برتے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔ تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہوجائے تو مان لیا جائے۔ میں نے کہا کہ لکھنؤ کا جج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود دہلی میں نافذ نہیں کرسکتا۔ وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہوجاتی ہے تو وہ اس کو اپنے

Marfat.com

حکم سے بلا چون وچرا نافذ کر دیتا ہے اور زمانہ حال کے قانون میں بھی ریڈیو تار، ٹیلیفون کا اعتبار حاضری عدالت کے سمن تک کی ضرورت کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ کہ کسی حکم یا ڈگری کے نفاذ کے لئے۔ آجکل کے قانون شہادت میں بھی اگر کوئی ٹیلیفون پر شہادت دینا چاہے تو نہیں لی جائے گی اور اس بابت احکام بہت سخت ہیں کہ کسی عدالت کا حکم تار، ٹیلیفون پر نقل کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے خواہ وہ کسی حاکم ہی کی زبانی کیوں نہ ہو، احکام خواہ کیسے ہی اہم ہوں، معطل رہتے ہیں جب تک باضابطہ طریقہ پر منتقل نہ ہوں۔ البتہ ہوتا ہے تو اعتبار حلف نامہ کا ہوتا ہے یا معتبر گواہ کے حلف کا وہ بھی خاص مقررہ صورتوں میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ریڈیو اور تار جس کی چیزیں ہیں، وہی ان پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا، نہیں چاہ سکتا تو اس زمانہ میں دنیا کو اصول قانون کے نئے تصورات پیدا کرنا، بہت نرالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تمہید بھی بہت دلچسپ طریقہ سے شروع کی ہے۔ فتویٰ اور فقہی مسائل پر کوئی رائے دینا تو میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن محض علمی نقطۂ نظر سے یہ عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ اگر ریڈیو کے سے عالمگیر نظام کو اس ضمن میں مان لیا گیا تو پھر شاید رمضان کبھی ۳۰ روزوں کا ہوا کرے گا اور پھر ٹیلیفون نے کیا قصور کیا ہے؟ اس پر تو جانے بوجھے لوگوں کی آواز بھی پہچانی جا سکتی ہے۔ شملہ، سری نگر، کھٹمنڈو وغیرہا کے لوگ اگر طے کرلیں کہ کم از کم ہندوستان میں رمضان کی ۳۰ رنہ آنے پائے تو ہر ممکن جنتری لغو ہو سکتی ہے اور کیا عجیب کہ جلد ہی وہ وقت بھی آجائے کہ اس اعلان کا کام یو این او کے سپرد کیا جائے جو ریڈیو سے زیادہ معتبر ادارہ ہوگا اور اس کا اعلان اسلامی دنیا بلکہ ہر دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہو گیا الخ۔

جواب سوال ششم: ہر واقف کار جانتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع وتشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھے ہوئے کیا۔ اگرچہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہنود کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہو گئی ہے لیکن زمانہ دراز سے مجلس بازی، رزولیوشن سازی کی جو عادت پڑ گئی ہے ۱۸ و ۱۹ ر اگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے ۳۵ افراد مرادآباد میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی عبارات سے مدلل کرتے بلکہ سیاسی طرز پر رزولیوشن سازی سے کام لیا اگرچہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزولیوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک جھگڑے کا نیا سامان پیدا کر دیا کہ ہر عید میں جھگڑا ہو اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمعیت العلما ہی کا فیصلہ ہو اور دونوں اسی قرارداد سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کر رہے ہوں۔

Marfat.com

مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے''۔ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار والوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مرادآباد کے اس اجتماع کو جو ۱۴ و ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۸-۱۹ / اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا ''کہ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علمائے کرام نے صادر فرمادیا''۔ حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ قضیہ شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو دن موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی وجود نہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ دن ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ دن نہیں ہے بلکہ ایک گول مول بات کہہ کر وقت ٹالنا چاہتا ہے، بعینہ یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی جملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الخ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی پنچایت کا بلکہ جمعیت العلما کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعیہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسطری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

''رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جاسکتا ہے''۔

اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر جمعیت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: ''ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے

Marfat.com

علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ ریڈیو کی خبر کی حیثیت شہادت کی نہیں بلکہ خبر کی ہے اور خبر بھی شخص واحد کی جو نہ جامع شرائط ہے، نہ سننے والے اس کو جانتے ہیں تو اس کو شہادت کی حیثیت ہرگز نہیں دی جا سکتی بلکہ بعد شہادت فیصلہ و حکم علما کا اس کے ذریعہ صرف اعلان کیا جا سکتا ہے تو اس کی حیثیت ایک ڈگڈگی یا نقارہ کی سی ہوئی اور اناؤنسر اس کے ذریعہ نشر کرنے والا ہوا اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ مشروط اور ہر شخص مشروط حکم کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی حیثیت خواب میں سلطنت کرنے والے شخص کی ہے۔ جب تک خواب دیکھ رہا ہے سلطنت کے پورے سامان ہیں، آنکھ کھلی تو ہُو کا میدان۔ یہی حالت مشروط حکم کی ہے اگر شرط پائی گئی حکم برقرار و موجود ورنہ ہباءً منثورا۔ اذا فات الشرط فات المشروط اور جب کہ ایک شرط نہیں چند شرطوں کے ساتھ حکم مشروط تو سب شرطوں کا پایا جانا ضرور ورنہ حکم بے سیاہ مرچ کا کافور ہوگا۔

اہل علم حضرات بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ فیصلہ تین ٹکڑوں پر مشتمل ہے:

اول اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جاتی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی با قاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس میں چھ شرطیں ہیں۔ اگر ایک بھی منتفی تو حکم معدوم یعنی (۱) اگر ریڈیو سے خبر آئی مگر علما نے حکم نہیں کیا تو ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۲) اگر علما نے حکم بھی کیا لیکن بغیر شہادت لئے کسی کے قول پر اعتماد کر کے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۳) اگر شہادت بھی لی لیکن با قاعدہ شہادت نہ لی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۴) اگر با قاعدہ شہادت بھی لی گئی لیکن علما نے شہادت نہ لی بلکہ معززین کے با قاعدہ شہادت لینے پر علما نے حکم کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۵) اگر علما نے شہادت با قاعدہ لی مگر وہاں کے علما نے لی، نہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے بلکہ دوسری جگہ کے علما نے با قاعدہ شہادت لے کر حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۶) اگر وہیں کے علما نے جہاں سے ریڈیو میں اعلان کیا گیا ہے، با قاعدہ شہادت لی اور حکم کیا لیکن سننے والے کو اس کا اطمینان نہ ہوا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ غرض پہلے ٹکڑے کی رو سے ان چھ شرطوں کی تحقیق ضروری ہے ورنہ رویت ہلال کے متعلق ریڈیو کی خبر کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

دوم دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ یعنی انہیں چھ شرطوں پر بس نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ساتویں یہ ہے کہ خبر دینے والا متعین ہو۔ اگر کوئی شخص خاص اس کام کے لئے متعین ہو، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ریڈیو اسٹیشن پر ایک ایک آدمی اس کام کے لئے متعین کیا جائے۔ کیا معلوم

Marfat.com

کہاں چاند نظر آئے اور کہاں کی اطلاع سے کہاں روزہ رکھنے، روزہ کھولنے، عید کرنے کا حکم دیا جائے؟ کلکتہ کی خبر سے دہلی والوں پر یا لکھنؤ کی خبر سے مدراس والوں پر دیہات کی خبر سے شہر والوں پر یا شہر کی خبر سے دیہات والوں پر حکم روزہ افطار کا ہوگا تو ہر جگہ ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جانا اور ریڈیو اسٹیشن پر ایک آدمی خاص اس کام کے لئے متعین و مقرر کئے بغیر چارہ نہیں (۸) اور صرف متعین ہونا بھی کافی نہیں بلکہ خبر دہندہ کا مسلم ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۹) اور صرف مسلمان ہونے ہی سے کام نہیں چلتا بلکہ خبر دہندہ کو معتمد بھی ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے طول وعرض میں مذہبی اختلافات کس قدر ہیں اور ہر شخص اپنے ہی ہم مذہب شخص کو معتمد و مستند سمجھتا ہے۔ کیا سنی عالم کے پاس شہادت رویت گذرے اور اس بنا پر ریڈیو سے اس نے اعلان کیا تو اسے شیعہ صاحبان مان لیں گے یا شیعہ مجتہد کے نزدیک رویت کا ثبوت ہوا اور وہ ریڈیو پر اعلان کرے تو اس کو سب سنی معتمد مستند سمجھ کر مان لیں گے پھر سب سننے والوں کا معتمد ہونا کس قدر دشوار ہے؟

سوم پھر تیسرا پیراگراف ملاحظہ کیجئے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔ یعنی ان نوشرطوں کے بعد دسویں (۱۰) شرط یہ بھی ہے کہ تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں حکم نہ کیا بلکہ بعض ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۱) اسی طرح اگر تمام ہندوستان کے شہروں میں حکم کیا لیکن قصبوں میں حکم نہ کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۲) علیٰ ہذا اس کے برعکس تمام قصبوں میں حکم کیا لیکن تمام شہروں میں حکم نہیں کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۳) بعد میں اگر تمام دیہات کے متعین ذمہ دار جماعات نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کی ہے، نہ دیہات میں (۱۴) اسی طرح اگر پاکستان کے تمام شہروں، قصبوں دیہات میں ذمہ دار متعین جماعات نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کی ہے، نہ پاکستان کی۔ اگرچہ حکم ہندوستان کا پاکستان کو بھی ماننا ضروری ہوگا ملاحظہ ہو اخیر کا فقرہ ''یہ حکم تمام ہندوستان پاکستان کے لئے ہے'' (۱۵) پھر ان شرطوں کے ساتھ متعین ذمہ دار جماعات کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا لیکن غیر معین جماعات نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۶) متعین جماعات نے حکم کیا لیکن وہ ذمہ دار نہ تھی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۷) حکم تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت نے کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط جماعات بصیغہ جمع ہے نہ جماعت بصیغہ واحد (۱۸) ان تمام شرطوں کے بعد تمام گھاٹیوں سے گذرنے پر بھی ریڈیو کی خبر سے چاند ثابت ہو کر بحکم صوموا الرویتہ وافطروا الرویتہ یہاں بھی

Marfat.com

رویت کا حکم ہو کر روزہ رکھنا یا افطار کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ عمل کیا جا سکتا ہے یعنی اگر کوئی عمل کر لے تو مضائقہ نہیں۔ یہ خلاصہ اس متفقہ فیصلہ کا ہے جسے ۳۵ علمائے جمعیت علما ہند نے مراد آباد میں ۱۸-۱۹/ اگست کو پاس کیا ہے جو سب کچھ ہے اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جائے اور جو گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں یہ فیصلہ لسان العصر اکبر الہ آبادی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے دیکھوا سے تو سب کچھ، سوچو تو کچھ نہیں ہے

ہاں یہ ضرور ہوا کہ عوام خوش ہو گئے کہ ریڈیو کے ذریعہ اعلان پر عمل کرنے کا علما نے چند شرطوں کے ساتھ فتویٰ دیدیا لیکن جب عید الفطر یا عید اضحیٰ کے چاند کے متعلق کسی جگہ کا ریڈیو بولے گا تو..... ہوئے بس است کے مطابق ایک جماعت ریڈیو سے ہی عید کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی فیصلہ کو پیش کرے گی۔ دوسری جماعت کہے گی یہ اعلان قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ علما نے تو ان شرطوں کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ وہ کہاں پائی گئیں (۱) اس پر کہاں اطمینان ہوا کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے (۲) یہ نشر کرنے والا کون شخص ہے؟ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں (۳) پھر کیا معلوم کہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ (۴) مسلم بھی ہے تو کس مذہب و مشرب کا ہے؟ ہمیں اس پر کس طرح اعتماد ہو کہ وہ شرعاً مقبول و قابل وثوق ہے؟ (۵) یہ سب مان لیں پھر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات نے اس کے موافق کب حکم کیا ہے جو حسب شرائط فیصلہ یہ اعلان قابل اعتبار ہو؟ شرطوں پر عمل کے متعلق عوام کی حالت اگر جمعیت علمائے ہند کے حضرات معلوم کرنا چاہیں تو مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب امداد الفتاویٰ ملاحظہ فرمائیں اور ان کے تلخ تجربہ سے سبق حاصل کریں۔ اس لئے کہ یہ ۳۵ حضرات جن کا فیصلہ اخبار والے اچھال رہے ہیں اور عوام شد و مد کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اکثر ان کے شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہتیرے شاگرد کے شاگرد کی حیثیت کے ہوں گے۔ شاید ہی گنے چنے حضرات ان کے مساوی اور برابری کی حیثیت کے ہوں تو جب ان کو اپنا مشروط فتویٰ عوام کی بے احتیاطیوں اور ان کی وجہ سے شرور و فتن پیدا ہونے کی وجہ سے کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے، واپس لینا پڑا۔ اس لئے ان ۳۵ علمائے جمعیت العلما ہند سے نہایت ہی مخلصانہ گذارش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کے تجربہ سے آپ حضرات بھی فائدہ اٹھائیں اور اس فیصلہ کو واپس لیں ورنہ کچھ دنوں کے بعد ہر جگہ جنگ و جدل، نزاع، سر پھٹول اسی فیصلہ کی وجہ سے دیکھ کر اس سے رجوع کرنا ضرور ہوگا۔

امداد الفتاویٰ کی عبارت درج ذیل ہے: ''اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر لکھی تھی جس میں قبول تار میں کچھ تفصیل از بعض شرائط کے ساتھ تقیید تھی مگر اس سال

Marfat.com

یعنی ۱۳۲۷ھ کی رویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بےعلموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے جو فتن و شرور پیدا ہوئے، ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے اور نیز اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے۔ لہذا خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو شناخت کاتب کی ہوتی ہے پھر بھی الخط یشبہ الخط بعض احکام میں کہا گیا ہے اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں اور نیز طبل سحر و مدفع افطار سے بھی اضعف ہے کیونکہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے جس میں جرأت تعمد خدع کی ابعد ہے، تار میں یہ بھی نہیں۔ ان امور پر نظر کر کے سداً للذرائع و حسماً للمادہ، اس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلا قابل اعتبار و لائق عمل نہیں واللہ اعلم۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ"۔

بالجملہ بمضمون السعید من وعظ بغیرہ، لوگوں کو اس تجربہ سے سبق لینا چاہئے اور ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ عوام کے سامنے کوئی مشروط فیصلہ یا حکم پیش کریں۔ اس لئے کہ عوام بے احتیاطی سے کام لیں گے اور شرائط کا لحاظ نہ کریں گے بلکہ جو بات ان کی خواہش کے مطابق ہوگی، کر گذریں گے اور علما کے سر سارا الزام ڈالیں گے اور اسی فیصلہ کا سہارا پکڑیں گے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وھو الھادی وھو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روافض کہتے ہیں کہ روزہ کو رات میں افطار کرنا چاہئے اور یہ حوالہ دیتے ہیں "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ"۔ ان کو کیا جواب دیا جائے؟ اور افطار کا وقت کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

رات میں افطار سے اگر یہ مراد ہے کہ جب دن ختم ہو جائے اور رات آ جائے، اس وقت افطار کرنا چاہئے تو یہ بے شک حق ہے۔ اور یہی مفاد آیت کریمہ ہے اور یہی اہلسنت و جماعت کا مذہب و عمل ہے۔ دن کے ختم ہونے اور رات کے داخل ہو جانے میں بیچ میں کوئی وقفہ نہیں۔ ایک آن واحد دونوں میں مشترک ہے۔ مگر یہ روافض کا مذہب نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جب تک ایک حصہ معتد بہ رات کا نہ گذر جائے، افطار جائز نہیں۔ ان سے یہ پوچھا جائے کہ لیل سے مراد اول لیل لیتے ہو یا آخر یا اس کے وسط کا کوئی حصہ؟ ثالث غیر متعین ہے۔ نہ آیت کریمہ سے کچھ پتہ چل سکتا ہے کہ گھڑی بھر رات گذرے مراد ہے یا ایک پہر یا دو پہر۔ ثانی بداہۃً باطل۔ ورنہ معنی یہ ہوں گے کہ ساری رات گذر جائے، دوسرے دن کے صبح کو افطار کرو۔ لاجرم شق اول متعین، کہ آغاز لیل ہونے تک روزہ پورا کرو، اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ روافض کا یہ قول

Marfat.com

بے باک شریعت مطہرہ پر افترا ہے۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: '' اذا اقبل اللیل من ھھنا و غربت الشمس فقد افطر الصائم۔''
نیز فرماتے ہیں: ''لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر۔''
رہا اس کا حوالہ دینا اور اپنے زعم میں آیت قرآنیہ کو اپنا مؤید سمجھنا، سو یہ خیال خام، بلکہ نقش بر آب ہے۔ اس کا جواب یہ کہ غائت اگر جنس ماقبل سے ہو تو تحت حکم مغیا داخل ہوگا۔ مثل مرفقین و کعبین کے بوجہ جنس مغیا ہونے، داخل حکم مغیا یعنی غسل ہے اور اگر غائت غیر جنس مغیا ہو تو نہیں داخل ہوگا۔ اور یہاں صورت ثانیہ ہے۔ و التفصیل فی کتب الاصول من شاء فلینظر الیہ۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدنپورہ مرسلہ مولوی عبد الرحمان ۶ / جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

زید کہتا ہے کہ دعا "اللّٰھم لک صمتُ و بک اٰمنتُ و علیک توکلتُ و علیٰ رزقک افطرت" میں سب صیغہ ماضی کے ہیں۔ اور ماضی دعا میں مستقبل کے معنوں میں ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب صیغے مستقبل کے معنی میں ہوں گے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جو کتابوں میں لکھا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جس ماضی کے ساتھ اپنے کو یا غیر کو دعا کی جاتی ہے، نہ یہ کہ جو صیغے کہ دعا میں بولے جاتے ہیں۔ خواہ بغرض ماضی، ان سب سے مستقبل کے معنی لئے جائیں۔ تو ان دونوں میں قول صحیح کس کا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بے شک عمرو سچا ہے زید کا قیاس محض فاسد ہے۔ قائل کا مقصود ان الفاظ سے دعا کرنا نہیں ہوتا۔ رہا لفظ افطرت سو اگر قبل افطار پڑھا تو البتہ معنی استقبال محتمل ہے۔ ورنہ اس میں بھی خبر مقصود ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کیمپ میرٹھ، کوٹھی خان بہادر، مرسلہ منشی میر محمد ۶ / ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ برخوردار حبیب محمد نے سترہ برس ۵ ماہ ۴ یوم کی عمر میں اس جہانِ فانی سے بعالمِ جاودانی رحلت کی۔ ایام حیات میں نماز مرحوم پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کل نمازوں کا کفارہ جس قدر سن بلوغ سے ایام وفات تک قضا ہوں یا جس قدر واجب ہوں، ادا کروں۔ براہ نوازش کتب فقہ وحدیث سے ٹھیک تعداد و ایام تعداد کفارہ یومیہ و کل کفارہ سے کس قدر رہوا، معزز کیجئے۔ مرحوم کے سات سال کی عمر سے کبھی رمضان شریف کے روزے قضا نہیں ہوئے۔ البتہ امسال بحالت بیماری یک ماہ کے روزہ قضا ہوئے، ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ پیدائش مرحوم ۶ / شوال ۱۳۰۶ھ ہوئی بوقت ۷ بجے شام اور وفات ۱۰ / ذی الحجہ بوقت ۳ / بجے کے ہوئی۔ بینوا وتوجروا۔

Marfat.com

الجـــــــــــواب

حسب تصریح فقہاء کرام ہر نماز، ہر روزہ کا فدیہ، گیہوں خواہ اس کے آٹے یا ستو کے نصف صاع اور جَو اور اس کے ستو اور آٹے سے ایک صاع ہے۔

درمختار میں ہے: ''لو مات وعلیه صلوات فائتة واوصیٰ بالکفارة یعطی لکل صلاة نصف صاع من بُر کالفطرة وکذا حکم الوتر والصوم۔''

اسی میں ہے: ''یجب نصف صاع من بر اودقیقه او سویق وصاع من تمر اوشعیر له۔''

سنن ونفل کا کفارہ نہیں کہ وہ مکملات ہیں۔ دن رات میں صرف وتر وفرائض خمسہ کے چھ کفارہ، جس کے تین صاع گیہوں، چھ صاع جَو ہوئے۔ صاع عربی پیمانہ ہے، ہمارے بلاد میں مروج نہیں۔ لہٰذا اس کا حساب سیروں سے عام فہم ہے۔

فاقول وبالله التوفیق: صاع دو سو ستر تولے، نیم صاع اس کا نصف ایک سو پینتیس تولے، تولہ بارہ ماشے، ماشہ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول کا ہوتا ہے۔ اور انگریزی روپیہ سکہ رائجہ سوا گیارہ ماشے ہیں۔ پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سو دس ماشے یعنی ساڑھے سڑسٹھ تولے ہوئے اور نیم صاع ایک سو پینتیس تولے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہوئے۔ انگریزی سیر کہ بنگال وہندوستان و پنجاب کے اکثر شہروں میں مروج ہے، اسی روپیہ بھر یعنی پچھتر تولے کا ہے۔ اس سیر سے ایک صاع کے ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ہوا۔ تو فدیۂ یومیہ نماز کا ۳ صاع گندم یعنی دس سیر...... چھٹانک ہوا یعنی چار روپے بھر اوپر پونے گیارہ سیر۔ اور ہر ماہ کے کہ ۳۰ دن کا ہو، آٹھ من چار سیر ہوئے۔ اور حسب تصریح علماء عظام سال قمری کبھی تین سو پچپن دن سے زائد نہیں ہوتا۔ تو سال بھر کے پچانوے من چونتیس سیر ہوئے۔ پس اگر مدت بلوغ معلوم ہے تو ان سترہ سال ۲ ماہ ۴ دن سے اس قدر نکال کر باقی کا فدیہ سال ماہ یوم سے حساب کر کے ادا کریں۔ اور اگر معلوم نہیں تو اقل مدت بلوغ کہ مرد کے لئے ۱۲ برس ہے، نکال کر باقی ۵ سال ۲ ماہ ۴ دن کے چار سو چھیانوے من اکیس سیر تین چھٹانک، اور پانچواں حصہ چھٹانک کا کفارۂ نماز میں ادا کریں۔ خواہ بازار کے نرخ سے اس قدر کی قیمت دیں۔

رہے انتیس کفارے روزے کے کہ رمضان ۱۳۲۴ھ ۲۹ ہی دن کا ہوا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایسا مرض جس میں روزہ مضر تھا یا روزے کی طاقت نہ تھی، شروع ماہ مبارک سے آخر تک برابر مستمر رہا۔ اور شوال تک بھی کوئی دن ایسا نہ پایا جس میں روزے کا امکان ہوتا۔ جب تو ان روزوں کا فدیہ اصلاً لازم نہیں۔ اگر شروع رمضان سے ۶ رشوال تک کچھ دن ایسے پائے جس میں روزہ رکھنا مضر نہ ہوتا اور اس کی طاقت تھی، تو ایسے جتنے دن ہوئے، ان کا کفارہ وہی فی روزہ نیم صاع کے حساب سے یعنی چار روپے بھر اوپر پونے دو سیر کے ادا کریں۔ یہ سب فدیے کسی فقیر مصرف زکوٰۃ پر تصدق کریں۔

درمختار میں ہے: ''فان ماتوا فیه ای فی ذلك العذر فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدة من ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیة بقدر ادراکهم عدة من ایام اخر۔'' والله تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

(سوال دستیاب نہ شد)

الـــــجـــــــواب

طریقش آن سنت کہ حساب کنند سالہای عمر میت را وادنیٰ مدت در مرد دوازدہ سال و در زن نہ سال است، وضع کنند۔ باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز کہ سہ صاع کامل گیرند و مابینہا کامل سی روز اعتبار کنند تا فدیہ نماز ہائے یکساں کہ سی وصد وشصت روز است، یکہزار وہشتاد صاع حاصل آید۔ مگر از آنجا کہ سال قمری بیش از سہ صد و پنجاہ و پنج یوم نمی شود، فدیہ سال کامل یک ہزار شصت و پنج صاع از گندم شد و پانزدہ صاع فدیہ رمضان افزائند، ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار و ہشتاد صاع شود و زناں را اگر عادت حیض معلوم بود فبہا ورنہ از پیش بلوغ تا عمر پنجاہ سال یا بہر عمر کہ حیضش منقطع شدن معلوم باشد، بہر ماہ سہ روز کم کنند۔ ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند۔ حاصل آنرا موافق قیمت آں وقت اگر ارزانی شود مبلغ شخص نمودہ والا پس ہر قدر کہ غلہ شدہ باشد بفقرا و ہر کہ مصرف زکوٰۃ باشد، دہند۔ واما فی زماننا کہ رغبت عامہ کساں در امور شرعیہ فاترست یا بوجہ قلت استطاعت قدر مذکور ادا نتوانند کہ تیسرش آنست کہ قدرے گندم یا جو وغیرہا کہ میسر شود۔ منجملہ بایں نام بفقرا دہند و او قبول کردہ اینہا را بدہد۔ باز بہماں نام دہند و ہمچنیں مکرر کنند تا آنکہ فدیہ نماز و روزہائے بتمام وکمال ادا شود۔

امام بزازی در فتاوی خود فرمایند: ''ان لم یکن لہ مال یستقرض نصف صاع ویعطہ المساکین ثم یتصدق بہ المسکین علیٰ الوارث ثم الوارث الیٰ المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلوۃ نصف صاع کما ذکرنا۔'' ھکذا فی البحر الرائق والخلاصۃ والھندیۃ والطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح وابی السعود علیٰ المسکین والملتقط والبرجندی والدر المختار وغیرھما من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب النکاح ۵

مسئلہ مرسلہ مولوی ظہور الحسن رامپوری مدرس مدرسہ محمدیہ راندیر ۲۵ رجب ۱۳۲۴ھ

در نکاح ایجاب وقبول کہ رکن است اگر بجائے قبول الحمد للہ گفت وقبول کردم وغیر آن از الفاظ قبولیہ نگفت ۔دریں صورت نکاح نافذ خواہد شد یا نہ؟ بینوا وتو جروا۔

الجواب

نہ۔فی الهندية:" سئل نجم الدين عمن قال لامرءة خویشتن را بہزار درم کابین بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعة قال ينعقد النكاح۔ ولو قالت سپاس دارم لاينعقد۔ لان الاول اجابة والثاني وعد كذا في المحيط۔" والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، بیتھو شریف ضلع گیا ۶ رصفر المظفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ یعنی وکیل بالنکاح اور شاہدین جانتے ہوں یا ایک ایسا شخص اور سوائے ان تین کے جانتے ہوں اور بعد نکاح بھی اخفاء منظور ہو اور یہ مقصود ہے کہ حمل نہ رہے، جو افشائے نکاح ہو یا یہ بات کہ فلانہ عورت سے بذریعہ نکاح جو تعلق ہے، ظاہر نہ ہو۔ بینوا وتو جروا۔

الجواب

عورت جو چھپا کر نکاح کرنا چاہتی ہے، اگر نابالغہ ہے تو ظاہر کہ بغیر اولیاء کے نکاح نافذ نہیں۔

درمختار میں ہے:"وهو ای الولی شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق۔"

ردالمحتار میں ہے: "فلا يصح الا بولی۔"

اور اگر بالغہ ہے اور اس کے لئے کوئی ولی نہیں یا جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے، وہ اس کا کفو ہے یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ یا کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس عورت کا ہونا اس کے اولیا کے لئے باعث ننگ وعار ہو یا کفو بھی نہیں نہ تو اس عورت کے ولی کو اس کی اطلاع ہے اور وہ یہ جان کر کہ یہ شخص اس کے ساتھ اس نکاح پر راضی ہے تو ان دونوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ جبکہ دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ایجاب وقبول دونوں کو ایک جلسہ میں کرادیں اور اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ اس عورت نابالغہ کے اولیا موجود ہوں، جس سے نکاح کرتی ہے یہ کفو نہیں اور اولیاء کو خبر نہ کی گئی، یا وہ راضی نہیں یا راضی ہوئی لیکن انہیں کفو نہ ہونا معلوم نہیں، تو سرے سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ اور صورت اولیٰ جس سے نکاح ہو جائے گا، اس میں بھی ایسا اخفاء ناپسند وخلاف شرع ہے۔

Marfat.com

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''اعلنو هذاالنکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف۔'' ''نکاح کا اعلان کرو، اسے (تبرکا) مسجد میں کرو، اس پر دف بجاؤ''۔رواه الترمذی عن عائشة رضی الله عنها والامام احمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحه والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم فی الحلیة والحاکم فی المستدرك عن ابن الزبیر رضی الله تعالی عنه ۔

حدیث شریف میں ہے:''فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح۔'' "زنا اور بیوی سے مجامعت میں فرق دف اور صوت ہے کہ زنا چپکے چپکے کیا جاتا ہے اور نکاح اعلان کے ساتھ''۔رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه ۔

شرعة الاسلام میں ہے: "والسنة فی النکاح الاعلان ای الا ظهار لیقع الفصل بینه وبین السفاح۔''

درصورت جواز نکاح یہ قصد کہ ولادت نہ ہو، مستلزم ہے عزل کو یعنی وقت جماع فرج سے باہر انزال۔ عورت اگر حرہ ہو (اور بیشک یہاں سب کی عورتیں ایسی ہیں) تو بے ان کے اذن جائز نہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: "نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یعزل عن الحرة الا باذنها۔'' اور اگر وہ بھی راضی ہو تو ایک عبث فعل ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا:''ما من کل الماء یکون الولد واذا اراد الله خلق شیٔا لم یمنعه شئ۔''

بلکہ ناپسند اور مقصود شرع کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:''تزوجوا الودود الولود فانی مکاثربکم یوم القیمة۔'' نکاح فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں کہ ظاہر نہ کیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:''النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔'' نکاح میری سنت ہے، جو اس سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر کہنہ........ ۸/ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کے نکاح میں اپنی پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

عمرو کے نکاح میں بے شک آسکتی ہے۔ قال الله تعالی:" وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمۡ (النساء:٢٤) " درست ہے نکاح کرنا سوائے ان محرمات منصوصہ کے سے" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ از فرید پور، بریلی مرسلہ قاضی محمد صلاح الدین ۱۲؍ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمائند علمائے دین اندریں صورت کہ زید بحالت مجرد، ایک عورت مسماۃ ہندہ، بیوہ سے شادی کی اور ہندہ اپنے ساتھ ایک لڑکا عمرو لائی۔ عمرو کی وفات کے بعد عمرو کی بیوہ سے زید کی شادی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

بلاشبہ عمرو کی بیوہ بیوی کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ (النساء: ۲۴) "اور ان کے سوا جو رہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔" (کنزالایمان)

نسخۃ الخلائق میں ہے: "ولا تحرم بنت زوج الام وامہ ولا ام زوجۃ الاب ولابنتھا ولام زوجۃ الابن ولابنتھا ولازوجتہ ولازوجۃ الاب رملی۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا۔ اس عورت کے ہمراہ ایک لڑکی سات برس کی تھی اور اس شخص کے ایک لڑکا تھا۔ پہلی بیوی سے دس برس کا، اب وہ لڑکی اور لڑکا دونوں جوان ہو گئے۔ اب وہ شخص اور وہ عورت باہم لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ نکاح آپس میں درست ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ (النساء: ۲۴) "اور ان کے سوا جو رہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔" (کنزالایمان)

بحرالرائق میں ہے: "تحل اخت اخیہ نسبا بان یکون لہ اخ من اب او اخ من امہ فانہ یجوز لہ التزوج بھا ھکذا فی شرح الکنز والتبیین والملا مسکین۔" واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ از شہر........ ۳۰؍ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ نے انتقال کیا اور شخص مذکورہ کی خواہش یہ ہے کہ اپنی سگی بھتیجی بہو سے جو کہ بیوہ ہے عقد کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگر کوئی وجہ حرمت رضاعت یا قرابت سے نہیں تو اس شخص کا نکاح اپنی بھتیجی بہو سے درست ہے قال اللہ تعالیٰ: "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ (النساء: ۲۴) اور حلال کی گئی تمہارے لئے ماسوا محرمات منصوصہ کے۔ اور ظاہر ہے کہ محرمات منصوصہ سے بھتیجی بہو نہیں۔ والمسئلۃ لاتخفی علیٰ من لہ عقل سلیم وفوق کل ذی علم علیم واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صحیح اور مجیب نجیح ہے واللہ اعلم فقیر الی القدیر وصی احمد قادری مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت محلہ میر خان

Marfat.com

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش محافظ دفتر سرائے خادم ۷ربیع الثانی شاہجہاں پور۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف غیر مذہب نے اپنا نکاح مسلمان کے ساتھ بلا مسلمان ہوئے کیا۔ ایک ماہ تک اس کے مکان پر رہی اور کھانا پینا بھی شمول رہا۔ بعد ایک ماہ، زید کے یہاں سے نکل کر بکر کے ساتھ نکاح کرلیا۔ قبل نکاح ثانی کے اس کو کلمہ شریف پڑھایا گیا اور نماز بھی پڑھائی گئی۔ اسلام میں مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرع شریف میں وہ نکاح اول یعنی زید کے ساتھ اور نکاح ثانی یعنی بکر کے ساتھ ان دونوں میں کوئی نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی درست نہیں ہوا، تو اب شرع شریف کے نزدیک کس طرح پر درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجـــــــــــواب

طوائف کا، اگر وہ کتابیہ تھی اور اس نے اپنا نکاح زید کے ساتھ قبل قبول مذہب اسلام کرلیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا۔ لعدم المانع۔ اس کے بلا طلاق وموت زید جو نکاح بکر سے کرلیا، یہ نکاح درست نہیں اور نہ ہوا۔ قال اللہ تعالی جل وعلا: "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ" (النساء: ٢٤) ''اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔'' (کنز الایمان)

جلالین میں ہے:'' وحرمت علیکم ای ذوات الازواج من النساء من قبل مفارقۃ ازواجھن "یعنی اور حرام کی گئیں تم پر شوہر دار عورتیں قبل مفارقت ازواج ان کے۔ اگر وہ عورت مشرکہ تھی تو بلا مسلمان ہوئے اس کا نکاح زید سے درست نہ ہوا۔ قال اللہ تعالی: "وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرۃ: ٢٢١) اور نہ نکاح کرو مشرکات سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اس صورت میں بعد اسلام جو نکاح اس نے بکر سے کیا، وہ صحیح ہوا۔ لخلو ثمن الازواج و المسئلۃ مشھورۃ۔ واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

بحضور جناب زبدۃ العارفین وقدوۃ السالکین، خاتم المحدثین، وارث علوم سید المرسلین، اعلی حضرت استاذنا ومرشدنا صاحب قبلہ ادام فیوضہم علینا وعلی سائر المسلین آمین

پس از تقدیم آداب وقدم بوسی معروض خدمت بابرکت میں یہ ہے کہ بہت دن گذر گیا ہے کہ ایک خط مندرج ایک سوال کے ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ مگر شومی بخت سے جواب نہیں دیا گیا۔ لہذا بار دیگر عرض کرتا ہوں۔

سوال: ایک شخص نے ایک آدمی کو اس وعدے سے کہ اپنی لڑکی کی شادی کردیں گے، اپنے گھر میں لایا اور کہا کہ تم میرے گھر داماد رہو؟ مگر میرے گھر کا کام کماحقہ انجام دینا ہوگا۔ دین مہر کذا وکذا پر جانبین سے قواعد قرار ٹھیک ہوئی۔ تم جو میرے گھر میں کام کروگے، اس سے مہر ادا کیا جائے گا۔ مگر یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ناکح پر بہت روپیہ قرض تھا۔ جب کہ اتنا روز گذرا، قرض خواہوں نے تقاضہ شروع کیا۔ اب دلہن کے باپ نے اپنی طرف سے اس کا قرض ادا کیا اور کچھ باقی رہا۔ پھر جب کچھ دن گذرے تو ناکح کہتا ہے کہ اب نکاح کرادو۔ دلہن کا باپ کہتا ہے، تم میر۔

Marfat.com

س آئے، اتنا اتنا قرض تھا تم پر، میں نے تمہارا قرض ادا کیا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم کچھ روپیہ کہیں سے لاؤ تب شادی ہو جائے گی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا اور قرض چاہا مگر آگے کا مقروض تھا، کہیں سے کچھ نہیں پایا۔ پھر دلہن کے باپ نے کہا کہ تھوڑا دن میرے پاس ٹھہرو، میرے پاس کچھ روپیہ ہو جائے، تب تمہاری شادی کرا دیں گے، مگر وہ نہ مانا۔ دوسرے ایک آدمی سے مل کر رات کو اس لڑکی کو چرا کر لے بھاگا اور مشورہ دینے والے کے گھر میں رکھا۔ لے جانے کے بعد دلہن کے باپ نے اس کے پاس رو رو کر کہا کہ مجھ کو شرم مت دینا، میرے گھر میں آؤ، میں بخوشی نکاح کرا دوں گا۔ جب دلہن نے یہ بات سنی تب یہاں سے دوسری جگہ لے جا کر دونوں چھپ رہے۔ تو دلہن کے باپ نے پولس کو خبر کر دی۔ قریب دو مہینہ بعد میاں بی بی دونوں پکڑے گئے۔ حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہوا۔ تو آ کر فیصلہ یہ ہوا کہ لڑکی کو اپنے والدین کے حوالہ کیا جائے اور اس کو محبوس ڈیڑھ مہینہ کیا اور دولہا کے پاس نہ گھر رہنے کو نہ جگہ گھر باندھنے کو۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے اور نہ ایک کوڑی مول لینے کو ہے۔ ایسا مفلس اور نادار شخص ہے۔ ایسے آدمی کو ایک لڑکی کیوں کر دی جائے، نہ ایک کپڑا دے سکتا ہے۔ پس دلہن کے باپ نے دوسرے آدمی کو کہ اس کے پاس دو سو روپیہ موجود ہے، اس سے نکاح کرا دیا۔ تب ظاہر ہوئی یہ بات کہ جو چرا کر لے گیا تھا، اس وقت میاں جن نے نکاح پڑھوایا تھا مگر جس وقت کہ مقدمہ دائر تھا، اس وقت کسی نے یہ بات نہیں کہی اب جب کہ نکاح دوسرا ہو گیا۔ جو لوگ شاہد اور وکیل تھے، کہتے ہیں کہ نکاح اس سے ہو گیا تھا مگر لڑکی سے قبل نکاح ثانی کے ہم دو تین آدمیوں نے بہت پوچھا اور بار بار استفسار کیا لیکن وہ برابر انکار ہی کرتی رہی کہ نکاح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ ایک عورت نے اقرار کرتے سنا ہوں مگر اپنے کان سے نہیں سنا اور یہ بات پھر پوچھی گئی تھی۔ مہر میں کچھ تعین کیا گیا تھا یا نہیں؟ کچھ کپڑا بھی نقد دیا تھا یا نہیں؟ برابر کہا کہ نہیں۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔ حاکم برہما تھا۔ لڑکی چودہ برس سن کی تھی۔ برہما قانون میں نابالغ ٹھہرایا، نابالغ اپنے اختیار سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ مگر از روئے شرع محمدی، موافق مذہب حنفی کے لڑکی بالغہ ہے۔ خوب ظاہر، اس میں کچھ شک نہیں۔ اب لڑکی کے والدین کہتے ہیں کہ اگر اس سے نکاح ہو گیا ہو، تاہم اس کو لڑکی نہیں دیں گے۔ چونکہ اس کو نہ گھر ہے، نہ جگہ گھر باندھنے کی ہے اور نہ روزی ایک روز کی موجود ہے۔ اور نہ وہ ایک کپڑا دے سکتا ہے، ایسے آدمی کو لڑکی کیسے دی جائیگی؟ بالفرض اگر دی بھی جائے تو وہ کیا کھلائے گا اور کہاں رکھے گا؟ اس سے اگر نکاح ہوا ہے تو فسخ کر دوں گا، چونکہ وہ میرا کفو نہیں ہو سکتا ہے۔ اب یہ مسئلہ میرے پاس آیا ہے۔ مگر میں کیا جواب دوں، ساکت ہوں، کچھ جواب نہیں نکلتا ہے۔ اب آنحضور خوب تحقیق کر کے، عبارت کتب تحریر فرما کر بندہ کے پاس ارسال فرمائیں۔ اگر صورت فسخ ہو تو صحیح اگر نہ ہو تو صحیح۔

جواب مرسلہ مولوی واعظ الدین بنگالی پنجم محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

مولانا المکرم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس شخص کی حالت جو لڑکی کو لے گیا تھا اور دعوی نکاح کرتا ہے، جس طرح کہ سوال میں مرقوم ہے، بہت قرض دار ہے، نہ گھر رہنے کا، نہ چاول کھانے کا، نان نفقہ، خور و نوش سے عاجز ہے۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے، نہ کوڑی مول لینے کو، نہ ایک جوڑا کپڑا دے سکتا ہے، نہ مہر معجل و نہ مہر مؤجل ادا

Marfat.com

کرسکتا ہے۔تو فی الواقع اس لڑکی کا قصور نہیں، کہ کفائت میں معتبر کفائت فی المال بھی ہے۔یعنی وہ ایسا ہو کہ مہر ونفقہ دے سکے۔عالمگیری میں ہے:''وھو ان یکون مالکا لمھر والنفقۃوھی المعتبر فی ظاھر الروایۃ حتی ان من لایملکھا او لا یملك احدھا حتی لا یکون کفاءً کذا فی الھدایہ۔''

پس جب کہ وہ اس کا کفو نہیں۔تو اگر لڑکی چودہ سال کی بالغہ ہے،قطع نظر اس سے کہ عورت نکاح کا انکار کرتی ہے۔چونکہ ولی سے اجازت نہ ملی،بغیر اس کی رضا کے نکاح کرلیا بطور خود تو موافق مذہب مفتیٰ بہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں،محض باطل ہے۔اور موافق ظاہر الروایۃ کے اگرچہ صحیح ہے،مگر ولی کو حق فسخ حاصل ہے۔حاکم سے کہہ کر تفریق کرا سکتا ہے۔

''امرءۃ زوجت نفسھا من غیر کفو صح النکاح فی ظاھر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقدو بہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط۔''

تبیین میں ہے:''من نکحت غیر کفو فوق الولی لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاھر الروایۃ۔''

حاشیہ علامہ شلبی میں ہے:''اما علی الروایۃ المختارۃ للفتویٰ لایصح العقد اصلاً اذا کانت زوجت نفسھا منھا۔''

درمختار میں ہے:''ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاًوھو المختار للفتوی لفساد الزمان''

(الدر المختار، باب الولی:۳/۵۶)

عقود دریہ میں ہے:سئل فی امرءۃ یرید الزوج بلا رضا ابیھا وھو غیر کفو کیف احکم فی ذلك ؟

الجوب:اذا نکحت بلا رضاء ابیھا فرق القاضی بینھما بطلب الولی وھذا ظاھر الروا یۃ عن ائمتناولکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما بطلان النکاح من غیر کفؤ وبہ اخذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمۃ وھذا اقرب الیٰ الاحتیاط والاحوط سدّ باب التزوج عن غیر کفوء۔قال الامام فخر الدین الفتویٰ علیٰ قول حسن فی زماننا۔ فی البحر المفتیٰ بہ روایۃ الحسن عن الامام ابی حنیفۃ من عدم انعقادہ اصلاًاذا کان لھا ولی ولم یرض قیل فلا یفید الرضاء بعدہ اھ مختصرا۔''

مفتیٰ بہ روایت حسن کی امام صاحب سے ہے کہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں،کہ عالمگیریہ اور درمختار میں اور صاحب ہدایہ اور خلاصہ اور قاضی خاں میں ''مختار للفتویٰ'' اور علامہ شلبی نے ''الروایۃ المختارۃ للفتویٰ'' ایضاح میں ''وعلیہ الفتوی'' فرمایا۔ھکذا فی فتح اللہ المعین وتبیین وبزازیہ وخزانۃ المفتیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلاشبہ جواب صواب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔فقیر سراپا تقصیر وصی احمد حنفی سنی قادری مدرس مدرسہ الحدیث واقع پیلی بھیت محل منیر جان۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ مرسلہ مولوی عبدالرؤف از ملک بنگال شوبہ پور ضلع نواکھی ۲۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ماقولکم ایھا العلماء، وارث الانبیاء رحمنا اللہ ببرکاتکم اندریں مسئلہ کہ زید، زوجہ خود راسہ طلاق داد۔ بعدازاں برائے آوردن در نکاح خود عمرو را بران کلام مقرر و معین نمودہ کہ تو زوجہ مطلقہ مرا بعدازانقضائے عدت بنکاح آوردہ بعدازدو یک شب زن مذکورہ راسہ طلاق بدہ۔ عمرو برآں قول مقرر گشتہ، آں زن را بنکاح آوردہ بحسب قرار آں زن راسہ طلاق بداد۔ آں نکاح صحیح است یا نہ؟ وبرائے زوج اول حلال است یا نہ؟ اگر علماء عوام الناس رابراں فعل ترغیب بدہند مجرم خواہند شد یا نہ؟ ومصداق قول رسول اللہ ﷺ لعنة اللہ علی المحلل والمحلل لہ براوشاں صادق آید یا نہ؟ بادلہ شرعیہ قویہ بمطابق مذہب حنفیہ بیان فرمائید وعنداللہ اجرتش بگیرند۔

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلاً سبحنک لاعلم لنا الا ما علّمتنا نکاح عمرو با زوجہ زید منکوحہ بنکاح صحیح بشرط تحلیل مثل آنکہ گوید، تزوجت علی ان احلّلک نزد فقیہ اقدم، امام اعظم، سراج الملة والدین والائمة ابوحنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ است، وممنوع وگناہ است۔ وہمیں مذہب اہل علم از اصحاب کبار عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان بن عفان وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم واز تابعین احبار امام سفیان ثوری وابن مبارک است وامام شافعی واحمد ہم قائلش شدہ اند۔

درہدایہ است: "واذا تزوجھا بشرط التحلیل فالنکاح مکروہ۔" اگر ازاں مطلق بشرط تحلیل نکاح کرد، نکاحش مکروہ است۔ ھکذا فی التبیین والبحر وشرح الوقایہ وفتح اللہ المعین قال فی الدر المختار وکرہ التزوج للثانی (تحریما) درردالمحتار تحت قولہ وکرہ التزوج للثانی است: کذا فی البحر یعنی در بحر ہم کراہیتش مرقوم است۔ لکن اگر تحلیل آں زن برزوج اول عندالعقد محض منوی ومضمر داشت۔ کما ھو المستفاد من ظاھر السوال وشرط درعقد نکرد، مستحق لعن نخواہد شد۔

فی العنایہ، لو اضمر ذلک فی قلبہ لم یتحقق اللعن، ورنہ مکروہ است بلکہ آں مرد ان شاء اللہ تعالیٰ ماجور خواہد شد۔ کما فی البحر والتبیین ورقہستانی از مضمرات ہست (کہ آنرا علامہ ابن عابدین شامی شارح درمختار تحت قولہ لایکرہ کردہ: بل یحل فی قولھم جمیعاً بلکہ بالاتفاق حلال است مراورا۔ باز نکاح بشرط تحلیل اگرچہ گناہ است، فامادر حصول تحلیل آں مرزوج اول رانہ اشتباہ است چوں عمرو بالغ یا مراہق کہ مثلش جماع می تواند کرد، آں را بعد وطی طلاق داد۔ بعد انقضائے عدت برزوج اول بلاشبہ حلال است، ہے۔ لوجود الدخول فی النکاح الصحیح۔ در ہدایہ است: فان طلقھا بعد وطیھا حلت للاول پس اگر آں مرد، آں زن را بعد وطی طلاق داد، برزوج اول حلال است۔ فی الدرالمختار: "کرہ بشرط التحلیل وان حلت للاول لصحة النکاح وبطلان الشرط فلا یجبر علی الطلاق کما حققہ الکمال۔"

Marfat.com

"نکاح بشرط تحلیل مکروہ است اگر چہ آن زن برائے شوی حلال شد بسبب صحت نکاح و بطلان این شرط۔ پس زوج ثانی اگر چہ بشرط طلاق در عقد آوردہ باشد بر طلاق جبر نکردہ شدہ۔ چنانچہ امام کمال ابن ہمام تحقیق فرمودہ است۔"

وعلمائے کہ بر تزویج بشرط تحلیل ترغیب دہند، لا جرم بمضمون الدال علی الشی کفاعلہ اثم ومصداق حدیث لعن رسول اللہ ﷺ الحدیث خواہند شد، احتراز باید کرد واز شان علماء پس بعید است کہ نکاح برائے اجتماع زوجین کردہ می شود، برائے تفریق را ترغیب دہند نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالی اعلم

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا نکاح اس کا باپ کر سکتا ہے یا نہیں اور ماں کو منع کرنے کا حق ہے یا نہیں اور ولی کون کون ہیں؟

الجواب

بلا شبہ جائز ہے۔ کنز الدقائق میں ہے: "وللولی انکاح الصغیر و الصغیرۃ۔" "یعنی جائز ہے نکاح کر دینا ولی کو صغیر اور صغیرہ کا"۔ اور عصبہ بہ ترتیب ارث ہے۔ یہاں تک کہ اقرب کے ہوتے ابعد محجوب ہے۔

ہدایہ میں ہے: "والترتیب فی العصبات فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب با الاقرب۔"

پس جب کہ باپ نکاح کرنا چاہتا ہے ماں منع نہیں کر سکتی اور باپ کا نکاح کر دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر ولی غیر جابر دخترک نابالغہ را بنکاح زید داد۔ بعد از بلوغ آں دخترک بر وفق شرع بر فسخ نکاح قادر است یا نہ؟ نیز بر تقدیر اول نزد محمد وابو حنیفہ بعض از شرائط فسخ نکاح قضائے قاضی ہست۔ لہذا معترض گوید کہ دریں دیار بوجہ عدم قاضی نہ دخترک پس از بلوغ بر فسخ نکاح قادر نیست۔ بدلیل عقلی ونقلی ایں اعتراض درست شود یا نہ؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

زبانی سائل معلوم شد کہ نکاح ہذا بموجودگی اب نمودہ و پدرش بمجلس نکاح حاضر نبود و بعد استماع خبر جلسۂ اولیٰ سکوت کردہ بجلسۂ ثانیہ او کرد و بر اں راضی شد۔ پس بر تقدیر صدق مستفتی نکاح مذکور باطل محض است۔ اصلا روئے صحت ندارد۔ وفی الدر: "فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علیٰ اجازتہ اہ الیٰ ان اجاز جاز و "لا فلا واذا لم یجز لم یحز۔" یعنی اگر ولی ابعد وقت موجودگی ولی اقرب نکاح کرد۔ بر اجازت موقوف خواہد ماند۔ پس اگر اجازت داد نکاح صحیح و درست شد و گر رد کرد باطل است۔ پس چوں اجازت نہ داد و رد کرد، ناجائز باطل است۔ و...

Marfat.com

بہ مجلس اول ہم نیست کہ رضا صراحۃً ودلالۃً مثل قبض مہر یا فرستادن دختر خود را از دولی وغیر ذلک درکار است۔

قال العلامة الشامي في حواشيه: "(قوله توقف علىٰ اجازته) تقدم ان البالغة لوزوجت نفسها غير كفو فللولي الاعتراض مالم يرض صريحا او دلالة لقبض المهر ونحوه فلم يجعلوا سكوتها اجازة والظاهر ان سكوته ههنا كذالك فلا يكون سكوته اجازة لنكاح الا بعد وان كان حاضرا في مجلس العقد ومالم يرض صريحا او دلالة تامل۔"

واما جواب ایں آمد کہ صورت فسخ بودی چگونہ کردہ شدی پس از آنجا کہ در عامۂ بلاد ہند بوجہ سلطنت مسلمانان، قاضی شرع مفقود وحکم عنقاء دارد، چارہ کار ایں بود کہ زوجہ معاملہ مذکورہ را پیش حکم برد کہ او بعد ثبوت بمواجہ شوہر تفریق کند۔ فان الحكم كالقاضي كل مالیس بحد ولا قود ولا دية كما نص عليه في عامة الكتب للمذهب۔

مگر تحکیم بلا رضائے فریقین نتواں شد۔ اگر زوج تن بر رضا ندہد، حکم حکم مقبول نیفتد ودر زمان فقدان سلطان اسلام، قضاۃ ہر کہ از علمائے سنت اعلم واافقہ واہل باشد، دریں چنیں امور قائم مقام اومی باشد۔ می رسید کہ پیش آں عالم رفتی واز کار خود سخن گفت وعالم بعد ثبوت مواجہت شوہر تفریق فرمودے۔ فاما ایں معاملہ دریں دیار پیش نمی رود۔ اگر بعد تفریق عالم زن تحکم شوہر نمی گرفتہ خود رہزنی دیگر دہد۔ شوہر بہ کچہری ہا ناشی می تواں شد۔ پس اولیٰ آنکہ برعایتے اسلامیہ نزد قاضی وے کہ مجاز عام من جانب نواب باشد، تفریق خواہد۔ بتفریقش نکاح فسخ خواہد شد۔ اینجا دقت ہمیں است کہ تقاضہ محل الغائب روانیست وریاست رابر شہر کہ سائل قلم بردار نیست ولایت کرا خواہد داد۔ فاما بسبب معاہدہ کہ میاں رئیسان وانگریزاں است، آناں بالجبر بذریعہ کلکٹر ایں ظلمت می تواند کرد وگواہیم تواند پیش اعلم بلد معاملہ بپایاں رساند تا عند اللہ تفریق حاصل نشود تا آنکہ آں زن گوید کہ تفریق یافتہ ام بلکہ از سر مقدمہ پیش کند کچہری ہا نبہ...... شرع اند۔ چوں ثابت شود کہ ولی ابعد بے اجازت اقرب تزویج کرد واقرب ردنمود، حکم بر دخواہند داد وایں حکم مطابق آں حکم خواہد شد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اصاب المجيب جزاه القريب جز الا يثيب عبده المذنب احمد رضا خاں القادری۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بلا رضامندی اس کے اور بلا قبول اس کے، زید سے کر دیا۔ اور حیلہ سے زید کے مکان پر بھائی لے گیا اور جس وقت نکاح کی خبر ہندہ نے سنی فوراً وہاں سے چلی آئی۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں حسب بیان سائل معلوم ہوا کہ ہندہ بالغہ ہے۔ لہٰذا بغیر رضا اس کے اور بلا اجازت اس کی ہرگز درست نہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوا۔ ولایت جز نابالغہ پر کسی کو حاصل نہیں واللہ اعلم۔ محمد یسین

بیشک نکاح نہیں ہوا کیونکہ عورت نابالغہ کا نکاح بدون اس کے اذن کوئی بھی نہیں کرا سکتا۔ قال النبی ﷺ: "لا

Marfat.com

تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن۔" الحدیث متفق علیه ۔ وعن حسناء بنت خدام ان اباها زوجها وهی ثیب (ای بالغة)فکرهت ذالك فاتت رسو ل ﷺ فرد نکاحها رواه البخاری ۔

حرره العبد الضعیف محمود غفرله

یہ جواب غلط ہے۔سوال میں صرف اتنا ہے کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بغیر اس سے اجازت لئے زید سے کرادیا۔ جب ہندہ کو خبر ہوئی، فوراً چلی آئی۔ اس پر یہ کہنا کہ ہرگز نکاح درست نہیں اور بیشک یہ نکاح نہ ہوا، محض غلط ہے۔ نکاح ضرور درست ہے اور ضرور ہوگیا۔ اجازت نہ لینے سے اس قدر ہوا کہ نکاح فضولی قرار پایا۔ پھر نکاح فضولی صرف درست نہیں بلکہ صحیح ومنعقد ہے۔ ہاں اس کا نفاذ اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت دیدے نافذ ہے، چاہے رد کرے تو باطل ہے۔ پر یہاں کوئی کلمہ بھی مذکور نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ سن کر فوراً چلی آئی۔ چلا آنا ممکن ہے کہ بر بنائے عدم رضا ہو یا بر بنائے شرم وحیا ہو، محتمل بات سے خواہی نخواہی رد قرار دینا محض جہالت ہے۔ اس کا جواب مستند یہ ہے کہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا اور ہوگیا۔ اور اس کا نفاذ اجازت ہندہ پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ کو نابالغہ میں شادی کیا اور ہندہ کے والدین نہیں تھے۔ نانا نانی نے پرورش کیا اور ان کو ولی مان شادی دلایا۔ اور ہندہ کا اس وقت سے لے کر وقت شادی تک کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تقریباً شادی کو ڈیڑھ سال ہورہا ہے.......... ہوئی ہے اور اس کے نانا نے ان کو آنے سے باز رکھا ہے.......... وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی بن کر شادی دلایا۔ لہٰذا نکاح منسوخ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ یہ بتائیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا جواب مفصل دیں۔ (نام ندارد)

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوئے۔ شادی کے چھ ماہ بعد وہ بالغہ ہوئی اور شادی کے دن سے اس وقت تک شوہر سے راضی اور اس نکاح سے خوش ہے۔ اور سوال میں یہی ہے کہ "ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھا"۔ اس لئے یہ نکاح کہ ولی بعید نے پڑھایا اور ہندہ نے بعد بلوغ پسند کیا، انکار نہ کیا، جائز وثابت ہے۔

ہدایہ میں ہے:"وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل منهما الخیار اذا بلغ ،ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ۔"

ہندہ کے نانا کا اس کو شوہر کے پاس آنے سے روکنا سخت گناہ اور "یُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ" (البقرۃ:۲:۱۰۲) میں داخل ہے۔ اور یہ بے معنی دلیل پیش کرنا کہ "وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی

Marfat.com

بن کرشادی دلایالہذا نکاح منسوخ ہے'' عجیب بے عقلی اور گناہ کا اعادہ کرنا ہے۔ اگر چچا کی موجودگی میں نانا کے نکاح پڑھانے سے نکاح نہیں ہوتا تو کیا اس نے اپنی نواسی کوزنا کرانے کے لئے زید کے حوالہ کیا تھا۔ اس کے نانا کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور میاں بیوی میں تفرقہ کا باعث اور اپنے کو مورد طعن نہ بنائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار۔ ۱۱رذی قعدہ بروز یکشنبہ ۱۳۵۱ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فضولی نے ہندہ بالغہ، باکرہ کا نکاح خالد سے بلاتعین دوگواہ باجازت باپ ہندہ کے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم سے قریب ہے) ایک جماعت عام میں کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل نکاح اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ مگر ہندہ کو قبل سے خبر تھی کہ آج خالد سے میرا نکاح ہے اور جب دوسرے اجنبی لوگوں نے نکاح کی خبر ہندہ کو دی تو ہندہ چپ رہی اور انکار نہیں کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی۔ ایسی صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب واللہ الموفق للصواب۔

الجواب: اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے۔ لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے ورنہ ابدالآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولاد ولد الحرام قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

''واذا استاذنها الولي فسكتت او ضحكت فهو اذن بقوله ﷺ البكر تستامر في نفسها فان سكتت فقد رضيت اه قال وان فعل هذا غير الولي لم يكن رضاء حتى تتكلم به لان هذا لسكوت نقلة الالتفات الىٰ كلامه فلم يقع دلالة علىٰ الرضا ولو وقع فهو محتمل والاكتفاء بمثله للحاجة والحاجة في حق غير الاولياء بخلاف اذا ما كان المستامر رسول الولي لانه قائم مقامه انتهیٰ۔''

اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور رضامندی کے لئے صراحت کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور بلا تصریح کے محض وطی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں واللہ اعلم۔ اور جب کہ نکاح ہذا مجمع عام میں ہوا ہے، دوگواہوں کے تعین نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جبکہ نکاح ہذا موقوف ہے تو صرف تصریح اذن سے نافذ ہو جائے گا، دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق ہی نہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

نمقه المسكين ابو المظفر محمد سعيد الدين عفى عنه المدرس الاول في المدرسة العزيزيه

Marfat.com

بین السوال والجوب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کوفضولی بتایا گیا ہےاور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانشائے عقد نہ ہواور جواب میں یہ عبارت ''اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کوفسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا'' جوسوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کومفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور منجانب اب ہوا۔ فانّٰی یصح هذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب ازروئے عبارت صاحبِ ہدایہ صحیح ہوسکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول ومفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھادی جاتی تاکہ میری بھی شرکت ہوتی۔مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کردے۔لڑکی میری دانستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرندہ خط کو زبانی ہدایت بھی ایسی کردی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف پہچانتا تھا بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرندہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلا نامزد کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کردیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔مگر جب نکاح ہوگیا تو گھر باہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہوگیا، نکاح ہوگیا۔جس وقت تواتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ لیا اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ایسی صورت میں نکاح صحیح ونافذ ہوگیا یا تجدید نکاح وتصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(انتباہ) مانحن فیہ، میں امورات خمسہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجانب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھا دیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عندالاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھادینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا

Marfat.com

جائے تو بغیر تصریح اذن ہندہ، یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور اجازت فعلی (اعنی خلوت صحیحہ) مثل اجازت قولی (اعنی اقرار باللسان) کے متغیر ہوگی یا نہیں؟

(۲) انعقاد نکاح کے وقت نامزد کرنا دو گواہوں کا (جیسا کہ فی زماننا ہذا مروج ہے) بھی ضرور ہے یا صرف موجود رہنا کافی رہے گا؟

(۳) بعد نکاح منکوحہ کے پاس روبرو شخص خاص (جیسا کہ فی زماننا ہذا رائج ہے) کو جاکر نکاح کی اطلاع کرنا بھی ضرور ہے یا کسی طرح (جیسا کہ ما نحن فیہ میں ہوا ہے) سے اطلاع ہو جانا کافی ہوگا؟

(۴) استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''واذا استاذنها الولی فسكتت او ضحكت فهو اذن وان فعل هذا غير الولى لم يكن رضا حتى يتكلم به۔'' اور ''مما نحن فیہ'' میں یہ نکاح بوجہ ترک استیذان ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''وتزويج العبد والامة بغير اذن مولاهما موقوف فان اجاز الولى جاز وان رده بطل وكذالك لو زوج رجل امرءة بغير رضاها أو رجلا بغير رضاه''۔

پس استیذان اور اجازت شرعاً دو شی ہے یا شی واحد؟ اگر دو شی ہے تو جس طرح استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے، اسی طرح اجازت میں بھی تکلم باللسان شرط ہے یا نہیں؟ اور ہر واحد کی بقول مفتی بہ اجمالا یا جداگانہ کیا تعریف ہے؟

(۵) مجرد سکوت دلیل اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر بالفرض مجرد سکوت دلیل اجازت نہیں ہے تو خلوت صحیحہ دلیل اجازت ہوگی یا نہیں؟ بنقل عبارات فقہیہ معتبرہ علمائے احناف جواب ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح مذکور صحیح و نافذ ہوا۔ اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔ بلکہ بالفرض اگر ہندہ کے باپ کا خط بھی نہ آتا اور زبانی ہدایت بھی نہ ہوتی، جب بھی نکاح نافذ ہی ہوتا۔ اس لئے کہ یہاں یا تو زید بوجہ توکیل اب ہندہ بمنزلہ اب ہے کہ القلم احد اللسانين والكتاب كالخطاب۔ یا اتنا بھی نہیں بلکہ ایک اجنبی وفضولی گرچہ بالغہ کے نکاح میں باپ بھی حکماً فضولی ہے اور امر خود عورت ہی کی طرف عاید۔ اسی کی اجازت سے جائز، اس کے رد سے رد ہے۔

فتاوی امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: ''لان رجلاً زوج ابنته البالغة من رجل غائب وقبل عن الزوج فضولی فمات ابوالمرءة قبل اجازة الغائب لايبطل نكاح الاب بموته لان الاب لو اراد فسخ النكاح لايملك فی قول ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لانه فضولى فلا يبطل النكاح۔''

صورت اولیٰ میں جب کہ بحکم فعل الوكيل فعل المؤكل زید کا نکاح جو مجمع عام میں اگر چہ بے تعیین شاہدین ہوا (اس لئے کہ نکاح کے لئے حضور وسماع وفہم شاہدین شرط ہے نہ کہ مجمع حاضر سے خاص دو کی تعیین) ہندہ کے باپ کا کیا

Marfat.com

ہوا نکاح قرار دیا جائے۔ کما سیاتی نصہ جب تو اس کی خبر پا کر ہندہ بکر کا سکوت ہی اجازت کو بس ہے۔ اگر تمکین وخلوت صحیحہ نہ بھی ہوتی تو صرف سکوت ہی رضا سمجھا جاتا۔

خانیہ میں ہے: ''السکوت جعل رضافی مسائل معدودة منها بکر زوجها دلیلها فعلمت ذالك فسکتت کان سکوتها رضا۔''

اور صورت ثانیہ میں اگر چہ زید بمنزلہ اب ہندہ نہیں، نہ اس کا نکاح حکم نکاح اب ہندہ میں ہے۔ تو یہاں مجرد سکوت کافی نہ ہوتا۔ مگر جب بھی لا اقل فضولی اجنبی تو ہے اور نکاح فضولی منعقد ہے۔ بالغہ کا نکاح کوئی راہ چلتا محض بلا اذن کر دے تو اجازت بالغہ پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت ہے تو جائز، رد کر دے تو رد ہو جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبافان فعل ذلك فالنکاح موقوف علیٰ اجازتها فان اجازته جاز وان ردت بطل۔''

اب تنقیح طلب دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت کے لئے صاف لفظوں میں ہی اقرار ضروری ہے یا اور بھی کسی طرح سے اجازت ہوسکتی ہے؟ تو ان صورتوں میں سے کوئی بات یہاں پائی گئی یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ خاص الفاظ سے اجازت کی حاجت نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، فتاویٰ عالمگیریہ، تنویر الابصار، درمختار، میں ہے: والـلـفظ للاول'' وکما یتحقق رضاها بالقول لقولها رضیت وقبلت او احسنت و اصبت وبارك الله لك ولنا ونحوه مایتحقق رضاها بالدلالة بطلب مهرها ونفقتها و تمکینها علیٰ الوطی وقبول التهنیة وضحك بالسرور من غیر استیذان۔''

شامی میں جلپی اور اسی میں خانیہ سے ہے: ''اجاب صاحب الهدایه فی امرءه زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیأ لکن اعطاها المهر فی المجلس ان یکون قبولا وانکر صاحب المحیط وقال لا مالم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع لانه ینعقدبالتعاطی والنکاح لخطرة لا حتی توقف علی الشهود بخلاف اجازة نکاح الفضولی بالفعل لاتجوز العقول ثمه۔''

ردالمحتار میں ہے: ''یعنی واشار ان الاجازة یثبت بالدلالة کمایثبت بالتصریح وبالضرورة۔''

عالمگیریہ میں بحرالرائق سے ہے: ''ویثبت الاجازة فی النکاح الفضولی بالقول والفعل۔'' اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلوت برضا بھی اجازت ہے۔

فتاویٰ ظہیریہ، بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے: ''ولو خلا بها برضاها هل یکون اجازة لاروایة لهذه المسئلة وعنده ان هذا اجازة۔''

بزازیہ قبیل فصل عاشر میں ہے: ''ولو خلا بها برضا ها فالظاهر انه اجازة۔'' اسی میں ہے: ''عندی

Marfat.com

انہ اجازۃ و کذالخلوۃ فی النکاح الموقوف۔" پس جب خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے اور دلالت بھی رضا۔ تو صورت مسئولہ میں اگرچہ عاقد نے خود جا کر اطلاع نہ کی، نہ شرعاً اسے یہ ضرور مگر جب ہندہ کو خبر پہونچی اور اس نے رد نہ کیا، یہاں تک کہ خلوت صحیحہ ہوئی تو اجازت فعلی پائی گئی، جو اقوی من القول ہے۔ لاجرم نکاح نافذ ہو گیا۔ اب تصریح اذن کی اصلا حاجت نہیں۔ واستیذان غیر ولی میں خاص زبان سے کوئی لفظ کہنا شرط ہے، نہ اجازت نکاح غیر ولی میں بلکہ قولی و فعلی دونوں کافی ہیں۔ ہاں سکوت محض قولاً و فعلاً، دلالۃً صراحۃً اجازتاً، اصلاً نہ ہو، استیذان یا تزویج غیر ولی کے لئے کافی نہیں۔ اور یہی مطلب عبارت ہدایہ کا ہے، جس کی توضیح عنقریب آتی ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ سوال میں خلوت سے حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر وہ جماع سے کنایہ ہے یعنی صحبت برضا واقع ہوئی، جب تو فضولی اجازت میں اصلا کسی طرح کسی کو محل شبہ نہیں۔ فان التمکین من الوطی اجازۃ بلا خلاف وقد نص علیہ فی غیر ما کتب۔

استیذان و اجازت میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ استیذان غالباً مزوج یا کسی بالائی شخص کا کام ہے۔ اور اجازت بحال بلوغ و عقل و قرب خاص زوجین کا فعل کہ دوسرے سے ناممکن۔ اذن و اجازت میں فرق ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے کی جگہ کلمات علما میں مستعمل۔ قبل از نکاح اظہار رضا کو اذن کہتے ہیں اور بعد کو اجازت، قولی ہو یا فعلی۔

ردالمحتار میں ہے: "قلت یظھر مما ذکرنا الفرق بین الاذن و الاجازۃ ان الاذن مما سیقع و الاجازۃ مما وقع ویظھر منہ ایضا ان الاذن یکون بمعنی الاجازۃ اذا کان لامر وقع بالجملہ۔" صورت مسئولہ میں نکاح مذکور، بے شبہ صحیح و نافذ ہے۔ نہ حاجت تجدید، نہ ضرورت تصریح اذن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب جناب مولوی ابوالمظفر محمد سعید الدین صاحب مدرس اول مدرسہ عزیزیہ قطعاً باطل ہے۔ چند حروف مختصر اس کے متعلق حسب فرمائش گذارش کرتا ہوں۔

قولہ "اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے"

اقول نہیں ہرگز نہیں۔ بنابر مذہب قوی نکاح فضولی میں خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو فصول عمادیہ عبارت بزازیہ سے ہے: "و کذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف اجازۃ۔"

پس جب خلوت صحیحہ ہوئی جو اجازت فعلی اولیٰ من القولی ہے، نکاح فائز ہو گیا پھر دوبارہ اجازت کی حاجت نہیں رہی۔

قولہ "لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے۔" اقول صاف لفظوں میں اجازت تو اصلا کسی حالت میں لازم نہیں۔ بلکہ قولا و فعلا ہر طرح مطلقا اجازت ہوتی ہے اور استیذان اور تزویج ولی اقرب میں محض سکوت بلا قول و فعل سے بھی۔ اور عبارت ہدایہ سے شبہ کا حل اجمالاً گذرا اور تفصیلاً عنقریب آتا ہے۔ تو لہذا جس بنیاد پر لکھا گیا ہے، وہی غلط ہے۔ لہذا یہ "لہذا" بھی فاسد و شطط ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ اب پھر صاف لفظوں میں ہندہ سے کہلوایا جائے۔

Marfat.com

قولہ ''ورنہ ابدالآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولاد ولد الحرام قرار پائے گی'' اقول یہ حکم، علیل محض جبروتی و بے دلیل، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ خادم فقہ و واقف رموز شرع پر پوشیدہ نہیں کہ اذن و اجازت سے مقصود صرف اظہار رضا ہے نہ کہ خاص لفظ۔ قلت اور تمکین علی الوطی اول دلیل علے الرضا۔ کما صرح العلامہ الشامی قدس سرہ السامی تو ابدالآباد درکنار ایک دفعہ کی وطی بھی زنا نہ ٹھہرے گی، نہ زوجین کی اولاد کبھی حرامی قرار پائے گی۔ اور ابد الآباد عجب ارشاد۔ معدود برسوں سے زیادہ تو زوجین زندہ بھی نہ رہیں گے مگر ان کا زنا ابدالآباد جاری رہے گا۔ اور اگر اس سے وبال زنا مراد ہو، جب بھی غلط۔ زنا کفر نہیں، جس کی سزا دائم و نامنقطع ہو۔

قولہ ''جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''واذا ستاذنها الولی الیٰ قوله لانه قائم مقامه الخ''

اقول مولوی صاحب یہاں تک کہ جولکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے۔ اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھرکم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی۔ مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ استیذان و اجازت دونوں کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ہدایہ میں دوبارہ استیذان ولی و غیر ولی کا فرق بتایا ہے کہ ولی کے استیذان میں سکوت وضحک بھی اذن ہے۔ اور غیر ولی میں نہیں بلکہ تکلم درکار ہے۔ اور سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ پھر صورت مسؤلہ سے اس عبارت کو کیا تعلق ہوا؟ اور اگر اذن و اجازت دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس عبارت ہدایہ سے زیادہ کھلی ہوئی تصریح خانیہ میں ہے: ''اما غیر الاب والجد لیس بولی فی النکاح من غیر کفو فلم یکن سکوتها رضا ولابد من النعلق۔''

مگر جواب اس کا اولا یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اجنبی فضولی محض ہو اور وہ خود نکاح پڑھا دے۔ درمختار میں ہے: ''بکر استاذنها غیر الاقرب کاجنبی۔''

شامی میں ہے: ''قوله کاجنبی المراد به من لیس له ولایة فتمثل الاب اذا کان کافرا او عبدا او مکاتبا لکن رسول الولی قائم مقامه فیکون سکوتها رضا عند استیذانه کما فی الفتح والوکیل کذالك کما فی البحر عن القنیة'' اور یہاں پر زید وکیل اب ہندہ ہے تو حکم اب میں ہوا۔ پس خلوت اور تمکین تو درکنار نفس سکوت ہی رضا ہوگا۔ العبارۃ قد مضت ثانیاً۔ بالفرض زید حکم اب میں نہ لیا جائے اور اجنبی محض ہی قرار پائے، جب بھی صاف لفظوں میں کہنا کچھ ضروری نہیں، دلالت اذن بھی حکم نطق و تکلم میں ہے۔

درمختار میں ہے: ''فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتها بل لابد من القول الثیب البالغةاو ماهو فی معناه من فعل یدل علیٰ الرضا بطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی ودخوله بها برضاها'' ظهیریه۔

شاید مولوی صاحب کو بعض رسمی کتابوں کے الفاظ ''حتی تتکلم بالقول کالثیب'' سے دھوکا ہوا، اس لئے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار لازم کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ سیاق کلام مظہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ غیر ولی کے

Marfat.com

استیذان میں سکوت محض کافی نہیں۔ بلکہ دلالت واضحہ چاہئے۔ جس طرح بھی ہو۔ ممکن کہ سکوت، قلت التفات کی وجہ سے ہو تو رضا پر دال نہ ہوگا۔ اس لئے درمختار میں عبارت تنویر "فان استاذنہا غیر الاقرب فلا بل لابد من القول کالثیب" کے درمیان فلاں کے بعد بڑھایا "لاعبرۃ بسکوتہا" ہدایہ میں "حتی لاتتکلم" کے بعد فرمایا: "لان ھذا السکوت لقلۃ التفات الیٰ کلامہ فلم یقع دلالۃ علیٰ الرضا۔" ظاہر ہوا کہ یہاں سکوت، عدم دلالت کی وجہ سے نا معتبر ہوا۔ تو جہاں دلالت ہو، اعتبار لازم ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدہ نہیں کہ "بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود" بلکہ چند چیزوں سے ممانعت مقصود ہوتی ہے یا چند طریقہ سے اجازت سمجھی جاتی ہے تو اس میں اسہل کو ذکر فرماتی ہے تاکہ اقوی واشد کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے۔ ابوین کے بارے میں حکم ہوا "ولا تقل لھما اف" جس سے سب وشتم، ضرب وغیرہ سب سے ممانعت بدرجہ اولیٰ سمجھی گئی۔ یوں ہی تکلم باللسان، طلب مہر، طلب نفقہ، خلوت صحیحہ، تمکین علی الوطی میں سب سے آسان صرف زبانی اجازت تھی۔ شرح وقایہ، ہدایہ، خانیہ وغیرہا میں صرف قول ونطق وتکلم پر اکتفا کیا کہ ذی عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ جب اجازت قولی سے نکاح موقوف، نافذ ہو جاتا ہے، اجازت فعلی سے کہ اس سے بدرجہا قوی ہے، بدرجہ اولیٰ نافذ ہوگا۔ اگر قدمائے حنفیین کے وہم وخیال میں بھی یہ بات آتی کہ آخر زمانہ میں بعض مدعیان علم ایسا خیال فرمائیں گے کہ ماں باپ کو اف کہنا تو بے شک گناہ ہے، مارنے، گالی دینے، تحقیر شان، سوء ادب سے نہیں تو جس طرح متاخرین نے تصریح کر دی ہے، وہ بھی صاف فرما دیتے اور عبارت ہدایہ سے دھوکا نہ ہوتا۔

علامہ شامی تحت قول "لابل رضاھما یکون بالدلالۃ" لکھتے ہیں: "اشارۃ الی ماورد الزیلعی علی الکنز وغیرہ من ان رضاھما لایقتصر علیٰ القول۔"

قولـــــہ "اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور کیا رضامندی کے لئے صراحت کی ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعمیل ضروری ہے"

اقول بے شک ضروری ہے اور ضرور ضروری ہے۔ مگر حکم شرع تو یہی ہے کہ اجازت صرف قول پر موقوف نہیں۔ جو فعل اجازت پر دلالت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ بکر کے متعلق تصریحات گذر چکیں، ثیب اور صبی کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔

خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے: "الولی اذا زوج الثیب فرضیت بقلبھا تظھر الرضا بلسانھا کان لھا ان ترد لان المعتبر فیھا الرضا باللسان اذالفعل الذی یدل علیٰ الرضا نحو التمکین علیٰ الوطی وطلب المھر وقبول المھر دون قبول الھدیۃ وکذا فی الغلام۔

دیکھئے عدم اظہار رضا باللسان پر اختیار متفرع کیا ہے۔ جس سے آپ جیسا وہم ہوتا ہے کہ خاص الفاظ لازم ہیں اور وہیں اسی سطر، اسی حکم کی خاص تعلیل میں رضائے قولی وفعلی کی تعمیم فرمادی، جس سے ہر ذی فہم پر روشن ہوگیا کہ رضا باللسان

Marfat.com

مارضا بالقول سے مطلق دلیل رضا مراد ہے۔قولی ہو یا فعلی۔ورنہ دلیل مناقض دعویٰ ہوگی۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "انہ (ای التمکین) فوق القول ای لانہ اذا ثبت الرضا بالقول ثبت بالتمکین علی الوطی بالاولیٰ لانہ دل علی الرضا۔" رد المحتار۔

قولہ "اور بلاتصریح کے محض وطی ہوجانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں۔"

اقول عبارات کتب سے تو کالشمس فی رابعۃ النہار معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں اجازت قولی ہی ضروری نہیں، اجازت فعلی بھی کافی ہے۔اور تنفیذ نکاح کے لئے مثل قولی ہے۔متعدد عبارتیں گزر چکیں۔علامہ زین بن نجیم کی تصریح سنئے۔ شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: "ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول و الفعل۔"

قولہ "کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں۔"

بے شک جہل شرعیہ سے شرعاً عذر نہیں اور یہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے۔اقول جب تو مدعیان علم و افتا نکاحی اولاد کو ولد الحرام بتاتے، بی بی سے صحبت کو ابدالآباد تک زنا فرماتے ہیں۔

اعاذنا اللہ منہ و سائر المسلمین بحرمۃ نبیہ الامین المکیین ﷺ علیہ الیٰ یوم الدین۔

غرض اس جواب کی غلطی میں کلام نہیں۔مگر تعجب تو جناب مولوی علی نعمت صاحب پر ہے کہ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں اور ان سے کیا غرض متعلق اور اصل مقصود سائل سے کیا تعلق۔

قولہ "بین السوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے"۔

اقول یہ تشویش بیجا ہے۔بین السوال والجواب اصلا اضطراب نہیں۔مگر شاید آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔اگر بغور ملاحظہ فرماتے یا سائل سے دریافت فرمالیتے کہ باپ نے زید کو اکیس ہزار پر نکاح کی اجازت دی تھی یا اس نے بطور خود اکیس ہزار پر نکاح کر دیا، آپ کو یہ تشویش نہ ہوتی۔سوال میں اگر کوئی بات مجمل ہو اور مجیب دریافت کر کے بعد تعیین ایک شق پر جواب دے تو یہ بین السوال والجواب اضطراب نہیں کہلاتا، خصوصاً جب کہ لفظوں میں اس کا صریح ظاہر احتمال موجود ہو۔

قولہ "سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ ہے جو مامور بانشاء عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت "اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا" جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے"۔

اقول یہ وہ اضطراب بین السوال والجواب ہے جس نے مولوی صاحب کے دل کو پریشان کر دیا کہ سوال میں زید کو فضولی لکھا ہے اور جواب میں باپ نے اجازت دیدی ہے، لکھا ہے۔افسوس کہ سائل کا بیان معترض صاحب کے کلام سے زاید روشن، علم سے قریب ہے۔جہاں وہ زید کو فضولی بتاتا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتا ہے "باجازت باپ ہندہ بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ الخ"۔جس سے معلوم ہوا کہ نکاح بالغہ میں اجازت پدر کے بعد بھی وہ فضولی ہی جانتا ہے اور

Marfat.com

بے شک ایسا ہی ہے کہ عاقلہ بالغہ میں باپ خود بھی فضولی ہے۔اب تو ارشاد ہو کہ جواب میں وہ عبارت مفید اطمینان ہے اور یہ سوال کے اندر داخل ہے، اس لئے بعوض مبلغ الخ میں جار مجرور متعلق اجازت ہے۔چنانچہ مطول سوال میں اب ہندہ کے باپ کا مقولہ صاف مذکور ہے۔ زید وہاں موجود ہے، بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔فضولی کی یہ تعریف صحیح نہیں۔ آپ کی اسی غلطی نے آپ کو پریشان کیا۔اور بین السوال والجواب اضطراب کھلوایا ورنہ فضولی کی تعریف اگر پیش نظر ہوتی، تو اضطراب نہ سمجھا جاتا۔ بے شک زید فضولی ہے اور بے شبہ ہندہ کے باپ نے اسے اجازت دیدی ہے۔

قولہ ''کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بنا پر انشا ہوا۔'' اقول یہ وہی بات ہے جس کا جواب گذر چکا۔

قولہ ''اگر یہی صورت ہے تو زید فضولی نہیں ٹھہرتا۔''

اقول یہ مثل محل شقشقہ ہے۔یقینی یہی صورت ہے پھر بھی زید فضولی ہے۔اس لئے کہ توکیل ہندہ کی طرف سے ہوتی تو البتہ وکیل ہوتا ہے۔

قولہ'' فانی یصح ھذا الجواب'' الیٰ قولہ ''یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے از انشا عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی۔''

اقول اس کا سوال اصلاً ذکر نہیں، نہ واقعہ کے مطابق۔عجب کہ وہ معنی کہ عبارت سوال سے پیدا ہوسکیں، نامقبول ٹھہرا کر اضطراب بین السوال والجواب میں مانا جائے اور جس معنی کی سوال میں بو بھی نہیں، وہ مطلب فرض کیا جائے۔

قولہ ''اس صورت میں گو جواب ازروئے عبارت صاحبِ ہدایہ صحیح ہوسکتا ہے''۔

اقول عبارت صاحب ہدایہ سے اگر مراد وہ عبارت ہے جو جواب میں منقول ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق؟ اور اس کی رو سے یہ جواب کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اور اگر دوسری عبارت جو اس مقام پر ہدایہ میں مذکور ہوئی وہ مراد ہے تو ازروئے عبارت ہدایہ کی تحقیق کیا معنی؟ کیا ازروئے دیگر کتب صحیح نہیں۔

قولہ ''لیکن محل نظر ضرور ہے۔''

اقول جب ازروئے عبارت ہدایہ جواب صحیح ہوسکتا ہے تو پھر محل نظر کیوں ہے؟ اور یہ سب سہی مگر جواب مسئلہ جو سائل کا مقصود ہے کہ نکاح ہوگیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ کیا ہوا؟ اللھم اصلح امۃ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وافضل الصلوۃ علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین الیٰ یوم الدین فقط

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ مسئولہ ابوالحسن.........۱۱محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکیاں، قوم سید کا نکاح دونابالغ لڑکوں قوم پٹھان کے ساتھ بولایت والدین فریقین ہوا۔ لیکن چندہی روز ہونے کے بعد لڑکیاں بحالت نابالغی ہی اپنے والدین کے گھر میں آگئیں۔تب سے اب تک چار سال ہوئے، وہ اپنے شوہروں کے گھر نہیں گئیں۔ نہ ان کے شوہروں نے، نہ ان کے والدین نے ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا۔ اب لڑکیاں بالغ ہیں مگر بوجہ سادات اشرف النسب ہونے کے پٹھان شوہروں کے گھر جانے کو انکار کرتی ہیں۔ پس ان صورتوں میں یہ بالغ لڑکیاں بوجہ غیر کفو ہونے کے اپنے نکاح فسخ کردینے کے مجاز ومختار نہیں ہیں یا ہیں؟ اور غیر کفو ہونے کی کیا تعریف ہے؟ نیز یہ کہ ان لڑکیوں کے آباؤ اجداد کا پٹھانوں کے ساتھ سابق کا کوئی رشتہ ان کے موجود رشتہ پر نظیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

غیر کفو کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشہ میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی قصور وعیب ہو جس کے سبب اس کے خاندان کو عار لاحق ہو یا ایسا محتاج ہو کہ اگر کچھ مہر معجّل یا بعض معجّل ٹھہرا ہو تو فی الحال اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا لڑکی قابل جماع ہو تو نفقہ نہ دے سکے۔ پس اگر صغیرہ ہو کہ مرد کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو نفقہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس کے لئے نفقہ بھی صرف قدرت علی المہر کافی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "یعتبر یعنی الکفاءۃ نسباً وحریۃو اسلاما و دیانۃً ومالاً وحرفۃ۔"

ملتقی الابحر میں ہے: "ویعتبر مالافالعاجزعن المھر المعجل والنفقۃ غیر کفوء۔"

عالمگیریہ میں ہے: "یعتبر القدرۃ علی النفقہ اذا کانت المرءۃ کبیرۃ تصلح الجماع اما اذا کانت صغیرۃ لا تصلح الجماع فلاتعتبر القدرۃ علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لھا فی ھذہ الصورۃ ویکتفی با لقدرۃ علی المھر کذا فی الذخیرۃ۔"

پٹھان اگر عالم نہ ہو تو سیدہ کا کفو نہیں۔ مگر جب باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کردیں، مطلقا لازم ہوتا ہے۔ کہ نابالغ کو بعد بلوغ اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ نکاح کرتے وقت باپ دادا نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی کسی بچی کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکے ہوں تو البتہ پھر نکاح ناجائز ہوگا۔

درمختار میں ہے: "لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھر ھا وزیادۃمھرہ أوبغیر کفوء ان کان الولی المزوّج بنفسہ ابا او جدًا لم یعرف منھا سوء الاختیا رٌوان عرف لایصح النکا ح اتفاقا و کذا لوکان سکران الخ (در المختار۔ باب الولی ۱/ ۱۹۲)،زوج بنتہٗ من فاسق صح وان تحقق بذلک أنہ لسوء الاختیار اشتھر بہ عند الناس فلو زوج بنتا اخری منٗ فاسق لم یصح الثانی لانہ کان مشھورا

Marfat.com

بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول۔"

فتاوی خیریہ لنفع البریۃ علامہ خیرالدین رملی میں ہے: "ظاہر کلامھم ان الاب اذا کان معروفاً بسوء الاختیار لم یصح عقدہ باقل من مھر المثل ولا باکثر فی الصغیر بغبن فاحش ولا من غیر الکفو فیھما سواء کان عدم الکفائۃ بسبب الفسق اولا الخ۔"

بالجملہ صورت مسئولہ میں اگروہ پٹھان غیرعالم ہے۔باپ نے نشے کی حالت میں نکاح کردیا یا اسکے قبل بھی کسی لڑکی کا نکاح غیرکفو میں کرچکا تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔اور اگر ایسا نہیں تو وہ نکاح ہوگیا،اسے اصلاً اختیار فسخ کا نہیں۔

خانیہ میں ہے: "اذا بلغ الصغیر او الصغیرۃ وقد زوجھا الاب او الجد لاخیار لھما اھ۔" آباواجداد کا پٹھانوں کے ساتھ کوئی رشتہ سابق ہونا موجب کفائت نہیں ہوتا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مرسلہ مولانا ومولوی ثناء اللہ خلف مولانا احمد حسین ۲۱ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ بالغہ نے بلا اجازت اور اطلاع اپنے ولیوں کے،زید کے ساتھ جو اس کے غیرکفو سے ہے،روبرو گواہوں کے اپنا نکاح کیا،یہ نکاح حنفی مذہب میں جائز ہوا یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہے تو مفتی بہ قول کونسا ہے؟۔

(۲) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ تھا اور اس نکاح کے ہوتے ہوئے ہندہ پر جبر کرکے اس کا دوسرا نکاح عمرو کے ساتھ اعنی نکاح علی النکاح،گواہوں کے اور نکاح خواں کے رشوت دے کر پڑھاتا ہے،شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں اور گواہوں اور نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے جنہوں نے دیدہ ودانستہ ایسا کام کیا؟ اور اس منکوحہ مجبورہ کو شوہر ثانی کے ساتھ ہمبستر ہونے پر مجبور کرنا اور ناکح ثانی (عمرو) کو اس ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی کہ حلال ہے،شرعاً کیا حکم ہے؟ عورت منکوحہ کو اللہ ورسول وقرآن کا واسطہ دلانا کہ اس کے طفیل میں اس نکاح سے انکار کردے،یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے جو معین ومددگار اور جو لوگ کہ کوشاں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اگرچہ زید بایں معنی ہندہ کا کفو نہ تھا کہ اس کے مذہب یا نسب یا پیشے یا چال چلن میں بہ نسبت ہندہ کے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو،بدنامی ہو اور ہندہ نے اپنے ولی سے اجازت نہ لے لی اور اس کی رضائے صریح کے بطور جو زید سے نکاح کرلیا تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں،محض باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "امرءۃ زوجت نفسھا من غیر کفو صحّ النکاح فی ظاہر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لاینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔"

تبیین میں ہے: "(من نکحت غیر کفو فرق الولی) لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاہر الروایۃ۔"

Marfat.com

حاشیہ علامہ شلبی میں ہے: "اما علی الروایۃ المختارۃ للفتویٰ لایصح العقد اصلاً اذا کانت
...حت نفسھا منہ۔"

درمختار میں ہے: "ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔"

عقود الدریہ میں ہے: "سئل فی امرءۃ یرید التزوج بلا رضاء ابیھا وھو غیر کفو کیف الحکم
...ی ذالک؟ الجواب: اذا نکحتہ بلارضاء ولیھا فرق القاضی بینھما بطلب الولی وھذا ظاھر الروایۃ
...ن ائمتنا ولکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ بطلان النکاح من غیر کفوء وبہ
...ذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمۃ الحلوائی وھذا اقرب الی الا حتیاط والاحوط سد باب التزوج من
...ر کفوء قال الامام: الفتویٰ علی قول الحسن فی زماننا۔ قال فی البحر المفتیٰ بہ روایۃ الحسن عن
...مام عن عدم انعقاد اصلاً اذا کان لھا ولی ولم یرض بہ قبل فلا یفید الرضا بعدہ اھ مختصراً۔"

عالمگیریہ اور درمختار اور خزانۃ المفتیین اور خلاصہ اور تبیین میں مختار للفتوی اور علامہ شیخ شلبی محشی تبیین نے
...روایۃ المختارۃ للفتوی ایضاح میں وعلیہ الفتوی فرمایا اور اگر ان باتوں سے کسی بات میں ایسا نقص نہیں بلکہ
...اور عوام کے طور پر بایں معنی زید کے کو غیر کفو کہا گیا کہ وہ ہندہ کے خاندان سے نہیں تو صرف اس قدر بات مضر نہیں۔ وہ
...اح صحیح ہوگا۔

نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ، غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کی حیات میں کسی سے کر دینا سخت ناجائز
...رام ہے۔ قال اللہ تعالی "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: ۲۴) "اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں" (کنز الایمان)

جلالین میں ہے: "وحرمت علیکم المحصنات ای ذوات الازواج من النساء ان تنکحوھن
...بل مفارقۃ ازواجھن۔"

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: "لایخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ" "نکاح کا پیغام نہ دے کوئی مرد
...پنے بھائی کے پیام پر" رواہ الاربعۃ واحمد والبیھقی عن ابن عمر وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنھم۔
...نول فکیف بالنکاح علیٰ النکاح۔

ہندہ کا نکاح ثانی عمرو کے ساتھ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "امرءۃ زوجھا ولیان فھی
...للاول۔" اور اسی بلا پر انکار تکبر اہل علم کا ہے۔ کیونکہ نکاح کے لئے شرط محل قابل ہے۔

عالم گیریہ میں ہے: "ومنھا (ای من شروطہ) المحل المقابل وھی المرءۃ التی احلھا الشرع
بالنکاح کذا فی النھایہ۔" اور یہ ظاہر ہے کہ غیر کی منکوحہ قابل نکاح نہیں۔ کما مر

اس میں ہے: "زوجھا علی التعاقب جاز الاول دون الثانی۔"

قاضی خاں میں ہے: "ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر عند الکل۔" "سبھوں کے نزدیک غیر منکوحہ کا

Marfat.com

نکاح جائز نہیں''۔ اور اس عورت کو شوہر ثانی کے ساتھ صحبت کرنے پر جبر کرنا اور عمرو کو ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی ناجائز اور حرام، دلالت علی الزنا ہے اور اسے حلال جاننا کفر و مخالفت نص قطعی رب العزۃ جلالہ۔

شرح عقائد میں ہے: "استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي اعاذنا الله منه۔" نکاح سے مکر جانے کو اللہ و رسول و قرآن شریف کا واسطہ دینا اور یہ کہنا کہ اس کے طفیل میں اور صدقے میں اس نکاح سے انکار کر دے، سخت ناجائز و گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کا مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم ان کے معین و مددگار کوشاں کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت عاقلہ بالغہ نے بلا اذن ولی برضا وخوشی اپنے کفو میں روبرو چند گواہوں کے بعوض مہر معین ایک مرد سے نکاح کر لیا تو شرع شریف میں یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ دوم: ایک عورت نے جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، مہر بذریعہ خط زید کو لکھ بھیجا کہ میرا نکاح بالعوض اتنے مہر کے عمرو سے کر دے۔ چنانچہ زید نے اس عورت کی توکیل کے موافق عمرو مذکور سے نکاح روبرو چند گواہوں کے کر دیا اور اس عورت کو اطلاع دیدی کہ میں نے فلاں بالغ کا نکاح عمرو سے تیری تحریر کے موافق کر دیا تو یہ نکاح عندالشرع جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عمرو اور عورت کا درمیان دو سو ۲۰۰ مبلغ فیصلہ ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جائز ہے اگر وہ کفو شرعی ہو۔ محاورہ عام میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں۔ اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن، کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا، اولیاء زن کے لئے عرفاً باعث ننگ وعار ہو۔ اگر ایسا کم ہے تو نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ جب تک کہ باوصف علم عدم کفاءت، صریح رضاء ولی سے نہ ہوا ہو۔ پھر اگر کفو بمعنی شرعی ہے تو نکاح مطلقاً ہو گیا اور ولی کو حق اعتراض بھی نہیں، اگر مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ ورنہ اگر شوہر مہر مثل دینے سے انکار کرے تو عصبہ کسی اسلامی ریاست میں وہاں کے قاضی کے پاس جو ماذون عام منجانب ریاست ہو، جا کر دعویٰ کرے۔ قاضی شوہر کے سامنے تفریق کر دے، نکاح فسخ ہو جائے گا۔ فی الدر: "(ولو نكحت باقل من مهر ها فللولى) العصبة (الاعتراض حتىٰ يتم) مثلها (او يفرق) القاضى بينهما دفعاًللعار۔" والله تعالى اعلم۔

(جواب دوم) اس کا جواب بھی جواب سوال اول سے واضح ہے۔ یہاں اس قدر امر زائد ہے کہ وکیل نے جن گواہوں کے سامنے نکاح کر دیا، ان کے سامنے ایسے لفظوں سے عورت مؤکلہ کو بتایا ہے کہ اس کا تعین ہو جائے مثلاً ہندہ بنت زید ابن عمرو یا فقط ہندہ بنت زید یا ہندہ فلانیہ جب کہ شاہدین اس قدر سے اسے پہچان لیں ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فى رد المحتار عن البحر:" ان كانت غائبة لم يسمعو اكلامها بان عقد ها وكيلها فان كانت الشهود يعرفو نها كفى ذكر اسمها اذا علموا انه اراد ها وان لم يعرفو نها لابدّ ذكر اسمها واسم أبيها و جدها۔" والله تعالىٰ اعلم۔

Marfat.com

سید ابوالقاسم دربھنگوی.........۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ مطلقہ کو عدت گذر جانے کے بعد مہر دین میں کچھ زمین دیدیا تھا۔ اب تک وہ زمین ہندہ کے قبضہ میں ہے۔ رجسٹری کے لئے کہتی ہے مگر زید دو وجہ سے انکار کرتا ہے۔

وجہ اول: زید خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رجسٹری کے بعد ہندہ اپنے چچازاد بھائی کو دیدے۔ کیا اس خیال سے زید رجسٹری روک سکتا ہے یا نہیں؟ بصورت شق ثانی کیوں؟

وجہ دوئم: زید خیال کرتا ہے کہ مہر دین کی مدت گذر گئی۔ بوجہ شادی ہونے کے۔ نہ ہم پر وہ دین واجب الادا ہے اور نہ اب ہندہ جبراً زمین کی رجسٹری کراسکتی ہے۔ کیا شرعاً مہر دین کی تمادی ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کیوں؟ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ شرعاً ہندہ کی ملکیت سمجھی جائیگی یا نہیں؟ بینوا وتوجرا

الجواب

زید نے جو زمین اپنی مطلقہ بی بی کو بعوض دین مہر دیدیا اور جس پر وہ قابض ودخیل شرعاً وہ زید کی بی بی ہندہ کی چیز ہے۔ زید کا رجسٹری سے انکار کرنا غلطی اس کی ہے اور جو وجہ اس کے انکار کی خیال کرتا ہے، وہ دونوں مہمل ہے۔ جب وہ چیز ہندہ کی ہوگئی تو اس کو پورا اختیار ہے۔ اپنے چچازاد بھائی کو دیدے یا کسی راہ چلتے کو۔ ہندہ کا اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے۔ نیز یہ خیال کہ دین کی مدت گذر گئی، خیال خام ہے۔ شرعاً تمادی کوئی چیز نہیں۔ جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنے سے ادا ہوتا ہے یا معاف کرنے سے۔ بغیر اس کے اس کا حق باطل نہیں ہوتا۔ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے، جو بذریعہ ہبہ بعوض دین مہر سے حاصل ہوئی ہے، بلاشبہ اس کی ملک ہے۔ ان البیع یتم بالایجاب والقبول والھبة تتم بالقبض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی حفیظ اللہ صاحب از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ ۱۱ر صفر ۱۳۲۳ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم ومکرم بندہ دام مجدہم بعد آداب آنکہ مسئلہ ذیل میں بحوالہ کتب مطلع کیجئے، اللہ اجر دے گا۔

زید حنفی مذہب نے ہندہ حنفی مذہب سے بہ تعیین ایک ہزار روپیہ، دین مہر کے نکاح کیا اور نکاح کے دس پانچ برس بعد اپنی زوجہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خوش ہوکر زید نے بجائے ایک ہزار کے، تین ہزار دین مہر اپنے ذمہ قبول کر کے تین ہزار روپیہ کی جائداد اپنی بنام ہندہ کے لکھوادی اس طرح تعداد دین مہر بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اپنی بیوی کی مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے اسی مجلس میں بلاشبہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔ رب العزة عزت عظمتہ فرماتا ہے: "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ (النساء: ٢٤)" "اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہوجائے تو اس میں گناہ نہیں" (کنز الایمان) یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کم کردے عورت اپنے مہر مفروضہ سے یا کل کا کل شوہر کو ہبہ کردے یا

Marfat.com

بڑھادے شوہر مقدار مہر پر اس کی رضامندی سے۔

شرح وقایہ میں ہے: ''مازید علیٰ المهر بعد العقد يجب كذا فى الاصلاح۔''

کنزالدقائق میں ہے: ''وما فرض بعد العقد او زيد لايتنصف۔''

بحرالرائق میں ہے: ''واما ما زيد على المسمىٰ فانما يتنصف لما ذكرناان التنصيف يختص بالمفروض فى العقد الاول ودل وضع المسئلة علىٰ جواز الزيادة فى المهر بعد العقد وهى لازمة بشرط قبولها فى المجلس علىٰ الاصح۔'' یعنی دلالت کرتا ہے یہ مسئلہ جائز ہونے پر زیادتی مہر میں بعد عقد کے۔

تبیین الحقائق مین ہے: ''تحت قول "وصح" ثم المصنف ذكر جواز الحط ولم يذكر جواز الزيادة لان جوازها علم من قوله وما فرض الخ فلهذالم يذكره مقصودا۔''

خزانہ میں ہے: ''امرءة وهبت مهرها من زوجها ثم ان الزوج اقربين الشهود وان عليه كذا وكذا من المهر يصح اقراره اذا قبلت ويحملُ انه زاد فى المهر والزيادة فى المهر بعد المهر جائز لكن لابد من القبول لان الزيادة فى المهر لايصح من غير قبول المرأة۔''

''مہر چھوڑ دینے کے بعد شوہر نے سامنے گواہوں کے اقرار زیادتی مہر کا ذکر کیا تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے مہر میں زیادتی کی اور مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے جائز ہے''۔

درمختار میں ہے: ''ومازيد بعد العقد او زيد على المسمىٰ فانها تلزمه بشرط قبولها۔''

ردالمحتار میں ہے: ''افاد انها صحيحة ولو بلا شهود اوبعد هبة المهر الابراء منه وهى من جنس المهر او من غير جنسه۔''

عالمگیریہ میں ہے: ''الزيادة فى المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلثة كذا فى المحيط۔'' اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی عوض علی بیگ .... ۱۶ شعبان ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک شیر خوار بچہ چھوڑا۔ بچہ کا باپ اور دادا دادی اور نانا نانی موجود ہیں۔ بچہ کی پرورش کا شرعا کون مستحق ہے؟ اور اسباب جہیز متوفیہ کا کون مستحق ہے؟ بچہ کے مال کا کون ولی ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں لڑکا سات برس کی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گا۔

ہدایہ میں ہے: ''فان لم تكن له امّ فام الام اولىٰ من الاب وان بعدت لان هذه الولاية تستفاد

Marfat.com

من قبل الامہات۔"(الهداية ٢/٤١٤)

عورت کا جہیز مہر وغیرہ جو کچھ متروکہ ہو، بارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم شوہر اور دو دو عورت کے مادر و پدر اور پانچ سہم پسر کو ملیں گے۔ بچہ کے سات برس عمر ہونے تک اس کے دادا دادی کو اپنے پاس رکھنے کے بارے میں مال سے مزاحمت کا اصلاً حق نہیں ہے۔ نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:"والام والجدة احق بالغلام حتیٰ یاکل وحده ویشرب وحده ویلبس وحده ویستنجی وحدهٗ وفی الجامع الصغیر حتیٰ یاکل وحدهٗ ویشرب وحدهٗ ویلبس وحدهٗ والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتبارا للغالب اه وعلیه الفتویٰ کذا فی الکافی وغیرہ قال له العینی۔"

نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔ بچہ کا جو مال ہے خواہ اسے متروکۂ مادر سے ملا ہو یا اور کسی طرح، اس کی ولایت دادا کو ہے۔ نانا نانی کو اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بہار شریف مدرسہ حنفیہ مرسلہ مولوی عبداللہ طالب علم ۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کی اس طرف مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کرتا ہے اور جب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرتی، تو جو کچھ کہ اس کے شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ وغیرہ نے از قسم زیورات وظرف وغیرہما وقت شادی یا بعد شادی اس عورت کو دیا تھا، اس کے قبضہ قدرت وتصرف میں رہنے دیتے ہیں۔ خواہ سسرال میں وہ رہے یا میکہ میں اور جب اس کا نکاح ثانی ہوتا ہے تو اس کے شوہر اول کے وارث جو کچھ زیورات وظروف کہ انہوں نے وقت شادی یا بعد شادی کے، وقتاً فوقتاً دیا تھا، سب واپس کر لیتے ہیں۔ پس اور جو کچھ کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ نے دیا تھا۔ اگر شوہر اول کے وارث کے پاس ہوتا ہے تو وہ سب کو واپس کر دیتے ہیں۔

پس سوال یہ ہے کہ وقت شادی یا بعد شادی کے شوہر یا سسر یا اس عورت کے ماں باپ از قسم زیورات وظروف دیتے ہیں، وہ اس عورت کی ملک سمجھی جائے گی یا ریت کے مطابق بطریق زیب وزینت کے خیال کیا جائے گا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جس قدر مال زیورات وظروف وغیرہما وقت شادی یا بعد شادی، وقتاً فوقتاً اس کے باپ نے جہیز میں دیا ہے، سب اس کی ملک حسب عرف عام ہمارے بلاد کے ہے، جس میں شوہر، اس کے ماں باپ کا استحقاق نہیں۔ اس لئے بعد رخصتی اس کی واپسی کو سخت معیوب وباعث مطعون جانتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:"کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرءة لاحق لاحد فیه۔"

ہاں جب عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہننے کو بطور عاریت دیا ہو اور وہ عرفاً پہنانے والوں کی ہی ملک میں شمار کیا جاتا ہو، تو حکم اس کا عاریت کا ہے کہ واپس کر دیا جائے۔

Marfat.com

درمختار میں ہے: "جھز ابنتہ ثم ادعیٰ ان ما دفعہ بھا عاریة وقالت ھو تملیك او قال الزوج ذلك بعد موتھا یرث منہ او قال الاب او ورثتہ بعد موتہ عاریة المعتمد ان القول للزوج اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھازا لا عاریة واما ان کان مشترکا کمصر والشام فالقول للاب۔(الدرالمختار باب المھر ۱/۲۰۳)

رہا زیور وغیرہ کہ والدین زوج، اپنی بہو کے پہننے کو دیتے ہیں، اگر اس میں نصاً یا عرفاً کسی طرح تملیک مقصود نہیں ہوتی تو وہ بدستور ملک والدین پر ہے، جس میں بہو کا کچھ حق نہیں۔ بعد انتقال اپنے لڑکے کے جب عورت آمادہ بنکاح ہو جائے یا جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ بالجملہ شریعت مطہرہ نے اس امر کو معلق بہ عرف رکھا ہے۔ موافق عرف تملیک یا عاریت قرار پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے فرزند کی شادی، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا، کی۔ اور بموجب حکم کرٹم کے تاریخ مقررہ پر برات لے کر اس کے گھر میں گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر حسب رواج گاؤں مذکورہ کے برات کے سب آدمی اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ اور لڑکا سسر کے گھر میں رہا اور لڑکے کا باپ بھی اپنے گھر میں چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کا باپ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو لڑکی کے باپ نے اس کو پیغام بھیجا، جو زیور تم نے اپنی بیٹی کے لئے رکھا ہے، وہ بھیج دو اور آکر نکاح کر لو، اس وقت لڑکے کے باپ نے تین گواہوں کے روبرو یہ اقرار کیا کہ یہ زیور عاریتاً زینت کے واسطے ہیں، اپنی پتوہ کو پہناتا ہوں نہ میں نے اس کا مالک کیا ہے اور نہ ہبہ کیا اور نہ بخشش کیا، فقط عاریتاً دیا ہے۔ جس وقت چاہوں گا، لے لوں گا اور مہر جو نکاح کے وقت مقرر ہوتا ہے وہ زیور سے جدا نہیں۔ اب شرعاً یہ زیور کس کا ہوتا ہے؟ لڑکے کے باپ کا یا لڑکے کا یا پتوہ کا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

وہ زیور اس کے (لڑکی) باپ کا ہے، نہ لڑکے، نہ اس کی بی بی کا۔

جامع الفصولین ص ۲۶۶ میں ہے: "بعث الیٰ امرءة ابنہ شیئانیابا ثم ادعیٰ انھا عاریة صدق۔"

جب ابوین (کہ غالباً جہیز تملیکاً بھی دیتے ہیں) دیتے وقت کسی کو گواہ کر دیں کہ یہ عاریۃً ہے، نہ تملیکاً یا شہر کا رواج ہی ایسا ہو کہ جہیز کے لئے دیا کرتے ہیں یا عرف شہر مشترک ہو اور ابوین دعوی عاریت کا کریں، تو عاریت ہی سمجھا جائیگا نہ کہ تملیک۔ کما افتیٰ بھا العلامة حامد آفندی فی مغنی المستفتی وذکرھا العلامہ الشامی فی تنقیحہ۔ تو یہ زیور دینا کہ سسر اپنے پتوہ سے واپس کرے، درست ہے۔ عامہ کتب ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، درمختار، کنز الدقائق، بحر الرائق وغیرہ میں ہے: "للمعیران یرجع" اور بیٹی والے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز جب چاہے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الطلاق ۶

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ایک شخص نے اپنے سسر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس زمانہ میں اس شخص نے اپنے سسر کو خط لکھا، اس کی بیوی اپنے باپ کے یہاں تھی، وعدت کا زمانہ ہنوز باقی ہے۔

عبارت خط:

''ہم لوگوں کو آج روز پنجشنبہ تاریخ ۱۸ رمضان المبارک سے لے کر دس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس درمیان میں سواری ہماری رخصت ہوگئی تو خیر۔ ورنہ یہ میری تحریر ناطق ہوگی کہ اگر عزیزی محمد شبلی کی ماں ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۱۰ روز کے اندر گھر نہ آئیں تو میرا طلاق رجعی ان پر واقع ہو جائے گا اور اگر بیس کے روز ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۸ رعید الفطر تک گھر رخصت ہو کر نہ آئیں تو عزیزی محمد شبلی کی ماں مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق بائن کے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ لوگ کا جی چاہے اس طلاق کو بائن کرائیے اور رخصتی نہ کیجئے اور جی چاہے شرط کے درمیان میں رخصت کر دیجئے تو طلاق واقع نہ ہوگی''۔

تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اب تک والدہ محمد شبلی گھر آنہ گئیں تو شک نہیں کہ بحکم تعلیق اول طلاق رجعی و بحکم تعلیق ثانی طلاق بائن واقع ہوگئی۔ فان الصريح يلحق الصريح و لا فرق في الصريح الثاني بين كون الواقع به رجعيا او بائنا كما صرح به العلامة الشامي في حاشية الدر المختار و الطلاق المضاف الیٰ الشرط يقع عقبيه اتفاقا و ههنا علق الطلقتان علیٰ شرطين وقد وقعا فطلقت تطليقتين كما صرحوا به في مسائل قال في الهندية ناقلا عن المحيط: "لو قال لها ان كلمت فلانا فانت طالق و قال لها ايضا ان كلمت انسانا فانت طالق فكلم فلانا طلقت تطليقتين ـ"

اب اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی یہ صورت ہے کہ عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت، مدۃ العمر میں، جب دونوں راضی ہوں اور نکاح کر لیں، بدستور حقوق زوجیت قائم ہو جائیں گے۔ الا انه لا يملك الا ما بقى من الطلقات فان الزوج الثاني هو الذي يهدم بالدخول ما دون الثلاث من الطلقة او الطلقتين فيجعلهما كان لم يكونا كما يهدم الثلاث اجماعا ـ

درمختار میں ہے: "وينكح مبانة عما دون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع ـ"

Marfat.com

ہدایہ میں ہے:"اذا کان الطلاق بما دون الثلاث فلا بد لہ ان یتزوجھا فی العدۃ وبعد انقضائھا۔" "یعنی جب کوئی شخص تین طلاق سے کم (دو یا ایک) دے تو وہ شخص اس عورت سے عدت کے اندر اور بعد گزرنے عدت کے بھی نکاح کرسکتا ہے۔" والمسئلۃ مشھورۃ فی الکتب مسطورۃ۔

عبدہ العاصی ظفر الدین البہاری۔ مہر

بے شک صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی۔ چونکہ وقوع طلاق بائن موجب تجدید نکاح ہے، لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ البتہ بسبب عدم تحقق طلاق مغلظہ، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط

بندہ مقبول احمد خاں تاب اللہ علیہ مدرس الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور۔ مہر

صورت مسئولہ میں بلاشبہ شرط محقق ہونے سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ حل اصلی باقی ہے لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے زوج اس سے نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ حلالہ کی ضرورت طلاق مغلظہ میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید دیانت حسین، مدرس الفقہ مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور، پٹنہ۔ مہر

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ سید از ہر علی خلف جناب سید امیر احمد ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا۔ اور وہ چند دن اس کی زوجیت میں رہ کر بلا اطلاع اس کے نکل کر آوارہ ہوگئی۔ اور بحالت آوارگی بقول ہندہ مقدمہ زن وشو میں دائر ہوا۔ زید نے پچاس روپیہ لے کر رضامندی داخل کردی اور زوجہ اور شوہر باہر کچہری کے آئے۔ ہمراہوں نے بقول ہندہ یہ بات کہی کہ تو اپنی زوجہ کو لے جا۔ زید نے کہا کہ میں نے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑ دیا اور طلاق دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آوارہ پھرتی رہی اور جگہ جگہ آوارہ لوگوں میں رہی۔ اس کو قریب سات آٹھ مہینہ ہوا۔ اب ہندہ بکر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ زید کوئی دعویٰ کچہری میں ایسا دائر نہ کرے جس میں میں ملزوم قرار پاؤں۔ زید کو کچھ روپیہ دے کر لادعویٰ اسٹامپ پر لکھا گیا۔ اب بکر ہندہ ایک مکان میں ہیں اور حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ اور ہندہ کا یہ قول ہے کہ اگر بکر نکاح کرے گا تو میں میکے بیٹھ جاؤں گی۔ طلاق نامہ تحریر ہوئے عرصہ ایک ہفتہ کا ہوا۔ اس صورت میں بکر کا نکاح کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس مدت سات آٹھ ماہ میں آوارہ پھرتی رہی، ایام عدت گذر گئے۔ یعنی اگر حاملہ تھی تو وضع حمل ہوگیا اور اگر حائضہ تھی تو تین حیض آ گیا، تو اگرچہ طلاق نامہ تحریر کئے ایک ہی ہفتہ ہوا، بکر سے اس کا نکاح جائز ہے، اگر اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ ورنہ انقضائے عدت کے بعد ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت زید نے نکاح ثانی کرنا چاہا تو ولی نے کہا کہ جب تک تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق نہ دو گے، ہم نکاح نہیں کریں گے۔ زید نے کہا کہ میں اسے خفیہ طلاق دے سکتا ہوں تا کہ سوا تمہارے اوروں کو ظاہر نہ ہو۔ یہ کہہ کر زید ولی کو ایک علیحدہ جگہ لے گیا۔ یہاں اس نے بتایا کہ ہم لوگوں میں ایک شخص نکاح ثانی کا وکیل تھا مگر دونوں کو بخوبی معلوم تھا کہ زید و ولی مذکور دونوں اس بات پر متفق ہیں اور زید نے ولی سے بھی کہا کہ آپ بھی یہ طلاق دینا کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ مگر انھوں نے وکیل سے کہہ دیا۔ تھوڑی دیر تھم کر پھر وہیں گیا اور ان دونوں۔ نے زید سے پوچھا کام ہوگیا؟ اس نے کہا، ہاں وہ کام ہوگیا۔ اس وقت اس کی زوجہ اپنے میکے میں تھی۔ بعد ڈیڑھ برس کے معلوم ہوا میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر زید اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا اور زید نے انکار کیا کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ پھر ان شخصوں نے عورت کو دینا طلاق ثلثہ کا ظاہر کیا۔ اب ان شخصوں کی شہادت سے طلاق ثلثہ واقع ہوگی یا نہ؟ اور دریں حالت شاہدان مذکور، خطا کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ شاہدان مذکور کی تائید کریں ان کا کیا حکم ہے؟ اور شاہدان مذکور پر کتمان ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی کہاں تک حد ہے؟ اور اس میں کیا شرط ہے؟ اور شاہدان مذکور تاخیر شہادت سے فاسق ہیں یا نہیں؟ اور فاسق ہوئے تو کون سے فاسق؟ اور وہ دو شخص جنہوں نے کہا تھا کہ دریافت کرنے پر اظہار کردیں گے، کتمان میں شامل رہے یا نہیں؟ زید نے ان دونوں سے جو اشارۃً کہا تھا کہ کام ہوگیا، اس سے اظہار ثابت اور کتمان زائل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی زوجہ مطلقہ کے مکان پر آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے عیش ازواج ثابت ہوگا یا نہیں؟ زوجہ مطلقہ کا وکیل یہ کہتا ہے کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، جب تک ہم نے کچھ نہیں کہا۔ جب زید کا ارادہ مطلقہ کو گھر لانے کا ہوا، قبل گھر لانے کے وکیل مذکور، طلاق ثلثہ کا اظہار کرنا فسق سے خارج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال میں کسی جگہ زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا مذکور نہیں۔ اس کے الفاظ یہ لکھے گئے ہیں ''طلاق دے سکتا ہوں: آپ بھی یہ طلاق کسی پر ظاہر نہ کیجئے، وہ کام ہوگیا'' اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی لفظ، الفاظ طلاق سے نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے طلاق دی ہے تو اگر گواہ بھی نہ ہو، جس طرح کی طلاق دی، دیانۃً پڑ گئی۔ اور اگر فی الواقع نہ دی تو وہ تین کیا دس بیس بھی گواہی دیں تو عند اللہ طلاق واقع نہیں۔ رہا قضاء پس اگر دو مرد اور دو عورتیں کہ سب عادل ہوں، گواہی دیں گے، قاضی حکم طلاق دے دے گا، لان القاضی لیس له الا الظاهر و التدین لیس من القضاء۔

درمختار میں ہے: "و نصابها (ای الشهادة) بغیرها من الحقوق سواء کان مالا او غیره کنکاح و طلاق۔"

اس صورت میں وہ بعد انقضائے عدت زوج کے لئے قضاءً حرام سمجھی جائے گی۔ اگرچہ طلاق نہ دی اور اب بے نکاح اور بے حلالہ اس سے نکاح بھی حلال نہ ہوگا۔

رہی تنقیح اس بات کی کہ صورت مسئولہ میں ان کی شہادت پر طلاق کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

Marfat.com

فاقول وباللہ التوفیق: یہ لوگ ہر طرح فساق وفجار گواہ ہیں اوران کی شہادت سے ہرگز حکم طلاق نہیں دیا جاسکتا کہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں اور واقعی اس نے طلاق نہ دی، تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر واقعی زید نے طلاق دی بھی ہو، تو ان کو فقط اتنا سن کر کہ وہ کام ہوگیا، شہادت کی اجازت نہیں۔ یہ لفظ محتمل ہے۔ خود انہوں نے طلاق دیتے نہ سنا اور یہ اقرار ایسے ضمائر اور کنایات میں ہوا، جو ہرگونہ احتمال کی گنجائش رکھتے ہوں۔ مثلاً انہوں نے پوچھا کہ وہ کام ہوگیا اور اس سے یہ مراد رکھی ہو کہ جس غرض کے لئے قصد طلاق تھا وہ بلا طلاق حاصل ہوگئی، کام ہوگیا۔ تو معائنہ مخل، وبلا اقرار صریح شہادت محض جزاف وجسارت تھی۔ اس صورت میں اب تک شہادت نہ دینے کے باعث کتمان یا تاخیر کا کوئی الزام نہیں کہ شرع تو ان کو اس شہادت کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی۔ الزام تو اس شہادت کا ہے۔ مع ھذا اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور بالفرض مان ہی لیجئے کہ اس نے صریح لفظوں میں ان کے سامنے تین طلاقوں کا اقرار کیا تھا۔ تو جب زید عورت کے پاس اس کی ماں کے یہاں آمد ورفت کرتا تھا، مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ کاتمین شہادت، فساق ومردود الشہادۃ ہوئے۔ کہ شہادت حسبہ میں کسی کے دریافت کی حاجت نہیں۔ خود اس پر ادائیگی شہادت واجب ہے۔

درمختار میں ہے: ''ویجب الاداء بلا طلب الشھادۃ فی حقوق اللہ تعالیٰ وھی کثیرۃ عد منھا فی الاشباہ اربعۃ عشرو منھا طلاق المرأۃ وعتق الامۃ وتدبیرھاشرعاً وقال ومتی اخر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فترد۔''

اور جو شخص اس بات میں گواہوں کی تائید کرے، وہ فاسق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ''تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔'' (المائدۃ: ۲)

اور وکیل کا یہ کہنا کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی الخ محض مہمل اور بیہودہ غیر معتبر کہ یہاں پہلے سے سکوت کیا گیا اور مطلقہ کو گھر لانے کا انتظار کرنا، تاخیر از وقت ہے۔ اور انہوں نے بلاشبہ وقت سے تاخیر کی۔ یونہی اول ان دونوں کا کہنا، دریافت کرنے پر اظہار کردیں گے، ان کو حد فسق سے نہیں نکال سکتا کہ اس میں دریافت تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلا دریافت ان کو شہادت ادا کرنی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس دیار میں بے پڑھے لکھے عوام میں رواج ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بیوی کو یہ کہہ دیتے ہیں (۱) تو میری ماں ہے (۲) آج سے تو میری ماں ہے (۳) تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ ان جملوں سے وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق میں اس اطراف کے علماء اختلاف رکھتے ہیں

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے طلاق نہیں واقع ہوگی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یا اختی (بہن) کہہ

Marfat.com

کر پکارا تھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔لیکن وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا۔اور اس دیار میں طلاق کی نیت سے اس کا رواج نہیں ہے۔کیونکہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد استفتا کرتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ کیا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس جملہ کا استعمال صرف طلاق کے لئے اس دیار میں عوام میں رائج ہوگیا ہے،اس لئے اس سے طلاق واقع ہوجائے گی۔ایسا کہنے والے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو استفتے آتے ہیں ان میں بھی استفتا کا یہ مضمون ہے کہ طلاق کا معاملہ پنچایت میں پیش ہوا۔اور پنچایت نے شوہر کو کہا کہ طلاق دے دو۔تو شوہر نے دریافت کیا کہ کس طرح طلاق دوں؟ تو پنچایت نے کہا کہہ دو! تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔نیز ایک استفتاء کا مضمون یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو مذکورہ جملہ یعنی تو میری ماں یا تو میری ماں، میں تیرا بیٹا کہہ کر نکال دیا پھر جب اس سے کہا گیا، اپنی بیوی کو لے جاؤ تو اس نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر کہا کہ مدت ہوئی کہ ہم اس کو طلاق دے چکے۔ان واقعات کے علاوہ عام رواج کا ثبوت اس امر سے واضح ہے کہ جب اپنی بیوی کو اس قسم کے الفاظ لڑائی جھگڑے میں کہتا ہے تو اس کے متعلق استفتا ہوتا ہے کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ اس کو فعل لغو سمجھتا یا تعظیم ومحبت کے معنی میں بولتا تو نہ اشتباہ کی وجہ تھی، نہ سوال کی ضرورت ہوتی؟

اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اطراف بہار میں بیوی کو جھگڑے کے وقت ماں کہنے سے وقوع وعدم وقوع طلاق میں جو رائیں اوپر مذکور ہوئیں، ان دونوں میں آپ کے نزدیک حق وصواب کون سی رائے ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الـــجـــواب

فقیر غفرلہ المولی القدیر کی تحقیق میں رائے اول اولی ہے۔اور اسی پر میرا فتویٰ ہے۔اس لئے کہ قرآن شریف کی نص صریح ہے: "اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا۔" (المجادلۃ: ۲) "وہ جو تم میں اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں۔ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔" (کنزالایمان)

نیز ابوداؤد شریف کی حدیث، اقوال وتصریحات فقہائے کرام اس پر شاہد عدل ہیں۔پھر اس کے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔دوسری جماعت کی دلیل میرے فہم سے بالاتر ہے۔اس لئے کہ "تو میری ماں ہے، میں تیرا بیٹا" لغت میں اس کے معنی طلاق نہیں۔نہ فقہائے کرام نے مصطلح شرعی بنایا۔پھر اس کے شرعی حکم کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے؟ سائل فاضل دام بالفضائل نے صرف رائے دریافت کی ہے، اس لئے میرے خیال میں یہ چند سطریں کافی ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدن پورہ مرسلہ مولوی قاری عبدالرحمان ۶ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

ہمارے علماء رحمھم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا "اگر میں تجھ کو رکھوں تو اپنی

Marfat.com

ماں کو رکھوں'' خالد نے کہا کہ ظہار ہو گیا، تم کو کفارہ چاہئے۔ ولید نے کہا ظہار نہیں ہوا۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب

فی الواقع ظہار نہیں ہوا۔ لانہ ھو تشبیہ المسلم الخ اور وہ یہاں متحقق نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:'' واحترز بہ عن نحو انت امّی فانہ باطل۔''

ایضاً فتاویٰ سراج المنیر میں یوں ہے:''لو قال ان فعلت کذا فانت امی فھو باطل۔ فلا یلزم منہ شئ و ان اراد بہ التحریم لانہ کذب اہ۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۸ر صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے تو اگر نکاح کرے تو تو ماں ہے۔ بعد نکاح ظہار ہوا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

نہیں، اور نہ ظہار ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیونکہ ظہار کے معنی "تشبیہ المسلم زوجتہ او یعبر عنھا بجزء شائع منھا بمحرمۃ علیہ تابیداً'' ہے اور یہاں سے اس نے بیوی کے کسی جزء شائع کو اپنی کسی محرم تابیدی کے ساتھ تشبیہ نہ دی۔ ظہار کے لئے چار چیزیں ہیں۔ مشبہ، مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ ہونا ضرور ہے۔ بغیر ان کے ظہار نہ ہوگا۔

طحطاوی میں ہے:'' اعلم انّ لہ ارکانا اربعۃ المشبہ والمشبہ والمشبہ بہ و ادات التشبیہ۔''

علما تصریح فرماتے ہیں کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ یا اس کا بدل ضرور ہو ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں تحت قول ''وشرعا تشبیہ المسلم'' ہے:''واحترزت عن امی بلا تشبیہ فانہ باطل۔'' یعنی اگر بلا تشبیہ صرف ''تو میری ماں ہے'' کہا تو قول باطل ہے۔

درمختار میں ہے:''وان نوی بانت علیّ مثل امی برا او ظہارا او طلاقاً صحت نیتہ والّا لم ینو شیئا او حذف الکاف لغا۔ یہ کنایات ظہار سے ہے۔ اگر کچھ نیت نہ کیا، لغو ہوگا جیسا کہ لغو ہے انت امی یا بنتی یا اختی وغیرھا، جس میں تشبیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲ر رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر بعد نکاح بیقین معلوم شد کہ شوہر زن، عنین محض است۔ پس برائے فسخ نکاح چہ صورت ست؟ بینوا توجروا۔

Marfat.com

الجــــــــــــــواب

درصورت مسئولہ کہ شوہر عنین محض و برزن قدرت ندارد، و درادائے حق واجبش قاصراست۔ بروفرض ست کہ زن خودرا طلاق دادہ رہا کند، ورنہ گناہگار خواہد شد۔ قال تعالیٰ: "فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔" (البقرة:۲۲۹) واگر از ظلم وخدانا ترسی طلاق ندہد، تدبیرش اینست کہ ہندہ نزد حاکم شرع شریف رفتہ طالب جواب از شوہر خود شود۔ اگر شوہر عنین است، خودرا اقرار کند فبہا والا حاکم زنے پارسا ثقہ معتمد ہوشیار را معائنہ کنانیدہ شہادت گیرد کہ دوشیزہ ست۔ بعدہ شوہر را مہلت یکسال کامل قمری (کہ آں سہ صد و پنجاہ و چہارم و ہشت ساعت و چہل دقیقہ علی ماھو فی الدرالمختار وردالمحتار من القهستانی می شود) بزیادت ایام مرض ہر دو دہد و در روایتے سال شمسی ہم است۔ لکن هو ظاهر الرواية وصححه في الواقعات والو الجية فكان هو المعتمد لانه الثابت عن صاحب المذهب۔

اگر دریں مدت شوہر بروقدرت نداشت و وطی نکرد، باز ہندہ دعویٰ کردہ تفریقش خواہد۔ پس اگر از اقرار زید یا بشہادت زنے مسلمہ ثقہ دوشیزگی ہندہ ثابت شد، حاکم اورا درنفس وشوہرش مختار گرداند۔ اگر نفس خودرا اختیار کرد، حاکم زیدرا حکم طلاقش دہد۔ اگر طلاق داد فبہا ورنہ حاکم تفریق کند۔ ازیں تفریق طلاق بائنہ واقع شود۔ بعد انقضائے عدت اورا اختیار است باہر کہ خواہد خودرا سپارد و درزوجیتش داخل شود۔ واگر از زنان شہادت عدم بکارتش دادند، قاضی شوہر را حکم حلف دہد۔ اگر سوگند بخورد کہ بکارتش ازمن زائل شد، حق وے باطل گشت۔ واگر نکول کند، باز مہلت یکسال دادہ خواہد شد۔ وہکذا، پس اگر اولاً یا ثانیاً قادر شد فذالك هو المقصود وگرنہ اگر نفس خودرا ایں مجلس اختیار نکرد، دعویٰ از زن دست رفت۔ باز ہیچ گاہ دعویٰ تفریق ازیں مردنہ تواں کرد۔

دروقایۃ الروایۃ ست: "ان اقر انه لم يصل اليها اجل الحاكم سنة قمرية في الصحيح ورمضان وايام حيضها منها لامدة مرضه ومرضها۔ فان لم يصل اليها فرق القاضي بينهما ان طلبته (اى التفريق) وان اختلفا وكانت ثيبا او بكرا فنظرت النساء فقلن ثيب حُلِّف فان حلف بطل حقها وان نكل او قُلن بكر اجّل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسيم ههنا كمامر۔" شرح الوقاية ۲/۱۲۳-۱۲۴) والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیاہی عورت اور بیاہا مرد اور بے بیاہی عورت اور بے بیاہا مرد نے زنا کیا، حرام کیا۔ اس کے واسطے کیا سزا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ کہ رنڈی بازی کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجــــــــــــــواب

زانی فاسق ومرتکب کبیرہ، مستحق عذاب شدیدہ ہے۔ قال الله تعالى: "لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ فَاحِشَةً وَّسَاءَ

Marfat.com

سَبِیْلًا۔" (الاسراء:۳۲) نہ پاس پھٹکو زنا کے بے شک وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔"، زنا کرنے والے وقت زنا کے مومن نہیں رہتے۔ جو سزا اللہ و رسول نے اس کی مقرر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ یہ گناہ تو ایسا ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "من زنی زنیٰ بہ ولو بحیطان دارہ۔"

سلطنت اسلامیہ میں محصن اور محصنہ کے لئے حکم سنگسار کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ۔"

ہدایہ میں ہے: "رجمہ القاضی حتی مات۔"، اسے قاضی سنگسار کرے یہاں تک کہ مر جائے۔ اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سو سو بار کوڑے ماریں۔ قال عز من قائل: "فَاجْلِدُوْ هُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" الایۃ۔ (النور:۲) زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو۔

ہدایہ میں ہے: "وان لم یکن محصنا وکان حرا فحدہ مائۃ جلدۃ۔" اگر بے بیاہا حر زنا کرے تو اس کی حد سو سو کوڑے ہیں۔ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کا ہے۔ لان النصوص یشملھما۔

زنا خاص ہے اور حرام عام۔ زنا شرع میں 'ایلاج عضوہ الیٰ الحشفۃ فی الفرج الداخل لامرءۃ خالیۃ عن الملکین وشبھتھما وشبھۃ الاشتباہ' کا نام ہے اور یہ موجب حد ہوتا ہے۔ بخلاف حرام کے مثل وطی کرنا اپنی عورت سے حالت حیض میں کہ حرام ہے مگر زنا نہیں۔ یا وطی کرنا اپنے لڑکے یا باپ کی لونڈی سے اس گمان پر کہ حلال ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب السیر ۷

(سوال دستیاب نہ ہوسکا ۱۲ ساحل)

الجواب

وبه هداية الحق والصواب قبل تفصیل جواب، یہ چند باتیں واجب الحفظ ہیں۔ تاکہ سوالات کے حل میں نہ دقت ہو، نہ آیندہ شبہات کا موقع رہے۔

(۱) ایمان نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کا ان تمام چیزوں میں جو حضور خداوند عالم سے لائے۔ درمختار باب المرتد میں ہے: "هو تصديق محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما علم مجيئه ضرورة۔" (۲۸۳/۳)

ہاں اس پر دنیوی احکام جاری کرنے کے لئے زبانی اقرار ضروری ہے۔ اسی میں ہے: "والاقرار شرط لاجراء الاحكام الدنيوية۔"

(۲) اسی کی نقیض کفر ہے۔ اسلام کی ایک بات کی بھی عدم تصدیق کفر ہے۔ الكفر لغة الستر و شرعاً تكذيبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "قوله تكذيبه صلى الله عليه وسلم اى التكذيب عدم التصديق الذى مرّ أى عدم الاذعان والقبول بما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورة اى علما ضروريا لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانه كاذب فى كذا۔" (۲۸٤/۳) یعنی ضروریات دین میں کسی ایک چیز کے ساتھ بھی عدم اذعان وتصدیق کا نام کفر ہے۔ صراحۃً حضور کو کاذب کہنا ضرور نہیں۔

(۳) تصدیق اور عدم تصدیق ان دونوں کا تعلق قلب سے ہے اور ہمیں دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں کہ کس نے دل سے کہا اور کس نے نہیں۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جو زبان سے اقرار کلمہ شہادت کرتا ہے، ضروریات دین کو مانتا ہے، مسلمان ہے۔ اگرچہ دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ فان المفتى يفتى بالظاهر والله يتولىٰ السرائر۔ بعد میں اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے، جس سے ضروریات دین سے کسی چیز کا انکار ہوتا ہے، حفاظت وحمایت شریعت کے لئے حکم کفر دیا جائے گا، اگرچہ دل اس کا ایمان سے لبریز ہو۔ منصور حلاج کو سولی کا حکم دینے والے بلاشبہ علماء صالحین اہلسنت وجماعت تھے۔ ان کی وقعت مذہبی اور بزرگی ان کے دلوں پر نقش تھی۔ پھر بھی شریعت کی حفاظت وحمایت کے لئے تکفیر کی اور قتل کا حکم دیا کہ کوئی غیر محض اور ایسا شخص جس کا حال منصور حلاج سا نہ ہو، وہ بھی ایسا کلمہ بولے اور حلاج کو اپنا پیشوا قرار دے۔

مدخل ابن امیر الحاج جلد اول میں ہے: "وافتى من يشار اليه فى وقته من العلماء والصالحين بقتله تحفظا

Marfat.com

منهم علیٰ منصب الشريعة ان يتعرض له غير محقق فيدعى شيئا من الامور ويجعل قدوة فى ذلك الحلاج رضى الله عنه۔"

شرح شفا ملا علی قاری میں انہیں منصور کے واقعہ قتل میں ہے: "قال بعضهم والدليل على صحة باطنه انه كان يقطع يداه ورجلاه وهو يقول حسبى الله الواحد وقد زار قبره بعض اهل الكشف فرأى نورا ساطعا من قبره الىٰ السماء فقال يا رب ما الفرق بين قوله وقول فرعون "انا ربكم الاعلى" فالهم ان فرعون رأى نفسه وغاب عنّا والمنصور رآنا وغاب عن نفسه۔"

"یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ منصور کے صاحب باطن ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے جارہے تھے تو وہ 'حسبى الله الواحد' فرمارہے تھے۔اور بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور نظر آیا۔تو انہوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کی: اے رب پھر ان کے اور فرعون کے قول انا ربكم الاعلى' میں کیا فرق ہے کہ یہ مقتول ہوئے اور فرعون مردود؟ ندا آئی: ''فرعون نے خود کو دیکھا اور ہم سے غائب ہوا اور منصور نے ہمیں دیکھا اور اپنے نفس سے غائب ہوا۔'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) اور کفر کی حالت اور نسبت علامہ سعد الدین تفتازانی کی اس عبارت جیسی ہے: "العلم ان كان اذعانا فتصديق والا فتصور يعنى ان كان اذعانا لما علم مجيئه من الدين ضرورة فايمان والا فكفر۔"

تو تصدیق کی طرح ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ضروریات دین میں سے ہر بات کا اذعان یعنی اعتقاد ثابت جازم مطابق للواقع کا نام ایمان ہے۔اور والا فتصور کی طرح کفر کی متعدد صورتیں ہیں۔یعنی جن جن امور کا اذعان ایمان ہے،ان میں کسی ایک ساتھ عدم اذعان کفر ہے۔اسی لئے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب قائم کر کے بہت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ وغیرہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے رسالہ فارسی مالابدمنہ میں بھی ایک مستقل بحث اس کی لکھی بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ایک کافی حصہ اس کا تحریر فرمایا ہے۔مسلمانوں کو ان کتابوں میں سے اس بحث کو دیکھنا بہت ضرور ہے تاکہ ان کا ایمان سلامت رہے۔ رزقنا الله وسائر المسلمين سلامة الايمان۔

(۵) ہاں بحکم الاسلام يعلو ولا يعلى پہلو دار الفاظ میں اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔جیسے کوئی کافر اگر کہے: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔حالانکہ اشہد جس طرح حال کے لئے ہے استقبال کے لئے آتا ہے۔تو اگر زمانہ حال کے معنی لیا جائے کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،ضرور ایمان ہیں۔اور معنی استقبال کے اعتبار سے کہ گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دوں گا کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،ہرگز ایمان نہیں۔ مگر پہلوئے اسلام کو غلبہ دے کر اس شخص کو مسلمان ہی کہیں گے۔تاہم ایسے لفظوں سے احتیاط اور احتراز معہود ہے۔اسی

Marfat.com

لئے مسلمان کرنے وقت کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہلواتے ہیں نہ کہ کلمۂ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ حالانکہ یہ اس سے مؤکد ہے۔ جس طرح کلمۂ ایمان میں اسلام کو غالب رکھا جاتا ہے اسی طرح کلمہ ٔکفر میں بھی جانب اسلام کو ترجیح دینا چاہئے۔ یعنی کوئی شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس میں متعدد وجوہ ہیں اور اکثر ان میں کفر کی طرف جاتا ہے اور ایک پہلو اسلام کا بھی ہے تو اس کی بات اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: ''اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر و وجه واحد یمنع فعلی المفتی ان یمیل الیٰ ذٰلك الوجه کذافی الخلاصة وعالمگیری۔''(۲/۲۸۳)

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ محمل التاویل الفاظ جسے محمل حسن پر محمول کرنا ممکن ہو، ان پر تکفیر جائز نہیں۔ اس لئے کہ تکفیر غایت درجہ کی سزا ہے تو اس کے لئے غایت درجہ کا قصور درکار ہے۔

فتاویٰ بزازیہ و بحر الرائق و مجمع الانہر، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، سل الحسام، تنبیہ الولاۃ میں ہے: ''لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة۔''

بحر الرائق وتنویر الابصار وحدیقة ندیہ وتنبیہ الولاۃ وسل الحسام میں ہے: ''والذی تحرر انه لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن۔'' (رد المحتار، کتاب المرتد، ۳/۲۸۹)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مذکورہ طالب حسین خاں، بہیڑی ضلع بریلی ۵ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دار الحرب اور دار الاسلام کی کیا تعریف ہے؟ اور یہ ملک دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

الجواب

دار الاسلام اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہاں بے دغدغہ اسلامی احکام جاری ہوجائیں۔ دار الحرب ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت کے احکام بالکل ممنوع ہوجائیں۔ مگر یہاں بفضل اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز احکام شرعیہ کی ادائیگی ممنوع نہیں۔ اور اقامت ونماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت بلا مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق وغیرہ معاملات مسلمین ہماری شریعت بیضا کی بنا پر فیصل ... تے ہیں کہ ان امور میں حضرات علمائے کرام سے فتویٰ لینا اور اسی پر حکم وعمل کرنا، حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود ومجوس ونصاریٰ ہوں۔

فتاویٰ رضویہ میں سراج الوہاج، اس میں حضرت محرر المذہب سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی زیادات سے ہے: ''انما تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفة رحمة الله علیه بشرائط ثلث۔ احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتهار وان لا یحکم فیها بحکم الاسلام ثم قال وصورة المسئلة ثلثة اوجه اما ان یغلب اهل الحرب علیٰ دار من دورنا وارتد اهل المصر وغلبوا واجروا احکام الکفار او نقض اهل الذمة العهد وتغلبوا علیٰ دارهم

Marfat.com

ففی کل من ھذہ الصور لا تصیر دار الحرب الا بثلث شرائط۔" ہمارے امام اعظم بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس مرسلہ مولوی محمد سجاد محلہ اودھو پورہ شہر بنارس، ۱۸ جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب یا شعبان ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حسب معمول ایک طالب علم زید مدرسہ میں ہم لوگوں کے پاس رات کو آئے۔ نعوذ باللہ کہنے لگے: یہ تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں خدا ہوں۔ میں نے کہا آسمان وزمین وغیرہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں، یہی ثبوت ہے۔ اگر تم خدا ہو تو پیدا کر کے دکھاؤ؟ تو اس نے کہا یہ تمہارا کہنا غلط ہے بلکہ ان چیزوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارے خدا نے پیدا کیا ہے تو اپنے خدا سے کہو کہ دوبارہ پیدا کرے۔ میں نے کہا: ایسا کرنے سے اس کے نظام میں انقلاب ثابت ہوگا اور ہم گنہگار کی دعا ہی کیا؟ زید نے کہا: اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو میرا دعویٰ ثابت ہوگیا۔ میں ہی خدا ہوں اور میں اس وقت ایسی نظیر لاؤں گا جیسا تم اپنے خدا سے کہہ کرلاؤ۔ پھر چند دنوں کے بعد میں نے زید سے پوچھا کہ ایسی بڑی بات تم کیوں کہتے ہو؟۔ زید نے کہا: ایک آریہ سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی تھی، اس نے اس طرح کہا۔ مدرسہ کے اکثر لڑکوں نے ان باتوں کو سنا اور یہ سمجھ کر کہ زید بے وقوفی کی باتیں اکثر زبان سے نکالتا ہے، خاموش رہے۔ پھر ربیع الثانی ۶۱ھ میں تمام طلباء نے کسی اپنے مطالبہ پر تعلیمی مقاطعہ کیا۔ جس میں یہ زید شریک نہیں ہوا اور طلباء کا ساتھ نہ دیا۔ دوران مقاطعہ میں ایک روز مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل اور ایک ہمدرد طلبہ ہم سب طلباء کے ساتھ صدر مدرس کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان دو شخصوں کو ہم لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ہم لوگوں کے مقاطعہ میں شریک نہیں تو بہت اظہار افسوس کرنے لگے تو ہم میں سے کسی نے کہا۔ اس کا کیا کہنا؟ وہ تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ زید کے بے باکانہ الفاظ کی خبر مدرسہ انتظامیہ مجلس کے ناظم کو پہنچی اور مقاطعہ کے سلسلہ میں انتظامیہ کی کمیٹی ہوئی۔ ممبران نے مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ امسال زید وغیرہ کی دستار فضیلت کا جلسہ ہونا چاہئے۔ اس پر ناظم مجلس نے کہا کہ زید تو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ مجلس میں زید کے مخالف وموافق دونوں ہی تھے۔ اور یہ بات خوب مشہور ہوئی اور اساتذہ مدرسہ کو بھی اس کمیٹی کے بعد زید کے ان کلمات کا علم ہوا۔ پھر چار پانچ یوم کے بعد ایک استاد نے زید سے کہا کہ جو کلمات تم نے کہے ہیں، اس کو لکھو۔ اولاً تو اس نے انکار کیا پھر اس نے کہا کہ مجھ سے اور ایک آریہ سے بحث ہوئی تھی۔ استاد نے کہا بہر حال جو واقعہ ہو لکھو۔ چنانچہ زید نے مندرجہ تحریر لکھی۔

''ایک آریا نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا تو پھر میں نے اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے طلباء سے یہی کہا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ تو طلباء جو جواب دیتے تھے اس کو میں توڑ دیتا۔ اس طرح سے اگر وہ لوگ کہتے کہ آسمان اور زمین کس نے بنایا؟ تو میں کہتا میں نے بنایا۔ تو میں کہتا، کیا جواب

Marfat.com

ہے؟ میرے نہ بتانے پر تو میں کہتا میں خدا ہوں، اور یہ اس لئے کہ وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا، جس طرح میں نے توڑا۔''
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے ہم لوگوں سے کلام بالا کہتے وقت یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ آریا سے بحث ہوئی تھی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ میں آریہ کا قول نقل کررہا ہوں بلکہ چند یوم کے بعد میرے پوچھنے پر وہ یہ کہا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور اس نے یہ ظاہر کرنے کا اقرار چند اہل محلہ کے سامنے بھی کر چکا ہے۔ تو کیا زید پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول کہ ''میں خدا ہوں۔ ان چیزوں (آسمان وزمین) کو میں نے پیدا کیا'' بالکل خلاف شرع وخلاف اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبان سے نکالنے کی یہ بات نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر جب زید نے دریافت حال پر کہا کہ ایک آریہ سے مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے یہ دلیل بیان کی تھی، وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا۔ تو اس نے اس آریہ مردود کے قول کی نقل کی اور ظاہر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد، خود قرآن شریف میں بہت سے مقولے، لوگوں کے خلاف شرع نقل کئے گئے ہیں۔ تو کیا وہ ارشاد باری تعالیٰ سمجھا جائے گا؟ مثلاً ''قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ''(البقرۃ: ۱۱۳) ''اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں'' (کنز الایمان) اور ''لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ''(البقرۃ: ۱۱۱) ''ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو'' (کنز الایمان) بلکہ ان سب سے بڑھ کر ''اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ''(المائدۃ: ۷۳) ''اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔'' (کنز الایمان) تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ ہرگز نہیں کہ یہ نقل قول نصاریٰ ہے۔ اسی طرح زید نے نقل قول آریہ کیا۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ظاہر کیا اور اگر زید کو اس حکایت ونقل قول آریہ کے ادعاء میں صادق القول نہ مانا جائے۔ بلکہ جیسا کہ لوگوں نے اس کے متعلق ظاہر کیا کہ اس کا کیا کہنا، اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اقوال کو بجائے نقل خود زید کا قول قرار دیا جائے، تو اس پر کوئی شرعی حجت و برہان نہیں۔ اس لئے کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے یا اقرار ہو یا بینہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اقرار معدوم۔ تو خواہ مخواہ اگر ثابت ہوگا تو بینہ سے ہی ثابت ہوگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں البينة كانها مبنهة والثابت بالشهادة كالثابت بالمشاهدة تو یہاں بینہ ہی منتفی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے (زید نے) ان کے خیال کے مطابق دعویٰ خدائی کیا تھا، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ بے طلب اس کو ظاہر کرتے۔ اور ہرگز اتنے دنوں تک پوشیدہ نہ کرتے۔ اس لئے کہ شہادت حسبہ کے لئے ضروری ہے کہ بے طلب ظاہر کی جائے، مطالبہ کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کرے تو خود گواہ فاسق، مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور فاسق مردود الشہادت کی بات چند روپے کے مالیات میں تو مقبول نہیں، چہ جائے کہ اس قدر اہم مسئلہ اسلام وکفر میں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ واقعات وقرائن خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، مقبول ہو۔ زید ان لوگوں کے خیال میں دعویٰ خدائی کرتا

Marfat.com

ہے، وہ لوگ اس کو سنتے ہیں، نہ اس سے توبہ کراتے ہیں، نہ اس کے ولی و پدر کو خبر کرتے ہیں، نہ اساتذہ وطلباء ہی میں یہ بات منتشر ہوتی ہے، نہ مجمع عام، جامع مسجد وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر ہوتا ہے۔ جب نو دس ماہ کے بعد زید طلباء کی وحشت اور سازش اور اسٹرائک میں شریک نہیں ہوتا تو یہ چلتا ہوا نسخہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص ان تمام باتوں کو بنظر انصاف، غائر نگاہ سے دیکھے گا، یقین جانے گا کہ سب یادر ہوا باتیں ہیں، جن کو اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ زید لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو، جیسا کہ اس نے اس تحریک کی مخالفت کر کے طلباء کو ذلیل کیا ہے۔ طلباء اس پر دعویٰ خدائی کا الزام لگا کر اس کو رسوا بنانا اور اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ غرض شرعی طریقہ پر اس سے ایسا اعتقاد اور اس کا قائل ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے تجدید ایمان ونکاح کا حکم شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری غفرلہ

سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم پٹنہ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سردار رحمت اللہ از محلہ کیٹھر شہر بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک گروہ مسلمانوں کا اہل ہنود سے مل کر اس وقت اس قدر اتحاد واتفاق بڑھا رہا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قربانی گاؤ کے لئے، جو ایام نحر میں تین دن صاحب نصاب پر واجب ہے، روکتے ہیں اور کہتے ہیں ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ کرنا چاہئے اور انہیں معاندین اہل ہنود نے اس قربانی کے لئے ضلع شاہ آباد، ضلع جونپور وضلع سہارنپور وضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں جو کچھ سختیاں و بے حرمتیاں غریب مسلمانوں کے ساتھ میں کیں یعنی قرآن پاک کا پرزہ پرزہ پھاڑ کر پھینکنا، مساجد خدا کا ڈھانا، مخدرات اہل اسلام کے پستان کو کاٹ ڈالنا و دیگر شدائد وسختیاں جو کچھ کیں، آج افسوس! ہمارے مسلمان بھائی فراموش کر کے بخاطر اہل ہنود، قربانی گاؤ کے لئے ایام اضحیہ میں بند کرانے کی کوششیں بہر نوع کرتے ہیں۔ اور اہل ہنود بہت خوش ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ ہماری اذان بآواز بلند جس سے ان کو نفرت ہے، روکیں۔

فی الحال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین شریف مکہ اپنے کو کہتے ہیں سلطان المعظم، والی قسطنطنیہ کو خلیفۃ المسلمین مانیں، جو شخص اس بارے میں شریک جلسہ نہ ہوگا یا بروز جلسہ اپنا کاروبار نہ بند کرے گا وہ از روئے فتویٰ مولانا شوکت علی ومولانا ابوالکلام ومولانا عبدالباری ومہاتما گاندھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جن مسلمانوں نے اپنا کاروبار بند نہیں کیا، ان مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم بعد ہر نماز پنجگانہ کے سلطان المعظم کی ترقی اقبال وقیام سلطنت ومحافظت حرمین شریفین و دیگر مقامات مقدسہ کے والی ونگہبان رہنے کی اپنے خدائے پاک سے بمصداق حکم خدا "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (الاعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنزالایمان) اپنی مساجد میں دعا کرتے ہیں اور بروز جمعہ خطبہ میں سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قیام سلطنت کی دعا کرتے ہیں۔ ہاں اس طریق پر جو بالکل بغاوت

Marfat.com

پرمبنی ہے یعنی والی سلطنت برطانیہ کو گالی دینا اور بے ایمان ودغاباز وغیرہ کہنا، جس سے ہماری عرضیوں کا الٹا اثر ونتیجہ پیدا ہوتا ہے، احتراز کرتے ہیں اور بمصداق فرمودۂ باری تعالیٰ "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ"(الانعام:۱۰۹) ''اورانہیں گالی نہ دوجن کووہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔''(کنزالایمان) اپنی زبان کو سب وشتم سے باز رکھتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ہم مسلمانان قابلِ ملامت ہیں یا برسرِحق؟ بینوا بالکتاب و توجروا جزیل الثواب۔

الجواب

اتحاد واتفاق اگر چہ ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کی خوبی سے کوئی عقل والا انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس کے لئے اہل درکار "فان مجالسة الاغیار تجر الیٰ غایة البوار ونہایة الخسار" اہل اسلام کے ساتھ اختلاف عقائد واعمال کی وجہ سے ہنود کو جس قدر عداوت ہے، اظہر من الشمس ہے۔ ان کے نزدیک کتے سور اتنے ناپاک نہ ہوں گے جتنا مسلمانوں کا ایک ایک شخص ہے۔ چھوت چھات کا مسئلہ اسی اعتقاد پر متفرع ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کے بعد کس دلیل وبرہان کی ضرورت ہے؟ "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ۔"(الجاثیة:٦) ''پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔''(کنزالایمان) قرآن شریف جسے ہر مسلمان اپنی دینی مذہبی کتاب یقین کرتا، اس کے تمام ارشادات کو چشم دید سے بھی صحیح مانتا ہے۔ اس کو دیکھئے غیر مسلموں کیا کیسا کچا چٹھا کھولتا اور ہمیں ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ"۔(آل عمران:۲۸) ''مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔''

وقال تعالیٰ:" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ ھٰاَنْتُمْ اُولَاءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ (الیٰ قولہ) اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا۔"(آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰)

مسلمانو! اپنے لوگوں کے سوا غیروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی۔ اور غیظ وغضب، جو ان کے دلوں میں بھرے ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتادیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سنو جی تم کچھ ایسے (سیدھے سبھاؤ کے) لوگ ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے (مطلق) دوستی نہیں رکھتے (الی قولہ) مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صدق العلی العظیم۔

"لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا" کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی ومساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب

Marfat.com

روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔ مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق واتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلاّ نا، صرف اپنا الو سیدھا کرنے، گاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصا حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ باوجود ادعائے اتحاد واتفاق، اس وقت تک ہنود کے عناد ومخالفت کا وہی رنگ ہے۔ آج ان پر جوش مسلمانوں کے صدقے ہر جگہ کی مساجد، ہنود کے ناپاک قدموں سے پامال ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان، ہنود کے معابد ومنادر میں تو جا سکے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو بشیشر ناتھ کے مندر ہی میں جا کر اتحاد کی حقیقت دیکھ لے۔ وہاں گھستے ہی ایسی عزت افزائی اور خدمت کی جائے گی کہ اگر برسوں نہیں تو مہینوں تک ضرور یاد رہے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہنود اور مسلمانوں کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہنا چاہئے۔ ہاں شعائر اسلام کھو کر ذلت کے اتحاد سے اسلام وعزت کے ساتھ ''شما بخیر و ما بسلامت'' کو ضرور بہتر جانتا ہوں۔

میں ان خداوندان اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد واتفاق میں، جس کی ہر جگہ چیخ وپکار ہو رہی ہے، امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن موکدہ وغیر موکدہ، مستحبات، مباحات بجالائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام سے بچے۔ کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال وافعال شرعیہ میں حارج نہ ہو، اشارۃً کنایۃً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے۔ اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے، اس لئے جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو، مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ تو ہنود کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے مثلاً مندروں میں سنکھ پھونکنا، گھنٹہ بجانا وغیرہ، کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریس اور دیگر انجمنوں، پبلک جلسوں میں اس کے متعلق رزولیوشن پاس کر لیں۔ پھر ترک اضحیہ بقر کے لئے مسلمانوں سے کہیں اور اگر نہیں تو یہ اتحاد کی یک طرفہ تالی کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے

Marfat.com

کرتے ہیں اور وہ سنکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور دلخراش آوازوں سے ہماری علانیہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔ علاوہ بریں جب ہنود کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحہ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبار وغیرہ سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور اپنے پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولو فرضنا کہ گایوں کا ذبح ہونا، ہنود کی دل آزاری کا سبب ہے۔ تو کیا صرف انہیں تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں، دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کمسریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں، اس سے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سب مذہبی عناد وعداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل وہوش سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھو کے بازوں کے دام میں نہ آئیں۔ فرضی، وہمی اعزاز دنیوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔

خلیفۃ المسلمین کی بحث مسلمانوں کے لئے ایک علمی بحث ہے، جس کا فیصلہ کتب عقائد وشروح حدیث میں مفصل موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر مقامات مقدسہ کی حفاظت، حرمین شریفین کی خدمت کی وجہ سے سلطان معظم کا احترام فرض ہے۔ مگر عامیانہ طریقہ ہڑتال، نہ شریعت کی تعلیم، نہ امیر المومنین کا حکم، نہ علمائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ انہیں لوگوں کے اوہام تراشیدہ ہیں جو جھونپڑوں میں بیٹھ کر سلطنت کا خواب دیکھا کرتے اور ہوم رول، سلف گورنمنٹ، سوراج وغیرہ کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں۔ ان کی تقلید نہ مسلمانوں پر ضروری، نہ ان کے احکام کی عدم تعمیل کی وجہ سے کوئی شخص شرعا گنہگار ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی ریاستہائے اسلامیہ میں اس قسم کا شور وشر، ہڑبونگ وہڑتال کا نام ونشان تک نہیں۔ نہ تعلیم یافتہ طبقہ بیرسٹران، وکلاء، عمال کچہری وڈاکخانہ جات، ریلوے وغیرہ نے اس کی طرف دھیان کیا۔ حالانکہ رزرولیوشن کے الفاظ یہ تھے: ''اس دن تمام مسلمانان ہند کاروبار بند کریں'' بلکہ بعض جگہ نہ صرف روز جمعہ بلکہ شب جمعہ کو بھی تمام کاروبار جاری اور تمام دکانیں کھلی رہیں۔ ریاست رامپور جو مسٹر شوکت علی ومسٹر محمد علی کا مسقط الراس، مولد ووطن ہے، وہاں کا اخبار دبدبہ سکندری مظہر کہ ''ریاست رامپور میں ۱۸؍ مارچ روز پنجشنبہ کو شب بھر بازار کھلے رہے اور دوکانداروں نے رات کھل کر دکانوں میں بسر کی، جن کے مال واسباب کی حفاظت ریاست کی پیدل وسوار فوجیں کرتی رہیں اور ۱۹؍ مارچ کو تمام کاروبار بدستور جاری رہے اور شہر کے تمام بازار کھلے رہے۔ جامع مسجد میں سوائے دعاء نصرت وفتوحات شاہان اسلام کے کہ وہ ویسے ہی ہر جمعہ کو کی جاتی ہے، غیر معمولی کوئی امر ظہور پذیر نہ ہوا''۔

سلطان اسلام کے لئے سچے دل سے مساجد وجمعات وجماعات میں دعا کرنا، بیشک پسندیدہ کام ہے۔ علماء کرام نے اپنی کتابوں میں ۱۹ شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ازانجملہ مسلمان کہ مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعا مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: ولك بمثل ذلك آمین۔ دوسری حدیث میں فرمایا: یہ دعا حاجی اور نمازی، مریض ومظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری

Marfat.com

حدیث میں ارشاد ہوا: اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگراس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تنصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہئے۔ خصوصا بعد صلوات خمسہ۔ شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہئے۔ قال تعالیٰ: "والفتنۃ اشد من القتل" (البقرۃ:۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ بالجملہ جو لوگ عامیانہ ہڑتال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں با متثال امر "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً" (الأعراف:۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح و نصرت و بقائے جاہ و عزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف و توصیف ہیں، نہ الٹا قابل مذمت و ملامت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عزیز الدین ابراہیم پور ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگل پور ۱۵ رشعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) وہابی کسے کہتے ہیں؟ ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ شرعاً وہ کافر ہیں یا بے دین: اگر کافر نہیں تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہے یا نہیں؟ کافر اور بے دین یا بد مذہب کا کیا مطلب ہے؟۔

(۲) وہابیوں سے میل جول رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) خالد پیر اہلسنت سے مرید ہے لیکن وہ ایسی بستی میں رہتا ہے جہاں وہابی بکثرت رہتے ہیں۔ اور الگ جگہ کے نہ ہونے سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کریں گے تو میرا دنیاوی گھاٹا ہے اور فی الحقیقت اس کا نقصان ہوتا بھی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا ایسا شخص وہابی کہلائے گا؟۔

(۴) وہابیوں سے ارتباط از قسم خورونوش، آمدورفت، شادی بیاہ، جائز ہے یا ناجائز یا حرام؟ ناجائز اور حرام کا کیا مطلب ہے؟

(۵) بکر کہتا ہے کہ زید اگرچہ وہابی ہے تو اس بنا پر ہم کیوں آنا، جانا، کھانا، پینا، ترک کردیں۔ ہم تو وہابی نہیں۔ حشر اگر خراب ہوگا تو زید کا نہ کہ میرا۔ تو کیا بکر کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۶) زید جو عمرو (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمرو کا ہے، وہی عقیدہ ہمارا ہے۔ اور دلیل میں المھند (نامی کتاب) کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں، جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمرو جس طرح رشید احمد و اشرف علی اور اسمٰعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور ان کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصلحت سے ایسا لکھا؟ تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟

Marfat.com

(۷) مولوی محمد علی صاحب و مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری ان دونوں کے کیسے عقائد ہیں؟ وہابی ہیں یا اہل سنت و جماعت؟ فقط بینوا کما ھو فی الکتا

الـــــجـــــواب

(۱) محمد بن عبد الوہاب نجدی کے متبع کو وہابی کہتے ہیں۔ کتاب التوحید عربی زبان میں ایک کتاب اس کی تصنیف ہے، جس میں اپنے خیالات و عقائد اس نے درج کئے ہیں۔ اسی کا ترجمہ تقویت الایمان ہے جو مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھی ہے، جو لوگ اس کتاب کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو صحیح و درست جانتے ہیں، وہ سب وہابی ہیں۔ ہندوستان میں وہابیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک جو اعتقاداً اور عملاً ہر طرح محمد بن عبد الوہاب و مولوی اسمٰعیل دہلوی کے قدم بقدم ہیں، ان کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اعتقاداً تو اسی کے ہم مشرب ہیں اور فرعاً حنفی ہیں، ان کو دیوبندی کہتے ہیں۔ محمد بن عبد الوہاب و اسمٰعیل دہلوی کے عقائد کفریہ نہ تھے۔ اگرچہ بعض اقوال شانِ اسلام سے بہت گرے ہوئے ہیں مگر التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے محققین ومتاطین علمائے کرام نے ان دونوں اور ان کے ہم خیالوں کی تکفیر نہ کی، صرف گمراہ اور بد مذہب کہا، جیسا کہ مطالعہ رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ سے واضح ہوگا۔ اسی وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ ورسول جل وعلا شانہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین وتنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد وخیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کردیئے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔

کافر کا یہ مطلب ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہے۔ اس شخص کو نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہونا چاہئے اور اپنے عقائد وخیالات سے بری ہونا چاہئے۔ اور بد مذہب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام میں ہے مگر اس کے خیالات مطابق عقیدۂ اہل سنت نہیں۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ الهادی و هو الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وہابیوں بلکہ تمام بد مذہبوں سے میل جول رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ: ''وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' (الانعام:۶۸) ''اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔'' (کنز الایمان)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: '' دخل فيه الكافر والمبتدع والفاسق والقعود مع كلهم ممتنع۔'' ''اس آیت کے حکم میں ہر کافر ومبتدع اور فاسق داخل ہیں۔ ان میں کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔''

اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے: ''وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ'' (ہود:۱۱۳) ''اور ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی''

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ایاکم وایاهم لا یضلونکم ولا

Marfat.com

یفتنونکم۔'' ''ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جو شخص عقیدۃً، عملاً ہر طرح سنی ہو، صرف یکجا رہنے کی وجہ سے دنیوی تعلقات، میل ملاپ وہابیہ سے رکھتا ہو تو وہ شخص اگرچہ وہابی نہیں ہو جائے گا مگر یہ فعل اس کا شرعاً ضرور قابل ملامت ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دینے والے کے پاس ہنسی خوشی بیٹھ سکتا ہے، میل جول رکھ سکتا ہے، اس کی شادی بیاہ میں شریک ہو سکتا ہے، نہ شریک ہو کر طعن خلق وملامت لائم سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں باپ سے کروڑوں کیا اربوں مرتبہ زائد ہے۔ پھر کوئی دیندار، وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کر سکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبرا، ان کے فضلا کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرائے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھئے ایک جگہ اپنے کا ساتھ، کیسا حق نباہتے ہیں؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منھ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھئے کہ مولوی اسمٰعیل وقاسم ورشید احمد واشرف علی سا علم تو ہر گدھے، کتے، سور کو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو سب علم ان لوگوں کو دے نہیں دیا، رہا بعض علم تو ایسا ہر گدھے، کتے، سور، پاگل، لونڈی کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھئے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس کہ ہمارے سنی بھائی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی وقعت وعظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔

قال تعالیٰ: "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥"(المجادلة: ۲۲) ''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔'' (کنز الایمان) مسلمانوں کے لئے قرآن شریف سے بڑھ کر کس کی ہدایت درکار۔ واللہ الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) نمبر ۴ کا جواب بھی اسی نمبر ۳ سے واضح ہو گیا۔

(۵) بکر کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ گناہ صرف زید کو ہوگا اور اس کا حشر خراب نہ ہوگا۔ اس کو عذاب وہابی ہونے کا ہوگا تو زید کو عذاب خلاف قرآن وحدیث وہابیہ سے ملنے کا گناہ ہوگا کہ اس نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالا، اور نفسانی احکام پر چلا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رسالہ فتاوی الحرمین وکتب ردندوہ۔ واللہ تعالیٰ ھو الموفق وھو اعلم۔

Marfat.com

(۶) زید اگر عیار نہیں، تو احمق ہے۔ اور اگر احمق نہیں، تو عیار ہے کہ اپنی عیاری دکھاتا اور عقل ونقل سب کے خلاف بات بناتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ان کتابوں کو حق سمجھتے ہو یا ناحق؟ اگر حق سمجھتے ہو تو کیوں حق کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور اگر ناحق سمجھتے ہو تو پھر کس طرح اچھا جانتے ہو؟ تو کیا اچھا اور برا، حق اور ناحق کے درمیان کوئی حد فاصل ہے؟ قال تعالیٰ: "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ" (یونس: ۳۲) "حق کے بعد نہیں مگر گمراہی"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) مولوی محمد علی صاحب کی کوئی تحریر یا تقریر وہابیت، کے متعلق مجھ تک نہ پہنچی۔ انہوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں نصاریٰ کا رد کر کے دین کی حمایت کی۔ اور آج کل بھی قادیانیوں کے رد میں منہمک ہیں۔ ہاں بیچ کا زمانہ ندویت کا تھا۔ مگر العبرة بالخواتیم جب خود اصول ندوہ کے خلاف قادیانی کا رد کر کے دین کی حمایت کررہے ہیں تو انہیں اب ندوی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری غیر معروف شخص ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں؟ کس خیال، کس عقیدہ کے ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی سید شاہ رشید الدین احمد بہار شریف محلہ خانقاہ ۱۴/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل مفصلہ میں:

(۱) ترک موالات جس کا مفہوم حمایت دین واسلام وآخری انجام جہاد فی سبیل اللہ ہے، مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے یا نہیں؟

(۲) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ مدینہ طیبہ آج کا مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یا انگریزوں کے؟

(۳) مکہ معظمہ میں شراب علانیہ بیچی جاتی ہے یا نہیں۔ عرفات کے میدان میں تھیٹر کا تماشہ کیا گیا یا نہیں؟

(۴) مکہ معظمہ میں بام کعبہ محترم پر انگریزوں نے گولہ باری کی ہے یا نہیں؟

(۵) کعبہ شریف کا غلاف گولہ باری کی وجہ سے جل گیا یا نہیں؟

(۶) اگر یہ خبریں جیسی کہ ہندوستان میں شہرت رکھتی ہیں اور سارے اخبارات اس کے شاہد ہیں اور حجاج راوی، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر ترک موالات وتعلقات یا جہاد کرنا انگریزوں سے فرض ہے یا نہیں؟

(۷) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اگر انگریزوں کے زیر اثر اور قبضے میں ہے تو ان مقاماتِ مقدسہ کو کفاروں کی نجاست وپلیدی سے پاک کرنا مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں؟

(۸) رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول (اخرجوا الیهود والنصاریٰ من جزيرة العرب) اور پھر اس پر اجماع منعقد ہونا، اس وقت موجودہ حالت میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟

(۹) اگر بادشاہِ وقت کے آگے ضعف وکمزوری کا عذر کر کے ترک موالات وجہاد سے انکار کیا جائے، تو یہ عذر قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اگر بادشاہ وقت خدانخواستہ فرائض سے مثل روزہ، نماز کے مسلمانوں کو کمزور پا کر

Marfat.com

روک دے، تو اس وقت ضعف کا عذر کر کے خاموش بیٹھ جانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

(۱) ترک موالات بموجب احکام آیات و احادیث، جملہ اعداء دین ہنود و یہود و نصاریٰ مجوس وغیرھم سب سے ضروری ہے۔ ان میں کسی سے موالات جائز نہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۂ کریمہ: "وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔" (آلنساء: ۸۹) "یعنی دوست رکھتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، اسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو۔ پس وہ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ تو جب تک یہ مسلمان نہ ہو جائیں، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منہ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ" ۔فرماتے ہیں: "دلت الآية على انه لا يجوز موالاة المشركين والمنافقين والمشتهرين بالزندقة والالحاد وهذا متاكد بعموم قوله تعالىٰ يا يها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء. والسبب فيه ان اعز الاشياء واعظمها عند جميع الخلق هو الدين لان ذلك هو الامر الذى به يتقرب الى الله ويتوسل به الىٰ طلب السعادة فى الآخرة واذا كان كذلك كانت العداوة الحاصلة بسببه اعظم انواع العداوة واذا كان كذلك امتنع طلب المحبة والولاية فى الموضع الذى يكون اعظم موجبات العداوة حاصلا۔"

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین اور منافقین اور جو لوگ کہ الحاد و زندقہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کسی سے موالات جائز نہیں۔ اور یہ حکم "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ" سے اور متوکد ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑی اور سب سے عزیز ترین چیز جملہ مخلوق کے نزدیک دین ہی ہے، کہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور آخرت میں نیک بختی کا حصول ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو جو عداوت اس سبب سے ہوگی، وہ سب دشمنوں سے زیادہ اور بڑی ہوگی۔ تو جس جگہ دشمنی کا سب سے بڑا سبب موجود ہوگا، وہاں محبت اور موالات ناممکن ہے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں "حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (النساء: ۸۹) "جب تک کہ اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں" (کنز الایمان) کے تحت لکھتے ہیں: "حتى يومنوا لان الهجرة فى سبيل الله بالاسلام۔" پس مسلمانوں کو جو اس کے احکام کو مانتے ہیں، چاہئے کہ مطابق حکم خداوند عالم، جملہ اعداء دین سے موالات ترک کر دیں اور کسی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

والتفصيل فى رسالتى المفردة فى هذ الباب والله تعالىٰ اعلم بالصواب

(۲) جزیرۃ العرب میں حرمین محترمین اور اس کا زیادہ حصہ سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں اور کچھ حصہ اس کا

Marfat.com

،اب انگریزوں کے قبضہ میں آیا ہے اور کچھ اس کا بہت پہلے سے نصاریٰ کے قبضہ میں ہے جیسے عدن وغیرہ۔

کنز العلوم واللغۃ میں ہے: "(عدن) میناء ذات تجارۃ واسعۃ فی الجنوب الغربی من بلاد العرب یسکنھا نحو ۳۵۰۰۰ نسمۃ اشترتھا انجلزۃ ۱۸۳۹ء م وجعلت فیھا مخازن فحم للسفن المسافرۃ الی الھند وبھا قلعۃ حربیۃ علیٰ بوغاز باب المندب۔"

''عدن ایک وسیع تجارتی بندرگاہ ہے بلاد عرب کے دکھن پچھم کے گوشہ پر، جہاں ۳۵ ہزار آدمی رہتے ہیں۔اس کو انگریزوں نے ۱۸۳۹ عیسوی میں خریدا ہے اور وہاں ہندوستان آنے والے جہازوں کے لئے کوئلوں کا مخزن ہے اور وہاں باب المندب پر ایک جنگی قلعہ ہے۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) میں نے آج تک یہ کسی سے نہیں سنا، نہ کسی اخبار میں دیکھا۔

(۴) یہ خبر بھی محقق طور پر معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۵) غلافِ کعبہ معظمہ کا جل جانا، یہاں بھی مشہور ہے اور اخباروں میں بھی ہے۔ ہاں اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ عام طور پر زبان زد نصاریٰ کی وجہ سے اس کا نقصان ہونا ہے، مگر ولایت کی کونسل میں اس کے متعلق سوال ہوا، تو انگریزوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ترکوں کا کام ہے۔آگے رہے قیاسات وقرائن، والعلم عند اللہ۔

(۶) ترک موالات کا جواب نمبرا میں گزرا۔ترک تعلقات کا ہر وقت انسان کو اختیار ہے۔ یہ اپنے جوش اور غیظ وغضب سے جتنا زیادہ جوشیلا ہوگا، اسی قدر جلد الگ ہوسکتا ہے۔ رہا جہاد اگر سبب حاصل، شرائط موجود، موانعات مفقود ہیں تو ضرور مستعد ہو جایئے۔ ورنہ اس بے کسی اور بے بسی پر جہاد کا خیال تو بالکل اسی کا مضمون ہوگا ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

درمختار میں ہے: "ولا بد لفرضیتہ من قید اخر وھو الاستطاعۃ۔"

سراج الوہاج میں ہے: "وشرط لوجوبہ القدرۃ علی السلاح۔"

شامی میں ہے: "ای وعلیٰ القتال وملك الزاد والراحلۃ کما فی قاضی خان وغیرہ قھستانی۔"

یہاں بھی ایک بہت ہی جوشیلے صاحب ہیں۔ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، مولانا! آپ جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ میں نے کہا، آپ رسد اور اسلحہ کا بندوبست کر لیجئے، تب کہئے۔اب زمانہ گزمی کنم والی بندوق اور کند تلواروں کا نہیں ہے مشین گن، ہوائی جہاز، اسی میل مارنے والی توپ کا انتظام کیجئے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو جہاد کا خواب کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اگر قدرت اور استطاعت ہے تو ضرور فرض ہے۔مگر فرضیت اس کی ترتیب وار باعتبار الاقرب فالاقرب کے ہے۔

درمختار میں ہے: "یفرض علیٰ الاقرب فالاقرب من العدو الیٰ ان تقع الکفایۃ۔"

شامی میں ہے: "ونظیرہ الصلاۃ علیٰ المیت فان من مات فی ناحیۃ من نواحی البلد فعلیٰ جیرانہ

Marfat.com

و اھل محلته ان یقوموا باسبابه ولیس علیٰ من کان ببعد من المیت ان یقوم بذٰلك و ان کان الذی ببعد من المیت یعلم ان اھل محلته یضیعون حقوقه او یعجزون عنه کان علیه ان یقوم بحقوقه کذا ھٰھنا۔"
و اللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الانقیاد "واخرجوا الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب" موجودہ حالت میں وہی فتویٰ دیتا ہے جو اس وقت میں رب العزت جل جلالہ کا فرمان واجب الاذعان "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً۔" (التوبۃ:۱۲۳) ''مسلمانو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ تم میں کرارا پن معلوم کریں'' فتویٰ دیتا ہے۔

(۹) بعد وجوب و فرضیت اس قسم کے لایعنی اعذار، قابل قبول نہیں اور بغیر تحقق شرط یا وجود مانع اس کا حکم جڑ دینا، ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر مسکین کو زکوٰۃ یا حج کی فرضیت جتا کر اس کو ابھارنا یا شیخ فانی کو روزہ پر مجبور کرنا یا نابالغ و مجنون پر نماز فرض جاننا یا کسی عورت کو حیض و نفاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دینا۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبدہ العاصی محمد ظفر الدین القادری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الوقف ۸

مسئلہ ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبید اللہ ۲۷ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) ایک ہندو زمیندار کی زمین مملوک پر اس کی اجازت سے بنائی ہوئی مسجد کہ اس نے نہ زمین ہبہ کی، نہ اسے کسی مسلمان نے خریدا، اب وہ مسجد، شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں؟

(۲) رعیت کی اجازت سے جمعہ خانہ قائم ہوا ہے بدون اجازت مالک کے۔ تو وقف کے لئے مالک ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اور وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرماویں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں وہ مسجد، شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس میں نماز سے ثواب مسجد میں پڑھنے کا ہوگا کیونکہ یہاں ملک ابھی کافر کا باقی ہے۔ وان المسجد لله فما لم یکن لله لم یکن مسجدا نیز وقف کے اسباب سے طلب تقرب الی اللہ ہے اور کافر کا کوئی فعل بھی اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔

عالمگیریہ میں ہے: ''واما سببه فطلب الزلفیٰ الیٰ الله هکذا فی العنایة۔''

اسی کے بیان شرائط وقف میں ہے: ''ومنها (ای من شرائط الوقف) ان یکون قربة فی ذاته عند المتصرف فلا یصح وقف المسلم او الذمی علیٰ البیعة او الکنیسة او علیٰ فقراء اهل الحرب هکذا فی النهر الفائق۔''

اسی میں ہے: 'ولو وقف الذمی داره علی بیعة او کنیسة او بیت نار فهو باطل کذا فی المحیط۔''

اس لئے اگر اس نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر کے نماز کی اجازت دے دی اور اس کی اجازت سے لوگوں نے نماز بھی پڑھی، تب بھی بعد موت اس کے ورثہ کا میراث ہوگا۔

اسی میں ہے: ''ولو جعل فی داره مسجدا للمسلمین وبناه کما هی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته وهذا قول الکل فی جواهر الاخلاطی۔''

عطایا نبویہ میں اسعاف سے ہے: ''لو جعل داره مسجدا للمسلمین وبناه کما هی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته واوصیٰ بان یحج عنه یکون الوقف باطلا لکونه لیس مما یتقرب به اهل الذمة لله تعالیٰ۔''

عقود الدریہ میں ہے: '' وقف اهل الذمة لا یجوز الا اذا کان قربة عندنا وعندهم حتی لو جعل

Marfat.com

داره مسجدا للمسلمین لا یجوز۔"

اس کے مسجد شرعی ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ہندو ایسا چاہے تو اس سے کہا جائے کہ تو اس شی کا کسی مسلمان کو مالک کردے اور وہ اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کردے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لے کیونکہ دین میں کافر سے مدد، شرع مطہر ناپسند کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) صرف رعیت کی اجازت، بلا اجازت مالک لغو ہے۔ اس سے وقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وقف کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقف وقت وقف اس شی کا مالک ہو، پرائی شی کو کوئی وقف نہیں کرسکتا اور نہ اس کے لئے وہ وقف ہو۔ وہ بدستور ملک مالک پر رہتی ہے۔

ہندیہ میں ہے: "و منها (ای من شرائط الوقف) الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها و دفع الثمن اليه لايكون وقفا كذا فی البحر الرائق۔"

درمختار میں ہے: "شرطه شرط سائر التبرعات۔"

ردالمحتار میں ہے: "افا دان الواقف لا بد ان يكون مالكه وقت الوقف۔"

فتح المعین و درمختار میں ہے: "ومحله المال المتقوم۔"

طحطاوی میں ہے: "(قوله ومحله المال المتقوم) ای يكون المملوك له وقت الوقف۔"

تو بغیر اجازت مالک نہ وہ جمعہ خانہ مسجد ہے اور نہ وہ وقف، وقف۔ بلکہ ایک مکان ہے مثل اور مکانوں کے۔ کیونکہ مسجد کے لئے افراز و تابید کے ساتھ وقف درکار ہے۔ یہاں جب زمین غیر مملوک ہے تو نہ افراز ہوا نہ تابید۔ اس میں نماز ایسی ہی ہے جیسے کرایہ کے مکان میں، جس میں اصلاً ثواب مسجد کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بمقام جام نگر حاکم ہنود، مسلمات عورات کو اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے چنانچہ وہ اپنے راہ برادر، اپنے دین اسلام پر، وہ عورتیں متمول ہوکر عمدہ عمدہ مساجد بنواتی ہیں؟ ان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان فرماویں بعبارت کتب۔ جزاکم اللہ خیرا۔

الجواب

اعوذ بالله من غضبه وعقابه و شر عباده قال تعالى: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِيلًا۔" (الاسراء: ۳۲) "اور نہ پاس پھٹکو زنا کے کہ وہ بے حیائی اور اللہ کو دشمن اور سخت بری راہ ہے"۔

زنا حرام قطعی، گناہ کبیرہ عظیمہ شدیدہ ہے نہ کہ معاذ اللہ من ذلک یہ خاص صورت۔ پھر زنا کی وجہ جو کچھ اموال زانیات کو ملتا ہے، وہ اس کی ہرگز ہرگز مالک نہیں ہوتیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکم غصب رکھتا ہے۔ جس جس سے جتنا جتنا لیا ہے، اس کو واپس دینا واجب۔ اور وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثا کو دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقرا پر تصدق واجب۔ لانـ...

حصر ... ه خبيث و كل مال هكذا فشانه وجب تصدقه۔

Marfat.com

بایں ہمہ حسب مذہب مفتیٰ بہ ان میں نماز جائز اگر اس طرح سے بنائی گئی ہوں کہ خود زمین غاصبانہ طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور نہ اس کی خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع ہوا ہو۔ لان الخبث لا یسری فی الابدال من الاشیاء الدراھم والدنانیر۔ حرام پر عقد کے یہ معنی ہیں کہ زرحرام دکھلا کر اس پر عقد کرے، اور نقد یہ کہ پھر زرحرام ہی اس کے معاوضہ میں دے اور اگر مطلقاً بے روپیہ معین کئے کوئی چیز خریدی اور وہ زرحرام بھی عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا لانہ مامور بردہ الی من کان لہ وان لم یبق ھو او وارثہ او لم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔ بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے۔ مگر جب کہ عقد حرام پر نہ ہوا، خریدی شی میں نہ آیا۔ یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شی دیدے۔ جب اس نے دی مشتری نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا۔ تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت روپیہ پر ہوتی ہیں کہ روپیہ معین کر کے عقد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ اس روپیہ کے عوض میں زمین فلاں شے دیدے یا میں نے اس روپیہ کے عوض میں خریدی ہے اور اگر بالفرض کہیں اجتماع عقد ونقد کا اتفاق ہوا بھی ہو تو، جو درمحض ہے اور ہم کو اس کا حال معلوم نہیں، تو حکم خبیث نہیں ہوسکتا۔ وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینہ۔ خصوصاً جب کہ معلوم ومعہود ہے کہ ایسے لوگ جو نیک کام کرنا چاہتے ہیں، اپنا خبیث روپیہ نہیں لگاتے بلکہ قرض لے کر کرتے ہیں اور اپنے روپے سے قرض ادا کر دیتے ہیں۔ تو جب تک خاص وجہ خبث وبطلان مسجد ثابت نہ ہو یہی مسجدیں، مساجد ہی ہیں اور ان میں نماز صحیح۔

کتبہ عبد المصطفیٰ محمد ظفرالدین القادری الرضوی عفی عنہ

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شیخ رحمۃ اللہ ...... ۲۳ رصفر ۱۳۲۳ھ

ایک زمین متصل مسجد دفن اموات کے لئے وقف ہے، جس میں بہت دنوں سے قانوناً دفن کی ممانعت ہوگئی ہے۔ آیا اس میں مکان سکنیٰ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس زمین میں مکان سکنیٰ بنانا حرام ہے۔ کہ یہ جگہ دفن اموات کے لئے وقف ہے تو یہ تبرعاً مقبرہ کہا جائے گا۔ اگر چہ انگریزی قانون نے اس میں دفن کی ممانعت ہوگئی ہو کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور اس کا تغیر بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ اقول فکیف بابطال غرضہ۔“

عقود الدریہ میں ہے: ”لا یجوز للناظر تغییر صیغۃ المواقف کما افتیٰ بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما۔“

خزانہ میں ہے: ”مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم تبق فیھا آثار المقبرۃ لا یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا۔“

Marfat.com

کہ اس سے انتفاع اور مکان سکنیٰ بنانے میں قبر مسلم بلکہ مسلم کی بے حرمتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع۔ علما فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عزت زندگی اور بعد موت برابر ہے۔ والمیت یتاذیٰ بمایتاذیٰ بہ الحی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا۔" مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑ دینا ہے۔ اور جب وہاں مکان سکنیٰ بنے گا تو لوگ بیٹھیں گے، چلیں گے، پھریں گے، حالانکہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی منع ہے کہ سقف قبر پر بھی حق میت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے قنیہ سے: "قال علاء الترقانی یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت واما قول الزیلعی فی التبیین" ولو بلیٰ المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ" فمعناہ اذا دفن رجل فی ملک غیرہ لان الملک مطلق والمانع زال وھذا ایضا اذا کان ذٰلک باذنہ والا ففی الغصب لہ اخراج المیت وتسویۃ الارض۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لیس لعرق ظالم حق" کما اشار الیہ فی الدر المختار ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق ادمی کأن تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعھا والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی والا فالزرع فی المقبرۃ لم یذھب الیہ احد وفی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتیٰ سنۃ ویزرع سنۃ والتفصیل فی" العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار بھائیوں کو ایک جائداد کثیر ترکہ پدری سے پہنچی۔ من جملہ اس جائداد کے چاروں بھائیوں نے تین مواضعات کی حقیقت جو ان کے حصّہ کی ان مواضعات میں تھی، واسطے مصارف فاتحۂ والدین ونیز تنخواہ قرآن خوانوں کے اور عزیزان جو مفلس ہوں، در وقف نامہ وقف کر دی۔ اور تخمیناً سو برس تک عمل درآمد فاتحہ وتنخواہ قرآن خواں وعزیزان مفلس رہا۔ ایک زمانے کے بعد ورثاء نے منجملہ جائداد موقوفہ کے ایک موضع کی تقسیم کی نالش، عدالت سرکار انگریزی میں دائر کی کہ اس میں تنخواہ عزیزان وغیرہ کا تعلق ہے، وقف فلاں قانون انگریزی کی رو سے نہیں ہوئی۔ لھٰذا تقسیم ہونا چاہئے اسے حکم کے موافق متدعیان تقسیم کے۔ منجملہ بیست بسوہ کے ساڑھے سات بسوہ حقیقت تقسیم کرالی اور بقیہ کل جائداد مذکورہ بالا کی آمدنی جیسے قدیم سے صرف ہوا کرتی تھی، وہ اب تک صرف ہوتی ہے۔ بموجب شرع شریف جائداد مذکورہ اور غیر منقسمہ وقف ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرعاً وہ کل جائداد جس قدر چاروں بھائیوں نے وقف کی تھی، سب بدستور وقف ہے۔ اس کو تقسیم کرا کر اپنی ملک ٹھہرانا شرعاً جائز نہ تھا۔ شریعت میں وقف اہلی بھی جائز ہے۔ جس میں سے عزیزوں کی تنخواہ بھی منجملہ مصارف خیر مقرر کی جائے۔

درمختار میں مواہب علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی سے ہے: "فی الوقف علی نفسہ وولدہ ونسلہ وعقبہ جعل ربعہ لنفسہ ایام حیاتہ ثم وثم جاز عند الثانی وبہ یفتی۔" انتھیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

Marfat.com

کتاب القضاء ۹

تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)

کھڑکی کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين، احكم الحاكمين الذى جعل سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم سيد المرسلين وخاتم النبيين وبعض عباده خليفة فى الارض ليحكم بين الناس بالحق ولا يتبع الهوىٰ فيضله عن سبيل الله وافضل الصلوٰة واكمل السلام على من قال وصدق فى قوله: "وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى۔" من حكم بين اثنين تحاكما اليه وارتضياه فلم يقض بينهما بالحق فعليه لعنة الله۔ ثم الصلاة والسلام على آله واصحابه والذين اتبعوهم باحسان لا سيما امامنا الاعظم وهمامنا الاقدم ابى حنيفة النعمان الذى دعى الى القضاء فابى وعلينا معهم وبهم الى يوم الدين يا ارحم الراحمين۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی نت نئے شگوفے چھوڑا کرتی ہیں جو بظاہر ایک کے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں تو دوسرے کے لئے سبب حسرت۔ یہی واقعات اگر بنگاہ تامل وتحقیق دیکھے جائیں تو کسی کے لئے موجب شرم وندامت ہیں اور کسی کے لئے ذریعۂ عبرت ونصیحت۔ اس قصبہ شہسرام ناصر الحکام کا ایک معمولی سا واقعہ ترقی یافتوں کی بدولت کچھ ایسا پھلا پھولا، اس درجہ اس نے نشو ونما پایا کہ دور دور تک مشہور ہوا، ورنہ بات معمولی تھی، معاملہ آسان تھا۔ ایک شخص کو خداوند عالم دیتا ہے۔ وہ اپنے دومنزلہ مکان کے ایک حصہ کو سہ منزلہ بنواتا ہے۔ زنانہ مکان ہونے کی وجہ سے بقیہ تین طرف پردہ کی دیوار کھنچواتا ہے اس صورت میں ہوا کی آمد ورفت نسبۃً کم ہو جاتی ہے، جس کی تلافی کے لئے وہ غرب رویہ ایک کھڑکی لگاتا ہے جس سے اوپر رہنے والوں کے لئے دوسرے مکان میں جو اس کے خاص رشتہ دار کا ہے، آنے جانے کا بھی آسان راستہ نکل آتا ہے۔ اس کھڑکی کا کھلنا تھا کہ ٹولے محلہ کے ترقی یافتہ حضرات کے حسد کی کھڑکی کھل گئی اور آتش حسد کی چنگاریاں اڑنی شروع ہو گئیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق بنانا جن کا رات دن کا کام ہو، ان کے نزدیک اس تل کو پہاڑ بنالینا کیا دشوار تھا۔ نفسانیت کے جوش نے یہ راہ بتائی کہ ایک مکان کو پھلانگ کر بے پردگی ہونے کا دعویٰ عقل سلیم کے نزدیک مستبعد ہے۔ اس لئے اس شخص کے پڑوس والے خاص رشتہ دار کو ابھارا کہ میاں تم اپنی بے پردگی کا مقدمہ دائر کرو، ہم بھی اس کا مقدمہ کرتے ہیں۔ دونوں مقدمہ کے ہم قالب ہونے کی وجہ سے جو کچھ کارروائی میرے مقدمہ کی ہوگی وہی تمہارے مقدمہ کی بھی ہوگی، تم خم ٹھونک کے کھڑے تو ہو جاؤ ہم سب کچھ دیکھ لیں گے۔ خرچ بہت کم ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو ہم خرچ کے لئے تیار ہیں مگر

Marfat.com

جب اس بے چارے کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ ہاں آپ کس موضع پر روپیہ لینا چاہتے ہیں یعنی کوئی جائداد مکفول کیجئے تو ہم روپیہ دیں گے۔ آخر اس بے چارے نے اس خلاف عہدی سے متاثر ہو کر مقدمہ اٹھالیا اور تصفیہ کی درخواست دے دی۔ اب بے پردگی کا مقدمہ ایک ٹانگ کا مرغا ہو کر چلنے سے معذور ہوا تو عقلمندوں نے دوسری راہ نکالی۔

سوء اتفاق سے اس زمانہ میں بلوہ شاہ آباد ہوگیا۔ پیشہ ور حضرات کو اپنا پیشہ چلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ جمانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بنام امداد مظلومین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کی صدارت کی پگڑی اپنے زیب سر کی، پھر کیا تھا قوم کی نکیل ہاتھ میں آگئی۔ جدھر چاہتے قوم کو گھما ڈالتے۔ اپنا معتقد، غیروں سے قوم کو بدظن بنانے کا اس سے بڑھ کر کون سا موقع ملتا۔ امداد مظلومین کے نام سے جلسہ کیا جاتا، جب لوگ آجاتے تو اپنے مخالفین کی متارکت مخالفت کا عہد و پیمان لیا جاتا۔ بعض نیک نیتوں نے جب دیکھا کہ یہ طریقہ امداد مظلومین کے لئے کیا مفید ہوگا یہ تو آپس کا رہا سہا اتفاق بھی ملیامیٹ کر دے گا اور شہر بھر میں دو مضبوط پارٹی قائم کر دے گا جو اس وقت مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ آخر ان لوگوں نے عام مسلمانان شہر میں اتفاق پھیلانے، بچھڑے ہوؤں کو ملانے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے ان کی سعی مشکور فرمائی اور ۸ محرم الحرام روز جمعہ مبارکہ کو عام مسلمانان شہر کا جلسہ روضہ کی مسجد میں اس غرض سے ہوا کہ آج سب مسلمان آپس میں مل جائیں اور سب کے سب متفقہ متحدہ کوشش سے امداد مظلومین کی طرف متوجہ ہوں۔ اس جلسہ کی غرض و غایت تو یہ تھی مگر خود غرضوں نے (جن کی عادت ہمیشہ اپنے نفع کو قومی بہبودی پر مقدم سمجھنا ہے بلکہ قوم قوم کرنے سے بھی اپنی ہی مقاصد کی سرسبزی مقصود ہوا کرتی ہے) اس جلسہ کا ماحصل اپنے مقصد کا حصول قرار دیا۔ ملتے ہی کھڑکی کا سوال کیا اور ثالثی پر رائے جمائی جس نے صاف کھول دیا کہ امداد مظلومین کا نام تو برائے نام ہے، اصل مقصد جو بلوہ اور مسلمانوں کے لوٹے جانے اور مسجدوں کے شہید کئے جانے سے بھی اعظم ہے یہی ہے ورنہ اس عظیم الشان جلسہ میں جس میں شہر کے عام لوگ جمع تھے اور ایسا جلسہ نہ پہلے ہوا، نہ بعد کو ہوا۔ ان مظلوموں کی امداد کی تجویز اور وجوہ امداد کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا تھا، نہ کہ ان سب کو پس پشت ڈال کر اپنے مطلب کے حصول کو مقدم کرنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض جب قانون داں حضرات کو معلوم ہوگیا کہ مقدمہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور کچہری میں چلنے کے قابل نہ رہا تو ان ترکیبوں سے اسے ثالثی پر ڈھالا۔ قسمت کی خوبی ثالث بھی وہ ہاتھ لگے جو ممنون احسان، جن کی حمایت کر کے ایک زمانہ میں عیدگاہ کی امانت دلوا چکے تھے ان کی کیا مجال کہ آیت قرآنیہ کا خلاف کریں اور ''هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ'' (الرحمٰن: ۶۰) ''نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی'' (کنزالایمان) پر عمل کر کے ان کو شاد کام نہ بنائیں۔ اگر کاش ثالث صاحب اسی جلسہ میں اس قصہ کو دو لفظوں میں طے فرما دیتے کہ آج کا یہ دن باعث مسرت و خوشی ہے، بگڑے ہوئے بنے، بچھڑے ہوئے ملے ہیں۔ ایک کھڑکی کی وجہ سے آپ دونوں کے دلوں میں رنج رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کر دیجئے تا کہ کسی قسم کا ملال کسی کو کسی کی طرف سے نہ رہے، بات ختم ہو جاتی۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس دن جو کچھ کہا جاتا، عین مسرت کے ساتھ قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوتا مگر ایک مصلحت غامضہ کے سبب اس کو معرض

Marfat.com

تعویق میں ڈالا گیا یعنی اس کھڑکی سے متعلق ایک مقدمہ ہائی کورٹ میں دائر تھا۔ اس کے نتیجہ کا انتظار کیا گیا کہ اگر وہ مقدمہ فریق مخالف کے خلاف میں فیصل ہوا تو پھر اس سے تن مردہ میں جان آ جانے کا خیال ہے مگر خدا کی شان کہ وہ مقدمہ حق بحقدار فیصل ہوا۔ جب ادھر سے ناکامی ہوئی تو پھر ثالثی یاد پڑی۔ ثالث صاحب نے پہلے تو بہت کچھ انکسار سے کام لیا، اپنے کو اس لائق نہ جانا، معذرت کے خطوط لکھے، ایک اسسٹنٹ طلب کیا مگر فریق اول (مدعی) کو تو ان سے بڑھ کر ثالث مل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکر ممکن تھا کہ اس کی جانب سے ان خطوط معذرت کی طرف توجہ کی جاتی۔ فریق دوم (مدعا علیہ) تن بتقدیر ورضا بالقضا میں کچھ اس درجہ مشغوف تھا کہ اس نے بھی ان خطوط کی طرف اصلاً خیال نہ کیا مگر جب آثار وقرائن سے خلاف انصاف ہوتا پایا تو ان کو صاف منع کرادیا۔ اس پر مجوز صاحب نے التفات نہ فرمایا۔ آخر بے ثالثی ثالث صاحب نے فیصلہ کیا اور خوب ہی دل کھول کر فیصلہ لکھا جس میں تسمہ تک باقی نہ رکھا۔ عقل وشرع کو اپنے زور قلم کے گھاٹ اتارا اور فیصلہ میں سوائے مقصد واحد مدعی کے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ فیصلہ میں اگر صرف اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا اور بربناء مصلحت جو کچھ حکم دیا جاتا، اس میں کسی دوسرے کو دخل کی ضرورت نہ تھی مگر غضب یہ کہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف فیصلہ کو شریعت حقہ کے مطابق وموافق ہونا ظاہر کیا اور آخر حصہ میں فیصلہ کے، کچھ عربی عبارتیں فتاویٰ کی نقل کر کے اس کو بھاری بھرکم بنانے اور نگاہ عوام میں موافق فقہ حنفی ٹھہرانے کی کوشش کی۔ مجھ سے بعض احباب نے اس فیصلہ پر ایک نظر کرنے کی درخواست کی اور اصل واقعات کو بیان کر کے مسئلہ فقہیہ لکھنے کی خواہش کی۔ اگر اس فیصلہ میں ناحق کو حق ثابت کرنے عبارات فقہیہ کے غلط معانی باور کرانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو ایک کھڑکی کا معاملہ کوئی ایسا مہتم بالشان نہ تھا کہ میں اپنے عزیز وقت کو اس کی طرف صرف کرتا اور فیصلہ کی غلطیوں کو عالم آشکار کرتا مگر محض حمایت حق نے مجبور کیا کہ فیصلہ ثالثی پر ایک نظر کروں اور اس کے اغلاط شرعیہ وعقلیہ کو حوالہ قلم کر کے اس رسالہ کو بنام " تحفة الاحباب فی فتح الكوة والباب "موسوم کروں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک مرتبہ شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمائیں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ شریعت مطہرہ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔؟ ناظرین ذوی الاحترام پر مخفی نہ رہے کہ مجھے اصل مسئلہ کی وضاحت اور شریعت کی حمایت منظور ہے نہ زید وعمر سے بحث۔ اسی لئے اس تحریر میں کسی جگہ کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے گا تا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس سے مقصود کسی کی عزت ہے یا کسی کی ذلت اور از آنجا کہ اس تحریر کا پورا مطلب بے فیصلہ سمجھا جانا دشوار ہے، اسی لئے حاشیہ پر (احقر نے اسے رسالہ سے پہلے سیٹ کر دیا ہے اور ☆ سے مقامات بحث واضح کر دیئے ہیں ۱۲ ساحل) فیصلہ ثالثی بھی لفظ بلفظ نقل کر دیا جائے گا۔ وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب وهو حسبي ونعم الوكيل۔

☆ فیصلہ ثالثی ۷۹۶ سید شاہ...... بنام سید شاہ...... مدعا علیہ۔ ۲۷ رمئی 1918ء کو روز دوشنبہ تھا، مسل میرے پاس آئی۔ اسی روز بنام مدعی و مدعا علیہ نوٹس دے کر پانچ بجے شام کو اسی دن طلب کیا۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں وقت پر آئے۔ دونوں فریق کا بیان سن کر ۲۸ مئی سہ شنبہ کو پانچ بجے شام کا وقت واسطے دیکھنے مقام متنازع فیہ کے دیا اور اُس وقت اس جگہ

Marfat.com

پہنچے۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں کو حاضر پایا۔ بہ موجودگی دونوں فریق کے ملاحظہ کھڑکی وچھت وغیرہ کا کیا اور بوقت ملاحظہ جو کچھ مدعی و مدعا علیہ نے اپنے عذر کو بیان کیا، اس کو سنا۔ ☆ فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسرے کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کے دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے، اس کے پست ہونے کا اور تینوں عذر کا منشا و باعث، خیال بے پردگی ز مکان مدعی ہے۔ اور لحاظ وخیال عورتوں کے پردہ کا علاوہ شرعاً وعقلاً ضروری وشعار شرفا ہونے کے اس شہر کے رسم ورواج میں داخل ہے۔ ☆ ساتھ ان سب عذر کے مدعی کا یہ بھی بیان ہوا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں ہے جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابلِ اعتبار ہو۔ ☆ بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ...... میرے سسرالی رشتہ دار میں ان کے یہاں کی عورتوں کی آمدورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔ ☆ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا۔ اور بجواب اس سوال کے کہ عورتوں کی آمدورفت کے لئے ایک ہمسایہ کی بے پردگی کب مناسب ہے؟ ☆ مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا ابھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمدورفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو۔ اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے مسل سے نکال کر سنایا۔ وہ یہ ہے:

''(نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت وکوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں۔'' ☆ مدعی نے کہا کہ ان مردوں سے اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہو سکیں۔ پس میرے یہاں کی عورتوں کے لئے وہ لوگ ویسے ہی ہیں جیسے اور غیر مرد جن سے عورتوں کو ہماری پردہ کرنا ضرور ہے۔ ☆ مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کی صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھلائی جو...... کے عورتوں کی آمدورفت کے لئے کھڑکی متنازع فیہ سے زیادہ مناسب بایں وجہ ہے کہ اس میں زینہ بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ اس کی چھت کی سطح...... کی چھت کی سطح کے تقریباً برابر ہے اور یہ کہ کھڑکی متنازع فیہ ابھی اس کام کے لئے ناتمام ہے۔ اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عورت کیا معنی، مرد بھی...... کے مکان سے کھڑکی پر آ نہیں سکتا۔ ☆ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کی آمدورفت کے لئے ہے۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ دونوں فریق میں تصفیہ برضامندی وصلح باہمی ہو جاتا تو بہتر تھا کہ کسی فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ☆ میں نے مدعا علیہ سے کہا کہ اس قدیمی راہ کو برقرار رکھئے۔ نئی کھڑکی کو جو ابھی نامرتب ہے، اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے، بند کر دیجئے کہ نزاع جاتی رہے۔ اس کی نسبت مدعا علیہ نے عذر کیا کہ وہ دوسرے مکان سے راہ ہے۔ اس سے ہم کو نفع نہیں۔ ☆ مگر یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو جو...... کی قریبی رشتہ دار ہیں اور گویا سب ایک ہی ہیں، غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ کھڑکی جدید جس چھت پر ہے، اس کے نیچے کے مکان مدعا علیہ میں اسی

Marfat.com

کھڑکی کے محاذات میں ایک الماری ہے جس میں کواڑ، چوکھٹ سب کچھ موجود ہے۔ ☆ بنظر رفع نزاع بطور صلح باہمی یہ تجویز کیا گیا کہ بجائے اس کھڑکی کے الماری کھڑکی بنادی جائے۔ جو غرض کھڑکی کی بیان مدعا علیہ سے ظاہر ہے، وہ اس سے ساتھ اس آسانی کے حاصل ہوگی کہ زینہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو بھی مدعا علیہ نے منظور نہیں کیا اور کوئی معقول وجہ بھی اس کی نامنظوری کی بیان نہ کر سکے۔ ☆ اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازع فیہ ہے، ویسی ہی ایک کھڑکی ...... کے گھر سے مدعی کے مکان میں جانے کے لئے ہے اور میری لڑکیاں کے یہاں آتی ہیں پس جیسا کہ اندیشہ مدعی کو میری چھت کی کھڑکی سے اپنے یہاں کی عورتوں کی بے پردگی کا ہے، مجھے بھی اندیشہ اس کھڑکی سے ہے۔ مدعی اس کھڑکی کو بند کر دیں تو مجھے بھی اپنی کھڑکی جدید بند کرنے میں عذر نہ ہوگا۔ میں نے اس کی نسبت مدعی پر زور دیا کہ وہ کھڑکی اپنی طرف بند کر دیں تب مدعی اس شرط پر اس کے بند کرنے پر راضی ہوئے کہ ...... تین بھائی ہیں اور تینوں میں یہ مکان مشترک ہے۔ ☆ اگر تینوں صاحب حلفاً بیان کریں کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہنچتی ہو یا اب تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو گو اس کھڑکی اور اس کھڑکی میں قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نامسلم ونامنظور ہونے کا فرق ہے تاہم ہم کو بند کرنے میں عذر نہ ہوگا، ابھی ہم بند کر دیتے ہیں۔ ☆ اس پر ...... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی اور نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ پر کوئی وجہ وضرورت معقول نئی کھڑکی کے بننے کی اور اس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کے نہیں ہونے کی صورت مدعا علیہ بیان نہ کر سکے اور مدعی نے اپنے زنانہ مکان کی بے پردگی دکھلایا اور اس کی نسبت آئندہ کے لئے بھی اندیشہ معقول طریق سے بیان کیا اور خود بیان حلفی مدعا علیہ سے اس اندیشہ کو مدعا علیہ کے سامنے ثابت کر دیا۔ سوراخ دیوار کے بند کرنے میں مدعا کو عذر نہیں بلکہ ایک طرف سے اس کو بند بھی کر دیا ہے۔ دیوار کے بلند کرنے میں کہ جس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی بصورت کھڑے ہونے کسی مرد کے چھت پر متصل دیوار جاتی رہے۔ مدعا علیہ کو دو عذر ہوا: ایک یہ کہ اس دیوار سے متعلق ایک موری ہے جس سے موقع بلند کرنے اور دیوار پر زیادہ بار ڈالنے کا نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اور طرف کی دیوار بھی بلند کرنی پڑے گی جس سے ہوا کا رکاؤ ہو جائے گا۔ ☆ اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ بغور دیکھئے کہ دیوار بلند ہوسکتی ہے یا بلند کرنے میں دیوار کے اندیشہ نقصان دیوار یا موری کا ہے؟۔ انہوں نے بغور دونوں جانب دیوار کے ملاحظہ کر کے کہا کہ کوئی نقصان کسی طرح کا نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسرا عذر مدعا علیہ کا بھی قابل توجہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اولاً ایک جانب کی دیوار ذرا بلند ہونے سے ہر جانب کی دیوار اس کے برابر ہونا، ایسا ضرور امر نہیں ہے جیسی ضرورت بوجہ زوال ضرر ہمسایہ ایک طرف کی دیوار بلند کرنے میں ہے۔ ثانیاً اور طرف کی دیوار بلند کرنے میں بھی ہوا کا رکاؤ بوجہ وسیع رہنے صحن کے، نہیں ہوسکتا۔ ☆ مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنے بہت کوشش کی کہ صلح ورضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں پر

Marfat.com

مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار مجھے خیال صلح کے فکر سے قطع نظر کر کے ہر عذر وایشو کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لئے میں نے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ کی طرف رجوع کیا جس کے پابند فریقین اور خود ضعیف بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عموماً ہر ایسی کارروائی سے انسان روکا جائے گا جس سے ضرر بیّن ہمسایہ کو پہنچے اور سوراخ دروازہ سے بے پردگی ہونے کی صورت میں سوراخ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ علیٰ ھٰذا چھت پر چڑھنے سے بصورت بے پردگی زنان ہمسایہ کے تاحصول صورت پردہ منع کیا جائے گا۔ ان سب امور کی صراحت کتب فقہیہ حنفیہ میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض عبارات اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

درمختار چھاپہ کلکتہ کے ص ۴۹۹ میں مندرجہ عبارت ہے: ''اشتری دارا و دبغ و تاذیٰ جیرانه ان علی الدوام یمنع و علی الندرة یتحمل۔''

اس کی شرح میں ردالمحتار چھاپہ مصر جلد چہارم کے ص ۳۴۱ میں لکھا ہے: ''قال فی جامع الفصولین: والقیاس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملكه لا یمنع ولو اضر بغیره لكن ترك القیاس فی محل یضر لغیره ضررا بیّنا قیل و به اخذ كثیر من المشایخ وعلیه الفتویٰ اه۔''

فتاویٰ خیریہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۰۲ میں ہے: ''(سئل) فی الجار یرید فتح كوة علی جاره وفی ذلك اطلاع علی عوراته وحریمه او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بینهما هل یمنع من ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الكوة ففیها استحسان وقیاس والاستحسان المنع وعلیه الفتویٰ كما نقله فی التتارخانیة قبل مسئلة الكوة بقلیل۔ والحاصل فی هذه المسئلة واجناسها ان القیاس كلٌ من تصرف فی خالص ملكه لا یمنع فی الحكم وان كان یودی الیٰ الحاق الضرر بالغیر لكن ترك القیاس فی مواضع یتعدی ضرر تصرفه الیٰ غیره ضررا بیّنا وقیل بالمنع مطلقاً وبه اخذ كثیر من مشایخنا وعلیه الفتویٰ انتهی۔'' ومثله فی فصول العمادی وكثیر من الكتب انتهیٰ بقدر الضرورة۔

تنقیح فتاویٰ حامدیہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۶۵ میں ہے: ''(سئل) فیما اذا كان كل من جارین سطح بیت فی داره مساو سطح الآخر وصار الآن احدهم یصعد الی سطحه واذا صعد یقع بصره فی دار جاره علی حریمه ویرید الجار منعه من الصعود حتیٰ یتخذ سترة فهل للجار ذلك (الجواب) نعم انتهیٰ بقدر الحاجة۔''

مطابق حکم شرعی ومضمون عبارات مذکورہ کتب معتمدہ حنفیہ وموافق رسم ورواج شرفا شہر کے فیصلہ ہر عذر واستغاثہ کا حسب تفصیل ذیل ہے:

(۱) عذر کھڑکی: کھڑکی بند کردی جائے۔ (۲) متعلق سوراخ دیوار کھڑکی: مستحکم طور پر بند کر دیا جائے۔ (۳) متعلق پستی دیوار: وہ دیوار اس قدر بلند کر دی جائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا اس چھت پر کہیں کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہیں ہو۔ (۴) کوٹھری متنازع فیہ کے چھت پر تاحصول صورت پردہ چڑھنے کی ممانعت۔ (۵) آئندہ کے لئے مدعاعلیہ کو خیال رکھنا چاہئے۔ گا ہے ایسی کارروائی وعمل مدعاعلیہ نہ کریں جس سے کسی طرح بے پردگی مکان مدعی کی مشہور ہو۔ (نقل

Marfat.com

دستخط) تاریخ ۳۰ رمئی ۱۹۱۸ء

(۱) فیصلہ ثالثی ملاحظہ ہوا۔اس فیصلہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے والا آسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہوشیار مجوز نے کسی خاص اثر سے متاثر ہو کر محض یک طرفہ فیصلہ دیا ہے۔اگر یہ فیصلہ ایسے شخص کا نہ ہوتا جو عالم مشہور ہے تو کسی طرح یہ کہنا ناجائز نہ ہوتا کہ ہوشیار مجوز نے ایسا مہمل فیصلہ دیا ہے جو کسی طرح نہ قواعد شرعیہ پر ٹھیک اترتا ہے نہ قواعد عقلیہ پر نہ عرف ورواجات رسمیہ پر۔

(۲) ظاہر ہے کہ ثالث کو فی نفسہ کوئی ولایت شرعیہ نہیں۔محض فریقین کے رضاء وقبول کی وجہ سے اس کا حکم ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے۔اسی لئے قبل حکم ،فریقین میں ہر شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ہدایہ جلد سوم ص ۱۴۳ میں ہے:

" ولكل واحد من المحكمين ان يرجع مالم يحكم عليهما لانه مقلد من جهتهما فلا يحكم الا برضا هما جميعا۔"

اور فریقین میں سے جو شخص چاہے ثالثی کو قبل حکم توڑ سکتا ہے۔

درمختار جلد ۴ باب التحکیم ص ۳۶۳ میں ہے:" وينفرد احدهما بنقضه اى التحكيم بعد وقوعه۔" بعد نقض ورجوع ثالث جو کچھ فیصلہ کرے گا محض باطل ونامقبول ہوگا۔

جامع الرموز ص ۵۹۱ میں ہے:"(ولكل منهما) اى الخصمين (ان يرجع) عن التحكيم (قبل حكمه عليهما فالعزل غير محتاج الى الاتفاق بخلاف التحكيم ولذا لو حكم بعده لم ينفذ"۔

جیسا کہ ذی علم مجوز سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا باوجود اس کے جب ۲۸ مئی روز سہ شنبہ کو وقت ملاحظہ رفتار وگفتار، اقوال وافعال سے مدعا علیہ کو شبہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بروئے انصاف ناممکن ہے اور وہی ہوا جو اس نے خیال کیا تھا تو اس وقت اس نے اپنے چچا کو بھیج کر منع کر دیا کہ آپ تکلیف فیصلہ نہ فرمائیں، یہ مقدمہ کچہری جا کر فیصل ہوگا۔ جس پر ان کے مشیر ووزیر باتدبیر نے بھی کہا کہ مولانا اٹھائیے پھینکئے ،آپ کہاں اس بلا میں پڑتے ہیں؟۔پھر اس خیال سے کہ شاید ایک آدمی کا بیان کافی نہ ہو بعد مغرب تکمیل عدد کر کے بھیجا مگر مجوز صاحب نے دردسر کا عذر فرمایا، ملاقات نہ کی اور صبح کے وقت بلایا۔صبح کو جب یہ دونوں پہونچے تو قبل اطلاع ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا کر رہے ہیں؟۔معلوم ہوا کہ چند کتابیں ان کے سامنے ہیں، کچھ لکھ رہے ہیں۔جب ان لوگوں نے اطلاع کرائی تو پھر وہی رات والا جواب آیا کہ غایت دردسر کی وجہ سے پریشان ہیں، باہر نہیں آسکتے۔کہا گیا کہ ذرا پردہ کرا دیا جائے کہ خود ہم دونوں حاضر ہو کر ایک بات کہہ دیں مگر یہ بھی مقبول نہ ہوا۔مانا کہ ایک دو شخص کی زبانی ممانعت کچہری کے ذریعہ ثالثی کے مقابل باوقعت نہ ہو مگر ایک مسلمان خصوصاً عالم کے لئے اتباع احکام شرعیہ مقدم ہے۔وہ بھی ایسی صورت میں کہ کچہری سے قبول ثالثی پر جبر نہیں اور شرعاً بعد فسخ تحکیم حکم ناجائز۔

(۳) بجز چند مسائل کے جن میں مسئلہ دائرہ نہیں، بالعموم ثالث مثل قاضی ہے۔

Marfat.com

ردالمحتار جلد۴ص ۳۶۲ میں ہے: ''الحکم کالقاضی۔''

اور قاضی یا ثالث کے پاس مسل اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ عرضی دعویٰ و بیان تحریری و دیگر ضروری مفید باتیں اس سے اخذ کر سکے جس بنا پر اسے فیصلہ دینا ہوگا۔ اسی لئے قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا ناجائز ہے۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۱۷ میں ہے: ''الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین''۔

علماء کرام نے مفتی اور قاضی میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اپنے علم و دیانت کے مطابق فتویٰ دے اور قاضی پر واجب ہے کہ روداد مقدمہ کی بنا پر فیصلہ فرمائے۔

بزازیہ پھر درمختار جلد۴ص ۳۱۸ میں ہے: '' المفتی یفتی بالدیانة والقاضی یقضی بالظاھر۔''

مگر اس فیصلہ ثالثی میں شروع سے آخر تک کسی جگہ بھی مسل سے کام نہ لیا گیا۔ ہاں ایک جگہ بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے مدعا علیہ کے اقوال میں تعارض ثابت کیا جائے مگر وہ بھی بے لوث رہا کہ تناقض کے لئے ہشت وحدات کی ضرورت ہے جس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

(۴) تحکیم کے الفاظ اگرچہ ظاہراً عام ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ فیصلہ دیں گے، قبول ہے۔ مگر اہل عقل پر پوشیدہ نہیں کہ ثالث شرعاً شتر بے مہار نہیں کہ قلم اٹھا کر آم املی جو کچھ چاہے لکھ دے۔ بلکہ اس کو حجت و دلیل کے موافق فیصلہ دینا چاہئے ورنہ وہ نافذ نہ ہوگا۔

درمختار جلد۴ص ۳۶۳ میں ہے: ''حکما رجلا فحکم بینھما ببینة او اقرار او نکول ورضیا بحکمه صح لو فی غیر حد وقود ودیة علی عاقله''۔

بحرالرائق جلد۷ص ۲۸ میں ہے: ''وشرط ان یکون حکمه بحجة من الثلاث لیوافق حکم الشرع والا یقع باطلا وظاھرہ انه لا یحکم بعلمه ولم ارہ صریحا''۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۶۰ میں ہے: ''الحجة بینة عادلة او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامة او علم القاضی بعد تولیته او قرینة قاطعة وقد اوضحناہ فی الشرح من الدعویٰ الا ان الفتوی علی قول محمد المرجوع الیه انه لا اعتبار بعلم القاضی وفی جامع الفصولین وعلیه الفتویٰ وعلیه مشایخنا کما فی البزازیة من المسائل المخمسة من الدعویٰ''

علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ ارکان قضا چھ ہیں یعنی اگر ان میں ایک بھی ساقط ہوگا تو وہ قضا، قضا نہ سمجھی جائے گی۔

درمختار جلد۴ص ۳۰۹ میں ہے: ''وارکانه ستة علی ما نظمه ابن الفرس بقوله ؎

اطراف کل قضیة حکمیة ستّ یلوح بعدھا التحقیق

حکم ومحکوم به وله و محکوم علیه وحاکم وطریق

Marfat.com

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:"قولہ وطریق، طریق القاضی الی الحکم یختلف بحسب اختلاف المحکوم بہ والطریق فیما یرجع الی حقوق العباد المحضة عبارة عن الدعویٰ والحجة وھی اما البینة او الاقرار او الیمین عنہ الخ"

اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ محض بے حجت ہے تو اسے فیصلہ کہنا اور سمجھنا ایک فرضی بات ہے ورنہ ایک ردی کاغذ ہے جو مدعی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

(۵) یہ سب اس صورت میں ہے کہ تحکیم صحیح ہو اور ثالث شرعا بھی ثالث ٹھہرے، ورنہ یہاں تو سرے سے فیصلہ کنندہ شرعا ثالث ہی نہیں۔اس لئے کہ ثالثی کے لئے قبول ثالث ضروری ہے ورنہ اس کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

بحرالرائق جلد ۷ص ۲۷ میں ہے: "ورکنہ اللفظ الدال علیہ مع قبول الآخر فلو حکما رجلا فلم یقبل لا یجوز حکمہ الا بتجدید التحکیم کذا فی المحیط"۔

ردالمحتار جلد ۴ص ۳۶۲ میں ہے: "(قولہ ورکنہ) ای رکن التحکیم لفظہ الدال علیہ ای اللفظ الدال علی التحکیم کاحکم بیننا او جعلناك حکما او حکمناك فی کذا فلیس المراد خصوص لفظ التحکیم (قولہ مع قبول الآخر) ای المحکم بالفتح فلولم یقبل لا یجوز حکمہ الا بتجدید التحکیم بحر عن المحیط"۔

ثالث صاحب کا دستخطی خط جو شیخپورہ ضلع مونگیر سے ۲ شعبان ۱۳۳۶ھ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ لوگوں کے تعمیل امر میں مجھے عذر نہیں ہے لیکن بعد یاد دلانے اس امر کے کہ جامع مسجد میں آپ اور جناب اچھے میاں صاحب نے میری ثالثی کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اولاً میں نے تامل وعذر کیا تھا۔من بعد اس شرط پر منظور کرنے کے متعلق سکوت کیا تھا کہ کوئی اور ایک صاحب واقف کار جو اندرونی حالات اختلاف و وجوہ نزاع سے آگاہ ہوں، میرے شامل کئے جائیں"۔

اس سے صاف ظاہر کہ ثالث صاحب نے قبول اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ ایک واقف کار شامل کئے جائیں اور ظاہر ہے کہ کوئی واقف کار شامل نہ کیا گیا تو بحکم اذا فات الشرط فات المشروط قبول تحکیم فوت ہوا، جس سے عدم ثبوت تحکیم وثالثی بھی واضح ہے۔

(۶) بفرض ثبوت تحکیم اگر روداد مقدمہ سے منہ موڑ کر صرف اسی وقت کی باتوں پر فیصلہ کا ارادہ تھا تو نظر بحال زمانہ لوگوں کے بیانات قلمبند کرنا ثالث صاحب کا فرض منصبی تھا تاکہ وقت فیصلہ ان لوگوں کے واقعی بیانات پیش نظر رہتے۔مگر ایسا نہ ہوا بلکہ مجوز صاحب نے بیانات سن کر صرف اپنی یاد پر بھروسہ کیا اور تین دن کے بعد فیصلہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا کہ بہت سی باتیں خیال سے جاتی رہیں، بعض باتیں الٹ پلٹ فیصلہ میں درج ہیں، بعض باتیں مع حواشی وزوائد ہیں۔

فتاویٰ فقیہ النفس قاضی خان جلد ۳ص ۴۷ میں ہے:" واذا ادعی المدعی شیئا علی المدعیٰ علیہ یکتب القاضی علی بیاض صورة الدعویٰ ثم یقول للمدعیٰ علیہ ماذا تقول فان اقر بما ادعاہ المدعی اثبت

Marfat.com

اقراره فی کتابه ویامر المدعیٰ علیه بایفاء الحق وان انکر یکتب انکاره فی ذلك ثم یامر المدعی باقامة البینة وهذا کان فی عرفهم اما فی عرفنا المدعی یجیء الی کاتب القاضی فیخبره بکیفیة دعواه ویصور عنده صورة الدعویٰ فیکتب الکاتب ذلك ثم یجیء الی القاضی مع خصمه ویدعی علیه فان اقر خصمه اثبت القاضی اقراره فی الکتاب ویامره بقضاء الحق وان انکر امر المدعی باقامة البینة فان جاء المدعی بشهود فشهدوا عنده علی الترتیب یکتب القاضی شهادة کل شاهد ویکتب اسمه واسم ابیه وجده"۔

''یعنی زمانہ سلف میں قضا کا یہ دستور تھا کہ جب مدعی کسی امر کا مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا، قاضی ایک سادہ کاغذ پر اس دعویٰ کو لکھتا پھر مدعا علیہ سے پوچھتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اگر وہ دعویٰ کا اقرار کرتا، اس کے اقرار کو اپنی کتاب میں لکھ لیتا اور مدعی کو ڈگری دیتا اور مدعا علیہ کو ایفاء حق کا حکم کرتا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا تو قاضی اس کے انکار کو بھی لکھ لیتا پھر مدعی کو گواہ لانے کے لئے کہتا اور ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ مدعی پیشکار کے پاس جا کر اپنا دعویٰ بیان کرتا، پیشکار اسے لکھتا پھر مدعی مع مدعا علیہ قاضی کے پاس آتا اور اس پر دعویٰ کرتا تو اگر مدعا علیہ اقرار کرتا، قاضی اس کے اقرار کو درج کتاب کر کے قضاء حق کا حکم دیتا اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعوی کا انکار کرتا تو قاضی مدعی کو حکم دیتا کہ گواہ پیش کرے۔ اگر مدعی گواہوں کو لاتا جو ترتیب وار گواہی دیتے۔ قاضی ہر شخص کی گواہی لکھتا اور ہر گواہ کا نام مع اس کے باپ اور دادا کے لکھتا''

تو صورت واقعہ میں جب کہ ذی علم ثالث نے مسل سے کام نہ لیا یا اس کے انگریزی اور ہندی ہونے کے سبب اس کے سمجھ سے قاصر تھے اور ترجمہ کرانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور ان سب تحریرات کو کان لم تکن جانا تو اب اپنے اسلامی قاعدہ پر روداد مقدمہ کو بنانا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے مدعی کا دعویٰ دریافت کر کے اس کو قلمبند کرنا تھا بعد ازاں مدعا علیہ سے دریافت کرنا تھا۔ اگر وہ اقرار کرتا اس بنا پر فیصلہ دیتے اور جب اسے انکار تھا تو مدعی سے اصل دعویٰ پر گواہان طلب کرنا تھا اور ان لوگوں کی گواہی مع نام ہر گواہ وابنیت وغیرہ لکھنا تھا تا کہ فیصلہ مطابق اصول شریعت مطہرہ ہوتا۔

(۷) مدعی کا دعویٰ دفع ضرر بے پردگی ہے۔ اس ضرر کے تین سبب اس نے بیان کئے۔ ایک جدید کھڑکی، دوسرے کھڑکی کے اوپر سوراخ، تیسرے اس دیوار کا جس میں یہ کھڑکی لگائی گئی ہے، پست ہونا۔ ہمارے ائمہ کرام کے اصل مذہب میں تو یہ دعویٰ سرے سے نامسموع ہے اور استحسان متاخرین پر اس وقت قابل سماعت ہے کہ ضرر من کل الوجوہ جانب مدعا علیہ سے ہو کہ اس کے دفع کی تدبیر مدعی کے ہاتھ میں نہ ہو ورنہ خود اپنا ضرر دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کی گلو گیری باطل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس قول اخیر پر کہ دعویٰ سننے کے قابل تھا قواعد شرع وعقل کے مطابق مدعا علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ مدعا علیہ اگر اقرار کرتا کہ واقعی ضرر بے پردگی ہے، جس کا چارہ مدعی کے پاس کوئی نہیں، تو اسے اس سے منع کرنا تھا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا مدعی سے گواہان طلب کرنا تھا۔ مگر اس کے بالکل خلاف مسائل شرعیہ سے ذہول یا تجاہل کی وجہ سے پاؤں کی جگہ سر سے چلنا پڑا کہ اصل کو باعث ومنشا سمجھا اور باعث ومنشا کو اصل قرار دے کر تجویز میں لکھا:

Marfat.com

’’فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ایک جدید کھڑکی کا، دوسری کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کی دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے اس کے پست ہونے کا، اور تینوں عذر کا منشا دباعث خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے‘‘۔

اس اصل فاسد کی وجہ سے جتنی کارروائیاں ہوئیں اور جس قدر زورآزمائیاں کی گئیں، سب بناء فاسد علی الفاسد ہیں۔

(۸) ’’مدعی نے علاوہ ان تین عذروں کے یہ بھی بیان کیا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو‘‘۔ضرورت مندآدمی اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔عربی میں ضرب المثل ہے اھل الغرض مجنون مدعی نے اگر ایسی بے علاقہ فضول بات کہی تو کیا الزام کہ وہ نہ مسائل شرعیہ کا عالم ہے، نہ مطابق شرع دعوی کرنے بیٹھا ہے۔اس کا نصب العین حصول مقصد ہے۔جس جس طرح ممکن ہو، ادنیٰ ادنیٰ بات جسے اپنے لئے مفید خیال کرے، پیش کرنے پر جبلّۃً مجبور ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش مگر تعجب اور بسا تعجب ذی علم مجوز سے ہے کہ انھوں نے اس بے تعلق بات کو نہ صرف مفید ہی سمجھا بلکہ فیصلہ کا مدار اسی کو قرار دیا کہ فرماتے ہیں:

’’بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ بکّو میاں میرے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ان کے یہاں کی عورتوں کے آمدورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔‘‘

اس جگہ ذی علم مجوز کا کام تھا کہ مدعی کو روکتے اور کہتے کہ یہ عذر سرے سے لغو ہے۔

اولاً اس لئے کہ کسی شخص پر ضرور نہیں کہ صرف بقدر ضرورت وحاجت اپنی ملک سے انتفاع کرے اور دوسروں کی نفسانیت وخود غرضی کو مقدم رکھے اور مدعی کو سمجھانا تھا کہ شرعاً اشیا سے انتفاع کے پانچ مرتبے ہیں۔ضرورت حاجت منفعت زینت فضول۔مثلاً ضرورت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ قوی ہو۔یہ وہ صورت ہے جس میں مردار تک کھانا جائز رکھا گیا ہے۔حاجت وہ کہ بغیر اس کے ہلاک تو نہ ہوگا مگر معتدبہ مشقت وتکلیف ہوگی۔یہ وہ صورت ہے کہ اس میں روزہ قضا کرنا درست ہے۔منفعت وہ کہ بغیر اس کے نہ ہلاک ہوگا، نہ مشقت مگر تحصیل نفع ہے مثلاً گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت۔زینت کہ محض لذت وتجمل مقصود ہو جیسے باقرخانی، پراٹھا، خصی کا قورمہ کھانا، عمدہ دریوں، نفیس چاندنیوں، بہترین قالینوں، اچھے گاؤ تکیوں، شیشہ وآلات سے مکان کو سجانا وغیرہ۔فضول مال حرام یا مشتبہ سے وسعت کرنا۔

حموی شرح اشباہ صفحہ ۱۰۸ میں ہے:’’ فی الفتح ھھنا خمسۃ مراتب ضرورۃ وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول فالضرورۃ بلوغہ حدا ان لم یتناول الممنوع ھلك اوقارب وھذا یبیح تناول الحرام والحاجۃ کالجائع الذی لو لم یجد ما یاکلہ لم یھلك غیر انہ یکون فی جھد ومشقۃ وھذا لا یبیح الحرام ویبیح الفطر فی الصوم والمنفعۃ کالذی یشتھی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزینۃ کالمشتھی بحلوی والسکر والفضول التوسع باکل الحرام والشبھۃ‘‘

تو جب شرعاً یا عقلاً کسی شخص پر ہرگز ضرر نہیں کہ دوسرے کی خاطر صرف ضرورت یا حاجت پر اکتفا کرے اور اپنی

Marfat.com

منفعت وزینت کو ترک کرنے پر مجبور کیا جائے۔ احکم الحاکمین عزجلالہ فرماتا ہے: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ'' (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت اوراس کی پاکیزہ دی ہوئی چیزیں'' (ساحل) تو ایسی بات کو درمیان میں لانا محض فضول ہی فضول تھا۔

ثانیاً خصوصاً جب کہ مدعی کو خود اقرار ہے کہ اس کی مدعا علیہ کو حاجت ہے مگر میرے ضرر کے مقابل کم ہے۔ اگر چہ مرتبۂ ایثار اعلیٰ مرتبہ ہے مگر وہ مقدمہ دائر کر کے نہیں حاصل کیا جاتا۔ اگر اس پر فیصلہ یا فتویٰ دیا جائے تو جملہ اہل نعم کو قدر ضرورت وحاجت کے سوا بقیہ نعمتوں سے دست برداری دینی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر چہ ایک شخص کو ادب نماز اور اپنی وضع و ہیات کے استحفاظ کو کرتے کے اوپر انگرکھے یا چادر اور ٹوپی پر عمامے کی حاجت ہے، مگر ایک غریب آدمی کا ضرر سردی و بے ستری کے مقابل کم ہے۔ یا کسی کھاتے پیتے شخص کو اگر چہ بارش وغیرہ سے تحفظ کے لئے پختہ مکان کی حاجت ہے مگر اس مسکین کی ضرورت سے کم ہے جس کے چھپر پر پھونس نہیں۔ تو کوئی بیوقوف ضرورت منداس قسم کا دعویٰ دائر کرسکتا ہے اور کیا کوئی عقل سے دور مجوز اس دعویٰ کو سن کر اس متنعم سے انگرکھے اور چادر اور عمامے اور پختہ مکان کی ضرورت کا سوال کر سکتا ہے۔؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔

ثالثاً وہ تین باتیں جس کے متعلق مدعی کا بیان ہے کہ اس کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو، دیوار میں کھڑکی لگانا، کھڑکی کے اوپر دیوار میں سوراخ رہنے دینا، دیوار کا پست ہونا ہے۔ انھیں تینوں کے ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کو مدعی نے بیان کیا اور ذی علم مجوز نے تسلیم کیا۔ حالانکہ امر سوم یعنی دیوار پست ہونے کے متعلق یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس دیوار اٹھانے کا سبب خود مدعی نے بیان کیا کہ چونکہ میرے مکان سے مدعا علیہ کا مکان بے پردہ ہوتا تھا، اس۔ بے پردگی کو دفع کرنے کو مدعا علیہ نے یہ دیوار اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے پردگی محاذات سے ہوتی ہے اور اس کا دفع اس کے انسداد سے اور محاذات جانبین سے ہے تو اس کا نسداد بھی اگر ہوگا، جانبین سے ہو جائے گا۔ زید وعمرو کے مکانوں میں باہم بے پردگی تھی کہ ایک دوسرے کے محاذی تھے۔ ایک دیوار بنائی گئی جس نے مکان عمرو کو محاذی مکان زید نہ رکھا۔ لیکن مکان زید اب بھی محاذی مکان عمرو ہے۔ یہ ایک ہاتھ کی تالی کیسی؟۔

فصول عمادی سے آتا ہے: ''انہ ان کان یقع بصرہ علیھم فی السطح یقع بصرھم علیہ ایضا فی السطح۔'' تو ظاہر ہوا کہ دعویٰ باقرار مدعی باطل ومدفوع اور الزام محض ہباءً منثور۔ یوں ہی امر دوم یعنی اس دیوار میں کھڑکی سے اوپر سوراخوں کا ہونا اور اس کی ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کا ادعا اور اس کی وجہ سے بے پردگی کا الزام، اس نے بھی اسی طرح صاف کھول دیا کہ اصل منشاء مقدمہ، محض نفسانیت ہے اور بے پردگی کا دعویٰ محض لفظ جس کے نیچے معنی نہیں۔ اس لئے کہ دیوار کے سوراخوں کی تین شکلیں ہوتی ہیں اول وہ سوراخ کہ اندرونی وبیرونی دونوں جانب سے ایک سطح میں ہو جیسے یہ سب سوراخ ہیں۔ دوم وہ کہ بیرونی جانب اندرونی سے بلند ہو جیسے اکثر شعاع دانوں میں ہوتا ہے۔ سوم بیرونی سطح

Marfat.com

اندرونی سے پست ہو جیسے قلعے کے روزن، تو پہلی صورت میں جب کہ سوراخ چھوٹے چھوٹے ہوں نگاہ سیدھی بخط مستقیم جائے گی۔ یعنی جتنی بلندی رائی (دیکھنے والے) کی آنکھ کی ہوگی، خطوط شعاعی بھی اتنی ہی بلند اپنے نہایت مسافت تک جائیں گے۔ اور شکل دوم میں جس قدر خط شعاعی دور جائے گا، سطح بصر سے بلند و بالا ہوتا جائے گا اور شکل سوم میں اس کے عکس، جس قدر دور ہوگا اسی قدر پست ہوتا ہوا زمین تک پہونچ جائے گا۔ اور دیوار اس کے سوراخوں کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ سب سوراخ مربع ہیں جن کے اضلاع ڈھائی انچ سے زیادہ نہیں اور وہ دیوار کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک ہی سطح میں ہیں، تو ان سوراخوں سے کسی طرح بے پردگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان سوراخوں سے مدعی کے مکان کے اوپر کی ہوا جو اس سہ منزلہ کے محاذات میں ہے البتہ دکھائی دے گی۔ اس کے سوا کوئی حصہ مکان کا یار بنے والا ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا تو اس کو بھی معرض عذر قرار دینا، سو انفسانیت اور تعدی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ غرض امر دوم و سوم محض لغو بے معنی ہیں۔ ہاں امر اول ایک ایسا امر ہے کہ بادی النظر میں اعتراض کا منشاء اور بے پردگی کا سبب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

(۹) ذی علم مجوز کا مدعا علیہ سے کھڑکی کی ضرورت کا سوال بھی اسی مسئلہ فقہیہ سے غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، اسی کا کرنا جائز ورنہ ناروا؟۔ یہاں تو مدعا علیہ نے ایک دو وجہ بیان بھی کیں ورنہ اس کے لئے سب وجہوں سے بڑی وجہ یہی کافی ہے کہ ہم نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا ہے۔ دوسرے کو اس کی ضرورت جبراً دریافت کرنے کا کیا اختیار؟۔

اشباہ والنظائر ص۴۳۹ میں ہے: "له التصرف فی ملکه وان تاذی جاره فی ظاهر الروایة"

علامہ ابن الشحنہ شرح وہبانیہ میں فرماتے ہیں: "وفی حفظی عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد انه لا یمنع من التصرف فی ملکه وان اضر بجاره وفی الفتاوٰی عن استاذنا انه یفتی بقول الامام وهو الذی امیل الیه واعتمده وافتی به تبعا لوالدی شیخ الاسلام اه ذکره الحموی فی شرح الاشباه ص۴۳۹ والعلامة زین بن نجیم فی البحر الرائق جلد ۷ ص۳۶ وارتضاه بالقبول وقال ورجح فی الفتح ایضا جواب الروایة وقال انه ظاهر المذهب"

"یعنی مالک کو اپنے ملک میں کامل تصرف کا اختیار ہے اگر چہ پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہمارے پانچوں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مالک اپنے ملک میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگر چہ اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف پہونچے۔ اور فتاویٰ میں ہمارے استاد سے ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی وہ قول ہے جس کی طرف میں مائل ہوں اور اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنے والد شیخ الاسلام کی تبعیت میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں"۔

تو جب حسب تصریح علماء مجھے اپنے ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہے اور یہ مسئلہ ہمارے ائمہ ثلثہ کیا ائمہ خمسہ کا متفق علیہا ہے تو اس کے متعلق مجھ سے ضرورت کا سوال کس قدر بے معنی اور عقل و شرع سے بعید ہے؟۔ اگر اس سے کسی کی

Marfat.com

بے پردگی ہوتی، ہوتو وہ اپنے پردہ کا انتظام کرے۔ علماء کرام نے تو خاص اس کا جزئیہ لکھا ہے پھر اس قدر طوالت کیا معنی رکھتی ہے؟۔

فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۰۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه با با او کوة لا یلی صاحب الساحة منعه بل له أن یبنی ما یستر جهته۔''

''یعنی اگر مکان والے نے اپنے مکان کے حصہ بالائی میں دروازہ یا روشن دان کھولا تو اس کے پڑوسی کو جس کی زمین اس کے متصل ہے، اپنی بے پردگی کی وجہ سے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو یہ پہنچتا ہے کہ کوئی دیوار بنالے جو اس کی جانب کا پردہ کرے۔''

کتب فن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ تصریح جزئیہ ہونے پر ثالث صاحب کا مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کرنا اور اس بنا پر اصل قضیہ گاؤخرد کردینا کس درجہ فقاہت سے بعید ہے۔

(۱۰) ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ ''اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا'' اس کا منشاء مسل سے منہ موڑنا اور بیانات واظہارات کو قلم بند نہ کرنا ہے۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ ۲۷ مئی کو مدعی نے اپنے دو گواہ پیش کئے۔ گواہ نمبر ا نے کہا کہ میں نے اوپر جا کر نہیں دیکھا کہ اس کھڑکی سے بے پردگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مدعی نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس پر کبھی غور کیا کہ اس کھڑکی سے سوائے میری بے پردگی کے کیا فائدہ ہے، کیوں بنوائی گئی ہے؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس پر غور کیا ہے مگر میرے نزدیک اس کے بنوانے کی غرض آپ کی بے پردگی درست نہیں۔ اس لئے کہ مالک مکان کو بے پردگی مقصود ہوتی تو اسے پچھم طرف دیوار بنوانے اور اس میں کھڑکی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرے سے دیوار ہی نہ بناتا۔ صرف منڈیر رہنے دینے سے یہ مقصد بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ اس دیوار بنوانے کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ جب مدعا علیہ نے دومنزلہ پر کوٹھری تعمیر کی تو وہ میرے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے میرے مکان سے بے پردہ تھی۔ یہاں تک کہ میرے مکان سے اس کوٹھری کی چارپائی تک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے مدعا علیہ کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دوسرے دن ۲۸ مئی کو وقت معاینہ جس طرح بخت واتفاق سے ایک انجینیر یا کم از کم اور سیر صاحب موجود تھے۔ جن کے متعلق ذی علم ثالث نے لکھا: ''اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے''۔ اسی طرح حسب اتفاق دوسرے دن وہ گواہ صاحب بھی موجود تھے جن کو مدعی نے کھڑکی کے قریب کھڑا کر کے اپنے یہاں کی بے پردگی دکھائی اور کل کے تقریر کی تفہیم میں یوں لب کشائی کی کہ دیکھئے یہ کوٹھری میرے اس مکان سے بے پردہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر اس گواہ نے کہا کہ واقعی یہ دونوں مکان اس طرح آمنے سامنے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے مکان سے آپ کا مکان بے پردہ ہوتا ہے اور آپ کے مکان سے ان کا۔ تو جس طرح بقول آپ کے، آپ کے مکان سے اپنے مکان کی بے پردگی دفع کرنے کو مدعا علیہ نے اپنی غربی دیوار اس قدر بلند کردی ہے جس سے وہ بے پردگی جاتی رہی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے مکان کی ان کے مکان سے بے پردگی دفع کرنے کو اپنی مشرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ گواہ نمبر ۲ سے

Marfat.com

ب کھڑکی کی ضرورت وفائدہ کا سوال ہوا، اس کے جواب میں کہا کہ سہ منزلہ کی چھت چاروں دیواروں سے گھری ہونے کی وجہ سے وہاں ہوا کی آمد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس لئے ہوا آنے کے لئے وہ کھڑکی کھولی گئی ہے تا کہ اس کے ذریعہ آمد رفت ہوا کی ہو اور وہ مکان رہنے کے قابل ہو۔ ذی علم مجوز کے متعلق یہ خیال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اظہار و بیان انھیں یاد تھا اور یہ ضرورت ان کے پیش نظر تھی پھر بھی جان بوجھ کر دوسری ضرورت سے انکار کیا بلکہ یہ ساری خرابی مسل ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارانہ فرمانے اور بیانات کو قلم بند نہ کرنے کی ہے۔ ہاں یہ امر ضرور تعجب خیز و حیرت انگیز ہے کہ باوجودیکہ مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور ثالث صاحب نے ان کی گواہیاں سنیں مگر مسل میں اس کا کسی جگہ تذکرہ تک نہیں۔ حالانکہ شرعی حیثیت میں ان لغویات سے، جن سے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں، کہیں زیادہ قیمتی وہ بیانات تھے کہ یہ رکن مقدمہ ہیں۔ بخلاف ان مہمل تجاویز و منشورات لایعنی کے کہ ''بجوے نمی ارزند'' سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۱) ذی علم ثالث کا مدعی کے ایک سوال کے جواب میں مدعا علیہ کا جواب نقل فرمانا کہ ''مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو'' پھر مدعی کا اعتراض ذکر کرنا کہ ''اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے، مسل سے نکال کر سنایا وہ یہ ہے: نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست واحباب آیا کرتے ہیں''۔ مقصود اس سے مدعا علیہ کے دونوں باتوں میں تعارض و تناقض ثابت کرنا ہے مگر

اولاً بیان حلفی نمبر ۵ میں خاص ایک حالت کا تذکرہ ہے کہ مدعا علیہ کی لڑکی بوجہ بیماری ہوا صاف لینے کے لئے چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے اور عیادت کرنے والے حضرات اس کی عیادت کو آتے ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ علالت کی حالت، عام حالتوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں جسے کوئی شریف آدمی کیا گنوار تک ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا، علالت کی حالت میں ان سے بدرجہا زائد مجبوراً روا رکھی جاتی ہیں۔ کیا کوئی شریف آدمی اپنے متعلقین کو کسی میدان کے کھلے ہوئے مکان میں رکھنا پسند کرسکتا ہے جہاں نہ پردے کی دیوار ہو، نہ کسی شخص کے آنے کی ممانعت۔ دوست دشمن، موافق مخالف، شریف گنوار، معزز بے عزت، چوہڑا چمار، جو شخص چاہے وہاں جا سکے، کسی کی ممانعت نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے مدعیان شرافت کو پہاڑوں پر قیام کی حاجت اور علالت کی وجہ سے متعلقین کو ایسے میدان میں رکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ تو کیا کسی عقلمند کو زیبا ہے کہ اس ضرورت کی حالت سے استناد کرے اور کہے کہ فلاں شخص کے یہاں پردہ کا رواج نہیں، میں نے اس کے متعلقین کو پہاڑ پر رہتے دیکھا ہے، جہاں بے روک ٹوک ہر شخص جا سکتا ہے۔

ثانیاً مدعا علیہ نے یہ کب کہا کہ اس مکان میں مردوں کا آنا کسی حال، کسی وقت میں ممکن ہی نہیں کہ بیان حلفی نمبر ۵ سے متناقض ہو، ''کوئی مرد نہیں آتا اور مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی'' میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دنیا میں وہ کون سا زنانہ مکان ہے جس میں کبھی کسی عذر و حاجت کے سبب مرد نہیں آتے جاتے۔

ثالثاً مسل سے جس طرح نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سن کر فیصلہ میں اس سے کام لیا ہے۔ کاش عرضی دعویٰ و بیان

Marfat.com

تحریری بھی سن لیتے تو معلوم ہوتا کہ مدعی کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کی کیا کیا دلیلیں ہیں اور مدعا علیہ نے کیا جواب دیا ہے؟ اور کیا فائدہ اس کھڑکی کا بیان کیا ہے؟ اس وقت اس بات کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کی۔ اگر انصاف نصب العین ہوتا تو جس قدر بیانات حلفی فریقین کی طرف سے داخل کئے گئے تھے ان سب کو مع عرضی دعویٰ و بیان تحریری کسی ناطرفدار، دیانتدار شخص سے ترجمہ کرا کر سنتا تھا پھر مدعی و مدعا علیہ سے اس کی تصدیق کرا کے اس سے فیصلہ پر پہونچنا۔

(۱۲) مدعی کا یہ کہنا کہ "ان مردوں اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہوسکیں۔" محض عذر بارد ہے اور ذی علم ثالث کا اسے برقرار رکھنا تعجب خیز۔

اولاً کتنے مرد ہیں جن سے شرعاً رشتہ سامنے ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی عورتیں ان کے سامنے ہوا کرتی ہیں۔

ثانیاً یہ کس نے کہا کہ جب کوئی شخص مدعا علیہ کی لڑکی کو دیکھنے آئے تو مدعی کی عورتیں اس کے سامنے آئیں۔ مریضہ کو دیکھنے کے لئے جب کوئی آئے گا، اطلاع کرے گا۔ جب مدعا علیہ کی عورتیں پردہ ہوں، مدعی کی عورتیں بھی اتنی دیر تک پردہ میں رہنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس لئے کہ مدعا علیہ کے مکان میں اس کے رشتہ کی کئی عورتیں رہتی ہیں۔ اور ایک یا دو آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ وہ سب عورتیں اس کے سامنے ہوتی ہوں۔ تو ضرور ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک نہ ایک عورت کو پردہ کے لئے اطلاع کی جائے۔

ثالثاً میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ضرورتمند اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ جو رشتہ دار لوگ اس لڑکی کی علالت سے متاثر ہو کر اس کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، انھیں لڑکی کی علالت کا خیال دامن گیر ہوگا یا اس وقت انھیں ادھر ادھر تاکنے جھانکنے کا خیال پیش نظر ہوگا؟ خصوصاً جانے کی حالت میں تو ان لوگوں کی پیٹھ مدعی کے مکان کی طرف ہوگی اور رخ مریضہ کی کوٹھری کی طرف، جو مکان مدعی اور سیڑھی دونوں سے پورب اتر واقع ہے اور آتے وقت عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ تو ان عیادت کرنے والوں سے بے پردگی کا دعویٰ محض تصنع ہے۔

رابعاً مدعا علیہ کے سہ منزلہ مکان یا اس کھڑکی سے اگر بے پردگی ہوسکتی ہے تو مدعی کے چھت کی، نہ مکان کی، اور چھت شریف عورتوں کے رہنے سہنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: "لا تسکنوھن العلالی" عورتوں کو بالا خانہ پر نہ رکھو۔ اسی لئے علماء کرام نے مکان کی بے پردگی اور چھت کی بے پردگی میں فرق کیا ہے اور مکان کی بے پردگی کا خیال کیا کہ وہ عورتوں کے بود و باش کی جگہ ہوتی ہے۔

فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ میں ہے: "رجل اشتری حجرة سطحها و سطح جاره یستویان فاخذ جاره یتخذ سترة بین السطحین لا یجبر علیٰ ذلك لان الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکه۔ ولو اراد ان یمنعه من صعود السطح حتیٰ یتخذ سترة قالو ان کان فی صعوده یقع بصره فی دار الجار کان له ان یمنع لان فیه ضررا زائدا وان کان لا یقع بصره فی داره ولکن یقع بصره علیهم اذا کانوا علی السطح لا یمنعه لانهما استویا فی

Marfat.com

الضرر لانہ ان کان یقع بصرہ علیھم فی السطح یقع بصرھم علیہ ایضا فی السطح ذکر المسئلة علی ھذا الوجہ فی فتاویٰ ابی اللیث وعلی قیاس المسئلة التی تقدم ذکرھا وھی ما اذا فتح صاحب البناء فی جدار علوہ کوۃ لیس لصاحب الساحة ان یمنعہ عنہ ینبغی ان یقال فی ھذہ المسئلة لیس للجار حق المنع عن الصعود وان کان یقع بصرہ فی دار جارہ الا یریٰ ان محمدا رحمہ اللہ لم یجعل لصاحب الساحة حق منع صاحب البناء من فتح الکوۃ فی علوہ مع ان بصرہ یقع فی الساحة"

''یعنی کسی شخص نے ایک کوٹھری خریدی جس کی سطح اور اس کے پڑوسی (کے مکان) کی سطح برابر ہے۔ پڑوسی نے چاہا کہ وہ دونوں چھتوں کے درمیان میں دیوار بنائے (تا کہ اس کی بے پردگی نہ ہو) تو وہ شخص اس پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اور اگر پڑوسی نے چاہا کہ جب تک یہ پردہ کی دیوار نہ بنالے اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے۔ علماء نے فرمایا کہ اگر اس کی نگاہ چڑھنے میں پڑوسی کے مکان میں پڑتی ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے۔ اور اگر اس کی نگاہ گھر میں نہیں پڑتی، لیکن جب وہ لوگ چھت پر ہوں تو اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے، تو اس کو نہیں روکے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں ضرر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس کی نگاہ چھت پر ان لوگوں پر واقع ہوتی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ بھی اس پر واقع ہوگی، جب وہ شخص چھت پر ہوگا۔ اس مسئلہ کو اس تفصیل کے ساتھ فتاویٰ فقیہ ابو اللیث میں بیان کیا ہے اور مسئلہ سابقہ (یعنی جب کہ عمارت والا اپنے بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولے تو صحن والے پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے) پر قیاس کر کے لائق ہے کہ اس مسئلہ میں یوں کہا جائے کہ پڑوسی کو چڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں اگر چہ اس شخص کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں پڑتی ہو۔ کیونکہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ مکان والے کو کھڑکی کھولنے سے منع کرے باوجودیکہ اس کی نگاہ صحن میں پڑے گی۔'' موافق ظاہر الروایہ تو اس کو مطلقاً حق ممانعت ہی نہیں اور جن علماء نے استحساناً اس کو حق بھی دیا ہے، انھوں نے بھی چھت کی بے پردگی کا عام طور پر بود و باش نہ ہونے کی وجہ سے خیال نہیں کیا اور پڑوسی کو اجازت نہ دی کہ چھت پر چڑھنے سے اس شخص کو منع کرے۔ تو صورت واقعہ میں کب قابل لحاظ ہے۔

خامساً یہ سب صورتیں تو اس وقت تھیں اب تو ع وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو سامان کا، مصمون ہے۔ خداوند عالم نے اس مکان کو منہدم فرما کر یہ قصہ ہی پاک کر دیا۔ اب مدعی کا مکان نئے سرے سے بن رہا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت اتفاق وقت سے آ جائیں اور مدعی ان کے مشورہ سے ایسے طرز پر مکان بنائے جس سے بے پردگی ناممکن ہو۔ ہاں نفسانیت اور ہٹ کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

(تنبیہ) فصول عمادی کی اس جامع عبارت نے نہ صرف چھت اور مکان کی بے پردگی کا فرق ہی ظاہر کیا بلکہ اس مقدمہ کے اکثر حصہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس عبارت سے اتنے مسئلے معلوم ہوئے:

(۱) کوئی شخص اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

(۲) کسی شخص کے چھت پر چڑھنے سے اگر مکان کی بے پردگی ہوگی تو دیوار بنائے جانے تک اس شخص کو اگر منع بھی کر سکتے ہیں تو چھت پر چڑھنے سے اور اگر دوسرے کی چھت کی بے پردگی ہوتی ہے تو اصلاً حق منع نہیں۔

(۳) بے پردگی دفع کرنے کو دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو۔

(۴) قابل لحاظ پڑوسی، کا سخت نقصان ہے۔جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے، نہ معمولی ضرر جس کا دفع اسے آسان ہو۔

(۵) ضرر مشترک قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر زید کے مکان سے عمرو کا مکان بے پردہ ہو اور عمرو کے مکان سے زید کا تو دونوں اپنا اپنا انتظام کرلیں۔

(۶) مسئلہ متقدمہ جس کے قیاس پر اصلاح حق منع نہ دیا، وہ مسئلہ ہے جسے اسی صفحہ میں اس مسئلہ سے متصل ذکر کیا ہے:''

وفی کتاب القسمة اذا وقع لرجل بالقسمة بناء وللاخر ساحة لا بناء فیها ففتح صاحب البناء فی جدار علوه کوة وطالبه صاحب الساحة بسدها فلیس له هذه المطالبة ولا یجب علی صاحب البناء سد الکوة لانه بفتح الکوة تصرف فی ملکه من غیر ان اتلف علی صاحب الساحة شیئا من ملکه او منفعة ملکه الا یریٰ انه لو رفع جمیع جدار علوه کان له ذلك فاذا فتح کوة کان اولی۔''

''یعنی اور نوازل کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ جب تقسیم سے ایک شخص کے حصہ میں مکان پڑا اور دوسرے کے حصہ میں صحن آیا۔ مکان والے نے اپنے بالا خانے کی دیوار میں روشندان کھولا اور صحن والے نے اس کے بند کرنے کا مطالبہ کیا تو اس شخص کو اس مطالبہ کا حق نہیں۔ اور مکان والے پر اس روشندان کو بند کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روشندان کھولنے سے اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا بغیر اس بات کے کہ صحن والے کی ملک یا منفعت میں کچھ نقصان کرے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بالا خانے کی کل دیوار ہٹا دیتا تو اس کو یہ جائز تھا۔ تو روشندان کھولنا بدرجہ اولیٰ۔ اس عبارت نے کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ وہ دو شخص کہ ایک وقت میں شریک تھے اور بعد تقسیم جار ملاصق ہیں۔ جب ایک شخص کو بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولنے سے دوسری کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں تو اس مقدمہ میں کہ مدعی نہ مدعا علیہ کا جار ہے، نہ اسے حق جوار، دونوں کے درمیان مدعا علیہ کا سرالی وسیع مکان حائل ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے مدعا کی کھڑکی بند کرانا کس درجہ ظلم صریح ہے۔

(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کے صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی الخ''

اولاً اس کا منشاء وہی حقوق ضرورت وحاجت ومنفعت وزینت سے تغافل یا ذہول ہے۔ اگر یہ امر پیش نظر رہتا کہ کسی شخص کو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حق ضرورت وحاجت پر مجبور ومقصور نہ کیا بلکہ منفعت اور زینت کی بھی اجازت دی ہے تو ہرگز اس قسم کی دور از کار باتیں لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مدعی نے جس وقت اس کھڑکی کے

Marfat.com

اٹھانے کا قصد کیا تھا، ثالث صاحب کو کہنا تھا کہ شاید آپ اپنا اور میرا منصب بھول گئے۔ آپ اس مقدمہ میں مدعی ہیں اور میں ثالث۔ آپ کا کام اپنا دعویٰ پیش کر کے مدلل کرنا ہے اور میرا کام فیصلہ دینا۔ آپ یا ہم مدعا علیہ کے مشیر نہیں کہ ان کو اپنے سسرال آنے جانے کے راستہ کی بابت مشورہ دیں کہ یہ راستہ آسان ہے یا وہ، اور اس میں بنانا اور کچھ خرچ کرنا پڑے گا اور اس میں نہیں، یوں تو بیسیوں رائیں آپ کو میں ایسی بتا سکتا ہوں جس میں آپ کی بے پردگی جاتی رہے اور اس کھڑکی کے بند کرنے کی نوبت نہ آئے مگر اس وقت ہمارا یہ فرض منصبی نہیں۔

ثانیاً نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سے اس قدر فقرہ کہ ''اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں ''جو موافق مدعی تھا، خیال رہا اور اسی کے متصل کی عبارت کہ ''بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے'' جسے فیصلہ میں نقل بھی کیا ہے، یک دم دل سے بھلا دیا۔ ورنہ ذی علم ثالث کے نزدیک اگر وہ لڑکی ہمیشہ کوٹھری اور چھت پر رہتی ہے، جس کلیت اور عموم سے تناقض ثابت کرنا چاہا تو یہ بات ادنیٰ تامل سے بآسانی سمجھ میں آجانے کی ہے کہ اس سہ منزلہ پر رہنے والی کے لئے پانچ قدم اتر کر اپنے ننہال جانا آسان ہے یا وہاں سے ایک منزل نیچے اترے پھر دس پندرہ قدم چل کر دادی کا مکان کھلوائے، اس کے بعد پھر کچھ چل کر دوسری کھڑکی ننہال کی طرف کی کھلوائے، پھر ایک مسافت طے کر کے اسی چھت کے سامنے واپس آئے، یہ تو مغل سرائے ہو کہ شہسرام سے گیا جانا ہوا۔ زیادہ مناسب ہونے کی وجہ کا زیادہ تر تعلق فن انجینیری سے ہے۔ اسے تو شاید کوئی انجینیر صاحب سمجھیں گے یا شائد اتفاق سے آ جانے والے وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت۔ ورنہ ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ جہاں جہت ایسی قریب ہو اور آنے جانے کی بکثرت حاجت پڑتی ہو، وہاں ایک مرتبہ کچھ صرف کر کے چند سیڑھی بنوالینا آسان ہے، جس کے بعد آنے جانے میں صرف چند قدم کی مسافت رہے۔ یا ایک روپیہ کی پیٹا کا تو خیال کیا جائے اور برابر آمد ورفت میں ایک مسافت طے کی جائے وہ بھی دو دو جگہ قیام کر کے کہ وہ دونوں کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں، ورنہ وہ مکان بالکل غیر محفوظ ہو جائے۔

(۱۴) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے بزرگان مدعا علیہ الخ'' عجیب منطق اور نئی شریعت ہے۔

اولاً آج تک تو یہ معلوم تھا کہ انت و مالك لابيك ۔ اب شاید نئی حدیث نکلی ہے: ''انت و مالك لامك'' اگر وہ مکان مدعا علیہ کے بیٹے کا ہوتا جب بھی شرعاً بے اس کے اذن کے اسے اس میں تصرف ناجائز ہوتا۔ اور اگر وہ خاطر یا لحاظ سے اذن دے دیتا جب بھی دیانتاً ناجائز ہوتا کہ املاک متمائز ہیں ورنہ توریث باطل ہو، نہ کہ وہ مکان جس میں نہ صرف مدعا علیہ کی والدہ بلکہ اس کے اور بھائی بھی مع متعلقین کے رہتے ہیں۔ اس مکان کو مدعا علیہ کا اپنا مکان بتانا عجب دانشمندی ہے۔

ثانیاً اولاد کے ساتھ والدین کے جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں، ان کے مقابل کسی ایک قطعہ مکان کی کوئی ہستی نہیں۔ مگر جب جدائی ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی چیز کو خالص اپنی ملک سمجھتا ہے۔ جیسا کہ باپ بیٹوں میں مخالفت کی حالت پیش نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں اگر مدعا علیہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تو یہ بات قدرے معقول تھی۔ ذی علم ثالث

Marfat.com

کا خیال کہ ''بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کے آمد و رفت کے لئے ہے'' میرے نزدیک بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر محلہ داری یا معمولی رشتہ داری کی آمد و رفت شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اور مدعا علیہ کے سسرالی تعلق کی وجہ سے اس کے علاوہ ایک اور خاص جدید رشتہ قائم ہو گیا، جس نے اس امر کی ضرورت ظاہر کی کہ والدہ مدعا علیہ سے وہی قدیم رشتہ داری کی وجہ قدیم راستہ آمد و رفت کا برقرار رہے اور مدعا علیہ سے جدید تعلق کی وجہ سے آنے جانے کی ضرورت حسب عادت زمانہ بہت زیادہ ہو گئی۔ خصوصاً مدعا علیہ کی اولاد کے لئے تو گویا دونوں مکان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر یہ والد کا مکان ہے تو وہ والدہ کا۔ تو ایسی حالت میں آمد و رفت کے لئے قریب تر راستہ اختیار کرنا مناسب ہے یا دوسرے مکان ہو کر انسب۔ اور نزاع جاتی رہنے کی از روئے مصالحت یہ تجویز بتانا کہ کھڑکی بند کر دیجئے اور قدیمی راہ سے آمد و رفت جاری رکھئے، عجب دانائی ہے۔؟ ذی علم ثالث کو خیال کرنا تھا کہ مخالفت کا اصل منشاء تو یہی ہے کہ مدعی اپنی ضد اور نفسانیت سے خواہش کرتا ہے کہ یہ کھڑکی بند ہو جائے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ میں کون سے حکم شرعی سے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اگر آپ کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجئے، جس طرح میں نے اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار اونچی کر لی ہے۔ جب اس مصالحت میں بھی مدعی اپنی ناجائز ہٹ پر باقی رکھا گیا اور مدعا علیہ خلاف شرع و عقل اپنے ایک جائز حق سے مجبوراً محروم کیا گیا تو یہ محض تحکماً مدعی کو ڈگری دینا ہوا یا برضامندی و صلح باہمی تصفیہ کرنا؟۔

(۱۵) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو (الی قولہ) غیر کا مکان کیوں قرار دیا''۔ از روئے انصاف ارشاد ہو کہ اور کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے جو ایک اس کے سمجھ میں نہ آنے کے شاکی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر منصفانہ حیثیت سے آپ اپنے اس فیصلہ پر ایک نگاہ فرمائیں گے تو خود اقرار کر لیں گے کہ میں نے نہ دعویٰ سمجھا ہے نہ جواب دعویٰ سمجھا، نہ اظہار سمجھا نہ بیان حلفی سمجھا، نہ اصل منشاء مقدمہ سمجھا نہ مدعی کی ہٹ دھرمیوں کو سمجھا، نہ مدعا علیہ کے معقول عذروں کو سمجھا نہ مسالک فقہاء کو سمجھا، نہ کتب فقہیہ کی عبارتوں کو سمجھا نہ اپنی پیش کردہ عبارتوں کو سمجھا، جب اتنی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو ''این ہم برسر علم'' ایک یہ بھی نہیں سمجھا کہ مدعا علیہ نے اپنی والدہ کے مکان کو غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ ورنہ وجہ ظاہر ہے کہ والدہ مدعا علیہ، نہ عین مدعا علیہ ہیں نہ جزء مدعا علیہ، تو اگر مدعا علیہ نے غیر کہا تو کیا جرم کیا؟ علاوہ بریں اپنا مکان دو ہی طرح کہا جا سکتا ہے۔ یا وہ مکان اس کا مملوک ہو یا اسے شرعاً حق سکونت و منفعت ہو۔ اور جب وہ مکان مدعا علیہ کی والدہ کا ہے جس میں وہ مع اپنے بیٹوں کے رہتی ہیں۔ تو مدعا علیہ اس کو اپنا مکان کس طرح کہہ سکتا تھا؟ وقد صرح فی الاشباہ ص ۵۳۲:'' ان اجتماع الملکین فی محل واحد محال۔''

(۱۶) ذی علم ثالث کی یہ انوکھی تجویز کہ ''الماری توڑ کر کھڑکی بنائی جائے اور اس کو بطور صلح باہمی کہنا'' نیا تفقہ ہے۔

اولاً صلح وہ عقد ہے جو بتراضی فریقین رفع منازعت کے لئے موضوع ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ص ۳۱۳ میں ہے: ''اما تفسیرہ شرعا فھو انہ عقد وضع لرفع المنازعۃ بالتراضی کما فی النہایۃ۔''

Marfat.com

اور یہاں ذی علم ثالث کی تجویز ہے پھر وہ بطور صلح کیونکر ہوسکتا ہے؟ یہ تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر مدعا علیہ کو ایک مشورہ دینا اور زبان حال سے کہنا ہے کہ میں آپ کا ایسا خیر خواہ ہوں کہ آپ کو ایک جائز حق سے مجبوراً صرف روکتا ہی نہیں ہوں بلکہ آپ کی بنی بنائی الماری بگاڑنے کی بھی راہ بتاتا ہوں اور طرفہ احسان کہ اس کا نام صلح باہمی رکھ کر تمہیں بددل ہونے سے بچاتا ہوں۔

ثانیاً شرائط صلح سے ہے کہ مصالح علیہ یعنی جس چیز پر صلح کی جائے، مال ہو۔ اگر اس کے قبضہ کی ضرورت ہے تو مال معلوم ہونا چاہئے اور اگر قبضہ کی حاجت نہیں تو معلوم و مجہول دونوں ہوسکتا ہے۔ بہر حال مصالح علیہ کا مال ہونا ضرور۔

عالمگیری ج۴ ص ۳۱۳ میں ہے: "واما شرائطه فانواع (الى ان قال) ومنها ان يكون المصالح عليه مالا معلوما ان كان يحتاج الىٰ قبضه وان كان لا يحتاج الى قبضه فشرطه ان يكون المصالح عليه مالا سواء كان معلوما او مجهولا هكذا في المحيط"

اور یہاں سرے سے مصالح علیہ ہی مفقود پھر بھی صلح موجود۔

ثالثاً صلح کا خلاصہ، مطلب مدعی کا کچھ لے کر اپنے کل یا جزء دعویٰ سے باز آ جانا ہے اگر کل دعویٰ پر قائم رہے تو صلح کس بات سے ہوئی؟ یہاں دعویٰ رفع بے پردگی تھا۔ اس کے کون سے جزء سے مدعی باز آیا؟ کیا تمام وکمال بے پردگی جائز رکھی یا آدھی، پھر صلح یعنی چہ؟۔

رابعاً صلح کا حکم مدعی کے لئے مصالح علیہ کا مالک ہو جانا ہے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷۸ میں ہے: "وحكمه في جانب المصالح عليه وقوع الملك فيه للمدعي سواء كان المدعى عليه مقرا او منكرا وفي المصالح عنه وقوع الملك فيه للمدعى عليه ا ن كان مما يحتمل التمليك كالمال و كان المدعى عليه مقرا به وان كان مما لا يحتمل التمليك كالقصاص وقوع البرائة"۔

الماری کو کھڑکی بنا لینے میں مصالح علیہ میں کون سی ملک مدعی کو ثابت ہوئی؟ اور شئی جب اپنے حکم سے خالی ہو، باطل ہے۔ لہذا اسے صلح کہنا محض لا حاصل ہے۔

خامساً علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ایک قطعہ مکان کا دعویٰ کیا پھر اس میں سے ایک گھر یا کسی ایک حصہ پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس چیز پر اس نے قبضہ کیا وہ اس کے حق کا ایک جز ہے تو باقی میں اپنے دعویٰ پر قائم ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۲۴۵ میں ہے: ولو ادعىٰ دارا فصالح على بيت او قطعة منها لم يصح الصلح لان ما قبضه من عين دعواه في الباقي۔ مکان کے دعوی میں اسی مکان کے ایک گھر پر صلح کرنے کو صلح نہیں قرار دیا تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر پھر اس کا صلح نام رکھنا ذی علم ثالث کی کمال فقہ دانی ہے۔

سادساً جس مسئلہ کا جزئیہ کتب فقہ میں مصرح نہ ہو مثلاً تار، بیمہ، منی آرڈر، نوٹ، سیونگ بینک وغیرہ، عالم سے

Marfat.com

اس میں غلطی ہوجائے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ حد سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے کہ مدعی علم باوجود روشن تصریحات علماء کے کسی کی حمایت میں ایجاد بندہ سے کام لیتا ہے۔ اس وقت کی غلطی، غلطی نہیں کہی جاتی بلکہ خود اسی کے الفاظ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ کتب فقہیہ میں کہیں مصرح نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد۴ ص۳۵۱ میں فتاوی ظہیریہ سے اور فتاوی فقیہ النفس قاضیخان جلد سوم ص۱۹۰ میں ہے:"

واللفظ للخانية "رجل له باب في غرفة او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا لان الجار ظالم في منع صاحب الكوة عن الانتفاع بمال نفسه فانما ياخذ المال فكيف عن الظلم والكف عن الظلم واجب وكذا لو كان الصلح بينهما على ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا لان الجار انما دفع المال ليمتنع صاحب الكوة عن التصرف في ملكه والانتفاع بمال نفسه لا على وجه الازالة والتمليك من الغير وذلك باطل"

کسی شخص کے بالا خانہ میں دروازہ یا روشندان ہے۔ اس کے پڑوسی نے اس سے جھگڑا کیا۔ اس نے کچھ روپیہ دے کر پڑوسی سے صلح کی کہ اس روشندان کو رہنے دے اور بند نہ کرے۔ تو یہ صلح باطل ہے اس لئے کہ وہ پڑوسی ظالم ہے کہ روشندان والے کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے روکتا ہے۔ تو یہ روپیہ اس لئے لیتا ہے تاکہ ظلم سے رکے اور ظلم سے رکنا تو اسے یونہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ان میں صلح اس طرح ہو کہ روشندان والا کچھ روپیہ لے کر اس روشندان یا دروازہ کو بند کردے جب بھی باطل ہے۔ کیونکہ پڑوسی اس لئے روپیہ دیتا ہے کہ روشندان والا اپنے مال میں تصرف کرنے اور اپنے مال سے نفع اٹھانے سے بغیر ازالہ وتملیک غیر روکا جائے اور یہ باطل ہے۔ غرض کھڑکی کی صورت میں کسی طرح صلح صحیح نہیں۔ اگر بغیر مال صلح کیا جب باطل اور اگر مدعی مال لے کر کھڑکی کو رہنے دیتا ہے جب باطل اور اگر مدعا علیہ مال لے کر کھڑکی بند کرتا ہے جب باطل۔ تو ذی علم ثالث کا صلح تجویز فرمانا، مدعی مدعا علیہ دونوں کا نقصان کرنا، خلاف شرع راہ دکھانا ہے، جس کے باطل ہونے کی فقہائے کرام تصریح فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ ساڑھے سات سو برس پہلے کیسا جزئیہ تحریر فرمایا جس نے نہ صرف صلح ہی کا خاتمہ کیا بلکہ سرے سے مقدمہ کا بھی فیصلہ کردیا کہ ایسا شخص ظالم ہے کہ کھڑکی کے مالک کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ وفات امام قاضیخان کی ۵۹۲ہجری میں ہے۔

سابعاً یہ ساری خرابیاں اس کی ہیں کہ ذی علم مجوز جیسا کہ نمبرے میں گزرا شروع ہی سے الٹی چال چلے ہیں۔ اب جس طرف جاتے ہیں مقاصد شرع وقوانین عقل سے اور دوری ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک راہ چلتے اور حق بقدار پہونچانا مطمح نظر ہوتا تو مدعی سے دریافت کرنا تھا کہ آپ کا مقصد اصلی کیا ہے؟ بے پردگی سے بچنا یا پردہ؟ بے پردگی سے بحث نہیں۔ مدعا علیہ نے جو اپنی دیوار میں کھڑکی لگائی ہے، اس کو بند کرانا۔ برتقدیر اول رائے صائب اور بے مثل فیصلہ تھا کہ جس طرح مدعا علیہ نے خود آپ کے اقرار کے بموجب اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار بلند کرلی ہے، آپ بھی اپنی بے پردگی

Marfat.com

دفع کرنے کو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ بر تقدیر دوم صاف معلوم ہو جاتا کہ مدعی متعنت ہے، دعویٰ خارج کیا جاتا۔ اس صورت میں ذی علم ثالث کو اس قسم کی دوراز کار باتوں کا سامنا نہ ہوتا کہ اس فیصلہ کا دیکھنے والا تعجب سے کہتا ہے: ''یہ ثالث صاحب ہیں یا مدعی کے وکیل یا مدعا علیہ کے مشیر''۔ ورنہ جس طرح مدعا علیہ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کھڑکی کو بند کر دیجئے، والدہ کے مکان ہو کر جو قدیم راہ ہے اسی کو برقرار رکھئے یا الماری توڑ کر کھڑکی بنا لیجئے اور اس کھڑکی کو بند کر دیجئے۔ اسی طرح دو ایک صورتیں بطور صلح باہمی مدعی کے لئے بھی تجویز کرتے کہ یہ قصہ تو اس مکان کا تھا۔ اب نئے سرے سے مکان بنا رہے ہیں، اس وضع سے بنائیے کہ بے پردگی نہ ہو یا اگر مدعا علیہ نہیں مانتے تو آپ ہی اپنی شرقی دیوار اونچی کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی یا یہ بھی نہ سہی تو اپنے قدیم رفیق جن کو رائے دے کر مقدمہ دائر کرایا تھا انھیں کو کہئے کہ وہ اپنی دوستی کی دیوار اونچی کر ڈالیں۔ ان کا بھی پردہ ہو جائے گا اور آپ کی بھی بے پردگی جاتی رہے گی۔ تب معلوم ہو جاتا کہ مدعی صاحب ان رایوں کو مانتے ہیں یا نامنظوری کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟۔

(۱۷) ذی علم ثالث کا فرمانا ''اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازعہ فیہ ہے الخ'' رفع نزاع کی بے مثل صورت اور مقبول عام فیصلہ دینے کی راہ جیسی یہ تھی، شاید دوسری نہ ہو۔ مدعا علیہ کا مطلب یہ ہے کہ بے پردگی کا الزام اگر میرے کسی فعل سے ہے تو وہ ثابت نہیں اور اگر محض کھڑکی کی وجہ سے اس کا خیال کیا جاتا ہے تو ایک ایسی ہی کھڑکی ان دونوں مکانوں میں بھی ہے۔ تو یہ دونوں کھڑکیاں بند کر دی جائیں کہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے اور ایک فتنہ کہ آئندہ کسی وقت اٹھنے والا ہو، ابھی سے اس کی جڑ کٹ جائے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ کرنے کی وجہ سے باتیں بہت بدل کر لکھی گئیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا، معقول عذر ہونے کی وجہ سے مدعی کو صاف لفظوں میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مگر کمال طلاقت لسانی سے کہا کہ اگر... حلفاً کہہ دیں کہ مجھے بھی اس کھڑکی سے بے پردگی وتکلیف کا اندیشہ ہے تو میں ابھی بند کر دیتا ہوں جب ... نے حلفاً اس امر کو بیان کیا تو اب بموجب اقرار کھڑکی بند کرنا چاہئے تھا۔ مگر نفسانیت کا خدا برا کرے کہ اس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا... کے انداز اور رخ کو دیکھا کہ وہ لفظ بلفظ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فوراً پلٹے اور کہا کہ... آپ کیا کہتے ہیں اس پر انھوں نے انکار کیا اور چھوٹے بھائی... نے بھی انہیں کا ساتھ دیا کہ نہ مجھے اس کھڑکی سے اس وقت تک تکلیف پہونچی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔ یہ دونوں روشندان جو آپ نے کھولے ہیں ان کو بند کر دیجئے۔ اس سے میری بے پردگی ہوتی ہے۔ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ذی علم ثالث نے اسے تینوں بھائیوں کے اقرار حلفی پر مشروط کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ مدعی نے شرط کرنے میں منجھلے اور چھوٹے کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

ثانیاً یہ کون سی شریعت کا حکم ہے کہ جب تک تین شخص کی بے پردگی نہ ہو یا تین آدمی بے پردگی کے دعویدار نہ ہوں، عذر نا مسموع ہوگا۔ کیا ایک شخص کی بے پردگی قابل لحاظ نہیں؟ مانا کہ مدعی نے یہی کہا تھا تو ذی علم ثالث کا فرض تھا کہ مدعی کو سمجھاتے کہ یہ مجھے تسلیم ہے کہ یہ دونوں بھائی اس کھڑکی کی وجہ سے بے پردگی کے شاکی نہیں اور آئندہ کے لئے بھی

Marfat.com

دستاویز دے رہے ہیں، مگر یہ مدعی نہیں کہ ان کا اقرار کافی ہو۔ مدعی تیسرا شخص ہے، ان کے اقرار کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معہذا بے پردگی مختلف ہے۔ ممکن کہ ایک بھائی کے متعلقین کی جن لوگوں سے بے پردگی ہو، دوسری کی نہ ہو یا ایک بھائی روا نہ رکھے دوسرا اسے گوارا کرتا ہو، تو آپ کو ان کے اقرار سے کیا فائدہ تو جب ایک شخص خصوصاً وہ کہ ان سب سے بڑا اور اہل علم ہے اور اہل علم ہی کو پردہ کا خیال زائد ہوتا ہے، وہ بے پردگی کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو بے شک آپ کو بند کر دینا چاہئے کہ کسی ایک کی بھی بے پردگی شرعاً جائز نہیں۔

ثالثاً بیان حلفی کے الفاظ بھی جو ذی علم ثالث نے بنائے ہیں ضحکۂ اطفال ہیں ''کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہونچتی ہو یا اب تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو تو باوجودان تمام تفرقوں کے ہم کو بند کر دینے میں عذر نہ ہوگا'' یعنی نفس بے پردگی قابل لحاظ نہیں، جس کی وجہ سے مدعی کی کھڑکی بند ہو سکے بلکہ جس قسم کی تکلیف مدعی کو پہونچتی ہے اور آئندہ پہونچنے کا اندیشہ ہے، اسی قسم کی تکلیف پہونچتی ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو تو البتہ یہ کھڑکی بند کی جا سکے گی۔ شائد اسی وجہ سے مدعی کے مکان کے وہ دونوں روشندان جن کے بند کرنے لئے ...نے کہا تھا بند نہیں کئے گئے کہ اس سے اگر چہ تکلیف پہونچتی ہے مگر اس قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔

رابعاً قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نامسلم ونامنظور کا تفرقہ ہرگز مدعی نے نہیں دکھایا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ تفرقے پیش کئے بھی ہوتے تو ذی علم ثالث کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قلم زد کرنا تھا۔ جیسے بہت سی باتیں کہ حسب تحریر ذی علم ثالث اس جلسہ میں ہوئیں اور لغو جان کر ذی علم ثالث نے نہ لکھیں۔

ردالمحتار جلد۴ص ۳۷۶ میں ہے: "قال الخير الرملي و اقول لا فرق بين القديم و الحديث حيث كانت العلة الضرر البين لوجودها فيهما"۔

اسی ردالمحتار ص ۲۳۰ میں جہاں سے تھوڑی سی عبارت ذی علم ثالث نے نقل بھی کی ہے: وانظر ما لو كانت دار قديمة بهذا الوصف هل للجيران الحادثين ان يغيروا القديم عما كان عليه۔ قلت الضرر البين يزال ولو قديما كما افتى به العلامة المهمنداری و مثله فی حاشية البحر للخير الرملی من كتاب القضاء كما فی كتاب الحيطان من الحامدية۔

غرض اگر یہ ضرر بین ہے تو اس کے مقابل یہ تفرقے محض لغو ہیں اور اگر بیّن نہیں تو دعویٰ ہی راساً بالاتفاق باطل و مدفوع ہے۔ جس طرح ظاہر الروایۃ و مذہب ائمہ مذہب میں مطلقا نامسموع ہے۔

(۱۸) حاکم اور حکم کو چاہئے کہ فریقین کے ساتھ بالکل یکساں برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کسی شخص سے کچھ خلاف ہو گیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یہ قصہ پیش ہوا۔ آپ نے یا علی کے بدلے یا ابالحسن کہہ کر خطاب کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناخوش ہوئے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا تھا، آپ نے مجھے کنیت سے کیوں یاد فرمایا؟

Marfat.com

مستطرف جلد اول ص ۱۳۷ میں ہے: "ادعیٰ رجل علی علیّ عند عمر رضی الله عنهما علیّ جالس فالتفت عمر الیه وقال یا ابا الحسن قم فاجلس مع خصمك فقام فجلس مع خصمه فتناظرا وانصرف الرجل ورجع علی الیٰ مجلسه فتبین لعمر التغیر فی وجه علی فقال یا ابا الحسن مالی اراك متغیرا؟ اکرهت ما کان؟ قال نعم قال وما ذاك قال کنیتنی بحضرة خصمی هلا قلت یا علی قم فاجلس مع خصمك فاخذ عمر براس علی رضی الله عنهما فقبله ثم قال بانّی انتم بکم هدانا الله وبکم اخرجنا من الظلمٰت الی النور۔

اور یہاں ذی علم ثالث کا یک طرفہ انداز شروع تحریر سے ظاہر۔ خصوصاً اس موقع پر تو حد کردی۔ بالفرض مدعی نے تینوں بھائیوں کے بیان حلفی پر معلق کیا تھا مگر وہ لوگ آپس میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے اقرار کیا، کسی نے انکار۔ تو از روئے انصاف اس کو اس طرح لکھنا تھا کہ اس پر تینوں بھائیوں میں اختلاف ہوا... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی کا کیا مگر ان کے دونوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ مگر بجائے اس کے فیصلہ میں اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ "اس پر بکو میاں نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی یحیٰ میاں اور معین میاں نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔" ایک بھائی کے بیان کو کہ خلاف مدعی تھا، ایسے مرے گرے لفظوں سے تعبیر کیا اور ان دونوں کا بیان موافق مدعی ہونے کی وجہ سے بکمال کشادہ پیشانی اور حلفاً کے زیوروں سے مزین کر کے لکھا۔ حالانکہ اگر مدعی نے تینوں سے حلفاً بیان کرنے کو کہا تھا تو...کا بیان بھی حلفاً ہی ہوا ہوگا اور ضرور حلفاً ہوا، جب تو مدعی وثالث نے اسے تسلیم کیا۔ تعجب ہے کہ...اور...نے کس طرح ایسی لغو بات حلفاً بیان کی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ذی علم ثالث نے اس خلاف شرع وعقل بات کو کس کمال کشادہ پیشانی سے قبول کیا اور اس کا کیسا پر جوش استقبال کیا ہے۔ حالانکہ ادنی عقل والا جانتا ہے کہ جو امر ممکن ہو یعنی اسے وجود وعدم دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہے وہ کیسا ہی مستبعد ہو مگر کوئی شخص از پیش خویش اس کے عدم وقوع پر جزم نہیں کر سکتا، نہ کہ جو کلام مثلاً زید کی قدرت میں ہو، اس پر عمرو کو اس جزم کی کیا سبیل کہ وہ کبھی اس کام کو نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ زید اگر بقسم بھی کہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا پھر بھی عمرو اگر چہ اس کے صدق کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ زید اس کام کو کبھی نہیں کرے گا، مجھے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اور اگر قسم کھالے تو سخت جری اور ننگ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا۔ تو اس جگہ کہ بے پردگی مدعی کا فعل ہے، نہ مدعی اس کا بقسم عہد کرتا ہے، نہ صاف سیدھے سادے لفظوں میں اس کا وعدہ ہی کرتا ہے، مگر... ہیں کہ بکمال کشادہ پیشانی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ آئندہ کو بے پردگی ہونا درکنار، اندیشہ بھی نہیں اور جناب ثالث صاحب بکمال کشادہ پیشانی اسے قبول کرتے ہیں۔

ثانیاً حلف شرعاً وہ عقد ہے جس کے سبب حالف کا ارادہ فعل یا ترک کا قوی ہو جائے۔

درمختار جلد ۳ میں ہے: "الیمین شرعا عبارة عن عقد قوی عزم الحالف علی الفعل او الترك"

Marfat.com

اور جب ان دونوں کے بحلف کہنے سے بے پردگی کا فعل قوی ہوا نہ ترک۔ اس لئے کہ جس کے فعل وترک سے اس کا وجود وعدم ہو سکتا ہے، وہ ان دونوں کے قبضہ ہی میں نہیں تو پھر اسے حلف سمجھنا کمال خوش فہمی ہے۔

(۱۹) دیوار اونچی کرنے کے متعلق مدعا علیہ سے عذر دریافت کرنا بھی اسی الٹی چال چلنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مقتضائے عقل وشرع تو یہ ہے کہ جس کی بے پردگی ہو، وہ اپنے لئے دیوار کھینچے۔ کما صرح الفقهاء بل له ان يبني ما يستر جهته۔ یہ نئی فقاہت ہے کہ زید کے مکان سے عمرو کی بے پردگی ہوتی ہو، عمرو تو ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھا رہے اور زید ہی اپنی دیوار اونچی کرے یا اس کے متعلق عذر بیان کرے۔

میرے نزدیک مناسب ہے کہ تمام دنیا یا ہندوستان بھر یا صوبہ بہار یا کمشنری پٹنہ یا ضلع آرہ میں نہ ہو سکے تو کم از کم اس قضیہ میں عام نوٹس دے دیا جائے کہ جس جس شخص کو خداوند عالم نے ذی مقدور بنایا ہے اور اس کا مکان دو منزلہ سہ منزلہ ہو اس کو چاہئے کہ اوپر کی چھت میں صرف منڈیر پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو ہر چہار جانب ورنہ جس جانب کسی شخص کا مکان بھی معلوم ہوتا ہو، وہ اتنی اونچی دیوار بنائے کہ چھت پر چڑھنے سے کسی شخص کا مکان نہ معلوم ہو سکے ورنہ اس کی وجہ دکھا دے اور جو کچھ عذرات ہوں، پیش کرے۔ اور دیوار کمزور ہونے کا عذر قابل قبول نہیں جب تک واقف کار قواعد تعمیر عمارت کا سارٹیفیکٹ نہ پیش کرے۔ ہاں اگر وہ دونوں جانب سے ملاحظہ کر کے لکھ دے کہ اس میں نقصان ہے تو البتہ قابل قبول ہوگا۔ اور ایک جانب کی دیوار بلند کرنے سے اور جانب کی دیوار کی بلندی کا مسئلہ اہل دول یا انھیں واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت سے دریافت کرنا تھا۔ اور چھ ہاتھ چوڑے صحن کو وسیع صحن بنانا خلیفہ مامون رشید کے سامنے اعرابی کا گڑھے کے پانی کو آب جنت سمجھ کر پیش کرنا یاد دلاتا ہے۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۲۰) ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنی بہت کوشش کی کہ صلح ورضا مندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں الخ'' شاید ایسا ہی ہو ورنہ فیصلہ کا ملاحظہ تو بتا رہا ہے کہ اس عبارت کو یوں ہونا چاہئے تھا۔ ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنے اس بات کی کوشش کی کہ مدعی کو پوری ڈگری دی جائے، اس کے دعویٰ میں ذرہ بھر کمی نہ ہونے پائے اور پھر براہ ابلہ فریبی صلح ومصالحت کا سبز باغ دکھا کر مدعا علیہ کو بھی خوش رکھا جائے'' ع۔ ہم لعل بدست آید وہم یار نہ رنجد۔

مگر اس طرح کون اپنی عقل کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے کہ اپنے مفید اور مضر میں تمیز نہ کر سکے، اس لئے مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار بحق مدعی فیصلہ دے کر اس کو بھاری بھر کم بنانے کے لئے عبارات کتب فقہیہ کی ضرورت پڑی۔ غرض اس فیصلہ پر فقہ حنفی کی چار کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں اول محض بے علاقہ، دوم ناقص، سوم غیر مفید، چہارم مضر۔ اسی وجہ سے ہوشیار مجوز نے ان عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں کیا ورنہ اصل حقیقت عالم آشکار ہو جاتی۔ پہلی عبارت درمختار چھاپہ کلکتہ ص ۴۹۹ کی ہے:

"اشترى دارا ودبغ و تاذى جيرانه على الدوام يمنع وعلى الندرة يتحمل"

یہ عبارت محض بے علاقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مکان خریدا اور اس میں چمڑا پکانے کا کام کیا، جس

Marfat.com

سے پڑوسیوں کواذیت ہوتی ہے۔تو اگر یہ ہمیشہ ہوتا ہے منع کیا جائے گا اور اگر شاذ و نادر ہے،تو تکلیف برداشت کی جائے گی۔

اولاً چھڑا پکانے کی اذیت ایسی ہے کہ اس کو روکنے کی ترکیب پڑوسیوں کے اختیار سے باہر ہے۔سوا اس کے کہ اس کو منع کر دیا جائے اور کوئی صورت اس کے ضرر سے بچنے کی نہیں۔اس لئے کہ ہوا کی آمد و رفت ہو اور دماغ صحیح میں بدبو نہ آئے،یہ عادۃً ناممکن ہے۔اور ہوا ہر طرف سے بند کر کے رہنا بھی سخت دشوار بلکہ محال عادی ہے۔اور یہاں مدعی اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اپنی بے پردگی کو روک سکتا ہے۔علماء نے ضرر فاحش،ضرر بیّن کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔اور اگر دیوار کھینچ کر تکلیف سے بچ سکتا ہے تو اس صورت میں مالک مکان کو منع نہیں کریں گے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ میں ہے:"وذكر الرازی فی كتاب الاستحسان ان الدار اذا كانت مجاورة للدور فاراد صاحبها ان يبنی فيها تنورا للخبز الدائم كما يكون فی الدكاكين او رحی للطحين او مدقات للقصارين لم يجز لان ذلك يضر بجيرانه ضررا فاحشا لا يمكن التحرز عنه فانه ياتی منه الدخان الكثير الشديد ورحی الطحن ودق القصارين يوهن البناء بخلاف الحمام لانه لا يضر الا بالنداوة ويمكن التحرز عنه بان يبنی حائطا بينه وبين جاره"۔

دیکھئے حمام بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔حالانکہ اس کی تری سے پڑوسی کا نقصان ہے۔اس لئے کہ اپنے اور پڑوسی کے درمیان دیوار کھینچ کر اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔تو اسی طرح صورت واقعہ میں اگر چہ مدعی کو اپنی بے پردگی کا اندیشہ ہے مگر اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔پھر کیوں مدعا علیہ کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا۔

ثانیاً اگر دونوں صورتیں یکساں بھی ہوتیں جب بھی یہ عبارت مفید نہیں۔اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ اذیت دائمہ ہے تو منع کیا جائے گا اور نادرہ ہے تو برداشت کی جائے گی۔اور صورت واقعہ میں حسب بیان مدعا علیہ وہ کھڑکی صرف عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے اور حسب بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ اس کوٹھری اور اس کی چھت پر مدعا علیہ کی لڑکی رہتی ہے۔وہاں مردوں کا آنا بضرورت عیادت تھا۔یہ عیادت دوامی نہیں کہ اس سے منع کیا جائے گا بلکہ شاذ و نادر ہے۔اس لئے اس کو تحمل و برداشت کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت ردالمحتار جلد چہارم ص ۳۲۰ کی ہے:"قال فی جامع الفصولين القياس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملكه لا يمنع ولو اضر بغيره الخ"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جامع الفصولین میں لکھا ہے کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے،وہ روکا نہ جائے گا،اگر چہ اس سے غیر کو تکلیف پہونچے۔لیکن یہ قیاس اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے،جب غیر کو بیّن ضرر پہونچے۔کہا گیا کہ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اولاً یہ ناقص ٹکڑا بے محل نقل کیا گیا ہے۔اس لئے اس پر پورے طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ اصل مسئلہ کیا اور هذه

Marfat.com

المسائل کا مشارالیہ کیا ہے۔ اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسئلے کیسے ہیں اور کس رتبے کے ہیں۔

عبارت کی ابتدا یوں ہے:" وفی اجارات النوازل رجل اراد ان یتخذ خراسا فی بیته ویضر ذلك بدار جاره ضررا بینا بان كان یعلم ان دوران الرحی اوریح دورانه یوهن بناء الجار یمنع عن ذلك هكذا اجاب ابو القاسم رحمه الله لانه وان كان مما یتصرف فی خالص ملكه لكن یضر بجاره ضررا بینا و كثیر من مشایخ بلخ ومشایخ بخارا و افقوه فی هذا الجواب فالحاصل ان فی هذه المسائل وفی اجناسها الخ"

ملاحظہ ہو فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ یعنی اجارات نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بڑی چکی کہ گدھوں یا خچروں سے پھرائی جاتی ہے، بنائے اور اس سے پڑوسی کا سخت نقصان ہے کہ اس کے گھومنے کے صدمے یا اس کے ہوا کے تپانچے سے پڑوسی کا مکان کمزور ہوتا ہے، تو امام ابوالقاسم نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کو اس سے منع کریں گے۔ کیونکہ وہ اگرچہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے مگر اس سے پڑوسی کا بیّن ضرر ہے اور اکثر مشائخ بلخ و بخارا نے جواب میں ان کی موافقت کی۔ تو خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی ملک میں تصرف کرے، منع نہ کیا جائے گا۔ کہاں اس بڑی چکی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف کہ اس کے صدمہ سے دیوار کمزور ہو جائے اور جار کے پاس اس کا کوئی چارہ نہیں اور کہاں یہ صورت واقعہ۔

ثانیاً پڑوسی کا محض نقصان قابل لحاظ نہیں بلکہ جب اسے سخت ضرر پہونچے جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ آخر ضرر بیّن کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک یہی ضرر، ضرر بیّن ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ علماء کرام نے اس تصفیہ کو بھی اٹھا نہیں رکھا ہے۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۶ میں فتح القدیر امام ابن الہمام سے نقل کیا: والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بدا له مطلقا لانه متصرف فی خالص ملكه لكن ترك القیاس فی موضع یتعدیٰ ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو ما یكون سببا للهدم او یخرج عن الانتفاع بالكلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة كسد الضوء بالكلیة واختاروا الفتویٰ علیه فاما التوسع الیٰ منع كل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملكه كما ذكرنا قریبا اه ملخصا۔

"خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ مطلقاً جو کچھ چاہے کرسکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص ملک میں متصرف ہے۔ مگر یہ قیاس اس جگہ متروک ہے۔ کہ اس کی وجہ سے غیر کو سخت تکلیف پہونچے اور ضرر بین سے یہی مراد ہے کہ وہ مکان کے گرنے کا سبب ہو یا اس کی وجہ سے مکان قابل رہنے کے نہ رہے۔ یعنی حوائج اصلیہ بالکل رک جائیں مثلاً روشنی بالکل بند ہو جائے۔ اور لوگوں نے فتویٰ کے لئے اسی کو پسند کیا ورنہ ہر ضرر کی وجہ سے منع کرنا تو انسان کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

اسی ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے، جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی کہ ضرر فاحش وہ ہے جس سے بچنے کی کوئی

Marfat.com

سبیل اس کے اختیار میں نہ ہو اور اگر دیوار کھینچ کر اس ضرر سے بچ سکتا ہے تو وہ ضرر، ضرر فاحش نہیں۔

رابعاً رب العزۃ جل جلالہ نے جسے نظر فقہی عطا فرمائی ہے، اس اختلاف میں فریقین کی قوت کو انداز کر سکتا ہے۔ عبارت فصول عمادی شاہد ہے کہ یہ مذہب نہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، نہ امام ابی یوسف سے منقول، نہ امام محمد سے مروی، نہ دیگر ائمہ مذہب سے بلکہ امام ابوالقاسم رحمہ اللہ کی رائے ہے جو امام یوسف کے شاگرد کے شاگرد ہیں، جسے اکثر علماء بلخ اور مشائخ بخارا نے پسند فرمایا رضی اللہ عنہم۔ اور مطلقاً تصرف کا حکم اور پڑوسی کے نقصان کے خیال سے مالک کو اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکنے کی ممانعت ہمارے ائمہ خمسہ، امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا مذہب ہے کما مر عن الحموی والبحر۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ ہی پر عمل ہے اور فتویٰ ہمیشہ قول امام پر واجب ہے، اگرچہ صاحبین مخالف ہوں نہ کہ امام اعظم و صاحبین و بقیہ خمسہ سب متفق ہوں تو ان کا خلاف کیونکر روا ہو سکتا ہے۔؟ استحسان متاخرین، نظر بہ تبدل حالات زمانہ نہیں کہ دفع ضرر، شریعت کے مسائل قدیمہ سے ہے۔ امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن کو معلوم نہ تھا کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام؟ قطعاً معلوم تھا مگر ضرر مالک کو کہ حجر عن التصرف فی ملکہ والحاقہ بذلک بالبہائم ہے، ضرر اجنبی پر مقدم رکھا۔ تو جمیع ائمہ مذہب کے خلاف بعض متاخرین کا استحسان کیونکر معمول بہ ہو سکتا ہے۔

بحر الرائق کتاب الزکوٰۃ باب الصرف میں ہے: ”اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیہا۔“

درمختار میں ہے: ”یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن۔“

فتاویٰ خیریہ میں ہے: ”المقرر عندنا انہ لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم۔“

شرح عقود میں ہے: ”رایت فی بعض کتب المتاخرین نقلا عن ایضاح الاستدلال علی ابطال الاستبدال لقاضی القضاۃ شمس الدین الحریری احد شراح الہدایۃ ان صدر الدین سلیمٰن قال ان ہذہ الفتاوی ہی اختیارات المشایخ فلا تعارض کتب المذہب قال وکذا کان بقول غیرہ من مشایخنا وبہ اقول۔“

ردالمحتار جلد۴ باب الہبۃ میں ہے: ”حیث علمت انہ ظاہر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد وروہ عن ابی حنیفۃ ظہر انہ الذی علیہ العمل۔“

صاحب درمختار نے اس مسئلہ کو کتاب القسمۃ میں اس طرح لکھا: ”لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاہر الروایۃ الکل من الاشباہ وفی المجتبیٰ وبہ یفتیٰ وفی السراجیۃ الفتویٰ علی المنع قال المصنف فقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ اہ“

علماء نے تصریح فرمائی کہ جو کچھ ظاہر الروایہ سے خارج ہے، ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ وہ اگر روایت نوادر بھی

Marfat.com

ہوتو مرجوع عنہ ہے اور قول مرجوح پر افتا وقضا جہل وخرق اجماع ہے، نہ کہ مرجوع عنہ کہ وہ قول ہی نہ رہا، نہ کہ جو سرے سے قول ہی نہ ہو، لا جرم ایسے فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم فرمایا۔

ردالمحتار میں ہے: ''ما خالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا۔''

بحرالرائق میں ہے: ''ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم يبق قولا له۔''

تصحیح قدوری ودرمختار میں ہے: ''الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔''

تنویروشرح علائی میں ہے: ''ويـاخذ القاضي كالمفتي بقول ابي حنيفة على الاطلاق ثم بقول ابي يوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زياد وهو الاصح منية وسراجية وعبارة النهر ثم بقول الحسن فتنبه وصحح في الحاوي اعتبار قوة المدرك والاول اضبط نهر ولا يخير الا اذا كان مجتهدا بل المقلد متى خالف مذهبه لا ينفذ حكمه وينقض هو المختار للفتوىٰ كما بسطه المصنف في فتاواه وغيره وقدمناه اول الكتاب وسيجئ۔''

ردالمحتار میں ہے: ''القاضي ماموز بالحكم باصح اقوال الامام فاذا حكم بغيره لم يصح۔''

یہ ترتیب اس وقت ہے جب ایک سے کچھ منقول نہ ہوتو دوسرے کی بات لی جائے گی اور اگر دوسرے سے بھی کچھ مروی نہ ہوتو تیسرے کی، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ اور جب کسی امر پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو پھر عدول کی گنجائش ہی نہیں۔

محیط امام سرخسی پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''لا بـد مـن مـعـرفة فصلين احدهما انه اذا اتفق اصحابنا في شيء ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد رضي الله تعالى عنهم لا ينبغي للقاضي ان يخالفهم برائه الخ۔''

فتاویٰ فقیہ النفس امام قاضی خان میں ہے: ''الـمـفـتـي فـي زمـاننا من اصحابنا اذا استفتىٰ في مسئلة او سئل عن واقعة ان كانت المسئلة مروية عن اصحابنا في الروايات الظاهرة بلا خلاف بينهم فانه يميل اليهم ويفتي بقولهم ولا يـخـالـفـهـم بـرائـه وان كـان مـجتهدا متـقـنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم ولا ينظر الىٰ من خالفهم ولا يقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وبين ضده الخ۔''

جب مجتہد کے لئے اپنے ائمہ کے قول سے پھرنے کی اجازت نہیں تو مقلد کی کیا مجال؟۔ اس کے بارے میں تو ملتقط ودرمختار وردالمحتار میں مصرح ہے:

''وان لم يكن مجتهدا فعليه تقليدهم واتباع رائهم فاذا قضى بخلافه لا ينفذ حكمه۔'' ''یعنی اگر مجتہد نہ ہوتو اس کو ائمہ مذہب کی تقلید اور ان کے رائے کی پیروی ضروری ہے تو اگر اس کے خلاف فیصلہ دے گا نافذ نہ ہوگا۔''

غرض مقلد کو قول امام پر فیصلہ دینا۔ بحر وغیرہ میں مصرح ہے اور اس کی تحقیق جلیل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مستقل رسالہ ہے'' اجلىٰ الاعلام بان الفتوى مطلقا على قول الامام'' تو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ورنہ نافذ نہ ہوگا۔

خامساً خلاف ظاہر الروایۃ ہونے کی وجہ سے اس کا مرجوح ہونا ثابت ہوگیا۔ اب نہ رہی مگر اس پر فتویٰ دیئے جانے کی وجہ سے اس کی تقویت۔ مگر عبارت درمختار سے معلوم ہو چکا کہ مفتیٰ بہ دونوں قول ہیں۔ اگر بعض علماء نے اس پر

Marfat.com

فتویٰ دیا ہے تو بعض علماء نے اُس پر بھی فتویٰ دیا ہے۔

درمختار کتاب القضاء مسائل شتیٰ ج ۴ ص ۳۷۵ میں ہے:" ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکه الا اذا کان الضرر بجاره ضررا بینا فیمنع من ذلك وعلیه الفتویٰ بزازیه واختاره فی العمادیة وافتیٰ به قارئ الهدایة حتی یمنع الجار من فتح الطاقة وهذا جواب المشایخ استحسانا وجواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا وبه افتیٰ طائفة کالامام ظهیر الدین وابن الشحنة ووالده ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبیٰ وبه یفتیٰ واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاهر الروایة اه۔"

تو مفتیٰ بہ ہونے کی وجہ سے تقویت دونوں میں مشترک ہے۔ اور ترجیح قول امام کو ہے، ترجیح قول ائمہ کو ہے، ترجیح ظاہر الروایہ کو ہے، ترجیح اس روایت کو ہے جو مطابق درایت ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ ذی علم ثالث کی منقولہ عبارت میں اس قول کو اکثر مشایخ کا اختیار کرنا، اس کا مفتیٰ بہ ہونا بلفظ قیل منقول ہے جو ضعف کا مشعر ہے اور ترجیح مقابل کے لئے مشہور۔

ردالمحتار جلد اول میں ہے:" قالوا وقیل کلاهما مشعران بالضعف۔"

اسی میں ہے:" الحکایة بقیل ترجیح للمقابل۔"

پھر باوجود ان تمام باتوں کے ظاہر الروایہ کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ پس ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر ائمہ ثمہ کے مذہب کو چھوڑ کر مشایخ متاخرین کے قول پر فیصلہ دینا شان فقاہت وانصاف سے بعید ہے۔

تیسری عبارت فتاویٰ خیریہ جلد ۲ ص ۲۰۲ کی ہے:" (سئل) فی الجار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلك اطلاع علی عوراته وحریمه او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بینهما هل یمنع عن ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الکوة ففیها استحسان وقیاس الخ۔"

"یعنی کسی نے علامہ خیر الدین رملی سے پوچھا کہ ایک پڑوسی روشندان کھولنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کی بے پردگی ہوتی ہے یا مشترک دیوار پر دیوار یا جھروکا بنانا چاہتا ہے۔ اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟۔ آپ نے جواب دیا کہ روشندان کھولنے میں دو قول ہیں ایک استحسان دوسرا قیاس۔ استحسان منع ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔"

جیسا کہ نقل کیا اس کو فتاویٰ تاتارخانیہ میں اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے۔ اور تاتارخانیہ میں روشندان کے مسئلہ سے کچھ پہلے لکھا کہ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، اس سے روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے غیر کو ضرر پہنچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ متروک ہے کہ اس کے تصرف کا ضرر بیّن غیر کو پہونچے۔ اور ممانعت کا قول کیا گیا ہے مطلقا اور اسی کو اکثر مشایخ نے لیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ضرر بیّن ہو جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں متحقق نہیں۔ شاید ذی علم ثالث کو وقیل بالمنع مطلقا سے دھوکا ہوا اور اس کو قول ثالث سمجھ کر بالکل موافق مدعا پایا مگر درحقیقت یہ قول ثالث نہیں کہ مطلقاً منع کیا جائے گا، چاہے ضرر بیّن ہو یا نہ ہو۔ بلکہ یہ لفظ مطلقا عبارت خیریہ میں قلم ناسخ سے زائد ہوگیا ہے اور قیل، ترک کا معطوف ہے۔

Marfat.com

علامہ شامی ردالمحتار جلد۴ص ۳۷۵ میں عبارت جامع الفصولین نقل کرکے فرماتے ہیں: ''قلت قوله وقيل بالمنع عطف تفسير على قوله ترك القياس فليس قولا ثالثا نعم وقع في الخيرية وقيل بالمنع مطلقا الخ ومقتضاه انه قول ثالث بالمنع سواه كان الضرر بينا او لا، لكن عزا في الخيرية ذلك الى التتارخانيه والعمادية وليس ذلك في العمادية كما رايت فالظاهر ان لفظ مطلقا بسبق قلم۔''

چوتھی عبارت عقود الدریہ تنقیح فتاوی حامدیہ جلد ثانی ص ۲۶۵ کی ہے: ''(سئل) فيما اذا كان لكل من جارين سطح بيت في داره مساو سطح الاخر وصار الآن احدهما يصعد الى سطحه الخ۔

''یعنی سوال ہوا کہ دو پڑوسی ہیں جن کی گھر کی چھت دوسرے کی چھت کے مساوی ہے۔ ان میں ایک شخص اپنی چھت پر چڑھتا ہے اور جب وہ اپنی چھت پر چڑھتا ہے تو اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کے عورتوں پر پڑتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ پردہ کی دیوار بنانے تک آپ چھت پر نہ چڑھیں۔ تو کیا پڑوسی کو اس کا حق ہے؟۔ جواب دیا کہ ہاں! اسے اس کا حق ہے۔''

یہ مسئلہ تو وہی ہے جس کا مفصل بیان نمبر۱۲ میں گزرا مگر ذی علم ثالث کو اصلا مفید نہیں۔ اس لئے کہ صورت واقعہ سے محض بے علاقہ۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کی عورتوں پر پڑے اور صورت واقعہ میں ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں نگاہ صرف چھت کی فضا تک پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص مدعی کی چھت پر ہو تو جو شخص مدعا علیہ کی چھت پر ہو اس سے اس کی نگاہ چار ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو اس عبارت سے صورت واقعہ پر استدلال کیونکر صحیح ہوسکتا ہے بلکہ یہ عبارت ذی علم ثالث کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو اور یہی مطابق روایت ودرایت ہے۔ حدیث میں ہے: '' الغنم بالغرم۔'' مثل مشہور ہے ''جس کا ٹپکے گا، وہ چھائے گا''۔ بخلاف ذی علم ثالث کے کہ انھوں نے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ پردہ کی دیوار اس قدر بلند بنائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا چھت پر کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہ ہو۔ غرض ان چار عبارتوں میں اول بے علاقہ، دوم ناقص، سوم بالکل غیر مفید، چہارم مضر ہے۔

(۲۱) نمبرات سابقہ سے یہ بات روشن طرح پر معلوم ہوئی کہ فیصلہ محض یک طرفہ کیا گیا ہے، جو نہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے، نہ عقل کے موافق۔ اور عبارتیں محض بھرتی کی ہیں تا کہ نگاہ عوام میں فیصلہ مدلل معلوم ہو۔ ان عبارتوں سے جن نمبروں کا جواب اخذ کیا گیا ہے وہ ہرگز ان سے مستفاد نہیں، نہ یہ جوابات مطابق شرع ہیں۔ بلکہ ان نمبروں کے جوابات یہ ہیں:

نمبر اول: کھڑکی بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنے پردہ کی دیوار کھینچے۔

بحرالرائق جلد ۷ص ۳۶ و فتح القدیر امام ابن ہمام جلد ۳ص ۲۸۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء في علو بنائه بابا او كوة لا يلي صاحب الساحة منعه بل له ان يبني ما يستر جهته۔''

نمبر دوم: سوراخ کے متعلق نمبر ۸ میں مفصل بیان ہوا کہ ان سوراخوں سے ہرگز بے پردگی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس

Marfat.com

کے ذریعہ نگاہ سیدھی سہ منزلہ کی بلندی پر جائے گی، جس سے مدعی کا کچھ نقصان نہیں۔ پھر بھی مدعا علیہ نے اسے بند ہی کر دیا ہے تو بند کئے ہوئے کو پھر سے بند کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر سوم: مدعا علیہ نے اپنی ضرورت کے لائق دیوار تیار کرائی، اس کی ضرورت اسی قدر سے دفع ہوگئی۔ اب اگر مدعی کو پردہ کی ضرورت ہے، وہ اپنی دیوار بلند کرائے۔ مدعا علیہ کو دیوار بلند کرنے کا حکم دینا محض ظلم ہے۔

فصول عمادی جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ہے: ''الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔''

نمبر چہارم: اگر متنازع فیہ کوٹھری کی چھت پر چڑھنے سے مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے اور مدعی کی گھر میں نگاہ پہونچتی ہے اور مدعی خواستگار ہے کہ جب تک میں پردہ کی دیوار نہ کھینچ لوں اس پر نہ چڑھا جائے تو مدعی کی اس بات کا خیال کرنا چاہئے۔ اور مدعی کو چاہئے کہ جلد دیوار کا انتظام کرے ورنہ جیسا کہ ذی علم ثالث نے گول رکھا ہے کہ تاحصول صورت پردہ اور مدعی کو پردہ کی دیوار بنانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ تو ہمیشہ کے لئے مالک کو اپنی ایک مملوک چیز سے نفع اٹھانے سے محض مدعی کی خاطر بے وجہ روکنا ہے۔ نمبر ۱۶ میں عبارت خانیہ گزری کہ اگر کچھ دے کر مالک کو اپنی ملک سے نفع اٹھانے سے روکے، جب بھی باطل ہے تو یہ صورت اولیٰ بالبطلان ہوگی۔

نمبر پنجم: ہمیشہ کے لئے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی حرکت یا کوئی کارروائی ایسی نہ کریں جس سے دوسرے کو تکلیف وضرر پہنچے۔

(۲۲) بحمد اللہ جملہ ابحاث متعلقہ فیصلہ و جواب نمبرات سے فراغ پایا۔ اتنے مختصر الفاظ فیصلہ کے متعلق یاد رہیں کہ ☆ بوجہ عدم قبول تحکیم و مشروط بشرط کرنے اور عدم وجود شرط تحکیم، ثابت نہیں ☆ بفرض وجود و ثبوت قبل فیصلہ مدعا علیہ کے نقض و فسخ کی وجہ، تحکیم کالعدم ہوگئی حکم کو حکم دینا روا نہیں ☆ برتقدیر عدم فسخ فیصلہ ہذا بے حجت شرعیہ (بینہ ویمین ونکول) ہونے کی وجہ سے فیصلہ شرعی نہیں بلکہ ایک ردی کاغذ ہے کہ مدعی کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ اگر یہ وجوہ نقض نہ بھی ہوتے تو از انجا کہ ثالث مقلد نے اپنے جمہور خمسہ امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، درایت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے محض باطل و غیر نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ، فیصلہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی و نعم الوکیل واللہ سبحنہ و تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفر لہ

صدر مدرس مدرسہ عالیہ، شہسرام

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الاضحیة ۱۰

مسئلہ مرسلہ از اٹاوہ از جانب محمد روح اللہ ۱۱ رصفر ۱۳۴۴ھ

مسئلہ اولیٰ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بندوق سے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر شکار مارا اور پھر بعد گرنے شکار کے، اس کے ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پہنچنے تک شکار مر گیا۔ اب اس کا کھانا درست ہے اور وہ حلال ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: اس ملک میں اکثر ہندو کھٹک بکری کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے، وہی ذبح کرتا ہے۔ وہاں سے کھٹک اپنی دکان پر لے جا کر گوشت فروخت کرتے ہیں اور ان کی دوکان پر کوئی مسلمان نگراں نہیں رہتا۔ ان سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: زید باوجود قدرت اس بات کے کہ زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) حلال نہیں کہ بندوق کا حکم تیر کے مثل نہیں۔ یہاں آلہ وہ چاہئے کہ اپنے دھار سے قتل کرے اور گولی چھرہ میں دھار نہیں ہوتی۔ بندوق کاٹ نہیں کرتی بلکہ قوت کرتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا یخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذ لیس له حد فلا یحل وبه افتیٰ ابن نجم۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورت مستفسرہ میں اس گوشت کا خریدنا، کھانا اور کھلانا سب ناجائز ہے۔ حیوان جب تک زندہ تھا، حرام تھا کہ اس کا یا اس کے کسی جز کا کھانا یا کھلانا سب حرام تھا۔

حدیث میں ہے: "مایقطع من البهیمة وهی حیة فهو میتة۔"

پھر ذبح شرعی سے حلال ہوگا۔ اور وہ بر بنائے قول کھٹک ثابت نہیں کہ یہ امر دیانت متعلق حلت وحرمت کے ہے اور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

درمختار میں ہے: "خبر الكافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانة۔"

ہاں اگر مذبح سے اس کے دوکان تک کوئی مسلمان ساتھ آیا اور دوکان پر بھی کوئی مسلمان موجود رہا، غرض اگر مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اب اس مسلمان کی خبر کی بنا پر کہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا، اس کا خریدنا اور کھانا اور کھلانا سب جائز ہے کہ اب وہ خبر مسلم ہے نہ کہ خبر کافر۔ اور خبر، مسلم کی دیانت ومعاملات ہر جگہ معتبر ہے بشرطیکہ

Marfat.com

عادل ثقہ ہو۔ ورنہ قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔ فی التنویر: "شرط العدالة فی الدیانات و تجری فی الفاسق المستور۔" واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اس پر مستقر ہو جائے یعنی اس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کرے، اس سے زائد نہ دبے، اس چیز پر نماز جائز ہے۔ خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاری کا کھٹولہ یا کوئی شی اور۔ تو اگر چارپائی اس قدر سخت ہو، اس پر نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

غنیہ میں ہے: "ضابطه ان لا یستفل بالتسفیل فحینئذ جاز سجوده علیه۔"

ردالمحتار میں ہے: "تفسیره ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسه ابلغ من ذلك فصح علیٰ طنفسة و حصیر و حنطة و شعیر و سریر و عجلة ان کانت علی الارض اه" مختصرا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة و تمامه فیها۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمه جل مجده احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ طالب علم بنگالی رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر شخص مسلمان، جانورے بنام اصنام ہنود رہا کند۔ گوشت آں جانور خوردن حلال است یا نہ؟ وآں جانور در ملک وے ماند یا نہ؟ وحکم آں کس چہ؟ علیٰ ھذا اگر ہنود بنام اصنام خود جانورے رہا کند یا چیزے بدہد، استعمال وخوردن آں از روئے شرع شریف جائز است یا نہ؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

از رہائی جانور بنام اصنام ہنود حرام نمی شود۔ قال تعالیٰ: "مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ" ٥ (المائدۃ: ۱۰۳) "اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ ہاں! کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں"۔ (کنز الایمان)

قال فی المدارك: "یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتهم هذا التحریم الیه و اکثرهم لا یعقلون ان اللہ تعالیٰ لم یحرم ذلك۔"

در ملک او بلاشبہ باقی میماند کہ وقت رہا کردنش نمی گوید: ہر کہ بگیرد ملک اوست ونہ ایں را در ملک غیر دارند۔

درفتاویٰ عالمگیری است: "من له دابة وقال "لا حاجة لی الیها" ولم یقل "هی لمن اخذها" فاخذها انسان لا تکون له۔"

بدیں وجہ گرفتن وذبح کردن غیر آں جانورے درست نیست۔ لانه ملك الغیر فان اجازه جاز بلا شبهة۔

وامارہا کردن مسلم بنام صنم پس اگر بنیت تعظیم وتقریب بآں بت باشد، البتہ کفر است۔ وآنکہ آں جانور ملک از

Marfat.com

املاک مرتد باشد۔ اگر آں کس براند، او خود برد مال ارتداد او، بسائے مسلمین می شود۔ اگر اسلام آرد، خود ملک اوست۔

کما فی الدر المختار: "ویزول ملك المرتد عن ماله والّا موقوفا فان اسلم عاد ملکه وان مات او قتل علیٰ ردته ورث کسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دین اسلامه وکسب ردته فئ بعد قضاء دین ردته۔"

واگر نیت تعظیم وتقرب نداشت، خود کم نہ از آں کہ گناہ کبیرہ است۔ فاما از ملک او بیروں نرود۔ وحکم ہمانست کہ بالا گذشت۔

درفتاویٰ عالمگیریہ است: "فمن اعتق عبده للشیطان او للصنم عتق الا انه یکفر هکذا فی السراج الوهاج۔ اقول: لکن الارفق بحال المسلم والحذر عن الاجتراء علیٰ تکفیر المسلم، التفصیل الذی قد بیناه کما فی الاشباه والنظائر" فان اعتق للصنم او الشیطان صح واثم" اما المسلم اذا اعتق له قاصدا تعظیمه کفر کذا فی الطحطاوی والکلام علیٰ التوزیع فان اعتق لهما من غیر قصد تعظیم ثبت الحرمة من غیر کفر وصرح فی مقام اخر لقوله اما اذا لم یقصده فلا یکفر۔"

ودردرمختار است: "ویصح ایضا بتحریر (لوجه الله والشیطان والصنم وان) اثم و(کفربه) ای بالاعتاق للصنم (المسلم عند قصد التعظیم) لان تعظیم الصنم کفر۔" (کتاب العتق ۳/ ۶۵۰) والا فلا کما قدمنا عن الاشباه والطحطاوی والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ از کلکتہ ڈاکخانہ بیل گچھا اولا استھان مرسلہ عبدل میانجی عباڑی والے یکم محرم ۱۳۲۵ھ

جناب قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خانصاحب دام فیوضکم۔

آداب نیاز کے بعد گزارش ہے کہ چند سوالات بطور استفتا ارسال خدمت اقدس ہے۔ امید کہ جواب اس کا واسطے درستی خیال وعقیدت ناواقف لوگوں کے محرر فرما کر بصیغۂ بیرنگ روانہ فرمائیے۔

(امر اول) اکثر اس نواح میں اقوام ہنود بکرا ومینڈھا وغیرہ بطریق چڑھانے کے، بت کے سامنے لے جاتے ہیں اور محض ایک کان اس کا کاٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو لوگ پکڑ کر فروخت کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان خرید کر کھائے یا قربانی کرے تو جائز ہے یا ناجائز۔؟

(امر دوم) اگر کسی مسلمان نے کوئی راس مویشی خواہ گائے یا بکری ومینڈھا وغیرہ کسی مسلمان کو یہ لفظ کہہ کر دیا کہ تم اس کی قربانی لے جا کر کروا اپنے نام سے، تو اس کا ثواب قربانی کرنے والے کو پورا ملے گا یا کچھ مویشی دینے والے کو بھی ملے گا؟

(امر سوم) خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، عقیقہ کرنے کی مدت کس عمر تک ہے؟ دوم یہ بھی ضروری ہے کہ وقت عقیقہ کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں یا اگر جوانی میں عقیقہ کیا جائے تو بھی لڑکا خواہ لڑکی کے سر کے بال اتارے جائیں گے؟ فقط

Marfat.com

الـــــجـــــواب

(جواب اول) نہ لوگوں کو اسے پکڑ کر بیچنا جائز، نہ خرید نا روا، نہ اسے کھانا حلال۔ نہ اس کی قربانی کافی۔ لانہ باع مالا یملکہ۔ ہنود جو چیز اپنے بت گنگا جمنا خاک بلا کے نام سے اس پر چڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ان کی ملک نہیں زائل ہوتی۔ وہ بدستوران کی ملک پر باقی رہتی ہے۔ ہاں صراحۃ یا دلالۃ جب معلوم ہو جائے کہ اس غرض سے چھوڑا ہے، جو پکڑ لے اس کی ملک ہے، تو البتہ اسے پکڑنا اور بیچنا جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:" لو سیب دابته وقال لا حاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا تکون له۔"

ردالمحتار میں ہے:" القیٰ شیئا وقال من اخذه فهو له فمن سمعه او بلغه ذلك القول ان یاخذه والا لم یملکه۔"

اور دلالت حال یہ کہ عرف عام اس طور پر ہو کہ یہ چھوڑنا اور پھینکنا اس غرض سے ہو کہ جو پالے اس کی ملک ہے۔ جیسے لوگ شادیوں میں روپیے پیسے یا محرم میں روٹیاں بسکٹ لٹاتے، پھینکتے ہیں۔ اب خریدنے والے کو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جب یہ مالک ہو گیا تو قربانی بھی حلال ہے اگر تہائی یا زیادہ کان کاٹ کر جدا نہ کر دیا ہو ورنہ قربانی نہ ہو سکے گی۔

تنویر الابصار میں ہے:" ولا یضحی بمقطوع اکثر الاذن مختصرا والثلث فصاعدا وهو ظاهر الروایة وصححه فی الخانیة وعلیه الفتوىٰ ومشی علیها فی مختصر الوقایة والاصلاح۔"

مگر ان چھوڑنے والوں کا یہ تقصیر ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتا اور ان کا کھانا قربانی کرنا کچھ روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے:" والدال علیٰ الخیر کفاعله۔" رواه البزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والامام احمد فی مسنده وابو یعلیٰ والضیاء عن بریدة وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج عن انس رضی الله تعالیٰ عنهم۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(سوم) ولادت سے بلوغ تک عقیقہ کا وقت ہے۔ جب چاہے کرے۔ مگر بہتر ساتواں دن ہے۔

شرح عباب علامہ ابن حجر پھر عقود الدریہ علامہ ابن عابدین شامی میں ہے:" وقتها بعد تمام الولادة الیٰ البلوغ فلا یجزیٔ قبلها وذبحها فی الیوم السابع۔"

سراج الوہاج میں ہے: ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع او اخر عنه جاز الا ان یوم السابع افضل۔

بلکہ تا بقائے جان، عقیقہ ممکن۔ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت خود اپنا عقیقہ فرمایا۔ عقیقہ کے ساتھ وہ بال جدا کئے جاتے ہیں جو پیٹ سے پیدا ہوئے اور جب وہ ایک بار جدا ہو گئے تو اب عقیقہ کے ساتھ بال تراشنا کوئی ضروری نہیں۔ احادیث میں" واسیطوا عنه الاذیٰ" فرمایا ہے یعنی پیٹ سے جو بال لے کر پیدا ہوا، وہ دور کر دے

Marfat.com

جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو عقیقہ کہتے ہیں کہ اصل عقیقہ کے معنی وہ بال ہیں جو لڑکے کے سر پر وقت پیدائش کے ہوتا ہے۔ کما فی الکرمانی شرح البخاری عن الاصمعی۔ خصوصاً اگر لڑکی کا عقیقہ جوانی میں کیا جائے کہ عورت کو سر کا بال مونڈانا حرام ہے، مثل داڑھی کے، واسطے مردوں کی۔

درمختار میں ہے: ''قطعت شعر راسها اثمت ولعنت زاد فی البزازیة وان یاذن الزوج، لانه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته۔'' والله تعالیٰ اعلم۔ کتبہ ظفر الدین البہاری

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی کلیم الدین، پورنیہ ڈاکخانہ بیسی ہاٹ موضع چوپڑا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

سوال اول: یہ کہ نمازی، پرہیزگار وصوفی شخص اگر بے نمازی، گناہگار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرے تو ایسی قربانی کی فضیلت وثواب پرہیزگار کو ملے گا یا نہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے اس صوفی کے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی۔؟

سوال دوم: حدیث فعلی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصی ابلق سنگدار اپنی طرف سے قربانی کئے اور دوسرا ایک خصی بصفت مذکورہ ساری امت کی طرف سے قربانی کئے۔ پس ہم لوگ امتان محمدی کو دو چار آدمی شریک ہو کر نا جائز ہونے کی کون سی قولی حدیث ودلیل ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

سوال سوم: اس ملک میں رواج ہے کہ لڑکوں کے ختنے میں طعام داری، طویل خواہ قلیل کرتے ہیں و برادروں و یگانوں کو دعوت کرتے ہیں۔ ایسی دعوت کھانا اور اس مولود شریف میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال چہارم: ملّا نکاح باندھ دینے والے مالدار، اہل نصاب، صاحب زکوٰۃ کو دولہا کی طرف سے عقد خوانی میں کچھ روپیہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: جن شخصوں نے کبھی دلہن کو نہ دیکھا ہے، نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، ایسے شخصوں کی شہادت سے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بجائے اس دلہن کے بوجہ شرارت و دشمنی کے دوسری کسی رذیل قوم کی لڑکی سے ایجاب کرادے اور گواہان کو تمیز نہ ہو کہ یہ منسوب شدہ لڑکی ہے یا دوسری ہے؟

سوال ششم: کسی شخص نے اپنی جورو سے جھگڑا و مار پیٹ کر کے یوں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اتنا کہنے پر وہ عورت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی۔ بعد گذرنے تین چار ماہ کے اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس بی بی کو لے آوے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھوڑنے کا لفظ کہنے کے سبب اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چاہتی ہے، دوسرا شوہر کروں۔ پس وہ عورت دوسرا شوہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم: ایک شخص زنا میں پکڑا گیا۔ بستی کے سردار و پنچایتان نے مل کر اس زانی سے مثلاً سو روپیہ۔ لے کر اس

Marfat.com

روپیہ سے شامیانہ یا فرش ومصلا خرید کیا۔ اس شامیانہ کے نیچے، فرش اور مصلا کے اوپر بیٹھنا، نماز ومولود شریف پڑھنا، مستحق ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) نمازی وپرہیزگار اگر بے نمازی اور گناہگار کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ ہاں مشرک کے شریک ہونے سے قربانی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ شرکت بنیت قربت ہونی چاہئے اور مشرک قربت کا اہل نہیں۔

ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۰۷ میں ہے: "والمراد انها تجزی بنية القربة من كل منهم ولو اختلف جهات القربة۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حدیث قولی وفعلی سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، بیشک اس پر عمل کرنا چاہئے اور سنت جان کر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب ملے گا۔ یعنی ہر شخص ایک خصی بصفات قربانی اپنی طرف سے کرے اور دوسرا خصی اپنے تمام بھائی مسلمانوں کی طرف سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ چند اشخاص جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کو فرمایا ہو کہ تم کو الگ الگ خصی کرنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی میں شریک ہوجاؤ۔ ایک کسی کار خیر میں لوگوں کو شریک کرلینا اور ایک اس پر سے سقوط واجب جاننا، ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ وهذا ظاهر لمن له عقل كامل وفهم سالم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ایسی طعام داری کی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں، نہ مولود شریف ناجائز بلکہ بہر اور باعث ثواب ہے۔ قال تعالیٰ: "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (الضحیٰ: ۱۱) اور خوشی ومسرت کے موقع پر عزیز واقارب، دوست واحباب کی دعوت بھی مسنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ تمام کیا تو اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اگر دولہا، نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے، اگرچہ وہ شخص مالدار، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیاء کو لینا حرام ہو بلکہ ہدیہ وتحفہ ہے۔ اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہورہی ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ دو شخص جو زنانے میں جاکر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں۔ یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی۔ نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار وقبول کیا۔ غرض جن جن لوگوں نے اقرار وقبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں۔ اب اگر کسی رذیل قوم کی لڑکی سے کسی نے

Marfat.com

اقرار نکاح کیا تو اس نکاح کے گواہ سب مجمع والے ہوں گے۔ پھر اس عورت نے اگر واقعی اس کو وکیل نہ کیا تو پھر یہ نکاح، نکاح فضولی ہوگا، عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اجازت دے گی جائز ہوگا ورنہ باطل۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ خود عورت جوان، عاقلہ، بالغہ ہو ورنہ اگر کمسن لڑکی ہے تو اس کے ولی کی توکیل کافی ہے۔ وھذا کلہ ظاھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس کہنے سے بیشک وہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ شوہر اول نکاح کے بعد البتہ اس کو رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ کہا ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو حرمت غلیظہ ہوگی، صرف نکاح کافی نہیں، بغیر حلالہ جائز، درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس طرح سے جرمانہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۳ ص ۱۸۴ میں ہے: "قولہ لا یاخذ المال فی المذھب قال فی الفتح وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمة لا یجوز اھ مثلہ فی المعراج وظاھرہ ان ذلک روایة ضعیفة عن ابی یوسف قال ولا یفتیٰ بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمة علیٰ اخذ مال الناس فیاکلونہ ومثلہ فی شرح الوھبانیة عن ابن وھبان۔"

تو جب مفتیٰ بہ مذہب پر جائز نہیں ہے تو یہ مال لینا غصب کے حکم میں ہوگا۔ اس سے ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ شخص بخوشی اجازت دے کہ میں نے شامیانہ، فرش، مصلیٰ کے لئے یہ رقم بخوشی دی تو اس پر نماز پڑھنے، مولود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی کبیر الدین صاحب از بین ضلع پٹنہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تعمیر مسجد از سر نو باحرمت اس کے قربانی کی کھال بلکہ اس کے گوشت کی قیمت سے بھی بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ویتصدق بجلدھا او بجزء منھا وکان لہ التصدق والانتفاع بہ لا بیعہ بالدراھم لینفق علیٰ نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربة کالتصدق اھ۔"

"اور مستحب ہے کہ صدقہ کرے اضحیہ کے چمڑے کو کہ چمڑہ اس کا جزء ہے اور اس کا حق تصدق اور نفع اٹھانا ہے۔ نہیں جائز ہے بیچنا کھال کا داموں سے تاکہ اپنے اور گھر والوں کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت کھال کے مرتبے میں ہے اور اگر کار خیر میں صرف کرنے کے لئے بیچا تو جائز ہے"۔ ھکذا فی الکافی والھدایة والتبیین

Marfat.com

والبحر والحلیة وخزانة المفتیین وفتح الله المعین۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کلوا وادخروا وتصدقوا" کھاؤ اور جمع رکھو اور صدقہ کرو۔ رواه مسلم والبخاری واحمد عن عائشة ولابی داؤد عن نبشة الهذلی:" کلوا واشربوا وادخروا وائتجروا۔" کھاؤ اور پیو اور جمع کررکھو اور وہ کام کرو جس میں ثواب ہو۔

اور شک نہیں کہ تعمیر مسجد، کار ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب اتنا نہیں کہ کوئی بتا سکے کہ وہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما یلحق المومن من عمله بعد مماته مسجدا بناه" بیشک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا ہے، مسجد ہے، جو اس نے بنائی۔ اخرجه ابنا خزیمة وماجة والبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: "من یبنی لله مسجدا" جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے" وفی روایة ولو کمفحص قطاة" اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی" وفی روایة او اصغر" یا اس سے بھی چھوٹی" وفی روایة یذکر الله عز وجل فیه" تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین وتقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے)" بنی الله له بیتا فی الجنة" اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایة" من درر ویاقوت" موتی اور یاقوت کے رواه ابن ماجه وابن حبان وسیدنا ابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی مسنده والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمرو جابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هریرة واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ "لاینقص عن اجورهم من شئ۔"

بالجملہ تعمیر مسجد قیمت جلود اضحیہ سے بلاشبہ درست ہے۔ چاہئے کہ کھال مہتمم تعمیر کے حوالہ کریں کہ وہ اُسے بیچ کر تعمیر میں لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

"اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة فی المساجد" (۱۳۲۵ھ)

مسئلہ مسئولہ جناب شیخ محی الدین اشرف رئیس بین ضلع پٹنہ اواخر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو کس کس کام میں لا سکتے ہیں۔؟ فقہائے کرام جو " یتصدق بجلدها" فرماتے ہیں، اس سے مراد صدقۂ واجبہ ہے یا نافلہ؟۔ بینوا وتوجروا۔

Marfat.com

الـــــجـــــــــــــواب

بلاشبہ پوست اضحیہ کو تعمیر مسجد کے لئے دینا، اس سے مسجد کی تعمیر، مرمت، قلعی کرنا، اس کے لئے جانماز، بوریا، چٹائی، لوٹے، رسی، ڈول، جھاڑو، چراغ، میٹھا تیل خریدنا جائز ہے۔ (مٹی کا تیل مسجد کے لئے نہ خریدیں کہ اس کا مسجد میں جلانا یا کسی اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا، دیا سلائی کھینچنا سب مکروہ تحریمی ہے۔ احکام وآداب مسجد میں ہے کہ وہ ہر بدبودار چیز سے بچائی جائے جس سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہو۔ اسی لئے احادیث میں کچا لہسن، کچی پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جس شخص کے منہ سے لہسن، پیاز کی بو آتی، بقیع شریف تک نکال دیا جاتا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: ''ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب یوم الجمعۃ فذکر:'' انکم ایھا الناس تاکلون شجرتین لا اریھما الا خبیثتین ھذا البصل والثوم ولقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحھما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الیٰ البقیع ''رواہ عن معدان بن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔''

اسی بنا پر علماء کرام نے، جس شخص کے آنے سے نمازیوں کو نفرت ہوتی ہو، انہیں ایذا پہنچتی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی اور تصریح فرمائی کہ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ مثل قصاب، ماہی فروش، جذامی، مبروص، گندہ دہن، گندہ بغل، وغیرہ وغیرہ۔

درمختار والاشباہ والنظائر میں ہے: ''یکرہ دخولہ لمن اکل ذا ریح کریھۃ ویمنع عنہ وکذا کل موذ ولو بلسانہ اہ وفی الطحطاویۃ کمغتاب ونمام اہ''

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے: ''یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رایحۃ کریھۃ ماکولا او غیرہ والقصاب والسماك والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق۔''

نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: ''قال العلماء ویلحق بالثوم والبصل والکراث کل مالہ رایحۃ کریھۃ من الماکولات وغیرھا۔ قال القاضی ویلحق بہ من اکل فحلا وکان یتجشی قال وقال ابن المرابط ویلحق بہ من بہ بخر فی فیہ او بہ جرح لہ رایحۃ۔ وفیہ تحت قولہ ''فاخرج الیٰ البقیع ''فیہ اخراج من وجد منہ ریح الثوم والبصل ونحوھما من المسجد وازالۃ المنکر بالید لمن امکنہ اہ)۔ ''

مسجد کے لئے حسب حاجت جھاڑ وفانوس، ہانڈی، موم بتی وغیرہ خریدنا، مسجد کے لئے حدود حرم سے باہر کنواں، غسل خانہ، استنجا خانہ، پاخانہ بنوانا، امام موذن جاروب کش مسجد کی تنخواہیں دینا، سب کچھ جائز ودرست ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود قربانی سے ہرگز ہرگز گوشت وپوست، شعر ووبر، صوف وشحم نہیں، نہ ان کا نام قربانی ہے۔ بلکہ وہ ایام مخصوصہ میں اراقت دم مخصوص تقربا الی اللہ ہے۔ اس واسطے ایام نحر میں اس جانور کے زندہ صدقہ کرنے سے

Marfat.com

قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ غنی پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔

ردالمحتار جلد پنجم میں جوہرہ نیرہ شرح قدوری سے ہے: "والدلیل علی انها الاراقة لو تصدق بعین الحیوان لم یجز والتصدق بلحمها بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔"

اسی میں ہے: "فان تصدق بعینها فی ایامها فعلیه مثلها مکانها لان الواجب علیه الاراقة۔"

نہ قبل از ذبح یا نذ بوجہ قبل از وقت کے دودھ، اون، گوشت یا کسی جز سے انتفاع درست اور اگر دودھ دوہ لیا یا اون کاٹ لی تو اسے اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور بعد قربانی کرنے کے اس میں ہر قسم کے تصرف کا، سوا تمول کے، مجاز مختار ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ جلد پنجم میں ہے: "ولو اشتری شاة للاضحیة یکره ان یحلبها او یجز صوفها فینتفع به لانه عینها للقربة فلا یحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القربة بها کما لا یحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها بدائع۔ ولو حلب اللبن من الاضحیة قبل الذبح او جز صوفها یتصدق به ولا ینتفع به کذا فی الظهیریة واذا ذبحها فی وقتها جاز له ان یحلب لبنها ویجز صوفها وینتفع به لان القربة اقیمت بالذبح والانتفاع بعد اقامة القربة مطلق کالاکل کذا فی المحیط اه" مختصرا۔

یعنی اقامت قربت اضحیہ سے انتفاع جائز نہیں۔ اور بعد قربانی کرنے کے اس کے دودھ، گوشت، صوف سب سے انتفاع روا کہ قربت تو ذبح ہی سے حاصل ہوگئی اور بعد اقامت قربت انتفاع مطلقا جائز ہے۔ جس طرح اور جس وجہ سے ہو، نفع اٹھا سکتا ہے۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ گوشت کو انہیں دنوں میں کھائے یا بعد کے لئے اٹھا رکھے۔ پوست کی کوئی چیز استعمال مثل ڈول، مشک، چھلنی، پوستین، توشہ دان، فرش، تکیہ، ترازو، چھاگل، دسترخوان، بستر بند، جلد کتاب، بیگ، جوتہ موزہ، تسمہ، جانماز، زین، ساز، لگام، پرتلہ، کپی، دھونکنی، وغیرہا بنائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بدل لے جو بعینہ استعمال میں آتی ہو جیسے برتن، کپڑا، کتاب، قلمدان، الماری، بکس، فانوس، لیمپ، میز، کرسی، تخت، تپائی، ٹیبل، کواڑ، سماوار، چائدان، پرچ، پیالیاں، ٹفن بکس، کیش بکس، پیٹی، صندوق، لالٹین، جھینکا، دیوارگیر، کھونٹی، کھڑاون، وغیرھا۔ ہاں وہ چیزیں نہ بدلے جن سے انتفاع بعد استہلاک ہوتا ہو۔ جیسے گوشت، ترکاری، غلہ، نمک، مسالا، مٹھائی، حلوا، ربڑی، برف، مکھن، دودھ، دہی، گھی، چاول، دال وغیرھا کہ اس قسم کی چیزیں بدلنا نہ گوشت پوست سے جائز، نہ اس کی چربی، سرا، پائے، اون، بال، دودھ وغیرہا سے روا۔

عالمگیریہ جلد ۵ میں بدائع شرح تحفۃ الفقہاء سے ہے: "ولا یحل شحمها واطرافها وراسها وصوفها ووبرها وشعرها ولبنها الذی یحلبه منها بعد ذبحها بشیء لا یمکن الانتفاع به الا باستهلاك عینه من الدراهم والدنانیر والماکولات والمشروبات۔"

مگر یہ یاد رہے کہ اپنے لئے برتن وغیرہ سے اشیاء مستعملہ بعینها کو چمڑے سے بدلنا جائز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھال یا

Marfat.com

گوشت یا اس کے کسی جزء کو روپوں سے بیچیں پھر ان روپوں سے یہ سب چیزیں خریدیں کہ یہ درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۵ میں طحطاویہ حاشیہ درمختار سے ہے: ''قولہ (بما ینتفع بعینہ) ظاهر انه لا یجوز بیعه بدراهم ثم یشتری بها ما ذکره ویفیده ما تذکره عن البدائع۔''

کہ اپنے لئے کھال یا گوشت، روپوں سے بیچنا مطلقا ممنوع ہے۔ بیچ لیا تو اس میں روپوں کو اپنے صرف میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب۔ لانه حصل بوجه خبیث لحدیث التمول المنهی عنه وکل مال صفته هکذا یجب تصدقه۔ قال فی الهدایة: ''ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بمالا ینتفع به الا بعد استهلاکه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الیٰ بدله اه'' وسبیلها التصدق اه عنایة قلت کذا علله فی الکافی حیث قال تصدق بثمنه لان معنی التمول سقطه عن الاضحیة فاذا تمولها بالبیع انتقلت القربة الیٰ بدله فوجب التصدق۔

چاہے پھر ان روپوں کو اپنے پاس رکھے یا ان سے کوئی چیز خریدے کہ ہر طرح تمول ہے اور اضحیہ سے تمول مطلقا ناجائز۔ اس واسطے اگر کسی نے پوست یا گوشت قربانی فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دیا، زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے کسی امیر کو ہدیہ دیا اور اس نے بہ نیت زکوٰۃ فقیر کو دے دیا، اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اس لئے کہ صورت اولیٰ میں تمول پایا گیا کہ اس پر جتنا روپیہ پوست میں منہا ہوا، اتنا اسے بچ رہا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس نے غنی کو ہدیہ دیا اور ہدیہ دینا اغنیا کو درست ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: ''ولا باس بان یهدی الاغنیاء۔''

عالمگیریہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے ہے: ''ویهب منها (ای من الاضحیة) ماشاء للغنی والفقیر۔''

اور بعد قبول ہبہ وہ پوست اس کے تمامی املاک کی طرح اس کی ملک ہے۔ جس طرح اپنے مال کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اس کا دینا بھی درست اور صحیح ہے۔

ردالمحتار جلد ۵ میں قہستانی سے ہے: ''اذا دفع بنیة الزکوٰة لا یحسب عنها فی ظاهر الروایة لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الغنی بنیتها (الزکوٰة) یحسب۔''

دینی فائدہ یہ کہ گوشت اپنے عزیز و اقارب، احباب و اصحاب کو کھلائے یا ان کے گھر بھیج دے۔ پوست کسی فقیر یا غنی کو بعینہ یا اس کی چیز موزہ، پوستین، تکیہ، وغیرہ بنوا کر ہدیہ دے یا اس سے کوئی چیز مستہلک یا غیر مستہلک بدل کر یا روپوں سے بیچ کر صدقہ کرے یا کسی نیک کام میں صرف کرے یعنی نفع عام کی کوئی چیز مدرسہ، حوض، پل، نہر، سرائے، کنواں، مسجد، شفاخانہ، قبرستان کی حفاظت وغیرہ کی تعمیر کرائے۔ غرض ہر اس کام میں جس میں ثواب ہو، صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق سے ہے: ''ویتصدق بجلدها او یعمل منه نحو غربال وجراب ولا باس بان یشتری به ما ینتفع بعینه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذکرنا ولا یشتری به

Marfat.com

مالا ینتفع الا بعد استهلاکه نحو اللحم والطعام و لا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه و عیاله و اللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتیٰ لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین۔ وهکذا فی الهدایة و الکافی۔"

"یعنی اور مستحب ہے کہ کار خیر میں لگائے پوست اضحیہ کو یا اس سے چلنی اور موزہ یا کوئی اور چیز اس کے مثل بنائے۔ اور نہیں مضائقہ کہ خریدے اس سے وہ چیز کہ بعینہ اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو مثل اول چیزوں کے کہ ذکر کیا ہم نے اور نہ خریدے اس سے وہ چیز جس سے قبل از استھلاک نفع غیر متصور ہو جیسے گوشت غلہ اور پوست کو روپیوں سے تاکہ اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت پوست کے حکم میں ہے۔ اسی لئے نہیں بیچ سکتے اس چیز سے جس سے قبل استہلاک نفع نہ اٹھایا جاتا ہو۔ اور اگر بیچے اس کو روپیوں سے تاکہ صدقہ کرے ان روپیوں کو تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی قربت ہے مثل صدقہ کرنے کھال کے (اور ہر قربت جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے) یہ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے اور ایسا ہی علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ شرح بدایہ اور علامہ عبد اللہ ابو البرکات نسفی کی کافی شرح وافی میں ہے۔"

عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذۂ کرام ومشائخ عظام خصّهم الله العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمامی جزئیات بآسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا بالله وهو حسبی ونعم الوکیل

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا کما قدمنا عن الهندیة عن المحیط اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے، عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے، لما فی غرر الاحکام:" او یجعله آلة کجراب وخفّ وفرو اه وفی الخانیة ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیة فروا او بساطا او متکئا یجلس علیه اه وفی الکافی والهدایة او یعمل منه الة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها اه" کالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے:" ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه وعیاله"۔

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔

Marfat.com

لما فی الھدایة والتبیین والکافی والطحاوی وخزانة المفتیین:" ولا یشتری به مالا ینتفع به الا بعد استھلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیه انه تصرف علیٰ قصد التمول۔"

ثانی جائز ہے لما فی الھدایة وشرح الکنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانة المفتیین:" ولا باس بان یشتری به ما ینتفع بعینه فی البیت مع بقائه استحسانا۔"

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز، دو نا جائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو نا جائز وممنوع۔ وقد مضت الادلة آنفاً۔

پوست اضحیہ کا صدقہ، واجب نہیں بلکہ نافلہ ہے۔

اولا اگر واجب ہوتا تو مثل زکوۃ وصدقہ فطر اپنے نفس وعیال پر اس کا صرف کرنا یا کسی غنی یا ذمی کو ہدیہ دینا یا گھر رکھ کر چھوڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

عالمگیری جلد ۵ میں ہے:" ولیس للمتصدق ان یاکل صدقته ولا ان یعطی غیرہ من الاغنیاء۔"

ہدایہ میں ہے:" ولا یجوز ان یدفع الزکوٰة الیٰ ذمی۔"

اور نہیں جائز ہے کہ صدقہ کرنے والا اپنے صدقے سے کھائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غنی کو کھلائے اور نہ یہ جائز کہ کسی ذمی کو دے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور غنی کو کھلانا یعنی اپنے صرف مین لانا، اپنے گھر رکھ چھوڑنا، غنی اور ذمی کو دینا، سب کچھ جائز ہے۔

کنز الدقائق، بحر الرائق، تبیین الحقائق، درر الحکام، غرر الاحکام، برجندی۔

رد المحتار جلد ۵ میں ہے:" ویاکل من لحم الاضحیة ویوکل غنیا ویدخر "اور کھائے گوشت اضحیہ سے اور کھلائے غنی کو اور جمع کر رکھے بعد کو کہ صرف میں لائے"

فتاویٰ غیاثیہ پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے:" ویھب منھا ای من الاضحیة ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی۔"

بلکہ اہل وعیال والے کے لئے یہی مستحب ہے کہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے بچوں کے لئے جمع کر رکھے تا کہ خوب فراغ کے ساتھ کھائیں۔

درمختار، ہندیہ، بدائع، شرح شرعة الاسلام، شرح وقایہ، درر غرر، شرنبلالیہ، ذخیرہ، منتقی، برجندی، شرح مختصر وقایہ وخزانة المفتیین میں ہے: واللفظ للاول "ویندب ترکه ای التصدق لذی عیال وسعة علیھم۔"

"اور مستحب ہے عیال والے کے لئے نہ صدقہ کرنا تا کہ وسعت ہو ان پر"۔

ثانیاً شریعت مطہرہ نے یہاں مخیّر بنایا کہ چاہے کل کو صدقہ کریں یا کل اپنے صرف میں لائیں یا اغنیا کو ہدیہ دیں۔

Marfat.com

قال فی البدائع: "والافضل ان یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافۃ لاقربائہ واصدقائہ ویدخر الثلث ویستحب ان یاکل منہا ولو حبس الکل لنفسہ جاز لان القربۃ فی الاراقۃ والتصدق باللحم تطوع۔"

اور تخییر منافی وجوب ہے۔ کما فی الہدایۃ قبیل فصل القرائۃ۔

ثالثاً خود علماء نے تصریح فرمادی کہ تصدق مستحب ہے، واجب نہیں۔

شرح لباب ومنسک متوسط ومسلک متقسط میں ہے:" لا یجب التصدق بکلہ ولا ببعضہ۔" "اور نہیں واجب ہے صدقہ کرنا گوشت اضحیہ کا، نہ کل کا، نہ بعض کا"

جوہرۂ نیرہ شرح قدوری پھر ردالمحتار میں ہے:" والتصدق بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔" "اور ذبح کرنے کے بعد صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں"۔ اس واسطے اگر کل صدقہ کردیا یا کل کھالیا یا دوسرے دن کے لئے اٹھار کھا تو کچھ حرج نہیں، جائز ودرست ہے۔

بدائع پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسہ جاز ولہ ان یدخر الکل فوق ثلاثۃ ایام۔" "اور اگر کل کسی کو دے دیا یا کل اپنے لئے رکھ لیا یا تین دن سے زیادہ روک لیا تو یہ سب جائز ہے"۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد النہی عن الادخار" کنت نہیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو طول علیٰ من لا طول لہ فکلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا" رواہ الترمذی عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال فی الباب عن ابن مسعود وعائشۃ ونبشۃ وابی سعید وقتادۃ بن النعمان وانس وام سلمۃ وحدیث بریدۃ حسن صحیح والعمل علیٰ ہذا عند اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم اہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم والامام احمد عن ابی ہریرۃ والبخاری عن سلمۃ بن الاکوع ومسلم عن بریدۃ وابوداؤد وابن ماجہ عن نبیشۃ الہذلی والنسائی عن عائشۃ والحاکم وابن حبان عن ابی سعید الخدری وابن ابی شیبۃ شیخ الشیخین والبیہقی وعبد بن حمید عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بالفاظ متقاربۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بعض حضرات کاو تصدق بجلدھا سے صدقہ واجبہ سمجھنا اور صرف تملیک یا اباحت فقیر پر اقتصار کرنا، معانی تصدق سے قصور پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ تصدق کے تین معنی ہیں۔ ایک اخص کہ فقط تملیک فقیر ہے کما صرح بہ فی الخانیۃ وغیرہ۔ ازکوٰۃ وصدقۂ فطر میں یہی معنی مراد ہے۔ اس میں فقیر کے لئے اباحۃ بھی نہیں آسکتی والہٰذا اپنے دسترخوان پر جو کچھ فقیروں کو اباحت سے کھلادے زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا۔ فی الدر فلو اطعم یتیما ناویا للزکوٰۃ لا یجزیہ۔ دوسرے خاص جس میں اباحت فقیر بھی داخل ہے جیسے کفارات۔ تیسرے عام جس میں اباحۃ بلکہ صلۂ رحم ومواسات احباب اغنیا بھی داخل، جس کا حاصل وہی مطلق تقرب ہوگا۔

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے "الصدقۃ تکون علیٰ الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الہبۃ عند

Marfat.com

بعضهم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علیٰ الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر "۔

ولہذا نفع عام کے لئے تصرف مال بغیر تملیک واباحۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ اسی بناپر حدیث شریف میں کنواں کھود کر وقف کر دینے کو صدقہ فرمایا۔ بلکہ کبھی قطع نظر غیر سے اپنے اہل وعیال پر صرف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں جبکہ نیت صالحہ ہو۔ وہ بھی قربت ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:" ما انفق الرجل فی بیته واهله وخدمه فهو صدقة۔" "جو کچھ خرچ کرے آدمی اپنے گھر میں اپنی بی بی، اپنے بچوں، اپنے خادم پر، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ بلکہ بہ نیت محمودہ اپنے نفس پر صرف کرنے اور خود اپنے خرچ میں لانے کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:"ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة۔" "یعنی تو اپنے نفس کو کھلاوے وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ رواه الامام احمد فی مسنده والطبرانی فی الکبیر عن مقدام بن معدی کرب رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم وحسنها السیوطی۔"

جب صدقہ اور تصدق اتنے معنوں میں مستعمل ہے، تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کون کون سے معنی مراد ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ اول وثانی یعنی خاص تملیک واباحۃ فقیر ہرگز ہرگز مراد نہیں ہو سکتے کہ وہ صرف صدقہ واجبہ زکوۃ وصدقۂ فطر اور کفارہ میں ہوتا ہے اور یہ صدقہ واجبہ نہیں ہے بلکہ نافلہ ہے۔ کما قدمنا اور خود تستعمل فی البیت سے اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لانا اور یؤکل غنیا سے اغنیا کو دینا، سب کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ لاجرم معنی ثالث یعنی تقرب مراد ہے۔ اور یعمل منه نحو غربال وغیرہ کا اس پر عطف بایں معنی کہ اپنے صرف میں لانا بے کسی خاص نیت محمودہ کے ہو، جو اسے حد صدقہ میں داخل کر دے اور جب مطلق تقرب کا ارادہ لازم اور تصریح امام زیلعی لانه قربة کالتصدق اس پر جازم۔ تو اضحیہ کے چمڑے سے کوئی کام رفاہ عام کا کرنا جس سے ثواب حاصل ہو بلاشبہ جائز ہوا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد بنانے میں وہ ثواب عظیم ہے کہ لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر "جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خطرہ گزرا"۔

حدیث میں ہے:

(۱) "من بنی لله مسجدا ولو کمفحص قطاة بنیٰ الله له بیتا فی الجنة" رواه امام الائمة، سراج الامة سیدنا ابو حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت عبد الله بن ابی اوفیٰ یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول من بنی الحدیث۔ قلت فیه تصریح بتابعیة الامام والحمد لله الملك المنعام

Marfat.com

(۲) ورواه الامام احمد فی مسنده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنها وزاد لبیضها بعد قوله قطاة۔

(۳) واخرج الامام احمد فی مسنده والشیخان فی صحیحیهما والترمذی وابن ماجه فی سننهما عن عثمان بن عفان یقول" سمعت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقول من بنیٰ مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة"۔

(۴) ورواه ابو موسی المدینی فی کتاب الصحابة عن عمر بن مالك وزاد "لله" و"بیتا"۔

(۵) واخرج الترمذی عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من بنیٰ لله مسجدا صغیرا کان او کبیرا بنی الله له بیتا فی الجنة۔"

(۶) واخرج النسائی عن عمرو بن عبسة ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال" من بنیٰ مسجدا یذکر الله عز وجل فیه بنی الله له بیتا فی الجنة"۔

(۷) واخرج ابن ماجه وابن حبان فی صحیحه عن عمر بن الخطاب قال" سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من بنیٰ مسجدا یذکر فیه اسم الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة"۔

(۸) واخرج الطبرانی فی الکبیر عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم 'من بنیٰ مسجدا یصلی فیه بنی الله له بیتا فی الجنة افضل منه"۔

(۹) واخرج هو والضیاء فی المختارة عن ابی قرصافة انه سمع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها فمن بنیٰ لله بیتا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قال یا رسول الله وهذه المساجد التی تبنی فی الطریق قال نعم واخراج القمامة منها مهور حور العین"۔

(۱۰) واخرج هو فی الکبیر عن ابی امامة قال:" من بنیٰ لله مسجدا بنیٰ الله له فی الجنة اوسع منه"۔

(۱۱) ورواه ابو نعیم عن اسماء بنت یزید وزاد "بیتا" وابوالفرج فی کتاب العلل وزاد و"من علق فیه قندیلا صلی علیه سبعون الف ملك حتی یطفی ذلك القندیل ومن بسط فیه حصیرا صلی علیه سبعون الف ملك حتی ینقطع ذلك الحصیر ومن اخرج منه قذاءة کان له کفلان من الآجر"۔

(۱۲) واخرج هو فی اوسطه والبیهقی فی شعب الایمان عن ابی هریرة قال من بنیٰ بیتا یعبد الله فیه حلالا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة من الدر والیاقوت"۔

(۱۳) واخرج ابو نعیم عن انس رضی الله تعالیٰ عنه "من بنیٰ مسجدا لله فی الدنیا یرید به وجه الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قالوا اذا نکثر یا رسول الله قال کل بناء وبال علیٰ صاحبه یوم القیمة الا مسجدا فان له به قصرا فی الجنة من لؤ لؤ"۔

(۱۴) وعن ابی امامة :"لا بنیٰ احد مسجدا لله الا بنیٰ الله له بیتا اوسع منه۔"

Marfat.com

"یعنی جو شخص مال حلال سے اللہ کے واسطے مسجد بنائے جس میں ذکر الٰہی ہوتا ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اگر چہ قطاۃ کے گھونسلے برابر یا اس سے بھی چھوٹی، (قطاۃ ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے) اللہ اس کے لئے جنت میں مثل اس کے یا اس سے وسیع تر اور افضل گھر موتی اور یاقوت سے بنائے۔ پھر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری ہی مسجد اپنی طرف سے بنائے بلکہ ہر ایک شرکت کرنے والے کو اسی قدر ثواب ہے۔ فدفع ما یتوهم ان هذا الاجر لمن بنىٰ مسجدا ولما يمكن ان يبنى رجل مسجدا ولو اصغر من اصغر من جلد الاضحية لا سيما جلود الغنم۔

بااین ہمہ اگر وساوس کسی پر غلبہ کریں تو اس کا سہل علاج یہ ہے کہ کسی متدین مسلمان کو کھال ہبہ کردے کہ وہ اسے بیچ کر تعمیر مسجد وغیرہ میں لگائے۔ وہ شخص اگر فقیر ہے جب تو اظہر ہے۔ اور اگر غنی ہے تو اسے بھی ہدیہ دینا صحیح ہے، لانه لما جاز التصرف لنفسه فجواز الهدية اولىٰ كما استدل في الهداية لجواز اطعام الغنى بقوله متىٰ جاز اكله وهو غنى جاز ان يؤكل غنيا۔

اور بعد قبول ہدیہ، شے اس کی ملک ہے جہاں چاہے صرف کرے، کسی مسکین کو دے یا کسی سید صاحب کو نذر کرے یا مردے کو کفن دے یا مسجد تعمیر کرائے یا سرائے، حوض، مدرسہ، شفا خانہ بنائے۔ رہا یہ شبہہ کہ مسجد اپنی ملک سے تعمیر کرنا چاہئے اور پوست اضحیہ اس شخص کی ملک نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے لئے روپیوں سے بیچنا یا کوئی چیز مستہلک خریدنا صحیح نہیں، حالانکہ اپنی ملک میں آدمی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ ایک تعمیر مسجد کیا، تمامی میراث وخیرات اپنی ملک سے ہی چاہئے کہ حدیث میں ہے: "لا يقبل الله صدقة من غلول ولا صلوٰة بغير طهور" رواه ابو داؤد وابن ماجه عن اسامة رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما بُنيا للمفعول والبخارى مرسلا۔

مگر یہ دعویٰ کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک نہیں۔ محض باطل وجہالت وخلاف درایت وروایت ہے۔ اگر وہ اس کی ملک نہیں تو "ويتصدق بجلدها" کے کیا معنی؟ کیا شریعت مطہرہ اس کا حکم دیتی ہے کہ پرائے مال پر یا حسین کرو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تصریحات فقہاء جو مال حرام کو صدقہ کرکے اس پر ثواب کی نیت رکھے، وہ کافر ہے۔

خلاصہ، عالمگیریہ، خزانۃ میں ہے: والفظ للاول "رجل تصدق من الحرام ويرجوا الثواب يكفر"

علاوہ بریں خود فقہاء نے تصریح فرمادی کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک میں رہتا ہے۔ اس کی ملک سے نکل نہیں جاتا ہے۔ اسی واسطے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بیچنا درست اور جائز ہے۔

ہدایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، کافی، رد المحتار میں ہے: "اما البيع فجائز لقيام الملك والقدرة على التسليم۔" اگر چہ بسبب حدوث تمول منہی عنہ مکروہ ہے۔ اور ایسی حالت میں اس ثمن کا صدقہ کرنا واجب۔ اور ہر ایک اس کام میں، جس میں تمول پایا جاتا ہو، لگانا ناجائز۔ اس لئے اجرت قصاب یا ذابح میں دینا درست نہیں۔

بدائع، عالمگیریہ، خانیہ، سراجیہ میں ہے: واللفظ للاول: "ولا (يحل) ان يعطى اجرة الجزار والذابح منها۔"

Marfat.com

اسی لئے اگر کسی غنی یا فقیر نے نذر کر لی کہ میں اللہ کے واسطے قربانی کروں گا تو اس میں سے نہ کھا سکتا ہے، نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے۔ اب اس سے مسجد نہیں تعمیر کرسکتا۔

فتاویٰ عالمگیریہ ورد المحتار میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ''ان وجبت بالنذر فليس لصاحبها ان ياكل منها شيئا ولا ان يعطى غيره من الاغنياء كان الناذر غنيا او فقيرا لان سبيلها التصدق وليس للمتصدق ان ياكل صدقته ولا ان يعطى الاغنياء كذا فى التبيين وهكذا فى النهاية۔''

اسی طرح اگر گوشت یا پوست اضحیہ سے اپنے لئے کوئی مستہلک چیز خرید لی یا روپیوں سے بیچا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لانه حصل بوجه خبيث والله طيب لا يقبل الا الطيب۔

اسی طرح اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا تو اسے مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائه لها يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية وقد سبق انه ان وجبت بالنذر الخ۔ اسی طرح اگر کسی نے میت کی طرف سے اس کے حکم سے قربانی کی تو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے: "من ضحىٰ عن الميت يصنع كما يصنع فى اضحية من التصدق والاكل والاجر للميت والملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان يامر الميت لا ياكل منها والا ياكل۔"

درمختار میں وہبانیہ سے ہے: ''وعن ميت بالامر الزم تصدقا والا فكل منها وهذا المخير اى المختار كما قدمنا عن البزازية سابقا اه شامى۔''

اسی طرح اگر قربانی کا جانور خرید کر کے چھوڑ دیا۔ ذابح پر اس کی قیمت لازم ہے۔ اس سے دوسرا جانور خرید کر ایام نحر میں قربانی کرے۔ اس کا قربانی کرنا واجب ہے۔ نہ اس میں سے خود کھا سکتا، نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا، نہ مسجد میں صرف کرسکتا ہے۔ اور اگر ایام نحر نکل گئے تو اس کی قیمت فقرا پر تصدق کرے۔

درمختار میں خانیہ سے ہے: ''شرىٰ اضحية وامر رجلا بذبحها فقال تركت التسمية عمداً لزمه قيمتها ليشترى الآمر بها اخرىٰ ويضحى ويتصدق ولا ياكل لو ايام النحر باقية والا تصدق بقيمتها علىٰ الفقراء۔'' خانية افاد العلامة الشامى فى حاشيته عليه وكذا فى الذخيرة و الخلاصة وغيرهما ونظمها ابن وهبان وابن الشحنة اه۔''

بالجملہ سوا بعض صورتوں کے، جہاں خود اپنے صرف میں لانا یا غنی کو دینا جائز نہیں، عام طور پر مطلقا بلاشبہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے۔ لانه قربة من القربات ويجوز صرفه الىٰ سائر التقربات والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وانما اطنبنا الكلام لان المقام من مزال الاقدام وتراكم الشكوك والاوهام فقد زل قدم بعض الاعلام والحمد لله العلى العلام الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لولا ان هدانا الله والصلاة والسلام علىٰ رسوله سيد الانام وعلىٰ آله وصحبه وحزبه واولياء امته وعلماء ملته اجمعين ما تقاربت الصفوف والاقدام۔

Marfat.com

مسئلہ از میرٹھ صدر بازار مرسلہ حافظ عزیز الدین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) یہ کہ چرم قربانی یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اور قیمت اور چرم کے احکام میں متولی مدرسہ کو کچھ فرق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ درصورت جواز متولی کو ضروریات مدرسہ کے واسطے چرم قربانی بیچ کر کتابیں یا فرش وغیرہ بلاتملیک خریدنا جائز ہے یا نہیں اور قیمت کا یہی حکم ہے یا نہیں؟

(۳) درصورت عدم جواز اگر متولی نے بباعث عدم علمی ایک رقم کثیر کی کتابیں حسب دستور دیگر مدارس اسلامیہ خریدی ہیں، تو اس کے لئے اپنے مواخذۂ اخروی سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟

(۴) یہ کہ مدرسہ میں تین قسم کا چندہ آتا ہے۔ مد قربانی وزکوٰۃ ودوامی اور متولی کو یہ امر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زر چندہ کو علیحدہ علیحدہ تھیلی میں رکھے۔ بلکہ وہ تفصیل اس قسم کی کہ آمد وخرچ کے کاغذات حساب میں کمی بیشی دکھاتا ہے۔ لیکن روپیہ سب ایک تھیلی میں رکھتا ہے یا خازن مدرسہ بطریق قرض دے دیتا ہے کہ مدرسہ کے حساب میں سے روپیہ مارا نہ جائے اور مسروق ہو جانے پر خازن سے وصول کرلیا جائے۔ اس کے جواز کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو مدارس تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوں، اس میں قربانی کی کھال، خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلبہ وخرید کتب وغیرہ میں صرف کی جائے، بلاشبہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کلوا وادخروا وائتجروا'' "کھاؤ اور جمع کر رکھو جس سے ثواب حاصل ہو۔ اور شک نہیں کہ اس سے مدارس دینیہ کی اعانت، قربات سے ہے اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت وپوست قربانی بیچنے کی بھی مطلقاً اجازت ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ''لایبیعہ بالدراھم لینفق علیٰ نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اھ ھکذا فی الکافی والھدایۃ والبحر والخلاصہ والسراجیۃ والخانیۃ وفتح اللّٰہ المعین۔''

متولی بلاتملیک اس سے کتابیں خرید سکتا ہے کہ اس میں مثل زکوٰۃ، تملیک فقیر شرط نہیں۔

منسک متوسط میں ہے: ''یجب التصدق بہ''۔ اس کی شرح میں ہے: "لا بکلہ ولا ببعضہ۔" اسی وجہ سے اس کے کھانے کی بھی اجازت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کلوا واطعموا وادخروا'' کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع رکھو۔ اخرجہ احمد والشیخان عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ والتفصیل بما لا مزید علیہ فی الرسالۃ المبارکۃ "المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ" لعالم اھل السنۃ مد ظلھم الاقدس واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

اگر چہ جب چند اشخاص اپنے اموال زکوٰۃ ایک شخص مثلاً زید کو بغرض ادا و تقسیم فقرا دیں اور وہ انھیں ملائے اور فقرا نے اسے اپنے لئے زکوٰۃ لینے کا وکیل نہ کیا ہو تو ان صورتوں میں زید ان اموال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اصل مالکوں نے اگر بعد خلط اسے از سرِ نو اجازت ادا بفقرا نہ دی ہو تو ان کے اموال کا تاوان دینا، زید پر لازم آتا ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جو کچھ دیا زید کی طرف سے صدقہ نافلہ ہوتا ہے۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے: ''فی الفتاوی رجلان دفع کل واحد منهما زکوٰة ماله الی رجل لیودی عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوکیل وکذا لو کان فی ید رجل اوقاف مختلفة فخلط اموال الاوقاف فاذا ضمن لا تسقط الزکوٰة عن اربابها فاذا ادیٰ صار مودیا مال نفسه کذا فی التجنیس وهکذا فی حاشیة العلامة الشلبی علیٰ التبیین وکذا فی الهندیة وخزانة المفتیین والخانیة وفتح الله المعین۔''

مگر مالکوں نے اگر اسے ملا لینے کی اجازت صراحۃً دے دی ہو، خواہ بوجہ جریان عرف... ہو تو اس صورت میں خلط بھی روا اور زکوٰۃ بھی ادا۔

ردالمحتار میں ہے: "ضمن وکان متبرعا لانه ملکه بالخلط وصار مودیا مال نفسه فی التتار خانیه الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان او وجد الاذن بالخلط کما جرت العادة بالاذن بخلط ثمن الغلات وکذلك المتولی اذا کان فی یده اوقاف مختلفة وخلط غلاته ضمن الخ۔"

اور شک نہیں کہ مدارس کا عرف عام جاری ہے کہ اموال زکوٰۃ خلط بھی کر لیتے ہیں۔ سخت معسر ہے کہ وہ چند شخص کے زکوٰۃ کا روپیہ جدا تھیلی میں رکھیں اور ایک کی زکوٰۃ دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ پس اگر اصحاب زکوٰۃ بھی اس عرف سے آگاہ ہیں تو ان کی جانب سے اذن دلالت پایا گیا اور اب خلط کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلم یہ ہے کہ جو لوگ مدز کوٰۃ میں دیں، متولی اسی وقت ان سے خلط کرنے کا اذن لے لیا کرے کہ پھر اصلا دقت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: ''یتصل بهذا العالم اذا سال للفقراء شیئا وخلط یضمن قلت ومقتضاه لو وجد العرف لیکون اذنا منه دلالة۔''

رہا خازن کو قرض دینا، اس کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگر چہ وہ بزعم خود آئندہ کے لئے احتیاط کرتا ہے۔ مگر قرض ابتداءً تبرع ہے اور اسے مال غیر میں بے اذن، تبرع حرام ہے اور یہاں اذن صریح ہرگز نہیں۔ نہ اصلا شیوع صرف ہے کہ اذن دلالۃ پایا جائے اور آئندہ میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ جب خازن کو قرض دیا گیا، وہ مالک ہو گیا۔ اپنے جس صرف میں چاہے لا سکتا ہے اور بعد صرف ممکن ہے کہ نکلنا دشوار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا روپیہ براہ راست مدرسہ میں صرف کیا جا سکتا ہے؟ یعنی مدرس کی تنخواہ میں؟ یا کتب خانہ ومدرسہ کی کتابوں میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

Marfat.com

(۲) قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک عالم نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف نہیں کرنا چاہئے''۔ بکر اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عالم حضرت مولانا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ اخبار ''روز افزوں بریلی'' میں سالہا سال ہوئے، چھپ چکا ہے کہ ''کھال قربانی کی قیمت، مسجد میں صرف ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں زید و بکر میں کس کا قول حق وصواب ہے؟ بکر کا قول حق ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۳) مثلاً ہندہ کا تعلق ناجائز زید سے ہوگیا۔ اسی سلسلہ میں ہندہ کے حمل بھی زید ہی سے قرار پا گیا۔ بعد دریافت ہونے اس بات کے یعنی حمل کے، زید کا اسی ہندہ سے نکاح کردیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا یہ نکاح جو اسی حالت میں کرویا گیا ہے، جائز ہوا یا نہیں؟ بعض لوگ برادری و پنچائت والے اِس نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور ہندہ و زید کا حقہ و پانی بند کئے ہوئے ہیں اور برادری ترک کرنے پر مصر ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں نے توبہ کرلی اور نکاح بھی ہوگیا، پھر اس سے میل جول میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بلا تاویل فتویٰ دے کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔ المستفتی محمد عبداللہ، از مین پوری۔

الجواب

(۱) زکوٰۃ و صدقۃ الفطر، صدقۂ واجبہ ہے۔ اس کے لئے تملیک ضروری ہے۔ اس لئے براہ راست مدرسہ میں صرف کرنا یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا یا قیمت کتاب ادا کرنا یا دوسری ضروریات یا کتب خانہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اور بکر دونوں کا قول مجمل ہے۔ ضرورت تفصیل کی ہے۔ مسئلہ حق یہ ہے کہ قربانی کی کھال اگر اپنے صرف میں لانے کے لئے بیچا ہے تو اس کا صدقہ کردینا ضروری ہے۔ ایسے دام کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اپنے لئے نہیں بیچا بلکہ مسجد ہی کے لئے بیچا تو اس دام کو مسجد میں صرف کرنا، ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس میں مسجد کی کھال دیں تو عین کھال دور دراز جگہ بھیجنے سے رہے۔ اس لئے متولی یا منتظم مسجد کی نیابت میں کھال بیع کردی تاکہ روپیہ مسجد کے لئے بھیجنے میں آسانی ہو۔ تو ایسے مال کو مسجد میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور میں نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ''اعلام الساجد لصرف جلود الاضحیۃ الی المساجد'' رکھا۔ اس میں پوست قربانی کے مصرف کو بہت ہی واضح طریقہ پر بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) یہ نکاح زید کا ہندہ سے جائز ہے۔ برادری و پنچائت کے لوگوں کا اس نکاح کو ناجائز خیال کرنا، غلط و خلاف شرع ہے۔ اور زید و ہندہ کا حقہ پانی بند کرنا، ان پر ظلم صریح ہے۔ وہ دونوں زن و شو ہیں۔ ان کو اس سے باز رکھنا اور اس فعل کو ناجائز قرار دینا، افتراء علی الشرع ہے۔

ھدایہ میں ہے: ''وان تزوج حبلیٰ من زناء جاز النکاح'' یعنی اگر کسی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

کتاب الحظر والاباحۃ

مسئلہ مرسلہ شیخ رحیم بخش از راولپنڈی بازار لال کرتی ۱۵ رجب ۱۳۲۴ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث ''لولاك لما خلقت الافلاك'' کس کتاب کی حدیث ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ ایجاد خلق ہیں یا نہیں؟ اور اس حدیث کی موید اور کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر اس حدیث کے ضمن میں کوئی رسالہ ہو تو روانہ فرمائیں۔

الجواب

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیق آدم علیہ السلام وعالم ہیں۔ اگر حضور نہ ہوتے تو عرش وفرش، لوح وقلم، آسمان وزمین، جنت ودوزخ، شجر وحجر، برگ وثمر، ماء ومدر کچھ نہ بنائے جاتے۔ احادیث عدیدہ متعددہ اس مضمون میں وارد ہیں۔

(حدیث اول) حاکم مستدرک اور بیہقی دلائل النبوۃ اور طبرانی کبیر میں اور ابونعیم حلیہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ''قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم:" لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب! اسئلك بحق محمدلماغفرت لی فقال الله تعالیٰ يا آدم! وكيف عرفت محمدًا ولم اخلقه بعد؟ قال يا رب! لانك ونفخت فيه من روحك، رفعت راسی فرأيت علیٰ قوائم العرش مكتوباً " لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه" فعلمت انك لم تضف لما خلقتنی بيدك الیٰ اسمك الا احب الخلق اليك فقال اللّٰه تعالیٰ صدقت يا آدم انه لاحب الخلق الیّ واذا سالتنی بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك۔"

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی، عرض کی: الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم تو نے محمد کو کیونکر پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر تو عرش کر پایوں پر لکھا دیکھا۔ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے جانا کہ تو نے اس کے ہی نام کو اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہوگا۔ رب تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے پیارا ہے اور جب تو نے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی۔ اگر محمد نہ ہوتا، تو میں تجھے نہ بناتا۔'' صححه الحاكم وقرره فی الحلية وقال السبكی فی شفاء السقام تبين لنا صحته والشهاب فی النسيم هو حديث صحيح۔

Marfat.com

(حدیث دوم) حاکم صحیح مستدرک اور ابوالشیخ طبقات الاصفہانیین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ''اوحی اللہ الیٰ عیسیٰ ان امن محمدا وأمر امتك ان یومنوا به فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار۔''

''یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی: اے عیسیٰ! تم محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ ان پر ایمان لاویں۔ اگر محمد نہ ہوتے، تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، نہ جنت ودوزخ کو بناتا''۔ صححه الحاکم والشیخ تقی الدین السبکی فی شفاء السقام وشیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ وابن حجر فی افضل القرآن۔

(حدیث ثالث) دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ''قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبرئیل فقال یا محمدا ان اللہ تعالیٰ یقول: ''لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔''

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر تم نہ ہوتے میں جنت نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا'' اشار الیٰ صحته القاری فی تذکرة الموضوعات۔

(حدیث رابع) ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ''هبط جبریل علیٰ النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال ان ربك یقول: ''لقد خلقت الدنیا واهلها لاعرفهم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ما خلقت الدنیا۔''

''یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہوکر عرض کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنی بارگاہ میں تم سے زیادہ عزت والا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ دنیا اور اہل دنیا کو، سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری جو قدر وعزت میرے حضور میں ہے، ان پر آشکارا کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ افادها کلها العلامة سیدنا الاستاذ فی فتاواہ۔

(حدیث خامس) علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''وفی روایات اخر لولاہ ما خلقت السماء والارض والطول ولا العرض ولا وضعت فیها ثواب ولا عقاب ولا خلقت الجنة ولا نارا ولا شمسا ولا قمرا''

''یعنی ان روایتوں میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں پیدا نہ کرتا آسمان اور نہ زمین اور نہ طول، نہ عرض کو اور نہ رکھا جاتا اس میں ثواب وعذاب۔ اور نہ بناتا جنت اور نہ دوزخ نہ آفتاب، نہ مہتاب کو اور اس کے سوا اس کی مؤید اس مضمون کی اور بہتیری حدیثیں ہیں، جنہیں اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب میں یعنی ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' میں ذکر فرمایا ہے اور شک نہیں کہ ائمہ دین وعلمائے شرع متین شرقاً غرباً، عجماً عرباً، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب تخلیق آدم وعالم لکھتے اور کہتے چلے آئے۔ اگر ان کے اقوال جمع کئے جائیں، ایک مبسوط

Marfat.com

کتاب ہو۔ لکن مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ فاقول و باللہ التوفیق

(قول اول) علامہ سیف الدین ابوجعفر بن عمر الحمیری الحنفی۔ "الدر التنظیم فی مولد النبی الکریم" میں فرماتے ہیں۔" ویروی انہ لما خلق اللہ تعالیٰ ادم الھمہ ان قال یا رب لم کنیتنی ابا محمد؟ قال اللہ تعالیٰ یا ادم ارفع راسک فرفع راسہ فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما ھذاالنور؟ قال نبی من ذریتک، اسمہ فی السماء احمد وفی الارض محمد۔ لولاہ ما خلقتک ولا خلقت سماء ولا ارضا۔"

"یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کو الہام کیا کہ سوال کریں کہ اے اللہ میری کنیت ابومحمد کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھا۔ پس سر اٹھایا تو حضور کا نور عرش کے پردوں میں دیکھا۔ عرض کی یا اللہ! یہ کس کا نور ہے؟ فرمایا تیری ذریت میں سے ایک نبی ہے۔ اس کا نام آسمان پر احمد ہے اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ آسمان، نہ زمین کو۔"

(قول ثانی) سیدی ابوالحسین حمدونی شاذلی اپنے قصیدہ دالیہ میں فرماتے ہیں۔

روح الوجود حیاۃ من ھو واجد لولاہ ما تمّ الوجود لمن وجد

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ہستی عالم کی جان ہیں، حیات جملہ موجودین کے سبب ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے، کسی شی کا وجود نہ ہوتا۔"

(قول ثالث) علامہ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

وکیف تدعو الیٰ الدنیا ضرورۃ من لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

"اور کیوں کر بلائے گی دنیا کی طرف ایسے کو ضرورت کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا نیستی سے نہ نکلتی یعنی پیدا نہ کی جاتی۔"

(قول رابع) علامہ شیخ ابراہیم بیجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:"ای لولا وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاستمرت الدنیا علیٰ عدمھا ولم توجد فوجودہ صلی اللہ علیہ وسلم علۃ فی وجودھا والاصل ان قال اللہ تعالیٰ لادم ولولاہ ما خلقتک فوجود آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام متوقف علیٰ وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانت الدنیا انما خلقت لاجلہ فیکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھو السبب فی وجود کل شیء۔"

"یعنی اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معدوم رہتے تو دنیا کبھی موجود نہ ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ آدم علیہ السلام تمامی بشر کے باپ ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ ہے، سب بشر کے لئے بنا ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام حضور کے سبب مخلوق ہوئے تو بلاشبہ تمامی دنیا حضور ہی کی وجہ سے بنائی گئی۔ تو حضور سبب وعلت تمامی اشیاء کے وجود کی ہیں۔

(قول خامس) علامہ خالد ازہری اس بیت کے نیچے فرماتے ہیں:"فان الدنیا ما اخرجت من العدم الیٰ

Marfat.com

الوجود الا لاجلہ"۔ "یعنی دنیا حضور ہی کی وجہ سے نیستی سے ہستی کی طرف لائی گئی۔"

(قول سادس) علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "لولا وجودہ وفضلہ وجودہ لم تظھر الدنیا من العدم الیٰ الوجود وجد فی العالم غیر الموجد موجود۔"

"یعنی اگر حضور کا فضل اور حضور کی عطا نہ ہوتی تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔ اور عالم میں سوا موجد جل جلالہ کے کوئی نہ ہوتا۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(قول سابع) علامہ معقول ومنقول، بحر العلوم والفروع والاصول، مولانا ابو العیاش عبد العلی لکھنوی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں: "لولاہ لما ظھر من اللہ الجود بافاضۃ الوجود علیٰ الحقائق"۔

"یعنی اگر حضور نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا فضل، حقائق کو وجود سے سرفراز نہ فرماتا۔"

اس حدیث کی صحت معنی پر انکار نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا وہابی لایعقل۔ رہا ملا علی قاری کا تذکرۃ الموضوعات میں موضوع فرمانا، وہ اس لفظ مخصوص کی نسبت ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ وارد نہیں کہ خود فرماتے ہیں: "لکن ھھنا صحیح"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری نے خاص اسی حدیث کی بحث میں ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جا حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟ وآنجناب کو علم غیب تھا یا نہیں؟ مفصل طور پر لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک رب العزۃ جل وعلا نے اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، عالم غیوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، اشیاء ماکان وما یکون سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، ملکوت السمٰوٰت والارض سے ہر صغیر وکبیر، ہر رطب ویابس، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا بلکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ دریائے علم سے ایک نہر اور سطور علم سے ایک سطر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "ان اللہ رفع لیَ الدنیا فانا انظر الیھا والیٰ ما ھو کائن فیھا الیٰ یوم القیامۃ کانما انظر الیٰ کفی ھذہ"۔ "بیشک اللہ عزوجل نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا تو اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو"۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر ونعیم بن حماد فی کتاب الفتن وابو نعیم فی الحلیۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رب العزۃ جل جلالہ نے شرق تا غرب، تمام دنیا اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے، سب اپنے محبوب کے پیش نظر فرمادیا کہ آن واحد میں یکساں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اور یہی معنی حاضر

Marfat.com

وناظر کے ہیں کہ سب کچھ ان کے پیش نظر ہے۔ ہرشی ان کے حضور حاضر ہے۔

علامہ بیضاوی شرح جامع صغیر میں ارقام فرماتے ہیں: "ان النفوس الزکیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت واتصلت بالملأ الاعلیٰ فلم یبق لھا حجاب فتری الکل کالمشاھد۔" ''پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے مجرد ہوتی ہیں، عروج فرما کر عالم بالا سے متصل ہوجاتی ہیں۔ ان کے آگے کوئی حجاب نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی ہیں جیسے سامنے موجود ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری قدس سرہٗ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام قاضی سے نقل کیا۔

رہا امر وہابیہ کا تقویۃ الایمان مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ کے ص ۸ س ۱۵ میں اور اس کے اتباع میں سائر وہابیہ کا یوں کہنا کہ ''ہر جگہ حاضر وناظر رہنا یہ اللہ ہی کی شان ہے'' اھ ملخصاً۔ سو یہ محض جہالت وگمراہی وگمراہ گری ہے۔ حاضر وناظر سرے سے صفات الٰہیہ سے نہیں اور نہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز، یہاں تک کہ اس کے اطلاق پر علماء کو حاجت ہوئی کہ اُس میں تاویل کر کے نفی کفر کریں۔

درمختار میں ہے: "ویا حاضر ویا ناظر لیس بکفر۔"

ردالمحتار میں ہے: "فان الحضور بمعنی العلم شائع والنظر بمعنی الرویۃ فالمعنی یا عالم یا من یریٰ۔" بزازیہ

البتہ اس کی صفتیں شہید وبصیر ہیں، جو بعطاء الٰہی خود رب العزۃ نے اپنے عباد کے لئے ثابت فرمائیں۔ قال تعالیٰ: "یَکُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْداً۔" وقال تعالیٰ: "فَجَعَلْنَاہُ سَمِیْعاً بَصِیْراً۔" اور جو صفات بعطائے الٰہی مل سکتی ہیں، اس کا اثبات شرک نہیں ہوسکتا ہے۔ ورنہ لازم کہ مولیٰ تعالیٰ اپنا شریک پیدا کرنے پر قادر ہو۔ اور یہ صریح کفر ہے بلکہ علماء کرام نے خاص اسی لفظ کی تصریح فرمائی۔

ملا علی قاری شرح شفا میں ذیل "قول ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علیکم علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" لکھتے ہیں: ''لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اھل الاسلام۔''

شیخ محقق مولانا عبدالحق دہلوی ''جامع البرکات'' میں فرماتے ہیں: ''ونبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر احوال واعمال امت مطلع ہست وبرزگان ومقربان وخاصان درگاہ خود ممد ومستفیض وحاضر وناظر ست۔''

رہا مطلق علم غیب جو متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت بلکہ سائر مومنین کو بنص قاطع قرآن شریف حاصل، جس کا انکار نہ کرے گا مگر مجنون وجاہل۔

قال تعالیٰ: "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (البقرۃ: ۲) ''بے دیکھے ایمان لائیں۔'' (کنزالایمان) ومن الظاھر ان الایمان العلم بالغیب ومعرفتہ ولو بوجہ فان المجھول المطلق مما لا یمیل الیٰ تصدیقہ واقرارہ وقد فصلت ھذہ المسئلۃ بعون اللہ یکاد ان یبلغ مائتین جزءً وصلی اللہ علی رسولہ محمد رحمۃ الکونین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ محمد طالب میلاد خواں ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب قرآن شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ آیات صریح ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک عطائی علم غیب (یعنی ان اشیاء کا علم کہ حواس ظاہری و باطنی سے پوشیدہ ہوں اور اس کے اسباب وعلامات بھی عقل میں نہ آئیں کہ عقل اسے بداہۃً یا استدلالاً جان سکے کما فی البیضاوی) نصوص قطعیہ، متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جن کا منکر نہ صرف گمراہ، بددین بلکہ کافر، منکر منصوص بالیقین ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کا منقص ہے اور منقص شان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والأخرۃ واعد لھم عذابا مھینا"۔ (الأحزاب: ۵۷) "بیشک جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، پھٹکار دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب مہیا کر دیا۔

امام قاضی عیاض مالکی یحصبی اپنی کتاب مستطاب "الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ" قسم رابع باب اول ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں: "اعلم وفقنا اللہ وایاک أن جمیع من سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ فھو سابّ لہ والحکم فیہ حکم السابّ بقتل وھذا اجماع من العلماء وائمۃ الفتویٰ من لدن الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین الیّ ھلمّ جرّاً۔"

(نص اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ" (آل عمران: ٤٤ / یوسف: ۱۰۲) "یہ غیب کا بتلانا ہے جو ہم وحی کرتے ہیں طرف آپ کے"

(نص دوم) مولیٰ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ۔" (آل عمران: ۱۷۹)

"اللہ وہ نہیں ہے جو تمہیں اے عام لوگو! اپنے غیب پر مطلع کر دے لیکن اللہ چنتا ہے اس کے لئے اپنے رسولوں سے جسے چاہے"۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التفسیر الیمنی۔

(نص سوم) رب العزۃ جل جلالہ فرماتا ہے: "وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ‌ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا"۔ (النساء: ۱۱۳) "اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ غیب وشہادت کی باتیں نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے"۔

(نص چہارم) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ"۔ (الجن: ۲۶) "غیب کا جاننے والا تو خدا ہے۔ مطلع نہیں فرماتا مگر جسے چن لے اپنی رسالت کے لئے، اسے مسلط فرما دیتا ہے۔

Marfat.com

(نص پنجم) باری تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ''۔ (التکویر: ٢٤) ''اورنہیں ہے وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل''۔

توجب علم غیب ہے ہی نہیں تو پھر بخل وسخا کے کیا معنی ہیں۔ وغیرها من الأیات الکثیرة التی ذکرت جلها فی رسالة مستقلة فی هذا الباب۔ والله اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مرادآباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی نعیم الدین صاحب ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

فخر العلماء، وارث الانبیاء، ناصر دین متین، جناب مولانا صاحب ادام اللہ ظلالکم!

بعد از ادائے سلام مسنون عرض یہ ہے کہ علم نبی کریم کو ازلی وابدی کہنا، درست ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ کسی صفت کو کسی مخلوق کی ازلی کہنا ممنوع ہے۔ ابدی کہنا البتہ حق ودرست ہے کہ بتصریح علمائے دین، تمامی صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی علیٰ حالھا بلکہ ترقی پذیر ہیں۔ قال تعالیٰ: ''وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔'' (الضحیٰ: ٤) ''اور بے شک پچھلی تمہاری پہلی سے بہتر ہے'' (کنز الایمان) اسی طرح ازلی کہنا بھی اگرچہ ایک معنی کر درست ہے کہ ازلی زمانہ مدید ممتد فی سبیل الماضی کو بھی کہتے ہیں۔ تاہم اس سے احتراز لازم بما فیه من ابطال التوحید۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذات الٰہی اور اس کی صفات کا ہے، جو ہر آن ترقی پر ہے، نہ اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کو باحاطہ تامہ جان لیا، یہ محال ہے۔ کما هو المشهور وفی الکتب مسطور صرح به الاکابر الصدور۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

تمامی مسلمانان اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ حضرت رب العزت جل جلالہٗ نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین یعنی بدء خلق سے الیٰ یوم القیامۃ جو کچھ ہوگا، سب بتلا دیا۔ اور وہابیہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے لئے اسی حدیث سوال جبرئیل سے استدلال لاتے ہیں۔ اگر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ نے جس طرح اور سوالوں کا جواب دیا، اس کا بھی جواب دیدیتے اور اگرچہ آپ نے صراحۃً لا اعلم نہ فرمایا، لیکن اسے ٹال دیا اور ایک آیت شریفہ پڑھی، جس سے مطابقۃً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔

الجواب

اولاً ''متیٰ الساعة'' کے جواب میں ''ماالمسئول عنها اعلم من السائل'' فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں

Marfat.com

نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ''لا اعلم'' فرماتے۔ پس جاننا چاہئے کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا، اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئول عنہ جانتا نہیں ہے۔ دیکھو کہ جس وقت رب العزۃ جل جلالہ سے سوال اھلّۃ'' کا ہوا تو اس کا جواب ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ'' الآیۃ (البقرۃ: ۱۸۹) ''وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے'' (کنز الایمان) ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ اس سوال کا ہرگز جواب نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سوال ان کا محض بے کار تھا، اس لئے جواب وہ عنایت ہوا جس سے ان کو فائدہ پہنچے۔ علیٰ ھذا القیاس یہاں پر بھی وہی ہے جیسا کہ بمضمون حدیث الحدیث بعضھا بیان للبعض۔ دوسرے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اگر اس کے لئے سامان مہیا کیا ہے تو تمہیں کیا غم؟ جب چاہے، ہو اور اگر تم نے سامان نہیں مہیا کیا تو اس کے بارے میں پوچھنے کا کیا فائدہ؟ پوچھنا عبث ہے۔

ثانیاً آپ کا نہ بتانا میرے دعویٰ کو ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ میں نے کب دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائشی علم غیب ہے، جو کسی وقت کے عدم جواب دہی سے میرا قول ٹوٹ جائے۔ بلکہ حسب مضمون ''نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' (النحل: ۸۹) ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے'' (کنز الایمان) آپ کا علم روز بروز ترقی قبول کرتے کرتے جس وقت کہ نزول، قرآن پاک کا پورا ہوا تو آپ کا علم بھی پورا ہوگیا۔ لیکن یہ معنی نہیں کہ آپ کے علم میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ غایت کو پہنچ گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمیع مکتوبات لوح محفوظ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس کو آپ نے ذرہ ذرہ جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص اعتراض کرے لا یعلمھن صیغہ مضارع کا ہے، جس کے معنی حال واستقبال کے آتے ہیں۔ قد لا یعلمھن نہ کہا، جس سے صرف زمانہ حال مراد لے کر تعارض وتناقض دفع کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے زمانہ استقبال مراد لیا جائے اور معنی یہ ہوں کہ ان چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، تو سخت خرابی لازم آئے گی۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو اعظم وارفع ہے، ان کے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت منجملہ وصایا کے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارے دو بھائی اور دو بہنوں کے لئے ہے، وہ متحیر ہوئیں کہ دو بھائی تو البتہ ہیں، لیکن دو بہنیں کون ہیں؟ انہوں نے اپنی بیوی کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے حمل ہے، جس سے لڑکی پیدا ہوگی۔ حالانکہ یہ خلاف تخصیص ''وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ'' (لقمان: ۳۴) اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے''۔ (کنز الایمان) کے ہے۔ دیکھئے وہ صدیق تھے، نہ جادوگر، نہ مسمریزم جاننے والے، یا لاف گو، یا نجومی تو جب حضرت ابوبکر نے جان لیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے میں کیا استحالہ ہے؟ تو اب معنی حال ہی کے کہیں گے ورنہ کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جمیع آیات کلام مجید راست وحق ہے۔ ہم کو سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کی وجہ سے اہلسنت مسئلہ حق پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

(سوال دستیاب نہ ہوسکا-۱۲ساحل)

۱- حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن ہلکا کر دیا گیا تو اپنے گھوڑے کے کسنے کے متعلق حکم فرماتے اور یہ قرآن شریف (زبور) پڑھنا شروع کرتے تھے اور قبل اس کے کہ سواری کس کر تیار ہو آپ ختم فرما لیتے۔رواہ الامام احمد والبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کس کر آتی۔آپ بایاں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور صاف صاف،درستی الفاظ وفہم معنی کے ساتھ قران پڑھتے اور داہنا قدم رکاب تک پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ پورا ختم فرما چکتے۔ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔

۳- حضرت......امیر المومنین رضی اللہ عنہ ملتزم کے قریب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور باب کعبہ تک نہ پہنچتے کہ پورا ختم فرما دیتے ذکرہ الشیخ المحقق الدھلوی فی اشعۃ اللمعات۔

۴- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ خبر اس کی ملی ہے جس نے رات دن میں آٹھ ختم کئے چار دن میں چار رات میں۔

۵- امام نووی کا یہ قول نقل کر کے امام عینی فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک حافظ کو دیکھا جس نے شب قدر کی وتر کی ہر رکعت میں ایک ایک ختم کر کے تین ختم کیا۔ذکرہ فی عمدۃ القاری۔

۶- امام قسطلانی نووی کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ۸۶۷ھ میں بیت المقدس میں ابو طاھر کو دیکھا اور ان سے سنا کہ وہ رات دن میں دس ختم سے زیادہ کرتے ہیں۔ ذکرہ فی ارشاد الساری۔

۷- یہی علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف رات دن میں پندرہ ختم کرتے تھے۔ ذکرہ عبد الغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔

۸- ارشاد میں ہے کہ نجم الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک ختم قرآن ایک چکر اور سات ختم سات میں کیا۔ذکرہ ایضا النابلسی قدسنا بسرّہ القدسی

۹- مجھے بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب وعشاء کے درمیان دو ختم قرآن شریف کیا۔ ذکرہ ایضا فی الحدیقۃ۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مقام پونی ضلع جھنڈارہ ممالک متوسطہ مرسلہ حافظ عبد الحکیم وغیرہ محرم ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب سلمہ تعالیٰ!

بعد آداب قدمبوسی کے واضح ہو کہ عرض خدمت میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت پیر مولانا عبد اللہ مسولی کے مرید ہوئے ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ فرض نماز کے بعد بتلایا ہے۔ہم لوگ ضرب لگایا کرتے تھے اور ہیں۔تو یہاں پر الٰہ

Marfat.com

بخش صاحب مولوی تشریف لائے۔ تو انہوں نے بھی اپنے مرید کئے اور فرماتے ہیں کہ ضرب مارنا منع ہے۔ اور ہم لوگوں کو نصیحت کر کے مسجد میں ذکر بند کرادیئے ہیں اور اپنے مریدوں کو سکھادیئے ہیں کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ فقط ضرب مارنے کے سبب سے ہم لوگ وہابی کہلاتے ہیں۔ ہم اگر ذرا بولیں تو وہ لوگ مارتے ہیں۔ ہم لوگوں کا بازار وغیرہ جانا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وسیلہ جان کر برائے خدا ہم لوگوں پر رحم کریئے اور اس آفت سے بچایئے۔ آپ حضرات عالم دین ہو، حق ناحق جانتے ہو، سچ جان کر لا الہ الا اللہ ضرب مارنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو لکھئے اور بڑی بڑی آفتوں میں ہم لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم لوگ آپ کے بھروسہ پر ہیں۔ ہم لوگوں کو بتایئے ضرب لگانا بعد نماز فرض کے تین مرتبہ قرآن شریف وحدیث شریف میں کوئی آیت ہے کہ نہیں۔ اس کو تار سمجھ کر بہت جلد ہم کو فتویٰ روانہ فرمائیں اور قرآن شریف میں کون سی آیت ہے، وہ بھی ہم کو لکھئے۔ لوگ بولتے ہیں، کہ ذکر جلی کے واسطے قرآن شریف میں کوئی آیت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

الجواب

ذکر رب العزۃ جل جلالہ ہر حال وہر وقت، موجب نزول رحمت رب العلمین وباعث اطمینان قلوب مسلمین ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔'' (الرعد: ۲۸) ''سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔

رہا ذکر خفی یا جلی۔ احادیث کثیرہ دونوں کی موید اور فقہا کا ذکر جلی کو مکروہ لکھنا خلاف مصلحت ہے یا لزوم مضرت کے ساتھ مقید اور یہی وجہ تطبیق، تبیین الاحادیث ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے: ''جاء فی الحدیث ما اقتضیٰ طلب الجهر وهناك احاديث اقتضت طلب الاسرار والجمع بينهما ان ذلك يختلف باختلاف الاقوال والاشخاص كما جمع بين الاحاديث الدالة علىٰ طلب الجهر بالقراة والدالة علىٰ الاسرار فحيث خيف الرياء او تاذى المصلين او النيام فالاخفاء افضل وعليه يحمل خير الذكر الخفى والجهر افضل حيث خلا عما ذكر لانه اكثر عملا وتتادى فائدته للسامعين ويوخذ قلب الذاكر۔''

علاوہ احادیث قولیہ ذکر جلی، خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت۔ صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی: ''قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم من صلاته يقول بصوته الاعلىٰ :''لا اله الا الله وحدهٗ لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شيء قدير'' ذكره فى المشكوٰة۔

شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''ایں حدیث صریح است در جہر بذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند می خواند۔ اما بعضے گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود، اما افضل اخفا است۔ (الیٰ قولہ) حق آنست کہ اوقات مختلف است۔ گاہے ذوق حضور در اخفاء دست دہد وگاہے در جہر شوق افزاید۔ اما جہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔

Marfat.com

فاضل نامی علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی "اجمع العلماء سلفا و خلفا استحباب الجہر جماعۃ فی المساجد و غیرھا من غیر نکیر الا ان یشوش جہرہم علیٰ نائم او مصل او قاری کما ھو مقرر فی الکتب الفقہیۃ اھ۔"

پس جب معلوم ہوا ذکر بالجہر مثل ذکر خفی مشروع اور سلفا و خلفا اس کے استحباب پر اجماع منقول۔ تو اس سے منع کرنا ہرگز نا جائز ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ جبروتی حکم وہابیت لگانا، مسائل اختلافیہ میں حکم بحرمت قطعیہ کا بھی محل نہیں، چہ جائے کہ ضلالت و وہابیت بفرض باطل، اگر ذکر جلی مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شناعت اس سے ہزار درجہ سخت و بدتر ہے۔ یہ دقائق تدلیس و تلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نہی عن المنکر کے پردہ میں اشعر و انکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جالندھرا مستفتی محمد احمد خاں محلہ راستہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر نے اپنی عاقبت کی بہبودی، حصول محبت الٰہیہ، تزکیہ نفس اور منازل سلوک کے طے کرنے کے واسطے ایک شیخ کامل و مکمل عامل شریعت و واقف طریقت سے بیعت کر لی ہے اور اسی بیعت پر اسے کچھ عرصہ گزر گیا ہے۔ یہ شخص دن بھر اپنے معاش کا کام کرتا ہے اور رات کے وقت صرف دو گھنٹے حسب طریق نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہوتا ہے اور فیضان باطنی حاصل کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت پرہیزگار و تہجد خواں وغیرہ بنسبت سابقہ ہو گیا ہے، نیز اس عرصہ میں اس کے دو مقام بھی ذکر سے جاری ہو گئے ہیں۔ مگر اس کا باپ جس پر حرص دنیاوی، جہالت اور ضد غالب ہے، اس لڑکے کو اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اس شخص کے باپ نے اس کو کئی دفعہ زدوکوب بھی کیا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ چونکہ اس شخص پر محبت الٰہیہ کا اثر جو دامن گیر ہو رہا تھا اور مرشد کی تعلیم ظاہری و باطنی گھر کر گئی تھی، اس نے باپ کے سامنے کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑے استقلال اور بردباری سے مار کھا رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا، اس لئے کہ وہاں جانے سے محبت الٰہیہ بڑھتی ہے۔ اگر نہیں جاتا تو محبت الٰہیہ کی پرہوتی نظر آتی ہے۔ صوم وصلوۃ و دیگر احکامات شرعیہ میں سستی وارد ہوتی ہے۔

(۱) اس حدیث سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر فرض ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ حدیث یہ ہے: "عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ و الناس اجمعین"

(۲) حقوق اللہ، حقوق عباد پر غالب ہیں یا نہیں؟

(۳) یہ شخص جو باپ کو ناراض کر کے واسطے حصول محبت الٰہیہ اور طے کرنے منازل سلوک کے، مرشد کے پاس

Marfat.com

جاتا ہے۔ آیا یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

(۴) اس طرح عبادت کرنے سے اس کی عبادت قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

(۵) محبت الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح باپ کی ناراضگی میں مرشد کے پاس جانا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟

(۶) اس کا باپ اس طرف سے روکنے میں خطا پر ہے یا نہیں؟ اور ایک نقل مکتوب مقدس حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس مسئلے کے متعلق استفتاء کے ساتھ علیحدہ شامل کی جاتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرمالیویں۔ اس کا جواب مدلل طور پر بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت ارقام فرما کر بہت جلد ارسال فرماویں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ پندرہ روز کو ایک علمائے کرام کے جلسہ میں پیش ہونا ہے اور اس میں جس قدر علمائے کرام کے دستخط ومواہیر ثبت ہوں گی، بندہ آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوگا۔ فقط

الجواب

(۱) اللہ ورسول جل وجلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد پر ابوین کے اس قدر حقوق رکھے ہیں کہ حد تحریر واحاطۂ تقریر سے باہر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: " وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا(الاحقاف : ۱۵) "اور ہم نے تقید کی آدمی کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی" وقال تعالیٰ :" وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان : ۱۴) "تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں، پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر اور اس کا دودھ چھٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ وقال تعالی :"وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا(الاسراء : ۲۳) حکم فرمایا تیرے رب نے سوا اس کے کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

وقال تعالی: "فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔(الاسراء: ۲۳، ۲۴) "اور والدین کو "ہوں" نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ اور ان کے لئے نرم دلی سے ذلت کا بازو بچھا اور یوں عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا"

آیہ شریفہ میں اگرچہ اف کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر دلالۃ النص سے ان تمام باتوں سے، جو ان کو ناگوار اور ان کے مزاج کے خلاف ہوں، ممانعت ثابت ہے۔ فقد اخرج ابن ابی حاتم عن السدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الآیۃ قال:" لاتقل لھما اف مما سواہ" واخرج الدیلمی عن انس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا:" لو علم اللہ شیأمن الحقوق ادنیٰ من اف لحرمہ۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے: "وبھذا النھی یفھم النھی عن سائر مایوذیھما بدلالۃ النص۔"

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "افضل الاعمال الصلوٰۃ لوقتھا و بر الوالدین"۔ ''حقوق اللہ میں سب سے بہتر وقت پر نماز پڑھنا اور حقوق العباد میں سب سے افضل والدین کی ساتھ نیک برتاؤ کرنا ہے'' رواہ مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والخطیب فی التاریخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزاد الجھاد فی سبیل اللہ ۔

دوسری حدیث میں ہے:''بر الوالدین افضل من الصلوٰۃ والصدقۃ والصوم والحج والعمرۃ والجھاد فی سبیل اللہ''۔ ''والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، نماز، زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور عمرہ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سب سے بہتر ہے۔ذکرہ الامام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی احیاء علوم الدین۔

تیسری حدیث میں ہے:''رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد''۔ ''اللہ کی خوشنودی، باپ کی رضامندی اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناخوشی میں ہے۔رواہ الترمذی والحاکم عن ابن عمرو بن العاص والبزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنھم والبخاری فی ادب المفرد عن ابنہ رضی اللہ تعالیٰ عنھماولفظہ "رضاء اللہ" واخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ "رضا الرب فی رضا الوالدین وسخطہ فی سخطھما" والحاکم وصححہ والبیھقی عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظھما "رضا اللہ فی رضا الوالدین"

چوتھی حدیث میں ہے:''ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! حق والدین کا اولاد پر کیا ہے؟ فرمایا: "جنتك ونارك" وہ دونوں تیری جنت ودوزخ ہیں۔یعنی اگر تو ان کی فرمانبرداری کرے تو وہ تیرے لئے جنت ہیں اور انہیں ناراض رکھے تو وہی تیرے لئے دوزخ ہیں۔رواہ ابن ماجۃ عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پانچویں حدیث میں ہے:''الجنۃ تحت اقدام الامھات''۔ "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے''۔ رواہ مسلم عن نعمان ابن بشیر والخطیب فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ ولقد احسن واجاد من قال و افاد ؎

جنت کہ رضائے مادر آنست　　اندر تہ پائے مادر آنست
روزی بکن ای خدائے مارا　　چیز یکہ رضاے مادر آنست

وغیرھا من الاحادیث الکثیرہ الصحیحۃ المشھیرۃ۔

پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کی اجازت مانگی، ارشاد فرمایا؟ تیرے ابوین زندہ ہیں؟ عرض کی ہاں! ارشاد ہوا'' فیھما فجاھدا''۔ تو تو انہیں میں جہاد کر یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کر کہ تیرے لئے جہاد کے قائم مقام ہے۔رواہ الامام احمد فی مسندہ والشیخان فی صحیحھما وابوداؤد والترمذی والنسائی وعبد الرزاق

Marfat.com

وابن ابی شیبة عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ''ایک صحابی یمنی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب جہاد کا ارادہ کیا۔ ارشاد ہوا، تیرے ماں باپ نے اجازت دی؟ عرض کی نہیں! فرمایا: ''فارجع الی ابویك فاستأذنهما فان فعلا فجاهد والا خبرهما فان ذالك افضل مماتلقیٰ الله به بعد التوحید''۔ ''لوٹ اپنے ماں باپ کی طرف اور ان سے اجازت مانگ۔ اگر اجازت دیں تو جہاد کر ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ یہ بعد توحید وایمان سب اعمال سے افضل ہے۔رواہ الامام احمد و ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ''ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور ہجرت پر بیعت چاہی اور کہا کہ ماں باپ کو رولا کر آیا ہوں۔فقال: ''ارجع واضحکهما کما ابکیتهما''۔ ''لوٹ جا ان کے پاس اور انہیں ہنسا دے جیسا کہ رولایا ہے''۔رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجة وعبد الرزاق فی المصنف والبخاری فی الادب المفرد والبیهقی فی شعب الایمان والحاکم عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وقال صحیح الاسناد۔

چوتھی حدیث میں ہے: ''حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں جانے کے بارے میں رائے اقدس دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ''فالزمها فان الجنة عند رجلیها''۔ اسی کی خدمت میں لگا رہ کہ یقینی جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔رواہ النسائی وابن ماجة والحاکم من حدیث معاویة بن جاهمه وقال صحیح الاسناد۔

پانچویں حدیث میں: '' بر الوالدین یجزی عن الجهاد'' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا جہاد سے کفایت کرتا ہے۔رواہ ابن ابی شیبه رضی الله تعالیٰ عنهما

پس جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْراً عَظِيْمًا درَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً''۔ ''اور بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے اپنے پاس کے درجوں اور بخشش اور مہربانی میں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لغزوة فی سبیل الله احب الیّ من اربعین حجة''۔ ''البتہ ایک مرتبہ جہاد کرنا مجھے محبوب ہے چالیس حج سے'' رواہ عبد الجبار الخولانی فی تاریخ راویا عن مکحول مرسلا۔

باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دیجائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ''من اصبح مرضیا لابویه اصبح له بابان مفتوحان الی الجنة وكذلك من امسیٰ مثل ذلك وان كان واحدا فواحدوان ظلما وان ظلما۔''

Marfat.com

"جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اپنے ماں باپ کی رضا چاہتا ہے، اس کے واسطے دو دروازے جنت کے کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص شام کرے اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہے تو ایک دروازہ جنت کا کھلا نے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔ اور جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ ماں باپ کو ناراض کرنے والا ہے، اس کے لئے دروازے جہنم کے کھلے ہیں۔ اور اگر ایک ناراض کیا تو ایک اور ایسا ہی جو شام کرے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔" رواه ابن شيبه والبيهقي في شعب الايمان وابن عساكر في التاريخ والديلمي في الافراد ونحوه للبخاري في الادب المفرد وابن النجار عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما وللدار قطني من حديث زيد ابن ارقم رضي الله تعالىٰ عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: "لايدخل الجنة منان ولا عاق ولامدمن خمر"۔ "جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور ماں باپ کو ایذا دینے والا اور شرابی۔ رواه النسائي والدارمي عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعا۔

تیسری حدیث میں ہے: "لايدخل عاق ولا ولد زنا ولامدمن خمر ولامنان"۔ "جنت میں والدین کو ستانے والا نہ جائے گا اور نہ حرامی اور نہ شرابی، نہ دے کر احسان جتانیوالا"۔ رواه ابن ابي شيبه والبخاري والحاكم والبيهقي عن ابي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعا[2]۔

چوتھی حدیث میں ہے: "لايدخل الجنة عاق والديه ولا منان ولا ولد زنية ولا مدمن خمر ولا قاطع رحم ولا من اتى ذات رحم"۔ "جنت میں نہ جائیگا ماں باپ کو ایذا پہونچانے والا، نہ احسان جتانے والا، نہ ولد الحرام، نہ شراب نوش، نہ تفرقہ ڈالنے والا اور نہ خاندانی محرمات سے زنا کرنے والا۔ رواه ابن ابي شيبه وعبد الرزاق والنسائي والبيهقي عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما۔

پانچویں حدیث میں ہے: "ان الجنة يوجد ريحها من مسيره خمس ماة عام ولايجد ريحها عاق"۔ "یقینی جنت کی ہوا پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی بو نہ پائے گا والدین کو ناراض کرنے والا۔ رواه الطبراني في الصغير من حديث ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه وفي الاوسط من حديث جابر رضي الله تعالىٰ عنه وفيه من مسيرة الف"۔

"یعنی جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔"

اور محرومی کو یہی کیا کم ہے، پانچ سو برس کی راہ جنت سے دور ہے۔ سوا معصیت کے تمامی باتوں میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ جس بات سے ایذا ہو اس کا کرنا حرام۔

امام خاتمۃ المجتہدین علامہ تقی الدین سبکی پھر علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "عقوق، والدین کی ایذا رسانی ہے، جس قسم سے ہو تھوڑی ہو یا بہت، وہ منع کریں یا نہ، اور ان کے اوامر ونواہی کی مخالفت ہے

Marfat.com

بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو"۔العقوق ایذائهما بای نوع كان من انواع الاذیٰ قل او كثر نهيا عنه او لم ينهيا او يخالفهما فيما يامران او ينهيان بشرط انتفاء المعصية في الكل"۔ بلکہ انہیں علامہ نے امام ابوبکر طوسی مالکی سے نقل فرمایا کہ ایک یا دومرتبہ سنت مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو ان کی فرمانبرداری چاہئے۔واخرج عبد الرزاق في المصنف عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه انه سئل مابر الوالدين؟ قال:" تبذل لهما ما ملكت وان تطيعهما فيما امراك به الاان يكون معصية۔" "حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، بروالدین کیا ہے؟ فرمایا:اپنی سب ملک کا انہیں مالک جان اور سوا معصیت جس کام کے لئے حکم کریں، بجالا۔

بیہقی کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:"وان امراك ان تخرج من كل شئ فاخرج"۔ "اور اگر وہ تجھے حکم کریں کہ اپنی سب چیزیں چھوڑ کر نکل جاتو تو نکل جا۔"

صرف استقلال وبردباری سے مار کھالینا اور زبان سے اف تک نہ کرنا، اسے بارّ (فرمانبردار) نہیں کرسکتا۔ جب صاف صاف باپ کے قول کے خلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باپ کہتا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔روزانہ دو گھنٹے کے لئے چل دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:" مابرّ اباه من حدّ اليه الطرف"۔ "جو شخص اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے،اس نے برنہیں کیا" رواه ابن مردويه والبيهقي في شعب الايمان عن ام المؤمنين الصديقه رضی اللہ تعالیٰ عنها۔

یہ حدیث قدسی نہیں بلکہ حدیث میں محبت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے کہ محبت محمدی جب تک سب سے غالب نہ ہو ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا۔ چاہے باپ ہو یا اولاد یا کوئی، جس سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا والدین کی رضا سے ثابت ہو۔ اگرچہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی فرضیت، رسول اللہ وحبیب اللہ ہونے کی وجہ سے ہے ﷺ۔مگر جس محبت کا حدیث میں ذکر ہے، وہ باپ کو ناراض کرکے رات کو دو گھنٹے حسب طریقہ نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقے میں شامل ہونے سے نہیں ہوتی۔وہ تو ایک نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مسلمان کے قلب میں ڈالدیتا ہے جس کی وجہ تمامی کائنات ایک پلہ میں اور دامن اقدس ایک پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو یہی پلہ غالب ہو۔ اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ والدین کو ہرگز ناراض نہ کرے کہ وہ اس محبت جلیلہ کی کمی پر دال ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے،اس کو کسی کی حاجت نہیں اور عباد محتاج ہیں۔اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ حق اللہ اور حق العباد میں حق العباد مقدم ہے۔درمنتقی پھر درمختار میں ہے:"دين العباد يقدم لو اجتمع مع دين الله لانه تعالیٰ هو الغنی و نحن الفقراء"۔ "اگر جمع ہوں حق اللہ اور حق العباد تو بوجہ فقر عباد کے بندوں کا حق مقدم ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:"اذااجتمع الحقان قدم حق العبد لا حتياجه علیٰ حق الله تعالیٰ لغنائه"۔

Marfat.com

غمز العیون والبصائر میں ہے فتاوی ولوالجیہ اوراس میں فتاوی صدر الشہید سے ہے: ''اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد وذلك كما لو وجد صيدا ومال انسان يذبح الصيد ولا ياخذ مال المسلم لانهما استو يا في الحرمة الا ان الصيد حرام حقالله تعالیٰ ومال المسلم حرام حقا للعبد فكان الترجيح لحق العبد لحاجة اليه۔''

(۳-۴) یہ شخص ضرور گنہ گار ہے۔ اسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل واشغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔

(۵) کسی کی عبادت قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا، اللہ کی مرضی ہے۔ اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے۔ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے کہ جو اس کی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ مگر والدین کی ناراضی میں ہرگز اس کی رضا نہیں۔

(۶) محبت الٰہی فرض اہم ایمان بلکہ رکن ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے نہ رضائے والدین کام دے، نہ کوئی دوسرا عمل۔ قال اللہ تعالیٰ: ''وَ قَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا(الفرقان: ۲۳)۔ ''اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا''۔ (کنزالایمان)

وقال تعالیٰ: ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ ''(آل عمران: ۲۲) ''یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے''۔ (کنزالایمان)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لا يقبل عمل بلا ايمان''۔ ''اللہ تعالیٰ کوئی عمل بے ایمان کے قبول نہیں فرماتا'' رواه الطبراني عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه باسناد حسن اس لئے اس شخص کو سلوک کی تحصیل کے لئے باپ کو ایذا دے کر مرشد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ كما قدمنا

(۷) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر وفکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے۔ کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔ حضرت مجدد کے مکتوب کا بھی خلاصہ یہی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ آیات واحادیث اس سے پہلے ذکر ہو چکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ محمد بخش صاحب جنوب گنج پیربھی ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ

علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص ہندو بظاہر ہے مگر عقائد بہت اچھے ہیں۔ یعنی نماز مثل مسلمانوں کے

Marfat.com

ادا کرتا ہے۔اب اس کو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ ہوا ہے۔اس حالت میں روزہ اس کا کیسا ہے؟ اور نیت اس کی مسلمان ہونے کے لئے ہے مگر ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور کلام مجید پڑھانے والے کے لئے باعث ثواب ہے یا معصیت یا کیا؟ ہندوؤں کی جتنی بدعت ہوتی ہیں، وہ سب ترک ہے۔محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرانا اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دینا اور کلام مجید میں ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہندو کہ بلا اکراہ مذہب اسلام ظاہر نہ کرے، اسی کفر پر بجمار ہے، اگر چہ ہندوؤں کی بدعتیں چھوڑ دے، فاتحہ امام حسین وغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرے، قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ رکھے بلکہ پڑھے، لیکن جب تک علی الاعلان اپنا اسلام ظاہر نہ کرے، ہرگز مسلمان نہیں۔لیکن اگر کسی سخت مجبوری واکراہ شرعی کے سبب ظاہر نہ کرے اور دل اس کا ایمان پر مستقیم ہو تو مضائقہ نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ ۔" (النحل: ۱۰۶) "سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو"۔(کنز الایمان)

مگر مال کا جانا یا باپ، ماں، عورت، اولاد کا چھوٹنا، اپنی قوم سے، برادری سے نکالا جانا، کوئی وجہ شرعی نہیں۔اسے قرآن مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امید ثواب ہے۔شاید اللہ تعالیٰ اسے اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے: "الحربی او الذمی اذا طلب تعلیم القرآن یعلم و کذا اذا طلب تعلیم الفقه رجاء ان یهتدی الی الحق لکنه یمنع عن المصحف مالم یغتسل هكذا فی الصغیری ۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے: "واذا قال الكافر لمسلم علمنى القران فلا باس بان يعلّمه لكن لا يمسّ المصحف وان اغتسل او مسّه لا باس به ۔"

"یعنی اگر کوئی کافر حربی یا ذمی مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کر دے لیکن بغیر غسل قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں"۔واللہ تعالیٰ اعلم۔اصاب من اجاب کتبہ فقیر غلام محمد بہاری۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، بیتھو شریف ضلع گیا ڈاک خانہ چاکند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

عَلَم میں لفظ محمد اور احمد دونوں شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ظہور احمد، محمد عنایت احمد کیسا ہے؟

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

فان لی ذمۃ منہ بتسمیتی   محمدا وھو اوفی الخلق بالذمم

اور محمد اور احمد دونوں نام پاک ہیں اور دونوں کا جمع بھی جائز ہے کہ مجموعہ حسن اور حسین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از بیتھو شریف ضلع گیا ڈاکخانہ کند ۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم رویاء میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

جائز و صحیح و مقبول ہے۔ حضرت شاہ ابو بکر بن ہوار رضی اللہ عنہ کا سلسلہ منامیہ صدیقیہ عالم رویاء ہی میں بیعت سے ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! خرقہ عنایت ہو؟ فرمایا: ''اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تیرے شیخ ہیں''۔ پھر فرمایا: ''اے ابو بکر! اپنے ہمنام ابو بکر بن ہوار کو خرقہ عنایت کرو''۔ صدیق اکبر نے خرقہ و کلاہ عنایت فرمایا۔ جب بیدار ہوئے کلاہ مبارک سر پر رکھی دیکھی اور خرقہ پہنے پایا۔

شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی شافعی اپنی کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں ارقام فرماتے ہیں: "اخبرنا قاضی القضاۃ، شیخ الشیوخ، شمس الدین، ابو محمد عبد اللہ محمد المقدسی قال سمعت الاشیاخ الثلثۃ الشیخ العارف ابا الحسن علی بن سلیمان البغدادی المعروف بالخباز و الشیخ الصالح ابا زکریا یحییٰ بن یوسف ابن یحییٰ الصرصری و الشیخ العالم کمال الدین ابالحسن علی بن محمد بن محمد بن وضاح الشهربانی قالوا سمعنا الشیخ الجلیل ابا محمد علی بن ادریس الیعقوبی یقول سمعت شیخنا الشیخ علی ابن الهیتی رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا تاج العارفین ابا الوفا رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا الشیخ ابا محمد الشنبکی یقول شیخنا کان الشیخ ابو بکر بن ھوار رضی اللہ عنہ شاطرا یقطع الطریق بالبطائح ومعہ رفقاء و کان مقدمھم و کانوا یجلسون علیٰ تلک المعابر یقتسمون اموال الناس فسمع لیلۃ امرءۃ تقول لزوجھا:" انزل ھھنا لئلا یاخذنا ابن ھوار واصحابہ" فاتعظ و بکیٰ وقال:" الناس یخافوننی وانا لا اخاف اللہ تعالی" وتاب فی وقتہ ذلک وتاب معہ اصحابہ وانقطع مکانہ متوجھا الیٰ ربہ عزوجل علیٰ قدم الصدق والاخلاص فی ارادتہ ووقع عندہ ان یسلم نفسہ الیٰ من یوصلہ الیٰ ربہ تعالیٰ ولم یکن بالعراق یومئذ شیخ مشھور من اھل الطریق فرأی فی منامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فقال لہ یا رسول اللہ البسنی خرقۃ فقال لہ یا ابن ھوار! انا نبیک وھذا شیخک واشار الیٰ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم قال یا ابا بکر البس سمیٰک ابن ھوار کما امرت فالبسہ الصدیق رضی اللہ عنہ ثوبا وطاقیۃ ومرّ بیدہ علیٰ راسہ ومسح علیٰ ناصیتہ وقال

Marfat.com

بارك الله فيك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابابكر! بك تحييٰ سنن اهل الطريق من امتى بالعراق بعد موتها ويقوم مناد ارباب الحقائق مع احباب الله تعالىٰ بعد دروسها وفيك تكون المشيخة بالعراق الىٰ يوم القيامة وقد هبت نسمات الله بظهورك وارسلت نفحات الله بقيامك ثم استيقظ فوجد الثوب والطاقية بعينهما عليه وكانت علىٰ راسه ثواليل فلم يرها اه (بهجة الاسوار ومعدن الاسرار ص ۱۳۳ مطبوعه مصر)

وعلیٰ ھذا انجملہ سائر سلاسل رضویہ عزیزیہ علویہ منامیہ بھی اسم بامسمیٰ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مشرف بزیارت خاتم الخلفاء امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔ عرض کیا: بیعت لیجئے۔ امیر المومنین نے دست اقدس بڑھا کر بیعت سے مشرف فرمایا۔ ولله الحمد والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ راج گنج محلہ رگورام پور مدرسہ انوار العلوم از مولوی عبدالجبار۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) پیر ومرشد سے توجہ لینا جائز ہے یا نہیں: اور بعض مولوی وہابیہ کہتا ہے کہ حرام ہے اور توجہ لینے والا اور دینے والا کافر ہیں۔

(۲) اولیاء اللہ کو مکاشفہ ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ شخص اس کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے جو شخص مکاشفہ کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔

(۳) پیر بزرگ کے ہاتھ یا قدم چومنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ حرام ہے اور قدم بوسی کرنے والا مشرک ہوگا۔

(۴) اجرت پر وعظ کہنا مثلاً ۴۰ روپے دینا ہوگا نہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا۔

(۵) مولود شریف وقیام جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص قیام مولود شریف کو حرام اور اس کے کرنے والا کو بدعتی کہتا ہے۔ جواب مسئلہ کا بحوالہ کتب مع صفحہ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاویں۔

الجواب

توجہ لینا اپنے پیر ومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترھیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: "وعن يعلىٰ ابن شداد قال حدثني ابى شداد ابن اويس وعبادة بن الصامت حاضر يصدّقه قال كنا عند النبى صلى الله عليه وسلم فقط فقال هل فيكم غريب يعنى اهل الكتاب قلنا لا يا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ايديكم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ايدينا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنى بهذه

Marfat.com

الکلمة و وعدتنی علیها الجنة وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔"
"یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے، بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الٰہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا"۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرهما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لاالہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا اله الا الله تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله الحمد والله تعالیٰ اعلم۔

(۲) اولیائے کرام کا مکاشفہ بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملوو مشحون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله"۔ "تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے" رواہ البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعید الحکیم والطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل عن ابی امامة وابن جریر عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهم ذکره الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الجامع الصغیر ص ۷

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نظرتُ الیٰ بلاد الله جمعا کخردلة علیٰ حکم اتصال

"میں نے خدا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔"

نیز فرماتے ہیں: "وان بؤ بؤ عینی فی اللوح المحفوظ"۔ "اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ یعنی میں تمامی مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کر رہا ہوں۔" (بہجۃ الاسرار شریف)

"نفحات الانس فی حضرات القدس" کے ص ۴۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: "حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین درنظر ایں طائفہ چوں سفرۂ ایست کہ ما می گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ ہیچ چیز ازنظر ایشاں غائب نیست۔"

Marfat.com

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟ ذلك من فضل الله علىٰ الناس ولكن اہٰ ہدایۃ قوم لا یفقھون۔ والله تعالىٰ اعلم۔

(۳) بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام واساتذہ کرام وآبائے کرام و پادشاہان اسلام ودیگر معززان واجب الاحترام کے دست و پا کا بنظر محبت اسلامی وتکریم میں چومنا جائز ودرست ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع باب المصافحۃ والمعانقۃ ص ۴۰۲ میں ہے: "وعن زارع وكان في وفد عبد القيس قال:" لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجله۔" "یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اور تھے وہ عبدالقیس کی جماعت میں) کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں۔جلدی کی اپنی سواریوں سے اترنے میں پس چوما دست و پا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا"۔

شیخ محقق محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: "وفي الحديث دليل علىٰ جواز تقبيل الرجل وجاء في غير هذا الحديث ايضا"۔

اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ جلد رابع مطبع نولکشور ص ۲۷ س ۱۱: "دریں جا تجویز پائے بوس معلوم شد۔ چنانچہ سابقہ برآں اشارت کردیم۔"

ردالمحتار جلد ۵ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۷۸ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی: "قال ثم اذن له فقبل راسه ورجليه۔ طحطاوی جلد ۴: قال الشرنبلالي فعلم مجموع ما ذكرنا اباحة تقبيل اليد والرجل والراس والكشح كما علم من الاحاديث المتقدمة اباحتها علىٰ الجبهة وبين العينين وعلىٰ الشفتين اذا كان علىٰ المبرة والاكرام۔"

رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت؟ مثل مشہور ہے الاناء يترشح بما فيه ان بزرگوں کو آبائی ترکہ مسلسلاً عن الگنگوہی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد الفلک السادس، اسی شرک و کفر کا ملا ہے۔اب اس کے سوا لوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں؟ بات بات میں شرک وکفر نہ ہو تو پھر مولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ہر ورق کیا، ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ تامہ شاملہ کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرا نہیں۔

اعلیحضرت ختام المحققین، مجدد مائۃ حاضرہ، سیدی وسندی، جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب "الامن والعلىٰ لناعتي المصطفىٰ بدافع البلا" میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔سب مشرک و مشرک گر ہیں۔وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکندہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے طور پر شرک سے مملو ہے۔انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ توحید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے، عیاذاً باللہ ان کے

Marfat.com

سب پر سب خود مشرک ومشرک گر تھے۔نعوذ باللہ من شرور الشیطان والابالسۃ والدجاجلۃ اجمعین ۔
اشراک نجدیین کہ ناحق برسد مذہب معلوم واہل مذہب معلوم
"قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ" واللہ تعالیٰ اعلم۔ (التوبۃ : ۳۰/ المنافقون : ۴) ''اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں''۔(کنزالایمان)

(۴) اجرت پر وعظ کہنے کی نسبت درمختار میں تصریح فرمائی کہ ضلالت وگمراہی وسنت یہود ونصاریٰ ہے۔

درمختار نولکشوری ص۴۳۳س۱۴ پر ہے:''التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنۃ الانبیاء والمرسلین ولریاسۃ ومال وقبول عامۃ من ضلالۃ الیہود والنصاریٰ۔''

یہاں اس سے قطع نظر کر کے حضرات وہابیہ اگر بغیر کسی اجرت کے مفت ہی وعظ نہیں بلکہ سامعین کے نئے اپنے پاس سے اجرت مقرر کر کے وعظ سنائیں تو بھی ان کا وعظ سننا حرام ہے کہ وہ عقائد باطلہ زائغہ کو بیان کریں گے۔اور ان کا ضرر کفار کے ضرر سے اشد ہے۔اور بالفرض کوئی وہابی صاحب خالی نماز، روزے ہی کا وعظ کریں جب بھی انہیں وعظ کے لئے بیٹھانا حرام ہے کہ منبر پر بٹھانا اور واعظ مسلماناں بنانے میں ان کی تعظیم ہے اور ہم کو ان کی توہین کا حکم دیا گیا ہے۔اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کو امام بنانا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، گناہ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھی گئی واجب الاعادہ ہے۔رد المحتار ج۱ باب الامامۃ ص۵۸۰ س۱۴ المبتدع تکرہ امامتہ بکل حال۔ صحطاوی ج۱ ص۲۴۴ س۱۱: الکراہۃ فیہ تحریمیۃ علی ما سبق صغیری۔ ص۲۷۰ س : ویکرہ تقدیم الفاسق کراہۃ تحریم۔ غنیہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص۵۱۳: لو قدموا فاسقا یاثمون۔ مبتدع اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر امام بنائیں گے، گنہگار ہوں گے۔درمختار و کل صلوۃ ادیت مع کراہۃ التحریم تجب اعادتہا۔ان کی تعظیم کو دین کا ڈھانا فرمایا۔

مشکوۃ شریف ص۳۱: "وعن ابراہیم بن میسرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علیٰ ہدم الاسلام"۔جس نے کسی بدمذہب کی تعظیم کی، اس نے دین کے ڈھانے میں مدد دی۔

شرح مقاصد ج۲ص۲۷۰س۸: "حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاہانۃ والطعن واللعن۔"

رہا ان کا فاسق اور مبتدع ہونا، وہ کوئی چھپی بات نہیں، عالم آشکار و کالشمس فی رابعۃ النہار ہے۔علمائے عرب وعجم نے بے شمار رسائل اور فتاویٰ ان کی تضلیل وتفسیق میں تحریر فرمائے اور وہ چھپے اور شائع ہوئے۔اور یہ تضلیل وتفسیق بھی اسی حالت تک ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اگر منکر ضروریات دین ہیں، معاذ اللہ! رب العزت اصدق الصادقین جل وعلا کو کاذب بالفعل کہیں یا ختم نبوت کا انکار کریں، اعلم الخلوق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے ابلیس لعین کے علم کو زیادہ بتائیں یا حضور جیسا علم غیب ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو جانیں جیسا کہ ان کے کبراء

Marfat.com

میاں رشید احمد گنگوہی وقاسم نانوتوی وخلیل انبیٹھی واشرف علی تھانوی وغیرھم خذلھم اللہ نے اپنے فتاویٰ ورسائل میں لکھے یا ان کے اقوال پر مطلع ہوکران کو علمائے دینی یا اقل درجہ ان کو مسلمان ہی جانیں یالا اقل ان کے کفر میں شک کریں تو کافر مرتد ہیں۔ ان کا وعظ سننا تو درکنار، ان کے پاس جانا، ان سے کسی طرح کا معاملہ کرنا، سب سخت حرام واشد کبیرہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبہ الهداية فی البداية والنهاية۔ اللهم طهر عنهم حوزة الدين بجاه سيد المرسلين صلی اللہ علیہ وسلم آمین! واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مجلس میلاد، فیض بنیاد، حضور پرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ خیر القرون میں بہیئت کذائی نہ تھا بعد کو حادث ہوا، مگر بلاشبہ مستحسن ومندوب ہے۔ روز حدوث مولود سے آج تک اس عمل مقدس کا عرب وعجم، روم وشام ودیگر بلاد اسلام خصوصاً حرمین محترمین میں شیوع عام ورواج تام پانا اور قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً ہزارہا اکابر دین متین وسواد اعظم مسلمین وجماہیر ائمہ ملت ومشاہیر اجلہ امت کا بکمال عقیدت ورسوخ ارادت اس کا کرنا، اس میں شریک ہونا، اس کے استحباب واستحسان پر شاہد عدل ہیں۔

"اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد والقيام" طبع بریلی ص۸۱ س۱۱ میں حافظ الدین عماد الدین کثیر سے ناقل: "قد اثنىٰ عليه الائمة منهم الحافظ ابو شامه شيخ النووی فی كتاب "الباعث على انكار البدع والحوادث" وقال ومثل هذاا لحسن يندب اليه ويشكر فاعله ويثنی عليه۔"

اسی کے ص۸۳ س۵ پر ہے: امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ويثاب الانسان بحسب قصده فی اظهار السرور والفرح بمولد النبی صلی اللہ عليه وسلم"۔ "انسان اپنی نیت کے موافق اظہار سرور وفرحت مولد میں ثواب دیا جاتا ہے۔"

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "يستحب لنا ايضا اظهار الشكر بمولده صلی اللہ عليه وسلم بالاجماع واطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات واظهار المسرات"۔ یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر مجمع کرکے کھانا کھلانے اور اس کے مثل اور اعمال قربت واظہار سرور وفرحت سے بجالائیں۔

الكوكب الانور علىٰ عقل المجوهر ص۹۰ س۱۸: "(قد استحسن القيام) ای عدّه حسنا وحكم باستحبابه وندبه شرعا (عند) ای لدی وصول القاری للمولد ای (ذكر مولده الشريف ائمة ذوو رواية) بكسر الراى ای نقل من يقتدی به كالصحابة والتابعين والمجتهدين" (وذوو رواية)۔

"القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی" المطبوع علیٰ هامش الكوكب ص۹۰ س۵: "فی مولد المدابغی جرت العادة بقيام الناس اذا انتهىٰ المداح الىٰ ذكر مولده صلی اللہ عليه وسلم وهی بدعة مستحبة لما فيها من اظهار الفرح والسرور والتعظيم" الىٰ غير ذلك من نصوص العلماء وان اردت تفصيل

Marfat.com

المقام و تنقیح المرام وازاحۃ الشکوك والاوھام فعلیك" باذاقۃ الآثام" لتاج العلماء المحققین راس الکملاء المدققین مولانا المولوی محمد نقی علی خاں امطر اللہ علیه شآبیب الرضوان و آخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ علی رسوله محمد و آله اجمعین۔

☆☆☆☆☆

- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے: حضرت سیدنا بدیع الدین ،قطب المدار، مکن پور شریف کا سلسلہ بیعت سوخت ہے یعنی سلسلہ مداریہ میں پیری مریدی ناجائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جائز ہے اور آپ کا سلسلہ سوخت نہیں ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آپ کا سلسلہ تو سوخت ہے مگر تبرکاً بیعت جائز ہے۔ ان میں سے کون حق پر ہے؟

۲- سلاسل مشہورہ چشتی قادری سہروردی نقشبندی کو برا کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟

۳- مکن پور کا ہر شخص پیری مریدی سلسلہ مداریہ میں کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۴- حضرت سیدنا بدیع الدین مدار کی نسل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ آپ کس قوم سے تھے؟

۵- آپ سے قبل و بعد بیعت کا سلسلہ متصل ہے یا نہیں؟

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں۔

۷- جس میں تعین اوساط مشائخ کا یقین نہ ہو، بلکہ مختلف ہو ایسے سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۸- پیری مریدی کا سلسلہ، خلافت پر منحصر ہے یا نہیں؟ مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا یا نہیں؟

۹- سلسلہ مداریہ میں ابتدائی بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۱۰- جو لوگ سلسلہ مداریہ میں بیعت کر چکے ہیں، وہ اسی پر قائم رہیں یا نہیں؟

۱۱- اگر قائم نہ رہیں تو کون سے خاندان میں بیعت ہوں؟

۱۲- بیعت مروجہ کے لئے کیا شرائط ضروری ہیں۔ جاہل سے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ سید سے بیعت ہونا بمقابلہ غیر سید افضل ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد ارشاد حسین شیش گڈھ ضلع بریلی یو پی

(نوٹ) چند مقامات سے استفتاء کا جواب طلب کیا مگر کہیں نہ ملا، یہاں تک کہ ٹکٹ بھی ہضم کر لئے گئے۔ یہاں یہ مسئلہ معرکہ آرا بنا ہوا ہے۔ اب جو فتویٰ کا جواب آپ عنایت فرمائیں گے، طرفین اُسی پر عمل کریں گے۔ مفصل واقعہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ جواب جلد از جلد مرحمت ہو، مدلل ہو، جوابا لفافہ حاضر ہے۔

الجواب

زید کا خیال صحیح ہے۔ واقعی طریقہ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے۔ حضرت نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

Marfat.com

سبع سنابل شریف میں ص ۸۶ پر ہے۔ ''شیخ مدار گفتند: من چند کس را مرید کردہ ام۔ بعد ازیں تاریخ ہیچ کس را مرید نخواہم گرفت وخلافت بکسے ندادہ ام۔''

اخیر وقت میں حضرت نے اپنے دست مبارک سے بہت سے خطوط لکھ کر اطراف وجوانب میں بھیج دیا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔

اسی میں ہے ص ۸۷ ''چون حضرت شاہ مدار وقت رحلت قریب رسید، بفراست باطن دانستند کہ مریدان مرا گمراہ کردہ عالمے ہستند۔ از ایشان البتہ بے فرمانی وبے دیانتی صادر خواہد شد۔ رقعات فراوان بخط خود نبشتہ در اطراف وجوانب فرستادند کہ ما کسے را خلافت ندادہ ام''۔

ان کاغذات وخطوط سے ایک خط حضرت شیخ مخدوم سعد قدس سرہ کو بھی ملا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اسی میں ہے ص ۸۷: ''چنانچہ کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- سلاسل مشہورہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کو برا کہنے والا برا ہے۔ البتہ جو بیعت کو کفر کہے، وہ کافر ہوگا کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''فقد باء بہ احدھما'' اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل میں سیکڑوں کیا ہزاروں، لاکھوں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ تو ان کو کافر کہنے والا ضرور کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳- بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں۔

''سبع سنابل شریف ص ۸۳ میں ہے: ''اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے پیش نماندہ است وآن رسم واسم نیز بہر چند شرائط میداں کہ بے آن شرائط اصلا پیری ومریدی درست نیست'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴- حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے والد ماجد کا نام ابو اسحاق اور بقولے علی، والدہ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ اصل وطن آپ کا حلب ملک شام ہے اور آپ اولاد امجاد سے حضرت ہارون علیہ السلام کے تھے۔ آپ ۱۲ برس تک عالم صمدیت میں رہے، کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس عرصہ میں جو آپ نے ایک بار کپڑا پہنا، نہ کبھی میلا ہوا، نہ پھٹا۔ کتابوں میں آپ کے غرائب احوال اور عجائب انوار لکھے ہیں۔ مگر کسی جگہ آپ کے اولاد کا تذکرہ نظر سے نہ گذرا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ عالم تجرید وتفرید میں تھے۔ آپ نے نہ شادی کی، نہ کوئی اولاد ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵- آپ سے قبل سلسلہ متصل ومسلسل ہے اور آپ کے بعد وہ اتصال وتسلسل باقی نہ رہا کہ خود حضور نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ واللہ اعلم

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبدء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے۔ تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا۔ اور جو جدول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرابی ممکن نہیں۔

Marfat.com

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے: "والتعلیم من شیخ مادون اجازۃ صحیحۃ مستندۃ الیٰ شیخ صاحب طریق وھو الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ " یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اوران کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔''

سبع سنابل شریف میں ہے:''اے پسر! شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است''۔ اسی میں ہے:''اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد۔ دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر در اداءِ حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیر را عقائد درست بود موافق مذہب سنت و جماعت''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷- نہیں کما مرّ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸- خلافت پر منحصر ہے۔ حضرت شاہ بدیع الدین صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹- نہیں واللہ اعلم

۱۰- اس بیعت پر قائم رہنا جائز نہیں۔ وہ بیعت بیکار ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پھر سے کسی طریقہ میں بیعت کریں۔ ''کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔''

سبع سنابل میں ہے:''بدان سبب شیخ مخدوم سعد مریدان شاہ مدار را بازمی گردانیدند از روئے دیانت نہ از روئے اہانت۔ وخلفاء حضرت مخدوم سعد نیز مردم را ازیں بیعت رجوع میفرمودند۔ چنانکہ مخدوم شیخ صفی را این بچشم خود دیدہ است ومخدوم شیخ محمد مسکین کہ در مقام ملاوہ آسودہ اند وبندگی شیخ نظام الدین کہ در مقام انبٹی آسودہ اند نیز مردم را ازیں بیعت وانابت بازمیگردانیدہ اند''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱- ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس سلسلہ میں چاہیں مرید ہوں۔ مگر بہتر ہے کہ سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ شریفہ میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲- بیعت مروجہ کے شرائط جواب نمبر ۶ میں گذرے کہ پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت و جماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع

بے علم نتواں خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا ع

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے'' جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے''

Marfat.com

ابریز میں ہے:'' اذا لم یکن علم لدیه بظاهر و لا باطن فاضرب به لجج البحرقال الشیخ رضی الله عنه مراد بعلم الظاهر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منهما علیٰ المکلف و مراده بعلم الباطن معرفة الله تعالیٰ ۔''

مگراس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستارفضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کوعلم باللہ اورعلم باحکام اللہ ہو۔مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سراور آنکھوں پر ہے۔مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:'' لا تقدمن قبل اعتقادك انه مربّ و لا اولی بها منه فی العصر (ای) و لا تقدمن علیٰ شیخ بقصد الدخول فی صحبته حتیٰ تعتقد انه من اهل التربیة و انه لا احق منه بها فی زمنه ۔''

''یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرواوراس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اوراس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں''۔

تو اگرکسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے۔اورسید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

همه شهر پرز خوباں، منم وخیال ماہے ۔۔۔ چه کنم که چشم بدخو نه کند بکس نگاہے

احب الصالحین ولست منهم ۔۔۔ لعل الله یرزقنی صلاحا

آمین آمین اله الحق آمین! و صلی الله علی خیر خلقه محمد و اله و اصحابه اجمعین۔

☆☆☆☆☆

نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب(۱۳۵۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیه و سلما

مسئلہ مرسلہ مولوی سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی بتوسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔علمائے ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

Marfat.com

۱- مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔

۲- رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ ونام جواب ارشاد ہو۔

۳- رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت واصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ورضی اللہ عنہا و حضرت خبیب وحضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیر ہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لئے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات وشہدا کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب با صواب مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعیین صفحہ ونام مطبع مرحمت ہو۔

۴- فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں معہ حوالہ کتاب وعدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ اخی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب المجہری مدظلہ، جبی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، جبی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، جبی الاکرم مولانا عبد السبحان صاحب، جبی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادب استدعا ہے۔ بینوا توجروا واجرکم علیٰ من بیدہ ازمۃ التوفیق و ھو نعم المولیٰ و نعم الرفیق

المستدعی تمنا العمادی المجیبی الفلواروی پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ ۲۰ راگست ۱۹۳۵ء

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہئے۔ قرآن و

Marfat.com

حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ وصحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہدیا یا خود جا کر عالم برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہونچتا۔ کیا راستہ میں رہزن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہونچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہونچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لئے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

''عن انس ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال یا رسول اللہ انا نتصدق عن موتانا و نحج عنھم و ندعولھم فھل یصل الیھم ذالک فقال نعم انہ یصل الیھم و یفرحون کما یفرح احدکم بالطبق اذا اھدی الیہ''۔ رواہ ابو حفص الکبیر۔ ''امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہونچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں، جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔'' (عینی شرح ہدایہ ج ۲ کشوری ص ۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ مصری ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

''اخرج القاضی ابو بکر بن عبدالباقی الانصاری رحمہ اللہ فی مشیختہ عن سلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ الیٰ مقابر مکۃ فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرایت اھل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ؟ قالو الا ولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللہ احد وجعل ثوابھا لنا فنحن نقسمہ منذ سنۃ''۔ ''قاضی ابو بکر بن عبدالباقی انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں''۔ اگر ثواب پہونچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص ۲۸۱: ''قال النووی فی الاذکار'' قال محمد بن احمد المروزی سمعت

Marfat.com

احمد بن حنبل یقول اذا دخلتم المقابر فاقرؤا فاتحة الکتاب والمعوذتین و قل هو الله احد و اجعلوا ثواب ذلك لاهل المقابر فانه یصل الیهم"۔" امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فربری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۂ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس، قل هو الله احد پڑھو اور اس کا ثواب اس قبرستان والوں کو بخشو کہ وہ ان کو پہنچتا ہے"۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: "پیش ازیں بچند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبا می ساخت و باں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرات امامین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات۔ شبے درخواب می بیند کہ آں سرور حاضرست علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر برایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند۔ دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام درخانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را درآں طعام شریک نمی ساخت۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت و بجمیع اہلبیت توسل می نمود"۔

"اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اور آں حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کو شامل کرتا تھا علیہم الصلوٰت والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آں سرور تشریف فرما ہیں علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام ۔ فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیر کی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اور تمامی اہلبیت کے ساتھ توسل کرتا تھا"۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہر کہ ومہ پر ظاہر ہے الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی السیّد الوالد قال کنت اصنع طعاما صلة بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنة من السنین شیء اصنع به طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمته بین الناس فرأیته ﷺ و بین یدیه هذا الحمص متبهجاً بشاشاً"۔ "بائیسویں حدیث

Marfat.com

مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکوا سکوں تو میں نے بھنا چنا منگوایا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بھنا ہوا چنا رکھا ہے اور آپ بہت خوش اور بشاش ہیں''

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصال ثواب کے لئے پکائی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ بعینہ پہونچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قبل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہتیرے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَقَدِمْنَا اِلیٰ مَاعَمِلُوْ امِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا۔ وقال تعالیٰ عَامِلَۃٌ نَاصِبَۃٌ تَصْلٰی نَاراً حَامِیَۃً۔ ''اور قصد کیا ہم نے طرف اس کے جو انہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا''۔ ''عمل کرنے والی مشقت اٹھانے والی داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔''

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لئے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ حسن نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لئے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالی :مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَا بِلَ فِی کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِا ئۃُ حَبَّۃٍ وَّاللّٰہ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ۔ ''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوا) اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرمائے''

آیت کریمہ اگر چہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد۳ ص ۱۷۶ میں ہے: ''کل عقد جازان یعقدہ الا نسان بنفسہ جازان یو کل غیرہ''۔ ''جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

Marfat.com

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوندا میں نے جو یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل وکرم سے عطا فرما۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ص ۵۵ میں لکھتے ہیں: ''ہر عبادت کہ از مسلمان ادا شود، ثواب آں بروح کسے از گزشتگان رساند۔ طریق رسائیدن آن دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن ست و اگر آن کس کہ ثواب بروحش می رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق وے خوبی رسانیدن ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس درخوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ واعراس ونذر ونیاز کہ اموات شک وشبہ نیست''۔ ''جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہونچائے اور اس دعائے خیر کے پہونچانے کا طریقہ جناب الٰہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہونچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہونچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لئے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر ونیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک وشبہ نہیں''۔

اسی کے ص ۶۴ میں ہے: ''ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد، موقوف براطعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثواب است''۔ ''جس وقت کسی کو میت کو نفع پہونچانا منظور ہو تو چاہئے کہ وہ اس نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بروقت کھانا میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ صرف سورہ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے''۔

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار ص ۸۴۵ میں فرماتے ہیں: ''سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرۃ الفاتحہ، ھل تقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلک کاملا؟ فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی و ھو اللائق بسعۃ الفضل''۔ ''علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا پہونچے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے''۔

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست وہشتم ص ۵۴ میں ہے: ''اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر

Marfat.com

موموناں راشریک سازد، بہمہ برسدوازآں شخص کہ بنیت اوداده بود ہیچ نقصان نہ کند ان ربک واسع المغفرۃ"۔ "اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے سارے مومنین کو شریک کرلے تو سب کو (ثواب برابر) پہونچے گا اور جس کی نیت سے (صدقہ) دیا گیا، اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بے شک تیرا رب (تبارک وتعالیٰ) وسیع مغفرت والا ہے"۔

نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ایصال ثواب جس طرح مردوں کے لئے ہوتا ہے۔ زندوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے ثواب پہنچانے کے لئے مردہ ہونا کچھ ضروری نہیں،۔ یہ محض عامیانہ خیال ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثواب مردہ ہی کو بخشا جاسکتا ہے۔ زندوں کے لئے ایصال ثواب سن کران کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

شامی جلد۲ص ۲۴۲ میں ہے:"قولہ بغیرہ ای الا حیاء والا موات بحرعن البدائع"۔"ان کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے۔ یعنی ماتن نے جو کہا کہ"الا صل ان کل من اتی بعبادۃ مالہ جعل ثوابھا لخیرہ"،یعنی اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس کو حق ہے کہ اوس کا ثواب غیر کو دے۔ چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ دونوں کو ثواب پہونچا سکتا ہے"۔

شامی جلد اول ص ۸۴۴ میں ہے:"وفی البحر من صام او صلیٰ او تصدق و جعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جازو یصل ثوابھا الیھم عنداھل السنۃ والجماعۃ کذافی البدائع ثم قال و بھذ اعلم انہ لافرق بین ان یکون المجعول لہ میتا او حیا والظاھر انہ لا فرق بین ان ینوی بہ عندالفعل للغیراو یفعلہ لنفسہ ثم بعد ذلک یجعل ثوابہ لغیرہ لإطلاق کلامھم وانہ لا فرق بین الفرض والنفل اہ"۔"بحرالرائق میں ہے کسی نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچے گا۔ اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کو ثواب بخشیں وہ مردہ ہو یا زندہ اور نہ فرق اس میں ہے کہ کام کرتے وقت اس غیر کی نیت سے کیا جائے یا اپنے لئے کریں اور اس کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو بخشیں۔ اس لئے کہ کلام ان کا مطلق ہے اور اس بارے میں فرض اور نفل میں بھی کوئی فرق نہیں"

بالجملہ ایصال ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح ومجاز شرعی، بدنی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت سے کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لئے کرے، اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ کو پہونچے۔ اب ان تمام تمہیدات کے بعد اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

Marfat.com

قرآن شریف میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا،مردے کوثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اوّل) مغفرت کی دعا کرنا

"قال تعالیٰ :وَالَّذِیْنَ جَاؤُ اِمِنْ بَعْدِ هِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِغْفِرْلَنَا وَلِاِ خْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَابِالْاِیْمَان" . (سورہ حشر) ''اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں''۔

تفسیر کبیر جلد ۸ص ۱۷۹ میں اس آیۂ کریمہ کے تحت میں ہے:''اعلم ان قوله والذين جاؤامن بعد هم عطف ايضا على المهاجرين وهم الذين هاجروامن بعد و قيل التابعون باحسان و هم الذين يحبيئون بعد المها جرين و الانصار الىٰ يوم القيمة و ذكر تعالى انهم يد عون لانفسهم و لمن سبقهم بالايمان وهوقوله يقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الاية واعلم ان هذه الايات قداستوعبت جميع المومنين لانهم اماالمها جرون او الانصارا و الذين جاء وامن بعد هم و بين ان شان من جاء بعد المهاجرين والانصار ان يذكر السابقين وهم المهاجرون والانصار بالدعاء والرحمة فمن لم يكن كذالك بل ذكر هم بسوء كان خارجامن جملة اقسام المومنين بحسب نص هذه الآيه''۔'' اللہ تعالیٰ کاقول والذین جاؤ امن بعد هم عطف ہے المہاجرین پراوروہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعدکوہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جولوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں اوران لوگوں کے لئے جوایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اوروہ باری تعالیٰ کاارشادیقولون ربنا اغفرلنا الایہ ہے۔اور جان لوکہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استیعاب کرلیا۔اس لئے کہ مومنین یا مہاجرین ہیں یا انصار یا جولوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مہاجرین وانصار کے بعد جولوگ ہوئے،ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگلے لوگوں یعنی مہاجرین وانصار کو دعائے خیراور رحمت کے ساتھ یادکریں اور جوشخص ایسانہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یادکرے تو وہ بحکم آیۂ کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے''۔

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری ج ۴ص ۳۱۷ میں ہے:''قوله الذين سبقونا بالايمان كل واحد من القائلين لهذاالقول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من غير فاضل و ينتهى الىٰ عصرالنبى ﷺ فيدخل فى اخوانه الذين سبقوه بالايمان جميع من تقدمه من المسلمين و لايقصد بالذين سبقوه

Marfat.com

خصوص المهاجرين والانصار لقصوره وان كان اصل سبب النزول اه شيخنا يعني الذين سبقونا بالايمان۔" "الذین سبقونا بالایمان سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقه سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک انتقال کر چکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالایمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں اور اس سے فقط مہاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں تنگی اور کمی ہے اگر چہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں"۔

اسی طرح صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۹۶ میں ہے: وعبارته هكذا الذين سبقونا بالايمان اى بالموت عليه فينبغي لكل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمنه الىٰ عصر النبي ﷺ فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين "۔" جب مسلمان دعا کرے اور اس میں اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان' کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالایمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے"۔

قنوی حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد ۷ ص ۱۵۶ میں ہے: "قوله يقولون الاية وفيه ترغيب للخلف للدعا للسلف لا سيما العلما الاقدمين فانهم اباء تعليم الدين و ان الدعاء بالمغفرة اهم"۔ "اس آیہ کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لئے دعا کرنے کی خصوصاً اگلے علما کے لئے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے"۔

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد ۸ ص ۱۸۰ ہے: "وجملة يقولون حالية والمراد بدعاء اللاحق للسابق و الخلف للسلف انهم متبعون لهم اوهو تعليم لهم بان يدعو لمن قبلهم ويذكروهم بالخير"۔ "اس آیہ کریمہ میں جملہ یقولون الایۃ جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لئے لاحق اور سلف کے لئے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہئے کہ سلف کے لئے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں"۔

تفسیر روح البیان مصری جلد ۵ ص ۲۱۰ میں ہے: "وفى الاية دليل علىٰ ان الترحم و الاستغفار واجب علىٰ المومنين الاخرين للسابقين منهم لا سيما لابائهم و معلميهم امور الدين"" "آیۂ کریمہ ربنا اغفرلنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً اپنے آبا و اجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لئے"۔

Marfat.com

قوت القلوب حضرت ابو طالب مکی جلد۲ ص ۲۴۸ میں ہے:''قال بعض العلما لولم یکن فی اتخاذ الاخوان الا ان احد هم یبلغه موت اخیه فیترحم علیه و ید عو له فلعله یغفر له بحسن نیته و یقال من بلغه موت اخیه فترحم علیه و استغفر له کان شهدجنازة و صلی علیه و قدر وینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل المیت فی قبره مثل الغریق یتعلق بکل شیء ینتظر دعوة من ولداو والدا واخ وانه لیدخل علیٰ قبورا لاموات من دعاء الاحیاء من الانوار امثال الجبال ویقال الدعاء للاموات بمنزلة الهدایا للاحیاء فی الدنیا قال فیدخل الملك علیٰ المیت معه طبق من نور علیه مندیل من نور فیقول هذه هدیة من عنداخیك فلان من عند قریبك فلان قال یفرح بذلك کمایفرح الحی بالهدیة''۔

''بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہوتو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہونچتی ہے، وہ اس پر ترحم کرتا، اس کے لئے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیتی سے اس میت کی مغفرت کردی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہونچی پس اس نے اس پر ترحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہونچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لئے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے چھپا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کا رہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پا کر خوش رہتا ہے''۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں:''عن ابن عباس عن النبی ﷺ ما المیت فی قبره الاشبه الغریق المتغوث تنتظر دعوة من اب او ام او صدیق ثقة فاذا لحقته کان احب الیه من الدنیا وما فیها لان الله عزوجل لیدخل علیٰ اهل القبور من دعاء اهل الدنیا امثال الجبال و ان هدیة الاحیاء للاموات الاستغفار لهم والصدقة عنهم'' (رواه الدیلمی فی مسند الفردوس ورواه البیهقی فی شعب الایمان)

''دیلمی مسند الفردوس اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً راوی کہ نہیں ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کے، طالب، فریاد رس ہے انتظار کر رہا ہے باپ یا ماں یا معتمد دوست

Marfat.com

کی دعا کا، تو جب دعا اسے پہونچتی ہے اس کی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر و برکات و انوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے''۔

حضرت شیخ مجدد اکثر تعزیتی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔

مکتوبات جلد اول ص ۱۱۰ مکتوب ہشتا دو نہم میں ہے: ''مرحومہ شما دریں اواں بسے مغتنم بودند۔ الحال برشمایاں لازم است کہ مکافات احسان باحسان بکنید و بدعا و صدقہ ساعت بساعت مدد نمائند فان المیت کالغریق ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق''۔ ''تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا اور صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کر۔ واس لئے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے''۔

نیز مکتوب جلد اول ص ۱۲۱ مکتوبات صد و چہارم میں ہے: ''مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الی الحبیب ست تا با او چہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود قال رسول اللہ ﷺ ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او صدیق الی قولہ و ان ہدیتہ الاحیاء الیٰ الاموات الاستغفار لھم''۔ ''مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثل ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الیٰ قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لئے ان کے (مردوں) لئے استغفار کرنا ہے''۔

قرآن شریف کی آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لئے ایصال ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حقی واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصال ثواب کے لئے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی تیسری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا

قال تعالیٰ: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل رکوع ۳) ''ماں باپ کے لئے دعا کرو اور کہو کہ خداوندا ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپنے میں مجھے پالا''۔

Marfat.com

تفسیر روح المعانی مصری جلد۳ص ۵۰۸ میں ہے:"والظاهر ان الامر للوجوب فيجب على الولدان يدعو لوالديه بالرحمه" ۔"اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدینکے لئے رحمت کی دعا کیا کریں"۔ اس لئے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

جمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین جلد۲ص ۶۲۲ میں ہے:"قوله وقل رب ارحمهما اى ادع لهما ولو خمس مرات فى اليوم والليلة "(كذا فى الصاوى جلد ۲ ص ۲۷۱) "آیۂ کریمہ و قل رب ارحمهما کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لئے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم ازکم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ ہی"۔

تفسیر روح البیان جلد۵ص ۱۴۸ میں ہے:"وقل رب ارحمهما و ادع الله ان يرحمهما برحمته الباقية و لاتكتف برحمتك الفانيه"۔ "اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفانہ کرو کہ جہاں تک ہوسکے ان کے ساتھ سلوک کرو"۔

اسی میں ہے:"سئل ابن عيينه عن الصدقة عن الميت فقال كل ذلك واصل اليه و لا شئ انفع له من الاستغفار ولو كان شئى افضل منه لامرت به فى الابوين و يعضده قوله عليه السلام ان الله ليرفع درجة العبدفى الجنة فيقول باستغفار ولدك وفى الحديث من زار قبر ابويه او احدهما فى كل جمعة كان باراً۔ "ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ پہونچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لئے کیا جائے گا، سب اس کو پہونچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بار یعنی نیکوکار گنا جائے گا"۔

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد۵ص ۵۷۲ میں ہے:"ولا تكتف برحمتك الفانية بل ادع الله لهما برحمته الواسعة الباقية وقل رب ارحمهما برحمتك الدنيوية والاخروية التى من جملتها الهداية الىٰ الاسلام فلاينافى ذلك كفرهما"۔ "والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفانہ کر بلکہ ان دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لئے دعا کر اور یوں کہہ کہ خداوندا! ان دونوں پر اپنی دنیوی و اخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کا ف

Marfat.com

ہوں، جب بھی اس دعا میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں''۔

(سوم) میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالیٰ: وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ (سورہ براٗۃ رکوع ۱۳)

''اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھئے اس لئے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لئے سکون و وقار ہے''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی کر یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہوگی اور بعض علما نے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہوگی۔

تفسیر البحر المحیط جلد ۵ ص ۹۵ میں ہے: ''قال فی الکافی الصلوٰۃ علیٰ المیت مشروعۃ لقولہ تعالیٰ وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم''۔ ''کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم ہے''۔

تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۳۲۵ میں ہے: ''والحمل علیٰ صلاۃ المیت بعید وان روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما''۔ ''آیۂ کریمہ وصل علیھم سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے''۔

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ صل علیھم سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی و منقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل و علم سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالتِ شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء اللھم علمہ الکتاب فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن اس کو مقتضی۔ علمائے کرام نماز جنازہ کے ثبوت و استدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔ ثابت بالحدیث اور صحابی کے قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم وعقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں منجملہ اور احادیث کے ایک یہ حدیث لکھتے ہیں: ''واخرج ابن ابی شیبہ عن خارجۃ بن زید عن عمہ یزید بن ثابت وکان اکبر من زید قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذاھو بقبر جدید فسأل عنہ

Marfat.com

فقالو افلانة فعر فها قال افلا اذ نتمو نی بها فقا لو اکنت قائلا فکر هنا ان نو ذ یلٹ فقال لا تفعلو اما مات منکم میت مادمت بین اظهر کم الا اذنتمو نی فان صلاتی علیه رحمة"۔" ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے ۔جب جنت البقیع پہونچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی ۔آپ نے پوچھا ۔لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی ؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرمار ہے تھے ،اس لئے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں ۔ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔اس لئے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لئے رحمت ہے"۔" والحدیث رواه بن ماجة فی سننه و ابن حبان فی صحیحه والحاکم فی المستدرك فی الفضائل وسکت عنه و روی نحوه البخاری ومسلم ص ۳۱۰ و ابوداؤد الطیالسی ص ۳۲۱ ۔

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے ۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا:لاتصل علیٰ احد منهم مات ابدا (سورہ براءۃ) یعنی منافقین میں جو شخص مرجائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے:" والمراد من الصلاة الدعاء للمیت والاستغفار له وهو ممنوع فی حق الکافر"۔" صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور اس کے لئے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لئے یہ منع ہے"۔

حاشیہ خفاجی علی البیضاوی جلد ۴ ص ۳۵۲ میں ہے:" ان المراد بالصلاة علیه صلاة المیت المعروفة وانما منع منها علیه لان صلاة المیت دعاء واستغفار و استشفاع له و قد منع من الدعاء لمیتهم فیما تقدم فی هذه السورة لقوله تعالیٰ سواء علیهم استغفرت لهم اولم تستغفر لهم لن یغفر الله لهم و قوله تعالیٰ ان تستغفر لهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم"۔" اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لئے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا ،دعا و استغفار اور شفاعت کرنا ہے اور منافق مردوں کے لئے دعا کرنا پہلے غیر مفید وممنوع ہو چکا ہے ۔ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں بخشے گا"۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لئے استغفار، دعا ،نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ ماموروشروع ہوں ورنہ ان کی تبکیت وتذلیل کیا ہوگی؟

Marfat.com

امام رازی تفسیر کبیر جلد۴ ص۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں:"اعلم انہ تعالیٰ امر رسولہ بان یسعیٰ فی تخذ یلھم و اھانتھم و اذلا لھم فالذی سبق ذکرہ فی الآیۃ الاولی وھو منعھم من الخروج معہ الیٰ الغزوات سبب قوی من اسباب اذلالھم واھانتھم وھذاالذی ذکرہ فی ھذہ الایۃ وھو منع الرسول من ان یصلی علیٰ من مات منھم سبب اخر قوی فی اذلالھم و تخذیلھم"۔"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے، اہانت کرنے، ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا، ایک قوی سبب ان کے ذلت واہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا، ان کی تذلیل ورسوائی کا دوسرا قوی سبب ہے"۔

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا

قال تعالیٰ: وَ لَا تَقُمْ عَلیٰ قَبْرِہٖ (سورہ براءہ رکوع ۱۱)

تفسیر بیضاوی میں ہے:"ولاتقف عند قبرہ للدفن اوللزیارۃ"۔

حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد۴ ص۱۷ میں ہے:"ای النھی عن القیام نھی عن الوقوف مطلقا کنایۃ اومجاز او کان ﷺ یقوم علیٰ قبورا لمنافقین ویدعولھم ثم نھی عن ذلک حین مات رئیس المنافقین"۔"قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنایتاً یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو اس سے ممانعت ہوگئی"۔

تفسیر کبیر جلد۴ ص۷۱۰ میں ہے:"ثم قال و لا تقم علیٰ قبرہ وفیہ و جھان۔ الاول قال الزجاج کان رسول اللہ ﷺ اذادفن المیت وقف علیٰ قبرہ و دعالہ فمنع ھھنا منہ الثانی قال الکلبی لا تقم باصلاح مھمات قبرہ"۔"آیت کریمہ ولا تقم علیٰ قبرہ کی دو تفسیریں ہیں۔ اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لئے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیئے گئے کہ مہمات قبر کی اصلاح کے لئے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں"۔

تفسیر ابو سعود جلد۴ ص۷۰۲ میں ہے:"ای لا تقف علیہ للدفن اوللزیارۃ اوللدعاء"۔"منافق کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں، نہ دفن کے لئے، نہ زیارت کے لئے، نہ دعا کے واسطے"۔

تفسیر روح البیان جلد۲ ص۵۵۹ میں ہے:"ولا تقم علیٰ قبرہ ای لاتقف عند قبرہ للدفن اوللزیارۃ والدعاء وکان النبی ﷺ اذادفن المیت و قف علیٰ قبرہ و دعالہ انھم کفروا باللہ و رسولہ تعلیل

Marfat.com

المنهی علیٰ ان الا ستغفار للمیت والو قوف علیٰ قبره انما یکون لا ستصلا حه و ذلك مستحیل فی حقهم لا نهم استمر و اعلیٰ الکفر بالله و برسوله مدة حیاتهم قال الحافظ۔

بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

آیت کریمہ ولا تقم علی قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ منافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لئے اور حضور اقدس علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انہم کفروا باللہ و رسولہ اس نہی کی علت ہے۔ اس لئے کہ میت کے لئے استغفار وراس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر للہ ورسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرمایا۔

''جس کے نصیبے کے گلیم کی بنت ہی سیاہ ہو، اسے کوثر و زمزم کا پانی بھی سفید نہیں کرسکتا۔ ۱۲ ساحل''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سیہ بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کی وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کردیا گیا تو مسلمانوں کے لئے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لئے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اول دعائے مغفرت، دوم دعائے رحمت، سوم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہئے اور اس کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم وفہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب وشرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم ومکتوب ہیں، اس دعا کے لئے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف ''احسن الوعاء لآداب الدعاء'' اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۴۰ھ) سیدی مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ ''ذیل المدعا لاحسن الوعا'' میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کرسکیں تو کم ازکم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تاکہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اوّل: کچھ سورتیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

کنزالعمال جلد اص ۱۲۹ ہے: ''عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لقاری القرآن دعوة مستجابة فان شاء صاحبها عجلها فی الدنیا و ان شاء اخرها الیٰ الآخرة'' (رواہ بن

Marfat.com

امردویہ)''قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لئے موخر کرے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۲:''عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر کم من قرء القران واقراہٗ لحامل القرآن دعوۃ مستجابۃ یدعو بھا فیستجاب لہ''(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)''تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا مستجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۳:''عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ من قرء القرآن فلیسا ل اللہ بہ فانہ سیاتی اقوام یقرؤن القرآن ویسألون بہ الناس''(رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان) ''جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لئے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی''۔

اب رہی یہ بات کہ کون کون سورہ پڑھے۔کون کون آیتیں پڑھے؟ اس میں اختیار ہے کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ہاں!جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورۂ فاتحہ یا اول و آخر بقرہ، آیۃ الکرسی، سورہ یٰسین، انا اعطینا، قل یا یہا الکفرون قل ہو اللہ، معوذتین وغیرہ ان کا پڑھنا افضل و اعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلد اص ۱۳۹ میں ہے:''عن ابی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما انزل اللہ فی التوریۃ والانجیل مثل ام القران وھی السبع المثانی''(روداہ الترمذی والنسائی)''توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالی نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۹:''عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ فاتحۃ الکتاب تجزی مالا تجزی شیء من القرآن ولوان فاتحۃ الکتاب جعلت فی کفۃ المیزان وجعل القرآن فی الکفۃ الاخری لفضلت فاتحۃ الکتاب علی القران سبع مرات''(رواہ الدیلمی مسند الفردوس)''سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتی اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورۂ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے''۔''وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ افضل القرآن الحمد اللہ رب العلمین''(رواہ الحاکم والبیھقی فی شعب الایمان) سورۂ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے''۔

اسی میں ہے:''عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اربع انزلت من کنز

Marfat.com

تحت العرش ام الکتاب واٰیۃ الکرسی و خواتیم البقرۃ والکوثر "(رواہ الطبرانی فی الکبیر وابو الشیخ وا الضیاء)" چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے ہے سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی خواتیم سورۂ بقرہ اور سورۂ کوثر"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۰: "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل شیء سنام وان سنام القرآن سورۃ البقرۃ وفیھا اٰیۃ ھی سیدہ ای القرآن آیۃ الکرسی "(رواہ الترمذی) "ہر چیز کے لئے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیۃ الکرسی"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۱: "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سورۃ البقرۃ فیھا اٰیۃ سیدہ ای القران لا تقرء فی بیت وفیہ شیطان الا خرج منہ اٰیۃ الکرسی"۔ "سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔ نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۴: "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان لکل شیء قلب وقلب القرآن یٰس۔ من قراء یٰس کتب لہ بقرآءتہ قرآءۃ القران عشر مرات"۔ "ہر چیز کے لئے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یٰس ہے جو شخص سورہ یٰس پڑھے۔ اس کے لئے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا"۔

اسی میں ص ۱۴۴ پر ہے: "من قرء یٰس ابتغاء وجہ اللہ غفر اللہ لہ ماتقدم من ذنبہ فاقرء وھا عند موتاکم (رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن معقل بن یسار)"۔ "جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو"۔

اسی میں ہے: "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ قل یاایھاالکفرون تعدل ربع القرآن" (رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم)۔ "قل یاایھا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے"۔

اور قل ھو اللہ احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمس ہیں۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۴۵ میں ہے: "عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القران۔ (رواہ الامام مالک والامام احمد والبخاری وابو داؤد الترمذی ورواہ مسلم عن ابی الدرداء و رواہ الترمذی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ و رواہ النسائی

Marfat.com

عن ابی ایوب ورواه الامام احمد وابن ماجة عن ابی مسعود الانصاری و رواه الطبرانی عن ابن مسعود ورواه البزار عن جابروابی عبیدة عن ابن عباس رضی اللہ عنهم اجمعین''۔

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قل ھواللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔اس کوامام مالک اورامام احمداور بخاری اورابوداؤداورترمذی نے روایت کیا ہےاورامام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیااورروایت کیااس کوترمذی اورابن ماجہ نے ابوہریرہ سےاورروایت کیااس کونسائی نے ابوایوب سےاورروایت کیااس کوامام احمداورابن ماجہ نے ابومسعودانصاری سےاورروایت کیااس کوطبرانی نے ابن مسعود سےاورروایت کیااس کو بزار نے جابراورابوعبیدہ سےاورانہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین''۔

اسی میں ہے:''عن عقبة بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ انزل علی ایات لم یر مثلهن قط قل اعوذبرب الفلق و قل اعوذبرب الناس (رواه الامام احمد و الترمذی والنسائی) و فی روایة اقرء المعوذتین فانك لن تقرء مثلها''۔ (رواه الطبرانی عنه) و فی روایة یا عقبة الا اعلمك خیر سورتین قرء تاقل اعوذبرب الفلق و قل اعوذبرب الناس یا عقبة اقرء بهما کلما نمت و قمت ماسئال سائل ولا استعاذ مستعیذ بمثلهما'' (رواه الامام احمد والنسائی والحاکم عن عقبت بن عامر)۔''مجھ پر چندآیتیں نازل ہوئیں کہ ان کےمثل کبھی کوئی چیزنہیں دیکھی گئی۔ وہ قل اعوذ برب الفلق اورقل اعوذ برب الناس ہیں۔معوذتین پڑھا کرو،اس لئے کہ تم ہرگزان کے مثل نہ پڑھوگے۔مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بےمثل ہیں''۔ایک روایت میں ہے:اے عقبہ! کیا میں تمہیں دوبہترین صورتیں نہ بتاؤں قل اعوذ برب الفلق ،قل اعوذ برب الناس۔اے عقبہ،ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنیوالے نے کسی چیز کے ساتھ جومثل ان دوسورتوں کے ہویعنی یہ دونوں ہرچیز سے بہتر ہیں''۔

دوم: اول وآخر درودشریف پڑھیں کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اوران کی آل پردرودشریف نہ پڑھی جائے۔

کنزالعمال جلداول ص ۱۲۳ میں ہے:''عن علی کرم اللہ وجهه کل دعاء محجوب حتیٰ یصلی علیٰ النبی ﷺ''۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان ورواه الدیلمی فی مسند الفردوس عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه)۔''بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی۔ ہردعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردرودشریف نہ پڑھے''۔

اسی میں ص ۲۱۳ ہے:''عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهما قال ان

Marfat.com

الدعاء موقوف بين السماء والا رض ولا يصعد منه شيء حتیٰ تصلى علیٰ نبيك صلى الله عليه و سلم۔ رواه الترمذى قال الحافظ العراقى فى شرحه وهوان كان موقوفا عليه فمثله لايقال من قبل الرائى وانما هوا مر تو قيفى فحكمه حكم المرفوع كماصرح به جماعة من الائمة اهل الحديث والاصول"۔ ''حضرت سعید بن میتب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعا آسمان وزمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔ یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

''عن عمر قال ذكرلى ان الدعاء يكون بين السماء والا رض لايصعد منه شيء حتى يصلى علیٰ النبى صلى الله عليه وسلم رواه ابن راهويه بسند صحيح"۔ ''محدث ابن راہویہ نے صحیح سند سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے''۔

''عن عمر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذادعا الداعى فان الدعاء موقوف بين السماء والارض فاذاصلیٰ علیٰ النبى صلى الله عليه واله وسلم رفع رواه الديلمى وعبد القادر الرهاوى فى الاربعين وقال وروى عن عمر موقوفا من قوله وهوا صح من المرفوع"۔ ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔ اس حدیث کو دیلمی اور عبد القادر رہاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفا بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے''۔

اسی میں ص ۲۱۴ ہے: ''عن على رضى الله عنه قال كل دعا محجوب عن السماء حتیٰ يصلى علیٰ محمد و علیٰ ال محمد رواه عبيد الله بن ابى حفص العيشى فى حديثه و عبدالقادر الرهاوى فى الاربعين والطبرانى فى الكبير و البيهقى فى شعب الايمان"۔ ''کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے''۔ ۱۲ ساحل۔

اس حدیث میں علی محمد کے بعد وعلیٰ آل محمد زائد ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کامل پڑھے جس

Marfat.com

میں آل واصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو

خصوصاً صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے:"قَالَ تعالی: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰیكُمْ صَدَقَةً (سورہ مجادلہ رکوع ۲)"

"مسلمانو جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو"۔

تفسیر خازن جلد ۴ ص ۲۴۱ میں ہے:"یعنی اذا اردتم منا جاة رسول الله صلی الله علیه و سلم فان الانسان اذاوجد الشئی بمشقة استعظمه و ان وجده بسهولة استحقره و نفع كثیر من الفقراء بتلك الصدقة المقدمة قبل المناجاة و مثله فی التفسیر الكبیر جلد ۸ ص ۱۶۶"۔"یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے دردسر حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتیرے فقرا کو نفع پہنچانا ہے"۔

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات وعرض حاجات کی اہمیت کا مقتضیٰ اسی سے ظاہر ہے۔ یہ مانا کہ اب یہ حکم امور مفروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استحباب ومندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہونچنا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصیل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ وزیارت کے لئے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لئے لے جایا کرتے ہیں۔ اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لئے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لئے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخر درود شریف پڑھ کر اس میت کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع ومروج ہے واللہ تعالیٰ علم۔

(جواب سوال دوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور وتامل کے بعد اس وقت فقیر

Marfat.com

کے خیال میں پچیس طریقے احادیث قولی وفعلی واقوال علمائے کرام سے صراحۃً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علما و مشائخ کے تعامل وتوارث سے ان کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔فاقول وباللہ التوفیق و به الوصول الیٰ ذری التحقیق۔

پہلا طریقہ: سورہ یٰسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت احتضار ہی سے ثابت ہے

سنن ابی داؤد جلد۲ص ۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:''اقرء وایس علیٰ موتا کم'' (ورواہ ابن ماجة والنسائی واعله ابن القطان و صححه ابن حبان)''۔''اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو''۔

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ص ۲۸۲ میں ہے:''قال القرطبی حدیث اقرء وا علیٰ موتا کم یٰس ھذا یحتمل ان تکون عند قبرہ کذاذ کرہ السیوطی فی شرح الصدور''۔''علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقراء و اعلی موتا کم یس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پڑھی جائے۔اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں ذکر کیا ہے''۔

''وعن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من قرء یٰس ابتغاء وجه اللہ غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه فاقرؤ ھا عند موتا کم''۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کردے تو تم اسے مردوں کے پاس پڑھا کرو''۔(ورواہ البیھقی فی شعب الایمان ،کنز العمال جلد اول ص ۱٤٤)

مرقات شرح مشکوہ جلد۲ص ۲۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''(فاقر ؤ ھا عند موتاکم) ای مشرفی الموت او عند قبور امواتکم فانھم احوج الیٰ المغفرة''۔''موتی سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مردوں کی قبور کے پاس سورہ یٰس پڑھو۔اس لئے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ تر محتاج ہیں۔

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا

''عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ عنھا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبل عثمان بن مظعون وھو میت وھو یبکی حتی سال دموع النبی صلی اللہ علیه وسلم علیٰ وجه عثمان'' (رواہ ابو داؤدا لترمذی وا بن ماجة ورواہ ابوداؤد الطیالسی الیٰ ص ۲۰۱ قوله وھو میت)۔''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے،یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر بہے''۔

Marfat.com

''وعنها قالت اقبل ابو بکر رضی الله عنه علیٰ فرسه من مسکنه بالسخ حتی نزل فد خل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علیٰ عائشه رضی الله عنها فتیمم النبی صلی الله علیه وسلم وهو مسجی ببرد حبرة فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله فبکی الحدیث'' ۔(رواه البخاری وروی الترمذی وابن ماجة وابو دائود الطیالسی ص ۲۳۷ و مثله مختصر اولفظ ابی دائود فقبل جبهته و عنها ان ابابکر قبل بین عینی النبی صلی الله علیه وسلم وهو میت (رواه النسائی فی باب تقبیل المیت واین یقبل منه)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو سخ میں واقع تھا آئے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور آپ بردیمانی اوڑھا دیئے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۴ ص ۱۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''فیه جواز تقبیل المیت بفعل ابی بکررضی الله عنه و کان ابو بکر فی تقبیله النبی ﷺ لم یفعله الا قدوة به علیه الصلوة والسلام لما روی الترمذی مصححا ان رسول الله ﷺ دخل علیٰ عثمان بن مظعون وهو میت فاکب علیه وقبله ثم بکی حتی رایت الدموع تسیل علیٰ وجنتیه''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتدا سے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے۔شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ دے لیکن جب وہ متعذر ہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور جس طرح قبر کی مٹی مردے کے دیکھنے اور زائر کا کلام سننے میں حارج نہیں، اسی طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں۔اس لئے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لئے بمنزلہ شیشہ کے ہے۔

Marfat.com

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد۱۰ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں:"قال الحافظ ابن رجب انبانی علی بن عبدالصمد بن احمد البغدادی عن ابیہ قال اخبرنی قسطنطین بن عبداللہ الرومی سمعت اسد بن موسیٰ یقول کان لی صدیق فمات فرائیته فی المنام وھو یقول سبحان اللہ جئت الیٰ قبر فلان صدیقك قرأت عندہ و ترحمت علیه و انا ماجئت الی ولا قربتنی قلت له و مایدریك قال لماجئت الیٰ قبر صدیقك فلان رایتك قلت کیف رائیتنی والتراب علیك قال مارایت الماء اذا کان فی الزجاج مایبین قلت بلیٰ قال فکذالك نحن نریٰ من یزورنا"۔" حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور نہ میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کہا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے"۔

اس بوسہ قبر کی مثال ویسی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزودان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزدان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے ولنعم من قال ؎

اگر بوسہ بر قبر مرداں زنی　　بمردی کہ پیش آیدت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عساکر بسند جید ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی:"لمارحل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه من فتح بیت المقدس فصارالی جابیة سأله بلال ان یقرہ بالشام ففعل وذکر قصة نزوله بداریا قال ثم ان بلالا رائی النبی ﷺ وھو یقول ماھذہ الجفوۃ یابلال! اماآن لك ان تزورنی یا بلال! فانتبه حزینا وجلا خائفا فرکب راحلته وقصد المدینة واتیٰ قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجهه علیه فاقبل الحسن والحسین رضی اللہ عنهما فجعل یضمهما و یقبلهما الخ"۔" جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کر کے واپس ہوئے اور جابیہ پہونچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہونچنے اور داریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا

Marfat.com

اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہوکر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہونچے تو روضۂ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہونچ کر رونے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے''۔ (وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ جلد۲ ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے یمرغ وجہہ علیہ کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے: ''قال العزفی کتاب العلل والسوالات لعبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ روایۃ علی بن الصوف عنہ قال عبداللہ سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول اللہ ﷺ ویتبرک بہ ویقبلہ ویفعل بالقبر مثل ذلک رجاء ثواب اللہ تعالیٰ قال لا باس بہ''۔ ''عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور مس کرتا اور اسی میں خداوند عالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے (اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں''۔

وفاء الوفا جلد۲ ص ۴۴۳ میں ہے: ابوالحسین یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''اقبل مروان بن الحکم فاذار جل ملتزم القبر فاخذ مروان برقبتہ ثم قال ھل تدری ماتصنع؟ فاقبل علیہ فقالہ نعم انی لم ات الحجر ولم آت اللبن انماجئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبکوا علیٰ الدین اذاولیہ اھلہ ولکن ابکوا علیہ اذاولیہ غیر اھلہ قال الحنطب و ذلک الرجل ابوایوب الانصاری''۔ ''مروان بن الحکم روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت رؤو دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت رؤو جب نااہل والی ہوں۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے''۔

وفاء الوفا جلد۲ ص ۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی: ''لما رمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوقفت علیٰ قبرہ صلی

Marfat.com

الله عليه وسلم واخذت قبضة من تراب القبرو وضعت علىٰ عينيها و بكت وانشاء ت تقول" ۔

ماذا علىٰ من شم تربة احمد ان لا يشم مدى الزمان غواليا
صبت علي مصائبٌ لو انها صبت علىٰ الا يام صرن لياليا

''جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں ۔قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے ۔جس شخص نے روضۂ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں ۔مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے''۔

وفاء الوفا جلد۲ص۱۴۴۴ہی میں ہے:''وذكر الخطيب ابن حملة ان ابن عمر رضى الله عنهما كان يضع يده اليمنىٰ علىٰ القبر الشريف وان بلالا رضى الله عنه وضع خديه عليه ايضا" ۔''خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا''۔

وفاء الوفا جلد۲ص۱۴۴۴میں ہے:''قال الحافظ ابن حجرا ستنبط بعضهم من مشر وعية تقبيل الحجرالاسود جواز تقبيل كل من يستحق التعظيم من آدمى وغيره فاماتقبيل يدآدمى فسبق فى الادب واما غيره فنقل عن احمد انه سئل عن تقبيل منبر النبى صلى الله عليه وسلم و قبره فلم يربه بـاسأ واستبعد بعض اتبا عه صحته عنه و نقل عن ابن ابى الصيف اليمانى احد علماء مكة من الشا فعية جواز تقبيل الصحف واجزاء الحديث و قبورالصالحين وانشد" ۔

امر على الديار ديار ليلىٰ اقبل ذاالجدار و ذا الجدار
وما حب الديار شغفن قلبى ولكن حب من سكن الديار

و نعم من قال ۔

چوں بگزری اے باد بصحرائے مدینہ یاد آر ازیں عاشق شیدائے مدینہ
کن عرض سلام بہ نیاز یکہ تو داری برکوچہ و بازار و مکانہائے مدینہ

''حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چومنا ادب میں گذر۔الیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے

Marfat.com

منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی وقبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجزائے حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محب طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علما صالحین کا عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گذرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار کو اور اس دیوار کو اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں کبھی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں:''واما تقبیل الاماکن الشریفة علیٰ قصد التبرك و كذلك تقبيل ايدى الصالحين وارجلهم نهو حسن محمود باعتبار القصد والنية وقد سأل ابوهريرة رضى الله عنه ان يكشف له المكان الذى قبله رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو سرته فقبله تبركا باثاره وذريته صلى الله عليه وسلم وقد كان ثابت البنانى لايدع يدانس رضى الله عنه حتى يقبلها و يقول: يد مست يدرسول الله صلى الله عليه وسلم و قال ايضاو اخبرنى الحافظ ابو سعيد بن العلائى قال رايت فى كلام احمد بن حنبل فى جزء قديم عليه خط بن ناصر و غيره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبيل قبر النبى صلى الله عليه وسلم و تقبيل منبره قال لا باس به قال فاريناه للشيخ تقى الدين ابن تيميه فصار يتعجب من ذلك و يقول عجبت احمد عندى جليل يقوله هذ كلامه اومعنى كلامه وقال واى عجب فى ذلك وقدروينا عن الامام احمد انه غسل قميصاللشافعى و شرب الماء الذى غسله به واذا كان هذا تعظيمه لاهل العلم فكيف بمقادير الصحابة و كيف بآثار الانبياء عليهم الصلوة والسلام''۔

''ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ متبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لئے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابوسعید ابن علائی نے خبر دی کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جزء میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی

Marfat.com

نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرتا دھویا اور اس کا سالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت وتعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا''۔

تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا

"عن ام عطية الانصارية رضى الله عنها قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اكثر من ذلك ان رائيتن ذلك بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافورا او شيئا من كافور فاذا فرغتن فاذنني فلما فرغنا اذناه فاعطانا حقوه فقال اشعرنها اياه تعني ازاره"۔

''حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دیے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔
(رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۶۹ و مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی)

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۴۶ میں فرماتے ہیں: "والحكمة فيه التبرك باثاره الشريفة وانما اخره الى فراغهن من الغسل ولم يناولهن اياه اولا ليكون قريب العهد من جسده الشريف حتى لا يكون بين انتقاله من جسده الى جسدها فاصل وهو اصل في التبرك بآثار الصالحين"۔ ''اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو موخر کیا اور پہلے ہی سے عطا نہ فرمادیا تاکہ قریب العہد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہننے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے''۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: ''انما فعل ذلك لينالها بركة ثوبه''۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تاکہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہونچیں''۔

Marfat.com

امام نووی شرح مسلم ج ا ص ۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''والحکمة فی اشعار هابه تبریکها به ففیه التبرك بآثار الصالحین ولباسهم''۔ ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہبند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے''۔ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۱ میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ''قال انی واللہ ماسئا لته لالبسه انما سئا لته لتکون کفنی قال سهل فکانت کفنه''۔ ''سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لئے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لئے کہ یہ متبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو''۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔

علامہ عینی جلد ۴ ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وفیه التبرك باثار الصالحین وفیه برکة مالبسه مما یلی جسده''۔ ''اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا متبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے''۔

''وروی ابن عبدالبر عن ابن عباس قال لماماتت فاطمة ام علی بن ابی طالب البسها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قمیصه واضطجع معها فی قبرها فقالو امارائناك صنعت ما صنعت بهذه فقال انه لم یکن احد بعد ابی طالب ابرلی منها انما البستها قمیصی لتکسی من حلل الجنة واضطجعت معهالیهون علیها'' وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۸۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا کہ ضغطۂ قبر آسان ہو''۔

دوسری روایت میں ہے: ''ثم نزع قمیصه فامران تکفن فیه ثم صلی علیها عند قبرها فکبر تسعا وقال ماعفی احد من ضغطة القبر الافاطمة بنت اسد قیل یا رسول اللہ ولا القاسمه قال ولا ابراهیم وکان ابراهیم اصغر هما''۔ ''حضور نے اپنی قمیص مبارک اوتار کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ضغطۂ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت

Marfat.com

اسد کے۔صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے"۔ وفاء الوفا ج ۲ ص ۸۸۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد اول ص ۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فافاق معاویة قال یا بنی انی صحبت رسول الله صلی الله علیه وسلم فخرج لحاجته فاتبعته باداوة فکسانی احدثوبیه الذی کان علی جسده فخبأته لهذاالیوم واخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم من اظفاره و شعره ذات یوم فاخذته و خباته لهذالیوم فاذاانا مت فاجعل ذلك القمیص دون کفنی مما یلی جلدی و خذ ذلك الشعرو الاظفار فا جعله فی فمی و علیٰ عینی و مواضع السجود منی فان نفع شئ فذاك والاّ فان الله غفور رحیم"۔

"پس افاقہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا، ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لئے چھپا رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوایا تو اس کو بھی میں نے لے لیا اور آج کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے تو میں جب مرجاؤں تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھنا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منھ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھنا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی، نہیں تو خدا وندغفور رحیم ہے"۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں آیۃ کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ الا یة کی شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں: "عن ابن عباس رضی الله عنهما انه لما اشتکی عبدالله ابن ابی ابن سلول عاده رسول الله صلی الله علیه وسلم فطلب منه ان یصلی علیه اذامات ویقوم علیٰ قبره ثم انه ارسل الیٰ الرسول علیه السلام یطلب منه قمیصه لیکفن فیه فارسل الیه القمیص الفوقانی فرده و طلب الذی یلی جلده لیکفن فیه"۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن ابن سلول بیمار پڑا، ارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے، اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مرجائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص کے لئے آدمی بھیجا تا کہ اسی قمیص میں کفنایا جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قمیص بھیج دی اس نے واپس کردی اور جو

Marfat.com

قمیص مبارک جسد اقدس سے متصل ہے، کفن کے لئے اسے طلب کیا''۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰ لماتوفی کے تحت میں عبداللہ بن ابی کے شوال میں بیمار ہونے، بیس دن بیمار رہنے، ذیقعدہ ۹ھ میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور اس کو نصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں: ''ثم قال یا رسول اللہ الیس ھذا بحین عتاب ھو الموت فان مت فاحضر غسلی و اعطنی قمیصک الذی یلی جسدک فکفنی فیہ و صل علیٰ و استغفر لی ففعل ذلک بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الحاکم کان علیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصان فقال عبداللہ و اعطنی قمیصک الذی یلی جسدک فاعطاہ ایاہ''۔

''عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے، عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مرجاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قمیص مبارک جو جسد اطہر سے متصل ہے، عنایت فرمائیں اور اسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔ حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو قمیص پہنے ہوئے تھے تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے وہ قمیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے''۔

مقام غور ہے کہ عبداللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اور اس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا، اس کو بعد موت وسیلہ اجر و مغفرت بناتا ہے۔ حسرت وافسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت اور ان کے لباس مبارک و آثار شریفہ کی اہمیت و عزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو ع

شرم دارد کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قمیص مبارک کفن کے لئے طلب کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا، اس میں کفنایا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قمیص مبارک طلب کرنا، حضور کا قمیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں ہے: ''و کان المنافقون لایفارقون عبداللہ بن ابی فلما راوہ یطلب ھذا القمیص و یرجوا ان ینفعہا اسلم منھم یومئذ الف'' ۔ ''منافقین کبھی عبداللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قمیص مبارک طلب کرتا ہے، اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی

Marfat.com

دن مسلمان ہو گئے''۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ فارسی جلد اص ۶۱۷ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: ''در نیجا استحباب تبرک ست بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانکہ قبل موت نیز ہم چنیں بودہ''۔

لمعات میں فرماتے ہیں: ''ھذا الحدیث اصل فی التبرک بآثار الصالحین ولباسھم کما یفعل بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر'' ۔''یہ حدیث آثار صالحین اوران کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قمیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں''۔

شیخ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان جلد۲ص ۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قال فی الاسرار المحمدیۃ لو وضع شعر رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم او عصاہ او سوطہ علیٰ قبر عاص لنجا ذلك العاصی ببرکات تلك الذخیرہ من العذاب وان کان فی دار انسان او بلدۃ لایصیب سکانھا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ ومن ھذاالقبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ و بطبانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھاو کتابۃ القرآن علیٰ القراطیس والوضع فی ایدی الموتیٰ''۔

''اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تبرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اور اگر کسی آدمی کے گھر یا کسی شہر میں ہوتو وہاں کے رہنے والوں کو اس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہونچے گی اگر چہ وہ اس کو نہ سمجھیں اوراسی قسم سے آب زمزم اوراس میں تر کیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اوراس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اوراس کو مردہ کے ہاتھوں پر دینا ہے''۔

چوتھا طریقہ: میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا

مصنف عبدالرزاق،اوران کے طریق سے معجم طبرانی پھر حلیہ ابونعیم میں ہے: ''اخبرنا معمر عن عبداللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمۃ رضی اللہ عنھا لما حضرتھا الوفاۃ امرت علیا فوضع لھا غسلا فاغتسلت و تطھرت ودعت بثیاب اکفانھا فلبستھا ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لاتکشف اذا ھی قبضت وان تدرج کماھی فی اکفانھا فقلت لہ ھل علمت احداء فعل نحو ذلك قال نعم کثیربن عباس و کتب فی اطراف اکفانہ یشھد کثیرین عباس ان لا الہ الااللہ''۔

''حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے

Marfat.com

لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کر دی جائیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ"۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كتب هذا الدعاء و جعله بين صدر الميت و كفنه في رقعة لم ينله عذاب القبر و لايرى منكر او نكير او هو هذا"۔ جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں اور وہ دعا یہ ہے: لااله الاالله والله اكبر لااله الاالله وحده لاشريك له لااله الاالله له الملك وله الحمد لاالاالله ولاحول ولا قوة الابالله العلى العظيم"۔

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے: "اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب و الشهادة الرحمٰن الرحيم انى اعهد اليك فى هذه الحياة الدنيا بانك انت الله لااله الا انت وحدك لاشريك لك وان محمد اعبدك ورسولك فلا تكلنى الىٰ نفسى فانك ان تكلنى الىٰ نفسى تقربنى من السوء تباعدنى من الخير وانى لااثق الابرحمتك فاجعل رحمتك لى عهدا عندك تؤديه الىٰ يوم القيمة انك لاتخلف المعياد"۔ "فرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے لئے اوٹھا رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا: "وعن طاؤس انه امر بهذه الكلمات فكتبت فى كفنه"۔ "امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا"۔ امام فقیہ بن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا: "اذا كتب هذا الدعاء و جعل مع الميت فى قبره وقاه الله فتنة القبر و عذاب"ہ۔ "جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوال نکیرین وعذاب قبر سے امان دیدے گا"۔

درمختار ص ۱۲۶ میں ہے: "كتب علىٰ جبهة الميت او عمامته او كفنه عهد نامه يرجى ان يغفر الله للميت اوصى بعضهم ان يكتب فى جبهته وصدره بسم الله الرحمٰن الرحيم ففعل ثم رئى فى المنام فسئل فقال لماوضعت فى القبر جاء تنى ملئكة العذاب فلما راؤا مكتوبا علىٰ جبهتى بسم الله الرحمٰن الرحيم قالو امنت من عذاب الله"۔

"مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے

Marfat.com

وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا دیکھا ،کہا تجھے عذاب الٰہی سے امان ہے''۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: ''قولہ کتب علیٰ جبهة المیت اخذمن ذلك جواز الکتابة ولوبالقران ولم یعتبروا کون ماله الیٰ التنجیس بما یسیل من المیت''۔ ''مصنف کے اس قول کتب سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا''۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ بنام تاریخی ''الحرف الحسن فی الکتابة علیٰ الکفن'' تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ الاسم عین المسمی کما صرح به فی کتب العقائد۔ اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمیٰ پر دلالت تراشا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال بہ محبوب ذی الجلال وبہ حضرت عزت وجلال ہیں اور اللہ اور محبوب واولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپ وغیرہ سے تلوث کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ و وہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوث جیس فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوث بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں: انبیا، اولیا، علمائے دین، شہدا، حفاظ، موذن کہ للّٰہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر و محتسب مرے، ذکر الٰہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوث ظاہر ورنہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سرہانے طاق بنا کر رکھیں۔

Marfat.com

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن ایں را دو طریق ست۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند وایں طریق را فقہا منع می کنند و می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلان می کند و موجب سوئے ادب با سمائے بزرگاں می شود۔ طریق دوم این ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزارند و دراں کاغذ شجرہ رانہند۔''

پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا

''عن انس قال مروا بجنازۃ فاثنوا علیہا خیرا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجبت ثم مروا باخری فاثنوا علیہا شرا فقال وجبت فقال عمر ما وجبت۔ فقال ھذا اثنیتم علیہ خیرا فوجبت لہ الجنۃ وھذا اثنیتم علیہ شرا فوجبت لہ النار انتم شہداء اللہ فی الارض'' (رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابو داؤد الطیالسی ص ۲۷۵)۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ ونعم من قال۔

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

''وعن ابی الاسود قال قدمت المدینۃ فجلست الیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فمرت بہم جنازۃ فاثنوا علیٰ صاحبہا خیرا فقال عمر رضی اللہ عنہ وجبت ثم مر واباخریٰ فاثنوا علیٰ صاحبہا خیرا فقال عمر وجبت ثم بالثالثۃ فاثنیٰ علیٰ صاحبہا شرا فقال عمر وجبت فقال ابوالاسود فقلت وما وجبت یا امیر المومنین! قال قلت کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما مسلم شہد لہ اربعۃ بخیر ادخلہ اللہ الجنۃ قلنا وثلثۃ قال وثلثۃ قلنا واثنان قال واثنان ثم لم نسئلہ عن واحد''۔

(رواہ البخاری والنسائی)

''ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گذرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ گذرا لوگوں

Marfat.com

نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی، حضرت عمر نے کہا واجب ہوگئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہوگئی یا امیرالمومنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالی اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا''۔

''وعن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم يرويه عن ربه عزوجل مامن عبد مسلم يموت فيشهد له ثلاثة ابيات من جيرانه الا دنين بخيرالاقال الله عزو جل قد قبلت شهادة عبادی علیٰ ماعلمواو غفرت لهم ماعلم'' ۔(رواه الامام احمد وروی ابويعلی وابن حبان فی صحيحه۔ ولفظهما اربعة اهل ابيات من جيرانه)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عزوجل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا قصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ ابویعلی اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے''۔

چھٹا طریقہ: نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور تکثیر مصلیان مرغوب ومطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

''عن كريب عن ابن عباس من انه مات له ابن بقديد او بعسفان فقال يا كريب انظر ما اجتمع له من الناس قال فخرجت فاذ اناس قداجتمعو اله فاخبرته فقال تقول هم اربعون قال نعم قال اخرجوه فانی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول مامن رجل مسلم يموت فيقوم علیٰ جنازه اربعون رجلالايشركون بالله شئيا الا شفعهم الله فيه'' (رواه الامام احمد مسلم وابو داؤد ابن ماجة)

''حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی جمع ہوئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں کہ میں نکلا، دیکھا کہ لوگ جمع

Marfat.com

ہیں ۔میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا''۔

''و عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم مامن میت یصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون الا شفعو افیه'' (رواه مسلم ص ۳۰۸ والترمذی) و قال حدیث حسن صحیح ورواه النسائی ولفظه مائة فما فوقها)'' جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہونچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی ۔نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا''۔

''و عن مالك بن هبیرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ما من میت یموت یصلی علیه ثلاثه صفوف من المسلمین الا اوجب قال فکان مالك اذا استقل اهل الجنازة جزا هم ثلثة صفوف للحدیث (رواه ابو داؤد جلد ۲ ص ۹۵ ورواه الترمذی وحسنه وصححه الحاکم و فی روایة له الا غفرله)''۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مردہ کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنّت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابن ہبیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے''۔

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا

''عن ابی هریرة قال ارسل ملك الموت الیٰ موسیٰ علیه الصلاة والسلام فلما جاء ه صکه فرجع الیٰ ربه، فقال ارسلتنی الیٰ عبد لا یرید الموت فرد الله عینه فقال ارجع فقل له یضع یده علیٰ متن ثور فله بکل ما غطت یده بکل شعرة سنة قال ای رب ثم ماذا؟ قال ثم الموت قال فالان فسال الله تعالی ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فلو کنت ثم لا ریتکم قبره الیٰ جانب الطور عند الکثیب الاحمر'' (رواه البخاری و مسلم والنسائی)

'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی ۔پس خدا

Marfat.com

وند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوندا تو نے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمران کو اور دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کردے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھا دیتا طور کے پاس سرخ ٹیلہ کے نزدیک''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: ''اذسأل الله تعالى الد نومن بيت المقدس ليد فن فيه دنواً لورمىٰ رامى الحجر من ذلك الموضع الذى هو الآن موضع قبره لو صل الىٰ بيت المقدس وانماسئال ذلك لفضل من دفن فى الا رض المقدسة من الانبياء و الصالحين فاستحب مجاورتهم فى الممات كما فى الحيوة ولان الناس يقصد ون المواضع الفاضلة ويزورون قبورها و يدعون لاهلها''۔

''خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تا کہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کی جگہ ہے، پتھر پھینکے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہونچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیا و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں''۔

اسی میں ہے: ''وفيه استحباب الدفن فى المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين''۔ ''اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے''۔

''عن عمر بن ميمون الازدى قال رايت عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال يا عبدالله! اذهب الىٰ ام المومنين عائشة رضى الله عنها فقل يقرء عمر بن الخطاب عليك السلام، سلها ان ادفن مع صاحبى قالت كنت اريده نفسى فلا وثرنه اليوم علىٰ نفسى فلما اقبل قال له مالديك؟ قال اذنت لك ياامير المومنين! قال ما كان شئى اهم الى من ذلك المضجع''۔

''عمر بن میمون ازدی سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے

Marfat.com

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ ابن عمر واپس آئے، امیر المومنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ نے اجازت دیدی۔ فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: ''فیہ الحرص علی مجاورۃ الصالحین فی القبور طمعافی اصابۃ الرحمۃ اذانزلت علیھم و فی دعاء من یزورھم من اھل الخیر''۔ ''اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہونچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں''۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ص ۳۷۵ حدیث ردوالقتلیٰ الیٰ مضاجعھم کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کر کے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: ''قال صاحب الھدایۃ و ذکران من مات فی بلدۃ یکرہ نقلہ الیٰ اخریٰ لانہ اشتغال بما لایفید بما فیہ تاخیر دفنہ و کفیٰ بذلک کراھۃ قلت فاذاکان یترتب علیہ فائدۃ من نقلہ الیٰ احد الحرمین اوالی قریب احد من الانبیاء والاولیاء اولیزورہ اقاربہ من ذلک البلد وغیرہ ذلک ولاکراھۃ الامانص علیہ من شھداء احد اومن فی معناھم من مطلق الشھداء''۔

''صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احد الحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے مزار کے پاس دفن کرنا یا تا کہ اس شہر کے اس کے عزیز وقریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ذلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہدائے احد یا دیگر شہدائے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہوگا''۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں تحریر فرماتے ہیں: ''واخرج ابونعیم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفنوا موتکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء''۔ ''راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے برے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں''۔

Marfat.com

اسی میں ہے: ''واخرج ابن عساکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذامات احدکم المیت فاحسنوا کفنہ وعجلوا انجاز وصیتہ واعمقوا لہ من قبرہ وجنبوہ جار السوء قیل یا رسول اللہ وھل ینفع الجار الصالح فی الاخرۃ قال ھل نفع فی الدنیا قال نعم قال کذلک نفع فی الاخرۃ''۔

''ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلدی کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے برے پڑوسی سے بچاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہونچاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دنیا میں نفع پہونچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔''

''واخرج ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن نافع المزنی قال مات رجل بالمدینۃ فدفن بھا فراہ رجل کانہ من اھل النار فاغتم لذلک ثم اریہ بعد سابعۃ وثامنۃ کانہ من اھل الجنۃ فسالہ فقال دفن معنا رجل من الصالحین فشفع فی اربعین من جیرانہ فکنت فیھم''۔

''ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مرا پس وہیں دفن کیا گیا۔ کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر سات آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنایا''۔

آٹھواں طریقہ: جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد مردہ کو دفن کریں۔

طبرانی معجم کبیر واوسط میں اور ابن حبان وحاکم بافادہ تصحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی: ''قال لما ماتت فاطمۃ بنت اسد دخل علیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجلس عند راسھا فقال رحمک اللہ یا امی بعد امی وذکر ثناءہ علیھا وتکفینھا ببردہ ثم قال دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید وابا ایوب الانصاری وعمر بن الخطاب وغلاما اسود یحفرون فحفروا قبرھا فلما بلغوا اللحد حفرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ واخرج ترابہ بیدہ فلما فرغ دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاضطجع فیہ ثم قال اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لایموت اغفر لامی

Marfat.com

فاطمۃ بنت اسد و وسع علیھا مد خلھا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانك ارحم الرحمین"۔

"جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کفنانا بیان کر کے پھر کہا کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوندا! میری ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیا کی برکت سے جو میرے قبل ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے"۔

وفاء الوفا جلد۲ ص۸۹ میں ہے: "وفی روایۃ علی بن ابی طالب فلما فرغ منه نزل فاضطجع فی اللحد وقرء فیه القرآن"۔ "جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن شریف پڑھا"۔

"واخرج ابن شیبة عن جابر رضی الله عنه قال بیننا نحن جلوس مع رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاتاه آت فقال یا رسول الله !ام علی و جعفر و عقیل قد ماتت فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قوموا الیٰ امی فقمنا و کان علیٰ رؤس من معه الطیر فلما انتھینا الیٰ الباب نزع قمیصه فقال اذاغسلتمو ھا فا شعروھا ایاہ تحت اکفا نھا فلما خرجوابھا جعل رسول الله صلی الله علیه وسلم مرة یحمل و مرة یتقد م و مرة یتاخر حتی اانتھینا الیٰ القبر فتمعك فی اللحدثم خرج فقال ادخلوھا باسم الله وعلیٰ اسم الله فلما ان دفنو ھاقام قائما فقال جزاك الله من ام و ر بیبة خیرا فنعم الام و نعم الربیبة کنت لی قال فقلنا له او قیل له یا رسول الله! لقد صنعت شیئین مارأینا صنعت مثلھما قط قال وما ھو قلنا نزعك قمیصك و تمعکك فی اللحد؟قال اماقمیصی فارید ان لایمسھا النار ابدا ان شاء الله تعالیٰ واماتمعکی فی اللحدفار دت ان یوسع الله علیھا قبرھا"۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تجہیز و

Marfat.com

تکفین کے لئے تو ہم لوگ کھڑے ہو گئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب خموش با ادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنازہ اٹھاتے، کبھی آگے آگے چلتے اور کبھی جنازہ کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہونچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزادے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ کون کون باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قمیص مبارک کا اتار کر کفن کے لئے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا۔ ارشاد ہوا کہ قمیص اتار کر اس لئے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالی آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اللہ تعالی ان کی قبر وسیع وفراخ کردے''۔ (وفا الوفا ص ۸۸ جلد ۲)۔

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا

''عن جابر قال ورش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان الذی رش الماء علیٰ قبرہ هلال بن رباح بقربة بد أمن قبل را سه حتی انتهیٰ الیٰ رجلیه رواه البیهقی فی دلائل النبوة''۔ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ بلال بن رباح ہیں، مشک سے پانی چھڑکا۔ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور پائنتی کی طرف ختم کیا''۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد دوم ص ۸ ۲۷ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قال الطیبی لعل ذلك اشارة الیٰ استنزال الرحمة الالهیة و العواطف الربانیة کما ورد فی الدعا اللهم اغسل خطایاه بالماء والثلج والبرد وقالوا سقیٰ الله ثراه و برد مضجعه اوالیٰ الدعا بالطراوة وعدم الدروس قال میرك ولعل الحکمة فیه ان القبرا ذارش بالماء کان اکثر بقاء وابعد من التناثر والا ندارس قلت هذاامر ظاهر حسی لا یحتاج الیٰ نقل و هو ماخوذ من العبارة اماماذکره الطیبی من الاشارة فهوفی غایة اللطافة و نهایة الشرافة و نظیره ان احدامن المریدین بنیٰ بیتا ثم ضیف شیخه فقال له الشیخ لأیِّ شئی فتحت الطاقة قال لدخول الهواء وشمول الضیاء فقال هذاامر ظاهر حاصل لا محالة لکن کان ینبغی ان تقصد بالاصالة سماع الاذان ویکون الباقی تبعالهٗ''۔

''علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الٰہیہ وعواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے ''خداوندا! دھودے اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں

Marfat.com

سقی اللہ ثراہ وبرد مضجعہ یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی دعا طرف اشارہ ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبارت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طیبی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی۔ شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔ شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہونا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، و نعم من قال۔

سرمہ کہ برائے نور چشم ست
زیبائش چشم او طفیل ست

''و عن ابی رافع قال سلّ رسول اللہ علیہ وسلم سعد اورش علیٰ قبرہ ماء'' (رواہ ابن ماجۃ)۔ ''ابن ماجہ حضرت ابو رافع سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد کو سرہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

''وعن جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلاً ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حثیٰ علیٰ المیت ثلاث حثیات بیدیہ جمیعا وانہ رش علیٰ قبر ابنہ ابراھیم ووضع علیہ حصباء (رواہ فی شرح السنۃ وروی الشافعی من قولہ رش)''۔ ''علامہ بغوی شرح السنہ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسلا راوی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ اس حدیث کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے''۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۴۸)

مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے: ''قال ابن الملک ولیسن حیث لامطررش القبر بماء بارد طاھر مطھور تفاولا بان اللہ یبرد مضجعہ''۔ ''ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاہر مطہر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اس بات کی تفاول کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کرے''۔

اسی میں ہے ص ۳۷۸: ''وروی البزاز انہ امر بالرش فی قبر عثمان بن مظعون''۔ ''بزاز نے روایت کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوۃ ص ۱۴۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''وذلک لمصلحۃ رأ ھااصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والعلۃفی رش قبر غیر

Marfat.com

ہ صلی اللہ علیہ وسلم التفاؤل باستنزال الرحمۃ و غسل الخطایا و تطہیر الذنوب و علل ایضا بان یمسک تراب القبر عن الانتشار و یمنع عن الدروس"۔ "صحابہ کرام نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جو ان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک فال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر ہونے سے بچانا اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے"۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد ۱ ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "قول ولا باس برش الماء علیہ بل ینبغی ان یندب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد کما رواہ ابن ماجۃ و بقبر ولدہ ابراهیم کما رواہ ابو داؤد فی مراسیلہ وامر بہ فی قبر عثمان بن مظعون کما رواہ البزار"۔ "قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے"۔

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا

اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں ہے: "قال سعید بن عبداللہ الاودی شہدت ابامامۃ الباھلی وھو فی النزع فقال یا سعید! اذا مت فاصنعوا بی کما امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذامات احد کم فسویتم علیہ التراب فلیقم احد کم علیٰ راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یافلان بن فلانہ الثانیۃ فانہ یستوی قاعد اثم لیقل یا فلان بن فلانۃ الثالثۃ فانہ یقول ارشد نایرحمک اللہ ولکن لا تسمعون فیقول لہ اذکرما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وانک رضیت باللہ ربا و بالا سلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و بالقران اماما فان منکر او نکیرا یتاخر کل واحد منہما فیقول انطلق بنا ما قعد نا عند ھذا وقد لقن حجتہ ویکون اللہ عزوجل حجیجہ دونہما فقال رجل یا رسول اللہ! فان لم یعرف اسم امہ قال فلینبہ الیٰ حواء"۔

"سعید بن عبداللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کرو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کر چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور

Marfat.com

کہے اے فلان بن فلانہ تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلان بن فلانہ اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ تب وہ کہے گا کہ کہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر منکر نکیر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا کہ چلو کیا بیٹھیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالی اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا تو فلاں بن حوا کہنا''۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں فرماتے ہیں: ''رواہ الطبرانی فی الکبیر و فی کتاب الدعاء و ابن مندة فی کتاب الروح و ابن عساکر و الدیلمی و رواہ ابن مندة من وجه اخر عن ابی امامة قالاذا انامتُ فد فنتمونی فلیقم انسان عند راسی فلیقل یا صدی بن عجلان اذکر ماکنت علیه فی الدنیا شهادة ان لااله الاالله و ان محمد ارسول الله رواہ ابن عساکر مْن وجه اخر عن ابی امامة رفعه اذامات الرجل منکم فد فنتموہ فلیقم احد کم عند راسه فلیقل یا فلان بن فلانة فانه یسمع فلیقل یافلان بن فلانه فانه یستوی قاعد افلیقل یافلان بن فلانة فانه سیقول له ارشدنی یرحمك الله فلیقل اذکر ماخرجت علیه من الدنیا شهادة ان لااله الا الله و ان محمد اعبدہ و رسوله و ان الساعة اتیة لاریب فیها و ان الله باعث من فی القبور فان منکرا و نکیرا عند ذلك یا خذ کل واحدبید صاحبه و یقول قم ماتصنع عند رحل لقن حجته فکیون الله حجیجهما دونه''۔

''روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعا میں اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور کہے: ''اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ تعالی کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں'' روایت کیا اس کو ابن عساکر نے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو ''جب مر جائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہئے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کا اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلانہ! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن

Marfat.com

فلانہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہئے کہ ''یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالی کے اور بیشک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالی اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالی ان دونوں کی طرف سے جھگڑنے والا اس وقت''۔

اسی میں ص (۳۶۹ میں ہے:''وروی سعید بن منصور عن راشد بن سعد وضمرة بن حسیب و حکیم بن عمیر قالو ااذا سوی علیٰ قبره وانصرف الناس عنه كان يستحب ان يقال للميت عند قبره يا فلان قل لااله الا الله ثلاث مرات يا فلان قل ربي الله و ديني الاسلام و نبي محمد صلى الله عليه وسلم''۔ ''سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضمرہ بن حسیب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کردیں اور لوگ اس سے واپس پھریں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں''۔

علامی شامی ردالمحتار جلد اول ص ۶۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''قوله ولا يلقن بعد تلحيده ذكر في المعراج انه ظاهر الرواية ثم قال و في الخبازية والكافي من الشيخ الزاهد الصفاران هذاقول المعتزلة لان الاحياء بعد الموت عندهم مستحيل اما عند اهل السنة فالحديث اى لقنو اموتاكم لااله الا الله محمول علىٰ حقيقته لان الله تعالى يحييه على ماجاء ت به الأثار وقد روى عنه عليه الصلاة والسلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول يافلان بن فلانة اذكر دينك الذى كنت عليه من شهادة ان لااله الاالله وان محمد ارسول الله الخ''۔

''معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنوا موتاكم لااله الاالله اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی مردہ کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے تو کہے اے فلاں بن فلانہ! یاد کرو اس دین کو جس پر تم دنیا میں تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں''۔

گیارھواں طریقہ: دعائے تثبیت کرنا

Marfat.com

''عن عثمان بن عفان قال كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفر والاخيكم واساء لوابالتثبيت فانه الان يسئال''۔(رواه ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۲)۔''
ابو داؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے ،قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالی اسے قول ثابت پر ثابت وقائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔منکر نکیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے''۔

'' و عن ابن مسعود قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقف على القبر بعد ما يسوى عليه فيقول اللهم نزل بك صاحبنا و خلف الدنيا خلف ظهره اللهم ثبت عند المسئلة منطقه و لا تفتنه فى قبره بما لا طاقة له به'' (رواه سعيد بن منصور)۔''سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوندا میرا صحابی تیرے پاس اترا ہے اور دنیا کو اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑا۔خداوندا سوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو''۔

''وروى ابن ماجة والبيهقى فى السنن عن ابن المسيب قال حضرت ابن عمر فى جنازة ابنة له فلما وضعها فى اللحد قال بسم الله و فى مسبيل الله فلما اخذ فى تسوية اللحد قال اللهم اجرها من الشيطان و من عذاب القبر فلما سوى الكثيب عليها قا م جانب القبر ثم قال اللهم جاف الارض عن جنبيها و صعد روحها ولقها منك رضوانا ثم قال سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم''۔
''ابن ماجہ وبیہقی سنن میں حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر کی صاجزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو بسم الله و فى سبيل الله کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو اللهم اجرها من الشيطان و من عذاب القبر کہا یعنی خداوندا اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضا مندی کے ساتھ ملاقات کر۔پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا''۔

''و روى ابن ابى شيبة عن قتاده ان انسا دفن ابنا له فقال اللهم جاف الارض عن جنبيه وافتح ابواب السماء لروحه ابدله دار اخيرامن داره''۔''ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاجزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوندا زمین کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح

Marfat.com

کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اور اس کا گھر بدل دے جو دنیوی گھر سے بہتر ہو''۔

حکیم ترمذی نوادرالاصول میں فرماتے ہیں: ''الوقوف علی القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للمیت بعد الصلاۃ لان الصلاۃ بجماعۃ المومنین کالعسکر لہ و قد اجتمعوا بباب الملک یشفعون لہ والوقوف علی القبرو سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للعسکر و ذلک ساعۃ شغل المیت''۔ (الکل من شرح الاحیاء ج ا ص ۳۶۸)۔ ''قبر پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔ اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔ بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ اس لشکر کی مدد ہے۔ کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے''۔

بارھواں طریقہ بعد دفن قبر پر اذان دینا

امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی: ''قال لما دفن سعد بن معاذ (زادفی روایۃ) و سوی علیہ سبح النبی صلی اللہ علیہ و سلم و سبح الناس معہ طویلا ثم کبر و کبر الناس ثم قالو ایا رسول اللہ لم سبحت (زادفی روایۃ) ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا الرجل الصالح قبرحتی فرجہ اللہ تعالی عنہ''۔ ''جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کر دی اور قبر کشادہ فرمادی''۔

علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: ''ای مازلت اکبر و تکبرون واسبح و تسحون حتی فرجہ اللہ'' ۔ ''حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی''۔

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات زائد ہیں، سو ان کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زائد مفید و مؤید مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔ علاوہ بریں بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

Marfat.com

حدیث میں ہے: ''لقنوا موتاکم لاالہ الا اللہ اپنے مردوں کو لاالہ الااللہ سکھا'' (رواہ الامام احمد ومسلم وابو دؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ہریرۃ وکالنسائی عن ام المومنین عائشۃ رضی اللہ عنہم)۔

اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مراد ہے اور اسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لاالہ الااللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ اُن کے سوال تین ہیں من ربک تیرا رب کون ہے، ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ ماکنت تقول فی ھذا الرجل تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ اب اذان کی ابتداء میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لاالہ الااللہ اشھد ان لاالہ الااللہ اور اخیر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الااللہ، من ربک سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا میرا رب اللہ ہے اور اشھد ان محمد ارسول اللہ اشھد ان محمد ارسول اللہ سوال ماکنت تقول فی ھذا الرجل کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح جواب مادینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ علی وسلم نے حدیث صحیح مذکور میں فرمایا۔ نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ وافضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد وزن کو حیات وممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: ''ویوئدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند دفن المیت اللّٰھم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ھناك سبیل مادعا صلی اللہ علیہ وسلم بذلك''۔ ''وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الٰہی اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے''۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

فرماتے ہیں: ''اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان ولہ حصاص'': ''جب موذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھر کر گوز زناں بھاگتا ہے''۔ ''صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔ اخرجہ الامام ابو القاسم سلیمن بن احمد والطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ہم نے اپنے رسالہ ''نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا'' میں اس مطلب پر بہت احادیثیں نقل کیں اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد واعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالا مال۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ماۃ حاضرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' تصنیف فرمایا جس میں پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار نے حاشیہ ''بحر الرائق'' میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''ملفوظات عزیزی'' میں ہے: ''عمل مشائخ ست کہ اذان برقبر بعد دفن می گویند''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ الہادی۔

تیرھواں طریقہ: قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃفسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورھما فقال النبی صلی اللہ علیہو سلم یعذ بان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلیٰ کان احد ھم لا یستتر من بولہ و کان الاخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بجر یدۃ فکسرھا کسر تین فوضع علیٰ کل قبرھما کسرۃ فقیل لہ یا رسول اللہ !لم فعلت ھذا؟ قال لعلہ ان یخفف عنھما مالم تیبسا (رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابم ناجۃ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ یا مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضور اقدس صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں: ''قولہ لعلہ ان یخفف عنہما ای لعلہ یخفف ذلک من ناحیۃ التبرک باثر النبی علیہ الصلاۃ و السلام و دعائہ بالتخفیف عنہما فکان صلی اللہ علیہ و سلم جعل مدۃ بقاء النداوۃ فیہما حداً لماوقعت المسالۃ من تخفیف العذاب عنہما ولیس ذلک من اجل ان فی الرطب معنی لیس فی الیابس قالہ الخطابی وقال النووی قال العلماء وھو محمول علیٰ انہ صلی اللہ علیہ و سلم سائل الشفاعۃ لہما فاجیبت شفاعتہ بالتخفیف عنہما الی ان ییبسا وقیل یتحمل انہ صلی اللہ علیہ و سلم ید عولہما تلک المدۃ وقیل لکونہما یسبحان مادامتا رطبتین ولیس للیابس تسبیح قالوافی قولہ تعالی وان من شئی الا یسبح بحمدہٖ معناہ وان شئی حی ثم حیاۃ کل شئی بحسبہ فحیاۃ الخشبۃ مالم ییبس وحیاۃ الحجر مالم یقطع''۔

''تخفیف عذاب کے سبب میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابیؒ نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ودعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری کا باقی رہنا، تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر لکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک وہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا وسفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے، حضور کی شفاعت دربارہ تخفیف عذاب مقبول ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مدت تک ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علمانے وان من شئی الایسبح بحمدہ کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کاٹا نہ جائے''۔

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ''وقد قیل ان المعنی فیہ انہ یسبح مادام رطبا فیحصل التخفیف ببرکۃ التسبیح وعلیٰ ھذا فیطرد فی کل مافیہ رطوبۃ من الا

Marfat.com

شجار وغيرها و كذلك فيما فيه بركة كالذكر وتلاوة القرآن من باب الاولىٰ وقد تاسى بريدة بن الخصيب الصحابي بذلك فاوصىٰ ان توضع علىٰ قبره جريد تان كما سياتى فى الجنائز من هذا الكتاب وهوا ولىٰ ان يتبع من غيره''۔

''اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس بنا پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہے۔اسی طرح ہر اس چیز میں جو متبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولیٰ یہ برکت ہوگی اور حضرت بریدہ ابن الخصیب صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی پیروی کی۔وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔اس کا بیان اسی کتاب کے ''باب الجنائز'' میں آئے گا اور حضرت بریدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے باعتبار دوسروں کے''۔

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد ۲ ص ۳۷۱ میں ہے: ''او ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح و حينئذ فيطر دفى كل مافيه رطوبة من الرياحين و البقول وغيرها وليس لليا بس تسبيح قال تعالىٰ ان من شئى الايسبح بحمده اى شى حى و حياة كل شئى بجنسه فالخشب مالم ييبس و الحجر ماله يقطع من معدنه''۔''اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے، گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، یہ حکم عام ہوگا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: او ان من شئى۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ جائے''۔

امام جلال الدین سیوطی ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' میں فرماتے ہیں: ''قال الخطابى هذا عنداهل العلم محمول علىٰ ان الاشياء مادامت علىٰ اصل خلقتها و خضرتها او طراوتها فانها تسبح حتىٰ يخفف رطوبتها او تحول خضرتهاو يقطع عن اصلها وقال غير الخطابى. فاذا خفف عنها تسبيح الجريد فكيف بقراءة المومن القرانَ قال هذاا لحديث اصل فى غرس المومن الاشجار عند القبور واخرج ابن عساكر من طريق حمادبن سلمة عن قتادة ان ابابرزة الاسلمى رضى الله عنه كان يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مرعلىٰ قبر و صاحبه يعذب فاخذ جريدة فغرسها فى القبر و قال عسىٰ ان يرفعه عنه مادامت رطبة فكان ابو برزة يوصى اذامت

Marfat.com

فضعوافی قبری می جریدتین قال فمات فی مفازۃ بین کرمان و قومس فقالو ایو صیئنا ان نضع فی قبرہ جریدتین وھذا موضع لا نصیبھا فیہ فبینا ھم کذلك اذطلع علیھم رکب من قبل سجستان فاصابوا معھم سعفافا خذوا جریدتین فو ضعوھما معہ فی قبرہ و اخرج ابن سعد عن مسروق قال اوصیٰ بریدۃ ان یجعل فی قبرہ جریدتان"۔

''علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیا جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی وتری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کردی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علما نے فرمایا کہ جب بہ سبب تسبیح شاخ خرما ان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عساکر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جارہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو برزہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروں تو میری قبر میں کھجور کی دو شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قومس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش وپنج میں تھے کہ سجستان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا۔''

علامہ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق وتفصیل کے بعد لکھتے ہیں: ''و بما قررتہ یعلم انہ یسن لکل احد اتباعالہ صلی اللہ علیہ و سلم فان الاصل فی افعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التاسی الا مادل دلیل علیٰ الخصوصیۃ ولا دلیل ھھنا فند ب التاسی بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلك"۔ ''اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو البتہ مخصوص ہوگا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا مندوب ومستحسن ہوگا''

Marfat.com

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب ومندوب ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد۱ ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:"واستحب العلماء قراۃ القران عندالقبر لھذ الحدیث اذ تلاوۃ القران اولیٰ بالتخفیف من تسبیح الجرید و قد ذکر البخاری ان بریدۃ بن الخصیب الصحابی اوصیٰ ان یجعل فی قبرہ جریدتان فکانہ تبرک بفعل مثل فعل رسول اللہ ﷺ"۔ "علما نے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح جریدہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا"۔

عینی شرح بخاری جلد اول ص۸۷۴ میں ہے:"واستحب العلماء قراءۃ القرآن عند القبر لھذ االحدیث لا نہ اذاکان یرجی التخفیف بتسبیح الجرید فتلاوۃ القرآن اولیٰ"۔ "اس حدیث سے علمانے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح جریدہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد۱۰ ص ۳۶۹ میں ہے:" قال السیوطی فی شرح الصدور واماقراءۃ القرآن علیٰ القبر فجزم بمشر و عیتھا اصحابنا و غیرھم قال الزعفرانی سئالت الشافعی عن القراءۃ عندالقبر فقال لاباس بہ وقال النووی فی شرح المھذب یستحب لزائر القبوران یقرء ماتیسرمن القران ویدعولھم عقبھا نص علیہ الشافعی واتفق علیہ الا صحاب زاد فی موضع آخر وان ختموا القران علیٰ القبر کان افضل وقد سئل الشمس محمد بن علی بن محمد بن عیسیٰ العسقلانی الکنانی السمھودی الشافعی عرف بابن القطان المتوفی ۸۱۳ وھو من مشائخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فاجاب ومنھا و ھل یصل ثواب القراءۃ للمیت ام لا ؟فاجاب عنھا فی رسالۃ سماھا "القول بالا حسان العمیم فی انتفاع المیت بالقران العظیم" وانا اذکر منھا مایلیق بالمقام الاختصار قال رحمہ اللہ:"اختلف العلماء فی ثواب القراءۃ للمیت فذھب الاکثرون الیٰ المنع وھوالمشھور من مذھب الشافعی ومالک و نقل عن جماعۃ من الحنفیۃ وقال کثیر منھم یصل وبہ قال الامام احمد بعدان قال القراءۃ علیٰ القبر بدعۃ بل نقل عنہ انہ یصل الی

Marfat.com

المیت کل شیء من صدقة وصلاة و حج وصوم و اعتکاف و قرائة و ذکر وغیر ذلک و نقل ذلک عن جماعة من السلف و نقل عن الشافعی انتفاع المیت بالقراء ة علیٰ قبره واختار شیخنا شهاب الدین بن عقیل و تواتران الشافعی زار اللیث بن سعد واثنیٰ علیه خیرا وقرء عند ه ختمة.و قال ارجوان تدوم فکان الامر کذلک وقال القرطبی قد استدل بعض علمائنا علیٰ قراء ة القران علیٰ القبر بحدیث العسیب الرطب الذی شقه النبی ﷺ باثنین ثم غرس علیٰ قبر نصفاو علیٰ قبر نصفا و قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسار واه الشیخان قال و یستفاد من هذاغرس الا شجار وقراء ة القران علیٰ القبور و اذاالخفف عنهم بالاشجارفکیف یقراء ة الرجل المومن القرآن و قال النووی استحب العلماء قراء ة القرآن عند القبرو واستا نسو الذلک بحدیث الجریدین وقالوا اذا وصل النفع الیٰ المیت بتسبیحهم حال رطو بتهما فانتفاع المیت بقراء ة القران عند قبره اولیٰ فان قراء ة القرآن من انسان اعظم وانفع من التسبیح من عود اه"۔

''امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کامل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علی عسقلانی کنانی سمہودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کئے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ کر بخشنے سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام ''القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم'' رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں: ''مردے کو قراءۃ قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرأت کا ثواب پہونچتا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔* (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہونچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قرأۃ قرآن، ذکر

Marfat.com

وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاذ شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسا ہی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علما نے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرما والی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علما نے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب جانا اور حدیث ''جریدتین'' سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے''۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علامہ ابن قطان کا ''فذھب الاکثرون الی المنع'' فرمانا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق وتصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقات شرح مشکوۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں: ''اختلف فی وصول ثواب القرآن للمیت فجمھور السلف والائمۃ الثلثۃ علی الوصول و خالف فی ذلک امامنا الشافعی مستدلا بقولہ تعالیٰ ''وان لیس للانسان الا ماسعیٰ'' واجاب الاولون عن الآیۃ بوجوہ۔ احدھا انھا

---

*''ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے شخص! قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابوعبداللہ! مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں! بولے کہ مجھے مبشر بن اسمٰعیل نے عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاج سے خبر دی کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سرہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقرہ پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم برحاشیہ شرح مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۷۰) منہ غفرلہ''

Marfat.com

منسوخة بقوله تعالىٰ: "والذين امنوا و اتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم" الآية ادخل الابناء الجنة بصلاح الآباء۔ الثانی انها خاصة بقوم ابراهيم و موسیٰ عليهما الصلاة والسلام فاما هذه الامة فلها ماسعت وماسعیٰ بها قاله عكرمة۔ الثالث المراد بالانسان ههنا الكافر فاماالمومن فله ما سعیٰ لها قاله الربيع ابن انس۔ الرابع ليس للانسان الا ماسعیٰ من طريق العدل فاما من باب الفضل فجائزان يزيده الله ماشاء قاله الحسين بن فضل۔ الخامس ان اللام فی للانسان بمعنی علیٰ ای ليس علیٰ الانسان الا ماسعیٰ واستدلوا علیٰ الوصول بالقياس علیٰ الدعاء والصدقة والصوم والحج والعتق لانه لافرق فی نقل الثواب بين ان يكون عن حج او صدقة اووقف اودعاء اوقراءة وبالاحاديث المذكورة وهی وان كانت ضعيفة فمجموعها يدل علیٰ ان لذلك اصلاوان المسلمين مازالوافی كل مصر و عصر يجتمعون و يقرؤن لموتاهم من غير نكير فكان ذلك اجماعا۔ ذكر ذلك كله الحافظ شمس الدين بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی فی جزء الفه فی المسئلة ثم قال السيوطی واماالقراءة علیٰ القبر فجزم بمشروعيتها اصحابنا وغيرهم"۔

''امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کو قرآن شریف کا ثواب پہونچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ ثلثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہونچتا ہے اور ہمارے امام شافعی نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال کیا کہ لیس للانسان الاماسعی اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، ناسخ اس کا ''والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم'' ہے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے سعی کیا اور جو اس کے لئے سعی کیا گیا۔ یہ قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس نے کیا، البتہ بطریق فضل واحسان جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ لیس للانسان میں لام بہ معنی علیٰ ہے یعنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیلیں پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ جب ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہونچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں

Marfat.com

جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگر چہ ضعیف ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلا شبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبدالواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسی مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر نے جزم و یقین کیا''۔

تو ان تمام عبارات و تصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا فذهب الاكثرون الى المنع کہنا، کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے؟۔

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علما نے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسوں کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع و مکروہ ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: ''ويكره قطع الحشيش الرطب من المقبرة فان كان يابسالا باس به لانه مادام رطبا يسبح فيونس الميت وعن هذاقالو الايستحب قلع الحشيش الرطب من غير الحاجة'' ۔ ''قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگواری کا احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلاوجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے''۔

فتاویٰ بزازیہ کتاب الکراہیہ میں ہے: ''قطع الحشيش من المقابريكره لانه يسبح و يندفع به العذاب من الميت وعلى هذالايكره من مقابر الكفار وقطع اليابس وبه وردالحديث الصحيح''۔ ''قبرستان سے تر گھانس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھانس کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے''۔

فتاوی عالمگیر میں فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے: ''ويكره قطع الحطب والحشيش من المقبرة فان كان يابسا لا باس به كذافى فتاوى قاضى خان''۔ ''تر گھانس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو ہرج نہیں''۔

علامہ شامی ردالمحتار اول ص ۸۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''يكره ايضا قطع النبات الرطب و

Marfat.com

الحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدر روشرح المنیۃ وعللہ فی الا مد ادیانہ مادام رطبا یسبح اللہ فیونس المیت و تتنزل بھذہ الرحمۃ اہ و نحوہ فی الخانیۃ"۔"تر گھانس اور سبزی کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، نہ خشک کا جیسا کہ بحرالرائق اور درراور شرح منیہ میں ہے اوراس کی علت امداد الفتاح میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔اس سے میت کوانس حاصل ہوتا ہے اوراس کے ذکر کی وجہ سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔اسی کے مثل فتاوی خانیہ میں ہے"۔

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔

ملاعلی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ص۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:"وقد انکر الخطابی مایفعلہ للناس علی القبور من الاخواص ونحو ھا بھذا الحدیث و قال لا اصل لہ"۔"لوگ قبروں پر کھجور کی شاخ جواس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطابی نے اس سے انکار کر کے کہا:اس کی کوئی اصل نہیں ہے"۔

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رد کرتے ہیں:"واما انکار الخطابی و قولہ لا اصل لہ ففیہ بحث واضح اذ ھذاالحدیث یصلح ان یکون اصلا لہ ثم رایت بن حجر صرح بہ وقال قولہ لا اصل لہ ممنوع بل ھذاالحدیث اصل صیل لہ ومن ثم افتی بعض الا ئمۃ من متاخری اصحابنا بان ماعتید من وضع الریحان و الجرید سنۃ لھذاالحدیث"۔"علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل نہیں، اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے۔پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا لا اصل لہ کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے۔اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے"۔

ارشادالساری شرح بخاری کی عبارت اوپر گذری:"اوان المعنی فیہ انہ یسبح مادام رطبا فیحصل التخفیف ببرکۃ التسبیح و حینئذ فیطرد فی کل مافیہ رطوبۃ من الریاحین والبقول وغیرھا"۔"یا اس کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ"۔

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:"وضع الوردو الریا حین علی القبور حسن"۔"گلاب کا پھول یا اور خوشبو پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے"۔

Marfat.com

تصحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: ''فی کنز العباد و فتاوی الغرائب وضع الورد و الریاحین علی القبور حسن کا نہ مادام رطبا یسبح و یکون للمیت بتسبیحہ انس''۔ ''کنز العباد اور فتاوی غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔اس لئے کہ وہ جب تک تر و تازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھانے یا پھولوں کا ہار ڈالنے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی وجہ ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گناہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر یہ چڑھا ہوتا ہے۔مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت و انس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔کوئی کسی مرتبہ پر پہنچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔گنہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب و ترقی درجات و مزید اجر و ثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سرہانے فاتحہ اور پائنتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا

''عن عبد الرحمان بن العلاء ابن اللجلاج عن ابیہ انہ اوصی اذا دفن ان یقرء عند راسہ فاتحۃ البقرو خاتمتھا وقال سمعت ابن عمر یوصی بذلک'' (کذا اوردہ القرطبی فی التذکرۃ)۔ ''عبد الرحمٰن بن علاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقر کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے مفلحون تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے''

شرح احیاء العلوم ص ۳۷۰ میں ہے: ''وعنہ قال قال لی ابی یا بنی! اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ ثم شن علی التراب شنا ثم اقرء عند راسی بفاتحۃ البقرۃ و خاتمتھا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلک''۔ ''عبد الرحمٰن بن علا کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب تم مجھے قبر میں رکھو تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سرہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا حکم

Marfat.com

فرماتے تھے"۔(رواہ الطبرانی)

"وعن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الیٰ قبرہ ویقرء عند راسہ بفاتحۃ البقرۃ و عند رجلیہ بخاتمۃ سورہ البقرۃ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سرہانے فاتحہ بقرہ اور پائنتی خاتمہ سورہ بقر پڑھو"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ شریف جلد۲ ص ۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:"(عند راسہ فاتحۃ البقرۃ) ای الیٰ المفلحون (و عند رجلیہ بفاتحۃ) و فی نسخۃ خاتمۃ (البقرۃ) ای من آمن الرسول الخ قال الطیبی لعل تخصیص فاتحتھا لا شتما لھا علیٰ مدح کتاب اللہ وانہ ھدی للمتقین الموصوفین بالخلال الحمیدۃ من الایمان بالغیب واقامۃ الصلاۃو ایتاء الزکاۃ و خاتمتھا لاحتوائھا علیٰ الایمان باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ واظھارا لاسکانۃ وطلب الغفران و الرحمۃ والتولی الیٰ کنف اللہ تعالی وحمایتہ۔"

"فاتحہ البقرہ سے مراد الم سے مفلحون تک اور خاتمہ سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تخصیص فاتحہ بقرہ کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو ان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا،نماز پڑھا کرنا،زکاۃ دیتے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ،ایمان بالملائکہ،ایمان بالکتب،ایمان بالرسل پر اور اپنی عاجزی اور طلب مغفرت ورحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔اس لئے فاتحہ وخاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاد دہانی ہوجائے گی"۔

پندرھواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے

"عن عمرو بن العاص قال لابنہ و ھوفی سیاق الموت اذا نامت فلا تصاحبنی نائحۃ و لا نارفاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنًا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحرجزورو تقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذاراجع رسل ربی" (رواہ مسلم ص ۷۶ ومشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

"امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے والی عورت نہ

Marfat.com

جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے قبر کے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تا کہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ جلد۲ ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں: ''(حتی استانس بکم) ای بدعائکم واذکارکم و قراء تکم و استغفارکم''۔ ''تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اور تمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے''۔ یعنی چاہئے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھے نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ و رسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص ۷۶ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''منہا استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظة نحو ماذكر لما ذكر فيه ان الميت حينئذ يسمع من حول القبر''۔ ''اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے: مؤانست میت کے لئے اور تصحیح خیال و دماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گرد و پیش کی باتیں سنتا ہے''۔

علامہ مرتضی زبیدی شرح احیاء العلوم جلد۱۰ ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ''وقال ابو بكر الا جرى يستحب الوقوف بعدالدفن قليلا و الدعاء للميت مستقبلا وجهه بالثبات فيقال اللهم هذاعبدك وانت اعلم به مناولا نعلم الا خير اوقد اجلسته لتسئا له اللهم فثبته بالقول الثابت فى الأخرة كما ثبته فى الدنيا اللهم ارحمه والحقه بنبيه و لا تفتنا بعده و لا تحرمنا اجره''۔ ''ابوبکر اجری نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہئے کہ خداوندا یہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بٹھایا ہے۔ خداوندا تو اسے آخرت میں قول پر ثابت رکھ جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولیٰ تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر''۔

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے

زیارت قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزہ و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص ۶۵ و امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انس مایکون المیت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دارالدنیا''۔ ''قبر میں مردہ کا زیادہ جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا''۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس علیہ استانس ورد علیہ حتی یقوم''۔ ''جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے''۔

ابوالشیخ و دیلمی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ''ما من رجل یزور قبر اخیہ فیسلم علیہ و یقعد عندہ لردعلیہ السلام و انس بہ حتی یقوم من عندہ''۔ ''جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ آئے''۔

بیہقی ابوالدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: ''قال سمعت رجلا من اھل العلم یقول انہ کان یزور قبر ابیہ فطال علیہ ذلک قال فقلت ازورالتراب فاریتہ فی منامی فقال یابنی! مالک لاتفعل کما کنت تفعل فقلت انزور التراب فقال لا تقل ذلک یا بنی! فواللہ لقد کنت تشرف علیّ فیبشرنی بک جیرانی ولقد کنت تنصرف فما ازال اراک حتی تدخل الکوفۃ۔'' (شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷) ''ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت و خوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے''۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ میں ہے: ''وروی ایضا عن الفضل ابن الموفق ابن خال سفیان بن عیینہ قال لمامات ابی جزعت جزعا شدیدا فکنت آتی قبرہ فی کل یوم ثم انی قصرت عن ذلک فرائیتہ فی النوم فقال یا بنی! ماابطا بک عنی قلت وانک تعلم بمجیئی قال ما جئت مرۃ الا علمتھا و قد کنت

Marfat.com

تاتینی فاسربك و یسرمن حولی بد عائك قال فکنت اتیهٔ بعد کثیرا"۔

"فضل بن موفق سفیان بن عینیہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے تھے تو میں تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا تھا اور تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گردو پیش کے لوگ مسرور ہوتے تھے۔ فضل بن موفق نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا"۔

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: "قال الحافظ ابو طاهر السلفی سمعت ابا البرکات عبدالوحد بن عبدالرحمن ابن غلاب السوسی بالاسکندریة یقول سمعت والدتی تقول رایت امی فی المنام بعد موتها وهی تقول یا بنتی! اذا جئتنی زائرة فاقعدی عندقبری ساعة تمتی من النظر الیك ثم ترحمی علیٰ الخ"۔ "حافظ ابو طاہر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالبرکات عبدالواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا، وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کر تو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہ تاکہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر"۔ واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا

"عن عائشه قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم کلما کان لیلتها من رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ واله وسلم یخرج من آخر اللیل الیٰ البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ماتو عدون غدامو جلون و انا انشاء الله بکم لاحقون اللهم اغفر لا هل البقیع الغرقد" (رواه مسلم ص ۳۱۳) "مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہو اے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور ان شاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوندا بقیع الغرقد والوں کے گناہ کو تو بخشدے"۔

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "فیه فضیلة الدعاء آخر اللیل و فضیلة زیارة قبور البقیع"۔ "اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے"۔

Marfat.com

" و عن عائشة قالت الا احدثكم عنى و عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا بلى قالت لما كانت ليلتى التى كان النبى صلى الله عليه وسلم فيها عندى انقلب فوضع رداء ه و خلع نعليه فوضعها عند رجليه و بسط طرف ازاره على فراشه فاضطجع فلم يلبث الاريث ماظن ان قد رقدت فاخذرداثه رويد او انتعل رويد اوفتح الباب رويد افخرج ثم اجانه رويد افجعلت درعى فى راسى واختمرت و تقنعت ازارى ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام القيام ثمه رفع يد يه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فا سرع فاسرعت فهرول فهرولت فاحضرفا حضرت فسبقته فد خلت فليس الا ان اضطجعت فدخل فقال ما لك يا عائشة حشيار ا بيه قالت قلت لا شئى قال لتخبرينى اوليخبرينى اللطيف الخبير۔ قالت قلت يا رسول الله! بابى انت وامى فاخبرته قال فانت السواد الذى رائت امامى قالت نعم فلهد نى فى صدر ى لهدة اوجعتنى ثمه قال اظننت ا ن يحيف الله عليك ورسوله قالت مهما يكتم الناس يعلمه الله نعم قال فان جبرئيل اتانى حين رائت فنا دانى فاخفاه منك فاجبته فاخفيته منك ولم يكن يد خل عليك وقد وضعت ثيابكِ وظننت ان قدرقدت فكرهت ان او قظك و خشيت ان تستو حشى فقال ان ربك يا مرك ا ن تاتى اهل البقيع فتستغفرلهم قالت قلت كيف اقول لهم يارسول الله قال قولى السلام على اهل الديار من المومنين والمسلمين و يرحم الله المستقد مين مناوالمستاخرين وانا انشاء الله بكم للا حقون (رواه مسلم جلد اول ص ۳۱۲)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی آپ ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرماتے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین اتاری اور ان دونوں کو پائنتی میں رکھا اور اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاون پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقط اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سورہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور آہستہ آہستہ جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور حضور کے پیچھے پیچھے ہولی، یہاں تک کہ حضور بقیع تشریف لائے پس دیر تک وہاں ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دعا کے لئے اٹھایا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہونچی اور مکان میں داخل ہوئی تو

Marfat.com

فقط اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرے سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ: کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خبر دو ورنہ خداوند علیم وخبیر مجھے دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان کہہ کر میں سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آرہی تھی؟ میں نے کہا ہاں! پس میرے سینہ میں ایک دو ہتھڑ حضور نے مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا (جب تہ کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبرئیل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو، اس وقت اندر نہیں آئے، میرا خیال ہوا کہ تم سو گئی، اس لئے میں نے تمہیں جگانا ناپسند کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی کی وجہ سے تم کو پریشانی ہوگی۔ جبرئیل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو السلام علیٰ اھل الدیار من المومنین و المسلمین و یر حم اللہ المستقدمین و المستاخرین و انشاء اللہ بکم للاحقون''۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: ''فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارۃ القبور و فیھا خلاف للعلماء''۔ ''جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز جانتے ہیں، یہ حدیث ان کو دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے''۔

اٹھارھواں طریقہ: جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کے قبر کی زیارت کی تخصیص

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دوشنبہ تک ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا آپ نے کہا: ''بلغنی ان الموتیٰ یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ و یوما قبلہ ویوما بعدہ''۔ ''مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن قبل اور ایک دن بعد''۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۳۶ میں ہے: ''علمائے کرام فرماتے ہیں یوں جاننا تو ہر روز اور وقت ہوتا ہے لیکن جمعہ کی بزرگی سے ان تین دنوں میں علم وسیع وکثیر ہوتا ہے''۔

Marfat.com

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبور اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن النعمان سے مرسلا راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من زرا قبور ابو یہ اواحد ھمافی کل جمعة غفرا له و کتب برّا''۔ ''جو شخص اپنے ماں باپ یا دو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکوکار لکھا جائے گا''۔

اور ظاہر ہے کہ بار (فرماں بردار) ومغفور کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو شخص جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جائے اور ان کے لئے دعا واستغفار کرے تو وہ دعا بوجہ اس شخص کے مغفور ہونے کے ارجیٰ بالقبول ہے۔

''قال رجل من آل عاصم الجحدری رائت عاصمافی منامی بعد موته لسنتین و فی روایة لستین فقلت لیس قد مت قال بلی فقلت باین انت قال اناو الله فی روضة من ریاض الجنة اناو نفر من اصحابی یجتمع کل لیلة جمعة و صبیحتها الیٰ ابی بکربن عبد الله المزنی فلا تی اخبار کم قلت احسا مکم ا م اروا حکم قال هیها ت بلیت الا جسام و انما فلاّ تی الا رواح قال قلت فهل تعلمون بزیار تنا ایا کم؟ قال نعم تعلم بها عشیة الجمعة و یوم الجمعة کله و یوم السبت الیٰ طلوع الشمس قلت و کیف ذلك دون الایام کلها قال بفضل یوم الجمعة و عظمه''۔(رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور و البیهقی شعب الایمان)

''آل عاصم جحدری سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا کئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہے۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ وصبح جمعہ کو ابو بکر بن عبد اللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا کہ اور دنوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے''۔

''وقال الضحاك من زار قبر ایوم السبت قبل طلوع الشمس علم المیت بزیارته قیل له کیف ذاك قال لمکان یوم الجمعة''۔(رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور و البیهقی شعب الایمان)۔ ''ضحاک نے کہا جو شخص شنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے''۔

''عن عثمان بن سودة و کانت امة من العابدات و کان یقال لها راهبة قال لماماتت کنت

Marfat.com

آتیہا فی کل جمعۃ فادعولہا و استغفر لہا و لا ھل القبور فراء یتہا لیلۃ فی منا می فقلت یا امہ! کیف انت فقالت یا بنی ان الموت لشدید کربۃ وانا بحمد اللہ فی برزخ محمود افترش فیہ الریحان و اتوسد فیہ السندس والا ستبرق فقلت الک حاجۃ؟ قالت نعم۔ فقلت ماھی؟ قالت لاتدع ماتصنع من زیارتنا و الدعاء لنا فانی انس بمجیئک یوم الجمعۃ اذا اقبلت من اھلک زائرا فاب شرو یبشر بذلک من حولی من الاموات'' (رواہ ابن ابی الدنیا و البیھقی شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ جلد ۱۰)

''عثمان بن سودہ سے روایت ہے اوران کی ماں عابدہ تھیں جن کولوگ راہبہ کہا کرتے تھے۔عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کوان کی زیارت کے لئے جاتا تھا اوران کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا واستغفار کرتا تھا۔ایک دن میں نے ان کوخواب میں دیکھا۔کہا اے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہا اے میرے بیٹے !موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا بچھاون ہے،سندس واستبرق کے گاؤتکیئے ہیں۔میں نے پوچھا کہ آپ کوکسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم جومیری زیارت ودعاکوآیا کرتے ہو،اس کوکبھی نہ چھوڑنا۔تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے انس ہوتا ہے،دل بہلتا ہے ۔جب تم اپنے گھر سے میری زیارت کوآتے ہوتو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گردوپیش جومردے ہیں،سب مجھ کواس کی خوشخبری سناتے ہیں''۔

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہرسرے سال پرزیارت کوجانا

''عن عبادبن ابی صالح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشھداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال و جاء ھا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم فلما قدم معا ویۃ بن ابی سفیان حاجاًجاء ھم قال و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا واجہ الشعب قال سلام علیکم بما صبر تم فنعم اجرالعاملین''۔ (رواہ ابن ابی شیبہ وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳) ''ابن ابی شیبہ نے عباد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پرشہدائے احد کی قبور کی زیارت کوتشریف لایا کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔راوی نے کہاحضور کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھرحضرت عمر رضی اللہ عنہ پھرحضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہونچے توان کے پاس آئے۔راوی نے کہا کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے سامنے آتے توسلام علیکم بماصبرتم فنعم اجرالعاملین فرماتے''۔

Marfat.com

"و عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی احدا کل عام فاذاتفوہ الشعب سلم علیٰ قبور الشہداء فقال سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار" ۔رواہ ابن المنذروابن مردویہ۔ ''ابن منذروابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کوہ احد تشریف لایا کرتے ۔ جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو شہدائے اُحد کی قبروں کو سلام کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرمایا کرتے ۔

"و عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر و عمر و عثمان (رواہ ابن جریر)''۔''ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرسرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے اوران کو سلام کرتے اوراسی طرح حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے''۔

ان احادیث میں اگرچہ خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۹۵ میں فرماتے ہیں: ''وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار الخلفاء الاربعۃ ھکذاکانوا یفعلون''۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہرسرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے: سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے''۔

"وروی ابن ابی شیبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشہداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" ۔''ابن ابی شیبہ نے رؤایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہرسرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے''۔ (ردالمحتار جلداول ص ۸۴۳)

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کا دستور کہ ہرسرسال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے اوران پر سلام کرتے ،مسلمانوں کے اس فعل حسن ومندوب کی دلیل اوراصل اصیل ہے کہ ہرسال بزرگان دین کا عرس کرتے اورلوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے ، سلام ، دعا استغفار وتلاوت قرآن شریف ،صدقہ وتقسیم شرینی واطعام طعام کا ثواب ان لوگوں کو ایصال کرتے

Marfat.com

ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس اعتراض:

''وعرس بزرگان خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر مقبرہ اجتماع کردہ، طعام وشیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر را وثنا یعبدی کنند''۔ ''اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں''۔ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''قولہ عرس بزرگان خود رالخ این طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچ کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہداء ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرنی امر مستحسن وخوب ست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات ست وخلف را لازم ست کہ سلف خود را بایں نوع بر واحسان نماید چنانچہ در احادیث مذکور ست کہ ولد صالح یدعو لہ''۔

''اپنے بزرگوں کے عرس کو الخ یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے مزارات سے صرف شرکت اور زیارت اور ان کی امداد (ان کو ثواب تلاوت قرآن دعائے خیر کھانا تقسیم کر کے اور شیرینی تقسیم کر کے) حاصل کرنا مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علما کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یاد رکھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے: نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے''۔

اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ''درمنثور'' سے ابن منذر اور ابن مردویہ کی حدیث بروایت انس رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر بروایت محمد بن ابراہیم جو اوپر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح ص ۴۲۔

بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشا کہ اس سے امید مغفرت ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: ''قال الشیخ محی الدین العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من قال لا الہ اللہ سبعین الفا غفر اللہ تعالیٰ لہ و من قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التہلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیہم شاب مشہور بالکشف فاذا ہو فی اثناء

Marfat.com

الا کل اظہر البکاء فسألته عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوہبت فی باطنی ثواب التهليلة المذکورة لها فضحك فقال انی اراها الان فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه و صحة كشفه بصحة الحديث"۔

''سیدی شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے، اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین بن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانا اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی''۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷ مکتوبات چہار دہم میں فرماتے ہیں: ''بیاراں و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بروحانیت اخوی خواجہ محمد صادق و روحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ از دوستاں دعا و فاتحہ مسئول ست (الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم)''۔ ''ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ لا الہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے''۔

ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے۔ ''من قال لااله الاالله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفر الله لذلك للميت وانكان موجبا للعقوبة''۔ ''جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگر چہ وہ عقوبت کا مستحق ہو''۔

اسی میں ہے: ''فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں''۔

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ''بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادرم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے اوچھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا

Marfat.com

ہے۔اس نے دعاگو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن وفراخ کردیا۔''

اسی کے جلد ۲ ص ۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے:''قولہ علیہ الصلاۃ والسلام من قال لاالٰہ الااللّٰہ مائۃ الف مرۃ وجعل الثواب للمیت غفرلہ وان کان موجبا للعقوبۃ'' ۔''جو کوئی لاالٰہ الااللّٰہ کوسو ہزاریعنی ایک لاکھ بار کہے اوراس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگر چہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو''۔

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سوتسبیح ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔سوآدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں۔ذرا دیر میں تمام ہوجاتا ہے۔دعاگو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے۔اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔مجرب ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہوجائے گا۔

شیخ مدرسہ دیو بند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔اپنی مشہور کتاب تحذیرالناس ص ۳۸ میں لکھتے ہیں:''حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا۔آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے،اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اوراس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔آپ نے پھر سبب پوچھا۔اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سوآپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر،مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہوکر قرآن شریف کے علاوہ لاالٰہ الااللّٰہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تاکہ من قیل لہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اوراز انجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔اس لئے آسانی کے خیال سے چنا کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کردیتے ہیں یا فقرا پر تصدق کردیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہونچے۔

اکیسواں طریقہ:قرآن شریف پڑھ کر بخشنا

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں، کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

"عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لااقول لکم الم حرف ولکن الف حرف ولام

Marfat.com

حرف و میم حرف‘‘۔ (رواہ الترمذی والحاکم والبخاری فی التاریخ) کما ھو مصرح فی الروایۃ الاخریٰ: اقرء وا القرآن فانکم تو جرون علیہ اما انی لا اقول الم حرف ولکن الف حرف عشر ولام حرف عشر و میم حرف عشر فتلک ثلاثون رواہ ابو جعفر النحاس فی الوقف الابتداء والسنجری فی الابانۃ والخطیب فی التاریخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ‘‘۔

’’امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے، اس کو ایک حسنہ ملے گا اور ایک حسنہ کا ثواب دس گنا ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو جو شخص فقط الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔ ابو جعفر نحاس کتاب ’’الوقف والابتداء‘‘ اور سنجری کتاب ’’الابانہ‘‘ اور خطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کو اس کا اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، لام ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، میم ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے تو یہ تیس ثواب ہوئے‘‘۔ (کنز العمال جلد اص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کارِ خیر ہمیشہ جاری رہے اور ان کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ کما مر عن شرح الاحیاء نقلا عن القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم للعلامۃ شمس الدین المعروف با بن القطان اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بتیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظر اسلام و اہل شہر دو ختم قرآن شریف کر کے اس کا ثواب پہونچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے بدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر محب الرسول قدس سرہ پر اہل شہر و طلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستور العمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

’’اخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال اکانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الیٰ قبرہ یقرء ون القرآن‘‘۔ ’’انصار کے یہاں جب کوئی مرتا تو لوگ اس کی قبر پر جاتے اور قرآن شریف پڑھتے‘‘۔ (مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۲)

’’و فی شرح اللباب و یقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ و اول البقرۃ الیٰ المفلحون و آیۃ

Marfat.com

الکرسی و آمن الرسول و سورہ یٰس و تبارك الملك و سورۃ التکاثر و الاخلاص اثنی عشرۃ مرۃ او احدی عشر او سبعا او ثلاثا ثم یقول اللّٰھم او صل ثواب ماقرء ناہ الیٰ فلان او الیھم" (ردالمحتار جلد اول ص ۸۸۴)۔ "شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یٰس، تبارک الملک، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۷ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا"۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکور ہے، ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف) "عن علیّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم قال من مر علی المقابر فقرء قل ھو اللہ احد، احد عشر مرۃ ثم وھب اجرہ للاموات اعطی الا جر بعدد الاموات" (رواہ الدار قطنی عینی شرح ھدایہ جلد۲ ص ۱۶۱۱ و شامی جلد ۲ ص ۲۴۳)" دار قطنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے"۔

(ب) "عن عبداللہ ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ و سلم یقول اذامات احد کم فلا تحبسوہ واسرعوابہ الیٰ قبرہ ولیقرء عند راسہ فاتحۃ البقرۃ و عندرجلیہ خاتمۃ البقرۃ۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان و قال والصحیح انہ موقو ف علیہ"۔ "بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سرہانے ابتداء سورہ بقرہ مفلحون تک اور پائنتی میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگرچہ بیہقی نے مرفوعا روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے"۔

(ج) "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من دخل المقابر ثم قرء فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرئت من کلامك لا ھل المقابر من المومنین کانوا شفعاء لہ الیٰ اللہ تعالیٰ رواہ ابو القاسم سعد بن علیٰ الزنجانی فی فوائد" (مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)۔ "ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل ھو اللہ احد، الھکم التکاثر

Marfat.com

پڑھے پھر کہے خداوندا جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے''۔

(د) ''عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرء سورۃ یٰس خفف اللہ عنھم و کان لہ بعدد من فیھا حسنات رواہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ''۔ ''عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یٰس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی''۔ (مرقات جلد۲ ص۳۸۲)

(ہ) ''عن سلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ الیٰ مقابر مکۃ فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرائیت اھل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ قالو الاولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللہ احد وجعل ثوابھا لنا فنحن نقتسمہ منذ سنۃ۔ رواہ القاضی ابو بکر بن عبد الباقی الانصاری فی مشیختہ''۔ ''قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری اپنے مشیخت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد مکی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قامت قائم ہوگئی؟ بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں''۔ (مرقات جلد ص ۳۸۲)

(و) ''عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیہ او احدھما فقرء عندہ اوعندھما یٰس غفرلہ رواہ ابو بکر بن البخاری فی کتاب السنن''۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۱ ص ۸۷۵)

''ابو بکر بن نجار کتاب السنن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورہ یٰس پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا

میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار جلد۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: ''وروی الدار قطنی ان رجلا سألہ علیہ الصلاۃ والسلام فقال لی ابوان ابرھما حال حیاتھما فکیف لی ببرھما بعد موتھما فقال

Marfat.com

صلی اللہ علیٰ وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلی لھما مع صلاتك و ان تصوم لھما مع صومك'' ۔دارقطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نکوئی کر سکتا ہوں؟ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو''۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرہ الموتی والقبور ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''وابن ابی شیبہ از حجاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنہا با نماز خود و روزہ خود داری برائے آنہا با روزۂ خود و صدقہ دہی از طرف آنہا با صدقہ خود''۔

''ابن ابی شبیہ حجاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھو ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھو ان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دو ان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ''۔

''و عن مالك بن دينار قال دخلت المقبره ليلة الجمعة فاذاانا بنور مشرق فيها فقلت لااله الاالله نرىٰ ان الله عزوجل قد غفر لاهل المقابر فاذاانابها تف يهتف من البعد و هو يقول يا مالك بن دينار هذه هدية المومنين الىٰ اخوانهم من اهل المقابر قلت بالذى انطقك الااخبرتنى ماهو قال رجل من المومنين قام هذه الليلة فاسبغ الوضوء وصلىٰ ركعتين وقرء فيهما فاتحة الكتاب وقل ياايها الكفرون و قل هوالله احد و قال اللّٰهم انى قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المومنين فادخل الله علينا الضياء والنور والفتح والسرور فى المشرق و المغرب قاله مالك فلم ازل اقرء هافى كل جمعة فرائيت النبى صلى الله عليه وسلم فى منامى يقول لى يا مالك قد غفرا الله لك بعد دالنور الذى اهديته الىٰ امتى ولك ثواب ذلك ثم قال لى و بنى الله لك بيتا فى الجنة فى قصر يقال له المنيف قلت وما المنيف قال المطل علىٰ اهل الجنة رواه ابن النجار فى تاريخه''۔

''ابن النجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے۔میں نے کہا لا الہ الا اللہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی۔اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتف غیبی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا۔میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟اس

Marfat.com

نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں کھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دونوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون اور قل ھواللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوندا میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق و مغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ''قصر منیف'' میں گھر بنوایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا، (شرح احیاء العلوم ۲ ص ۳۷۲)

تیسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر مردے کی طرف سے وقف کر دینا

''عن سعد بن عبادة قال یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیراً وقال هذه لام سعد رواه ابو داؤد والنسائی'' ۔ ''ابو داؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون صدقہ ان کے لئے بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا پانی بس انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے'' (مشکوۃ ص ۱۶۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۴۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''(فای الصدقة افضل) ای حبا (قال الماء) انما کان الماء افضل لانه اعم نفعا فی الامور الدینیة والدنیویة خصوصا فی تلک البلاد الحارة ولذلک منّ اللہ تعالیٰ بقوله وانزلنا من السماء ماء طهورا کذا ذکره الطیبی'' ۔ ''کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول نزلنا من السماء ماء طهورا میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور و رواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل و وضو کرنے کے لئے گھڑا لوٹا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودوایا تو ہمارا بھرا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیاسا پانی پئے گا، کوئی وضو و غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کر کے

Marfat.com

میت کے سرہانے اور لوٹے میں سوراخ کر کے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں کہ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا

''عن ابن عباس ان رجلا قال یا رسول اللہ! ان امی توفیت افینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم قال فان لی مخرفا فاشھدک انی قد صدقت بہ عنھا۔ رواہ الترمذی ص ۸۵ وقال ھذا حدیث حسن وبہ یقول اھل العلم''۔''ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے''۔

''عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا واظنھا لو تکلمت لتصدقت فھل لھا اجران تصدقت عنھا قال نعم'' (رواہ البخاری ص ۱۵۴ و مسلم ص ۳۲۴)''امام بخاری ومسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال ہوگیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں!''

علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں:''وفی ھذا الحدیث ان الصدقۃ عن المیت تنفع المیت ویصل ثوابھا وھو کذلک باجماع العلماء وکذا اجمعوا علی وصول الدعاء وقضاء الدین بالنصوص الواردۃ فی الجمیع''۔''اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہونچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہونچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جو ان سب پر وارد ہوئیں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۴۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:''و یستفاد منہ ان الصدقۃ عن المیت تجوز وانہ ینتفع بھا''۔''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہونچتا ہے''۔

- اسی میں ایک دوسری جگہ ہے:''وروی احمد عن عبداللہ بن عمرو ان العاص بن وائل نذر فی الجاھلیۃ ان ینحر مائۃ بدنۃ وان ھشام ابن العاص نحر عنہ خمسین و ان عمرواً سأل رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال اماابوك فلواقربالتوحید فصمت و تصدقت عنه نفعه ذلك" (عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲٤٦)''امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سو اونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا''۔

اور اسی میں ہے ص ۲۴۶:''و عن ابن ماکولا من حدیث ابراهیم ابن حیان عن ابیه عن جده عن انس رضی الله عنه انه قال سئالت رسول الله صلی الله علیه و سلم فقلت انالندعو لموتاناو نتصدق عنهم و نحج فهو یصل ذلك الیهم فقال انه لیصل الیهم ویفرحون به کما یفرح احد کم بالهدیة''۔''ابن ماکولا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے؟حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:بیشک وضرور ان کو پہونچتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے''۔

سبحان اللہ!یہ حدیث بھی عجیب وغریب جامع انواع ثواب ہے۔اس لئے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہوسکتا ہے۔بدنی،مالی،دونوں کا مجموعہ،اس حدیث نے تینوں کو جمع کردیاندعولموتانا عبادت بدنی ہے۔نتصدق عنهم ثواب مالی نحج عنهم عبادت مجموعہ مالی و بدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہونچتا ہے،بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور جلد اول ص ۷۶۳ میں فرماتے ہیں:''مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز وتصدق از میت نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ ست دران احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضے از علما گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و دعا در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ،پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔

''مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔اس کے دنیا سے گذرنے کے بعد سات روز تک میت کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہونچاتا ہے۔اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصاً بعض علما نے فرمایا ہے کہ نہیں پہونچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ

Marfat.com

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم‘‘۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے جولوگ کھانا وغیرہ پکوا کرلوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہئے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیا وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجبہ نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیا کے لئے ناروا بلکہ صدقہ نافلہ ہے اور کار خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابل احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہرگز نہ شریک ہوتے۔

’’عن عاصم بن كليب عن ابيه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فرايت رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو على القبر يوصى الحافر يقول اوسع من قبل رجليه اوسع من قبل راسه فلمارجع استقبله داعى امرأته فاجاب و نحن معه فجئ بالطعام فوضع يده ثم وضع القومُ فاكلوا فنظر ناالىٰ رسول الله صلى عليه وسلم يلوك لقمة فى فيه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغيراذن اهلها فارسلت المرءة تقول يارسول الله !انى ارسلت الىٰ النقيع و هو موضع يباع فيه الغنم ليشترى لى شاة فلم توجد فارسلت الىٰ جارلى قد اشترى شاة ان يرسل بها الىٰ ثمنها فلم يو جد فارسلت الى امراء ته فارسلت الى بها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطعمى هذا الطعام الا سرىٰ‘‘۔ رواه ابو داؤد البيهقى فى دلائل النبوة۔

’’ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو، سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے ۔اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمایئے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے آدمی نقیع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو بقیمت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

Marfat.com

یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا''۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۴۸۲ میں فرماتے ہیں: ''ھذا الحدیث بظاھرہ یرد علیٰ ماقررہ اصحاب مذھبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع''۔ ''عاصم بن کلیب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے''۔

پھر ملا علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں: ''فلینبغی ان نقید کلامھم بنوع خاص من اجتماع یوجب استحیاء اھل المیت فیطعمو نھم کرھا او یحمل علیٰ کون بعض الورثۃ صغیرا او غائبا اولم یعرف رضاہ اولم یکن الطعام من عند احد معین من مال نفسہ''۔ ''حنفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو''۔

ہدایہ فصل صدقہ ج ۳ ص ۴۹۰ میں ہے: ''قد یقصد بالصدقۃ علی الغنی الثواب''۔ ''اغنیا کا کھلانا جس طرح ان کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے''۔

مجمع البحار جلد دوم ص ۲۳۸ میں ہے: ''الصدقۃ ماتصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف''۔ ''صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لئے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلا خلاف اجر وثواب ملے گا''۔

خود حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقۃ ہر معرف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیا کو کھانا کھلانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیا کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا

''عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطاء فی سواد و یبرك فی سواد فاتی بہ لیضحی بہ قال یا عائشۃ! ھلمی المدیۃ ثم قال اشحذیھا بحجر ففعلت ثم اخذھا و اخذ الکبش فاضجعہ ثمہ ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللّٰھم تقبل من محمد و من

Marfat.com

امة محمد ثم ضحیٰ به"۔ رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۵۶ ۔ ''امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوندا اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر قربانی کی''۔

ملا علیٰ قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ ص۲۶۱ میں لکھتے ہیں: ''قال الطیبی المراد المشارکة فی الثواب مع الا مة لان الغنم الواحد لا یکفی عن اثینن فصاعدا''۔ ''علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لئے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی''۔

''وعن جابر قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح بکبشین اقرنین المحین موجوئین فلما وجهها قال انی وجهت وجهی للذی فطرالسموت والارض علیٰ ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی و نسکی ومحیا ی ومماتی لله ر ب العالمین لا شریك له و بذلك امرت و انا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اکبر ثمه ذبح ر واه احمد و ابو داؤد وا بن ماجة والدارمی''۔ ''یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے وہ بکرے سینگ والے خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی اللّٰهم انی وجهت وجهی الخ اور فرمایا کہ خداوندا یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمد کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا''۔

ملا علیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ ص ۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

"(عن محمد) ای صادرة عنه (وامته) ای العاجزین عن متا بعته فی سنة اضحیته وهو یحتمل التخصیص باهل زمانه والتعمیم المناسب لشمول احسانه والاول یحتمل الاحیاء والا موات اوالا خیر منهما ثم المشارکة امامحمولة علیٰ الثواب وا ۱ و علیٰ الحقیقة فیکون من خصوصیة ذلك ا لجناب والا ظهر ان یکون احد هما عن ذاته الشریفة والثانی عن امته لضعیفة۔"

''یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کی امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثواب

Marfat.com

میں ہے یا حقیقۃً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہو اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔''

''و فی روایۃ لا حمد و ابی داؤد و الترمذی ذبح بیدہ وقال بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ھذا عنی و عمن لم یضح من امتی'' ۔''امام احمد اور ابوداؤد و ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔ خداوندا یہ قربانی میری طرف سے اور میری ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہ کی۔''

''و عن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت لہ ماھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رواہ ابو داؤد و الترمذی نحوہ''۔''ابوداؤد اور ترمذی نے حنش بن عبداللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکرا قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانور ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد۲ ص ۳۶۵ میں فرماتے ہیں:

''(انا اضحی عنہ) بعد موتہ امابکبشین علیٰ متوالِ حیوٰتہ او بکبش احد ھما عنہ و الآخر عن نفسی (فانا اضحی عنہ) قال ابن الملک یدل علیٰ ان التضحیۃ تجوز عمن مات''۔''حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا دو میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے''۔

ردالمحتار جلد۵ ص۲۲۰ میں ہے:''و ان تبرع بھا عنہ لہ الاکل لانہ یقع علیٰ تلک الذابح والثواب للمیت''۔''اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرعاً قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔'' واللہ تعالیٰ علم۔

جواب سوال سوم: ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کیے گئے۔ ان میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ کرام وصحابیات حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ و بنات طاہرات حضرت رقیہ و ام کلثوم و حضرت خبیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لئے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ و اہل بیت نے

Marfat.com

کیا۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر و تاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بار ہا برتے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ''و عن جعفر بن محمد عن ابیه ان فاطمة بنت النبی صلی الله علیه وسلم کانت تزور عمها حمزة فی الایام فتصلی و تبکی عنده''۔ ''حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پردادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جا کر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روتی تھیں''۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح میں فرماتے ہیں: ''وروی البیهقی فی الشعب عن الواقدی قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یزور الشهداء باحد فی کل حول و اذابلغ رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار ثم ابو بکر کل حول یفعل مثل ذلك ثم عمر ثم عثمان و کانت فاطمة رضی الله عنها تا تیه و تد عوا و کان سعد بن وقاص یسلم علیهم ثم یقبل علیٰ اصحابه فیقول الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام''۔ ''بیہقی شعب الایمان میں واقدی سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہونچتے، بلند آواز سے فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار کہتے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں''۔

شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۴ میں ہے: ''وروی ابن ابی شیبة عن ابی جعفر ان فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم کانت ت زور قبر حمزة رضی الله عنهما ترمه و تصلحه و قد نعلمته بحجر۔ و رواه یحیٰ نحوه عن ابی جعفر عن ابیه علی بن الحسین و زاد فتصلی هناك و تد عو و تبکی حتی ماتت۔'' ''ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح درستگی کرتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنا دی

Marfat.com

تھی''، اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابو جعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور وطریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔''

معلوم ہوا کہ دو چار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب واصحاب سے یہ کہنا الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

''ان عبدك و نبيك يشهدان هولاء شهداء وانهم من زار هم او ملم عليهم الیٰ يوم القيمة ردوا عليه''۔ ''خداوندا تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

''رواه البيهقى فى الدلائل و قال العطاف و حدثتنى خالتى انها زارت الشهداء فسلمت عليهم فسمعت رد السلام فقالو والله اذانعر فكم كما يعرف بعضنا بعضنا قالت فشعرت''۔ ''عطاف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔''

''و عن هاشم بن محمد العمرى من ولد عمر بن علیٰ قال اخذنى ابى بالمدينة الیٰ زيارة قبور الشهداء فى يو م جمعة بين الفجر و الشمس فكنت امشى خلفه فلما انتهیٰ الیٰ المقا بر رفع صوته فقال سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال اجيب و عليك السلام يا ابا عبدالله! فالتفت ابى الیّ فقال انت المجيب ؟فقلت لا فجعلنى عن يمينه ثمه اعاد السلام ثم جعل كلما سلم يرد عليه حتى فعل ذلك ثلاث مرات فخر ساجدا۔'' (رواه البيهقى) ''امام بیہقی ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر و طلوع شمس یعنی صبح صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہونچے، آواز بلند کی

Marfat.com

اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا و علیکم السلام یا اباعبداللہ اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کرلیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے"۔

"و عن فاطمة الخزاعية تقول لقدراء بتني و غابت الشمس بقبور الشهداء و معي اخت لي فقلت لها تعالي نسلم علىٰ قبر حمزة فو قفنا علىٰ قبره فقلنا السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه و سلم فسمعنا كلامارد علينا و عليكم السلام و رحمة الله قالت و ما قربنا احد من الناس" (رواه البيهقي) " فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر ہوا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا"۔

(وفاء الوفا جلد۲ ص۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال ونساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الیٰ یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ودیگر شہدائے احد کے مزارات پر جا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر بتفصیل کتب سیر وتواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روزمرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لئے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لئے ہو ع

در خانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر کھجور کی شاخ کا رکھنا تو بارہا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات

Marfat.com

متعدد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد اص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: "وفیہ نظر لمافی حدیث ابی بکرۃ عند الامام احمد والطبرانی انہ الذی اتیٰ بالجریدۃ الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ قطع الغصنین فدل ذلک علیٰ المغائرۃ ویوید ذلک ان قصۃ الباب کانت بالمدینۃ وکان معہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ وقصۃ جابر کانت فی السفر وکان خرج لحاجتہ فتبعہ جابرو حدہ فظھر التغایر بین حدیث ابن عباس وجابربل فی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المروی فی صحیح ابن حبان مایدل علیٰ الثالثۃ ولفظہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدھما عند راسہ والاخری عند رجلیہ"۔ "امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ ابوبکرہ کی حدیث میں جسے امام احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابوبکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دو حصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔ اس وقت حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت جابر تنہا ساتھ ہو لئے تو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر کی حدیث میں صاف مغائرت ظاہر ہوگئی بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تیسرا واقعہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دو شاخیں لاؤ۔ پس ایک کو میت کے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں"۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: "وفی حدیث ابی بکرۃ عند احمد والطبرانی انہ الذی اتیٰ بھا الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اماما رواہ مسلم فی حدیث جابر الطویل المذکور فی اواخر الکتاب انہ الذی قطع الغصنین فھو فی قصۃ اخریٰ غیر ھذہ فان تغایر حدیث ابن عباس و حدیث جابر وانھما کانا فی قضیتین مختلفین ولا یبعد تعدد ذلک وقدروی ابن حبان فی صحیفۃ من حدیث ابی ھریرۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف علیہ فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدھما عند راسہ والاخریٰ عند رجلیہ فتحتمل ان تکون ھذہ قصۃ ثالثۃ"۔

"ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر

Marfat.com

میں درج ہے کہ انہوں نے دوٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغائرت ہے اور یہ کہ یہ دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متعدد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پائنتی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بسط وتفصیل سے کلام فرماتے ہیں: ''منها ان فی متن هذا الحديث ثم دعا بجريدة فكسرها كسر تين يعنى اتىٰ بهاو كسر ها وفى حديث جابر رضى الله عنه رواه مسلم انه الذى قطع الغصنين فهل هذه قضية واحدة او قضيتان الجواب انهما قضيتان و المغائرة بينهما بو جوه الاول ان هذه كانت فى المدينة و كان مع النبى صلى الله عليه وسلم جماعة و قضية جابر كانت فى السفرو كان خرج لحاجة فتبع جابر و حده الثانى ان هذه القفية انه عليه الصلاة والسلام غرس الجريدة بعد ان شقها نصفين كما فى رواية الاعمش الآتية فى الباب الذى بعده و فى حديث جابرامر عليه الصلوٰة والسلام جابرا قطع غصنين من شجر تين كان النبى صلى الله عليه وسلم استتر بها عند قضاء حاجة فالقىٰ غصنين عن يمينه و عن يساره حيث كان النبى صلى الله عليه وسلم جالساوان جابر اساله ذلك فقال انى مررت بقبرين يعذبان فاحببت بشفاعتى ان يرفع عنهما مادام الغصنان رطبين الثالث لم يذكرفى قصة جابر ماكان السبب فى عذابها الرابع يذكرفيه كلمة الترجى فدل ذلك كلها علىٰ انها قضيتان مختلفتان بل روى ابن حبان فى صحيحه عن ابى هريرة انه صلى الله عليه وسلم مربقبر فقال ايتونى بجريد تين فجعل احد هما عندرا سه والا خرىٰ عند رجليه فهذ الظاهر يدل علىٰ ان هذه قضية ثالثة فسقط بهٰذا كلام من ادعىٰ ان القضية واحدة كما مال اليه النووى والقرطبى''۔

''علامہ عینی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کر کے (الاسئلہ والاجوبۃ) کی سرخی سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات دیے، ہیں۔ منجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں ''ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين'' ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکڑے کئے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قضیئے ہیں اور دو واقعہ ہونے کی چار دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ

Marfat.com

مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر ساتھ ہو لئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاخ کو دوا دھا کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بروایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دو درختوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داہنے بائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تر و تازہ رہیں۔ **تیسری دلیل**: دلیل مغائرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ **چوتھی دلیل**: یہ ہے کہ اس حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بار ہا بلکہ بکرات و مرات ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بارہا دو دو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لئے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات دوصدی و مکتوبات بست وہشت و ملفوظات معدن المعانی و مخ المعانی وخوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسمّٰی بہ مخ المعانی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی ونہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکری در نقل وعرس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن

Marfat.com

مذکور و مسطور ہے:

''وبعد از نقل میان صحابہ اختلاف در امر خلافت افتاد کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد وانصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضے صلح می انگیختند کہ یکے مہاجرے باشد و دیگر انصاری۔ درین اختلاف نہ روز گزشت وایں نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعامے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند، درحرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمہ رسیدے۔ الغرض بعد از نہم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ درآنچہ حضرت رسالت زحمت غالب شد از سبب ملال زحمت نتوانستند کہ در مسجد حاضر شوند وبوجود حضرت رسالت کرا مجال بودے کہ امامت کردے وچوں وقت نماز درآمد، بلال بخدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اشارت فرمود کہ ابوبکر صدیق را بگوئے تا امامت کند۔ بلال ایں فرمان با امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایشاں امامت کردند۔ ہمبریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغامبر خدا مر ابوبکر صدیق را در نماز کہ یکے از ارکان دین ست، امام فرمود وبریں کار امین گردانید وخلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس جائیکہ در کار دین اورا امام گردانید وامین داشت درکار دنیا بر طریق اولیٰ امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت واجماع منعقد شد بر خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت برایشان متعین شد۔ پس دو روز بعد از نقل اختلاف در دفن گزشت ونہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت ودوازدہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست وابوبکر صدیق متعین گشت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بروح رسول علیہ الصلاۃ والسلام طعام ساختند وطعام آن مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ رابس کردہ شود۔ درمدینہ افتاد امروز چیست؟ گفتند الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امروز عرس رسول خدا است ودر دوازدہم عرس مشہور شد۔''

''حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسول خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہئے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہئے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہئے۔ اس اختلاف میں نو دن گذر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نو بیویاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو سبھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج وملال اتنی زحمت نہ کر سکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آ گیا، جناب بلال

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المومنین ابوبکر صدیق تک پہونچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بنا پر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں سے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابوبکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امانت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہٰذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بنا پر یہ بات طے ہو گئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کر دی گئی پھر دو روز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گذر گئے اور نو روز اختلافِ خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہو گیا"۔

حضرت مخدوم الملک قدس سرہٗ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ازواج مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نوازواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصال ثواب و عرس کیا اور اس مقدار سے کھانا پکوایا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابۂ عظام و مشائخ کرام و علمائے فخام بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد اول ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اہدائے ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقد بالغ السبکی وغیرہ فی الرد علیہ فان مثل ذلک لا یحتاج لا ذن خاص الاتری ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر وصیتہ و حج ابن الموقف و ھو فی طبقۃ الجنید عنہ سبعین حجۃ و ختم ابن السراج عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من عشرۃ آلاف ختمۃ وضحیٰ عنہ مثل ذلک"۔ "علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مبالغہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذن کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت

Marfat.com

العمر بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفق نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے ستر حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔''

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بنا کر بطفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لئے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد وشمار کوئی نہیں بتا سکتا اور یہ طریقہ بزرگان دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست وہشتم ص ۵۵ میں ہے: ''باید کہ ہرگاہ صدقہ بمیت نیت بکند، اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام ہدیہ سازد وبعد ازاں بمیت تصدق کند کہ حقوق آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام فوق حقوق دیگراں ست ونیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آن سرور علیہ وآلہ الصلوات والتحیات وایں فقیر در بعضے صدقات موتی کہ در تصحیح نیت خود را عاجز می یابد، علاجے بہ ازیں نمی یابد کہ آں صدقہ را بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام تعین نماید۔ آن میت را طفیلی ایشاں سازد، امید ست کہ ببرکت توسط ایشاں قبول افتد''۔

''چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کر کے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے مخصوص کردے اور جس مردے کے لئے نیت کرنا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنا دے کیونکہ توسط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے۔''

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج ودستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامہ الخ پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نمازی مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیٰ وسلم سے الیٰ یومنا ہذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ

Marfat.com

الغافلون و صل علیٰ جمیع الا نبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین والعباد الصالحین و علینا معھم اجمعین الیٰ یوم الدین۔

جواب سوال چہارم: امام اعظم کا فرزندار جمند اور امام ابو یوسف کو ایصال ثواب کی وصیت

ایصال ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الامہ نے اپنی صاحبزادی کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کمشخانوی نقشبندی مجددی خالدی نے اپنی کتاب ''جامع الاصول فی الاولیاء وانواعھم'' میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا ہیں جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یا بنی ارشدك الله تعالیٰ وایدك اوصیك بو صایا ان حفظتھا و حافظت علیھا رجوت لك السعادۃ فی دینك انشاء الله تعالیٰ''۔ ''اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیری مدد کرے۔ میں تجھ کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تو ان کو یاد رکھے اور ان پر ہمیشہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ''۔

اسی وصیت نامہ میں ہے: ''والثالث عشران تو اظب علیٰ قراء ۃ القرآن کل یوم و تھدی ثوابھا الیٰ الرسول صلی الله علیه وسلم و والدیك و استاذك و سائر المسلمین''۔ ''تیرہویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو۔''

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے: ''واذکر الموت واستغفر الاستاذ من اخذ ت عنھم العلم و داوم علیٰ التلاوۃ و اکثر من زیارۃ القبور والمشایخ والمواضع المبارکۃ'' (الاشباہ والنظائر ص ٦٥٤) ''ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ہمیشہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس و متبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو۔''

فقہ کی کتابیں تو ایصال ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض بعض عبارتیں اوپر گزریں اور

Marfat.com

تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاحبزادے کوتاکیدی حکم، شاگرد رشید کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ لاعطر بعد عروس۔

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے افادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت، عام مسلمانوں کے مراسم ورواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع واتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کر کے ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۰۷ میں ہے: ''وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافاللمعتزلة تمسکا بان القضاء لایتبدل و کل نفس مرهونة بما کسبت والمرء مجزی بعمله لابعمل غیرها ولنا ماروی فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصافی صلاة الجنازة وقد توارثه السلف فلولم یکن للاموات نفع فیه لما کان له معنی وقال علیه السلام مامن میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوافیه وعن سعدبن عبادة انه قال یا رسول الله !ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل؟قال الماء فحفربیراوقال هذه لام سعد وقال علیه السلام الدعاء یردالبلاء والصدقة تطفی غضب الرب وقال علیه السلام ان العالم و المتعلم اذامرا علیٰ قریة فان الله یرفع العذاب عن مقبرة تلك القریة اربعین یوما والاحادیث والاٰثار فی هذاالباب اکثر من ان یحصیٰ ''۔

''مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا بدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل

Marfat.com

کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصاً نماز جنازہ میں کہ اس کو سلف سے خلف تک لوگ برابر کرتے چلے آئے ہیں تو اگر اس میں مردے کا کوئی نفع نہ ہوتا تو نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا بلا کو ٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھالیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حد شمار سے باہر ہیں۔''

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزر سکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر وثواب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وغیرہم تم سے پہلے کئے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دیندار تھے، جس کی قدرے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات وتوہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہوکر صاف وصریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ پریوی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب جمع القرآن میں فرماتے ہیں: ''عن زید بن ثابت قال ارسل الیٰ ابو بکر مقتل اهل یمامة و اذا عمر بن الخطاب عنده فقال ابو بکر ان عمراتانی فقال ان القتل قد استحر بقراء القرآن و انی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فید هب کثیر من القرآن و انی اریٰ ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر کیف تفعل شیئالم یفعله رسول الله صلی الله تعالی علیه و سلم فقال عمر هذا و الله خیرفلم یزل یرا جعنی حتی شرح الله صدری لذلك و رایت فی ذلك الذی رای عمر فقال زید قال ابو بکر انك شاب عاقل لا نتهمك و قد کنت تکتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه و سلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مماامرنی به من جمع القرآن قلت کیف تفعلا ن شیاء لم یفعله رسول الله صلی

Marfat.com

اللہ علیہ و سلم قال واللہ ھو خیر فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتیٰ شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمر فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدورالرجال ووجدت اخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم حتیٰ خاتمۃ برأۃ فکانت الصحف مع ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر''۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی وابن سعد والامام احمدفی مسندہ والمدینی و الترمذی والنسائی وابن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف وابن المنذر وابن حبان والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان ، کنز العمال جلد اول ص ۲۷۹)

''جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یو ہیں لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کروگے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کہ اگر چہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہوگئی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جوان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا!! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ،حضرت ابوبکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابوبکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ توبہ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی پھر تا زندگی

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا''۔

اس وقعہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لئے ایک شاہراہ عام کھولدی کہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس امر کو نہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہئے۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرون ثلثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگر چہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب و ہم مشرب سنیوں پر کرتے ہیں''۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''وقد تسول بعض الرافضة ان یتوجه الاعتراض علیٰ ابی بکر بما فعله من جمع القرآن فی المصحف فقال کیف جاز ان یفعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی علیه وسلم والجواب انه لم یفعل ذلك الا بطریق الا جتهاد السائغ الناشی عن النصح منه لله و لرسوله ولکتابه و لائمة المسلمین ولعامتهم''۔ ''رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ ورسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے''

اسی میں ہے: ''واذا تامل المنصف مافعله ابو بکر من ذلك جزم بانه یعد فی فضائله و نبوة بعظیم منقبته لثبوت قوله صلی الله علیه و سلهم من سن سنة حسنة فله اجرها و اجرمن عمل بها فما جمع القرآن احد بعده الا فکان لهمثل اجره الیٰ یوم القیمة''۔ ''اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تامل کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل و کمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت و تعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

Marfat.com

کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام تو اس شخص کے لئے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر و ثواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہوسکتا ہے۔ اسی لئے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجمیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اوراد و اشغال ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''ولا تظنن ان النسبة لا تحصل الا بهذه الاشغال بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها و غالب الراى عندى ان الصحابة والتابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرىٰ (الىٰ قوله) و هذاالمعنى هوالمتوارث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق مشائخنا لا شك فى ذلك وان اختلف الالوان و اختلفت طرق تحصيلها''۔

مولوی خرم علی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کا فائدہ بیان کر کے لکھتے ہیں:

''مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بہ سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن و حدیث کے فہم میں قواعد صرف و نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں''۔ واللہ تعالیٰ اعلم (القول الجمیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں ''اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہوگیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لئے۔ پس صحابہ رضی اللہ

Marfat.com

عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پروہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لئے“

اسی میں ص ۱۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے، جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“

جناب شاہ ولی اللہ صاحب و جناب شاہ عبد العزیز صاحب و مترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لئے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنہگار سے گنہگار کی نجات کے لئے کافی تھا۔ کما یدل علیہ حدیث: ”ان ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃ وانا انورھا بصلاتی علیھا۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں“۔

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے علما ومشائخ نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے دفع سیئات ورفع درجات ہوا جس پر اعتراض اپنے کمال دانشمندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض وہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کا رد نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ واہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: ”وقد کانت الاوائل من الصحابۃ والتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین لصفاء عقائدھم ببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقرب العھد بزمانہ وقلۃ الوقائع والاختلافات وتمکنھم من المراجعۃ الی الثقات مستغنین عن تدوین العلمین وترتیبھما ابوابا وفصولا وتقریر مقاصدھما فروعا واصولا الی ان حدثت الفتن بین المسلمین الخ“ (شرح عقائد ص ۳) ”سلف صالحین، صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات واختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب وفصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروع واصول پر مقرر کرنے سے

Marfat.com

مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور راویوں کا اختلاف اور بدعت و خواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مہم اور مشکل باتوں میں علما کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر واستدلال اور اجتہاد و استنباط کی طرف متوجہ ہوئے''۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی غرض اس عبارت سے اسی شبہ واہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے محشیوں نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد ص ۶ میں لکھتے ہیں: ''قولہ قد کانت الخ دفع لمایوھم کون ذلک العلم مردود او حرام امالئلا یحجم الشارع عن شروعہ و کان ماسبق تمہید لہ۔ حاصلہ ان الا بحاث الکلامیۃ بدعۃ لعدم اشتغال الاوائل بھاو الالنقل الینا لتوفر دواعیہ کما نقل اشتغالھم بالمسائل الفقھیۃ و کل بدعۃ رد بخبرہ علیہ الصلاۃ والسلام و حاصل الدفع ان ارید عدم اشتغالھم بھا مطلقا فھو باطل لان الآیات علیٰ اثبات الصانع و صفاتہ و اثبات النبوۃ والردعلیٰ المنکرین اکثر من ان یحصیٰ فکیف یمکن ان یقال انھم لم یخوضوا فی ھذہ الادلۃ و ان ارید عدم اشتغالھم بھا علیٰ تدوینھا و علیٰ تقریر مقاصدھا فروعا و اصولا کما اشتغلنا نحن فمسلم لکن ھی فی ھذا الامر کالفقہ و لیس لکونھا مردودۃ بل لما ذکرہ من صفاء الخ فاشتغالنا بالفقہ اھ''۔

''شارح کا یہ قول قد کانت الخ جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود وحرام ہے۔ یہ دفع اس لئے ہے کہ شروع کرنے ولا شروع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض و وہم کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ بدعت ہیں۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے ورنہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والتحیۃ مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حد شمار سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور وخوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم وفن مدون نہ کیا، اصول وفروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شارح علیہ الرحمۃ نے ذکر کی، کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے۔ جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا''۔

Marfat.com

علامہ خیالی اسی مضمون کو نہایت ہی نفیس قول و دل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ''وقد کانت الاوائل تمهيد لبيان الشرف وغاية مع الاشارة الىٰ دفع مايقال من ان تدوين هٰذا العلم لم يكن فى عهدا لنبى عليه السلام و لافى عهد الصحابة والتابعين ولو كان له شرف و عاقبة حميده لما اهملوه'' ۔ ''مصنف کا قول و قد کانت الاوائل الخ اس علم کے شرف اور فضیلت کی تمہید اور اس کی غایت کا بیان اور اس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی، نہ عہد صحابہ و تابعین میں ۔تو اگر اس علم میں کوئی خوبی ہوتی اور اس کا انجام محمود ہوتا تو سلف صالحین ہرگز اس کو چھوڑ نہ دیتے'' ۔ (خیالی ص ۹)

اسی طرح مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱: ''و يعلم ان النظر قديقع فيه الخطاء من جهة الصورة وقد يقع من جهة المادة فلا بد من عاصمه عن الخطاء والعقل الكامل عاصم عن الخطاء بحسب الفطرة السليمة ولايحتاج فى العصمة الىٰ المنطق اصلا كما هو اللصحابة و من تبعهم اذببركة صحبة النبى صلى الله عليه وسلم وقرب نزول الوحى كانت عقولهم كاملة غير مشوبة بالوهم واذهانهم كانت قوية وقرائحهم جيدة واما امثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبى صلى الله عليه وسلم وظهور الفسق والفساد و كثرة المشاجرات والاختلافات محتاجون فى العصمة عن الخطاء من جهة الصورة الىٰ المنطق و من جهة المادة الىٰ مباحث الامور العامة والجواهر والاعراض فوجب لنا هٰذه العلوم بعد وجوب النظر ايضا اه''۔

''جاننا چاہئے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اور کبھی مادہ کے جہت سے تو ایسے علم کی ضرورت ہوئی جو خطا سے بچائے اور عقل کامل باعتبار فطرت سلیمہ خطا سے بچانے والی ہے اور ایسے شخص کو منطق کی اصلاً ضرورت نہیں جیسے صحابہ و تابعین تھے ۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں، آمیزش وہم سے مبرا تھیں اور ان کے اذہان قوی تھے اور طبیعتیں جید تھیں لیکن ہم جیسے لوگ تو زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، فسق و فسادات کے ظہور، مشاجرات و اختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطا سے بچنے کے لئے صورت کے اعتبار سے منطق اور مادہ کے اعتبار سے مباحث امور عامہ، جواہر و اعراض کے محتاج ہیں تو ہمارے لئے وجوب نظر کے بعد بھی ان علوم کی ضرورت ہے اور ان علوم کا جاننا واجب ہے''

بالجملہ ہر علم و فن والے علماء زمانہ رسالت اور صحابہ و تابعین کے لئے بوجہ آفتاب رسالت و قرب عہد بابرکت شرف و مزیت مانتے اور جانتے ہیں کہ جو باتیں ان کو بے کسب و محنت حاصل ہوتی تھیں، ان کے لئے ہم لوگوں کو مجاہدہ و ریاضت سعی و مشقت کرنی ہوگی ۔ یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیا تو ہم کو کرنا ناروا ہوگا بلکہ بوجہ بعد زمانہ نیرو

Marfat.com

برکت عہد رسالت ریاضت ومحنت اور اوضاع واطوار میں تا حد اجازت شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز وکار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم'' ص ۷ لکھتے ہیں: ''اشغال مناسبہ ہروقت وریاضت ملائمہ ہرقرن جدا جدا می باشند ولہذا محققان ہروقت از اکابر ہرطرق و در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔ بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست، تعیین کردہ شود۔''

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت داروگیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور اوراد واشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کرکے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ طریقے شرعا جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام وخیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ خداوندا! اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات ومنہیات شرعیہ سے بچا آمین ثم آمین۔

قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کردیئے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' (۱۳۵۴ھ) رکھا جائے۔ خداوندا! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل وتصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہونچا وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین وأخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ الفقیر ظفرالدین القادری الرضوی

غفرلہ وحقق املہ لثمان خلون من جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ۔

☆☆☆☆☆

مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از اکلہ رسولپور، پرگنہ جھت گڈھ میرٹھ، مرسلہ منشی فدا حسین وحافظ عبدالحکیم وشیخ محبوب الٰہی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دربارۂ عرس متعارفہ مروجہ جو صوفیائے زماں روزِ انتقالِ اولیاء اللہ وغیرہ بزرگان کے مقابر پر ہمیشہ بقید تاریخ رحلت وصال مزبورہ بہ ثبوت اس کے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

ہر سال قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار اہتمام بلیغ رکھتے ہیں۔ پس علمائے دین وائمہ مجتہدین واصحاب متصوفین متقدمین ومتاخرین اس امر میں جن کے قول وفعل باتفاق جمہور امت محمدیہ اولے الفضل والکمال وارباب الوجد والحال قابل التسلیم واجب العمل ہوں، جبکہ مجالس ہجوم زناں و تماشائے مرد ماں، آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ لہو ولعب وطوائفان رقاصات آلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہوں، کیا حکم قائم رکھتے ہیں اور قرون ثلثہ مشہو دلہا بالخیر میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ ہدی میں سے آیا کسی کی قبر کے ساتھ یہ عمل واقع ہوا یا! الحال دیار عرب وعجم وغیرہ میں سلسلہ ہذا جاری ہے یا نہیں؟ اور موجد اس کا کون شخص ہوا ہے؟ مجوزین جواس پر حدیث مذکور پیش کر کے استدلال لاتے ہیں، طرف ثانی سے ممنوع ہونے میں کیا جواب ہے؟ ہندوستان میں جن مقابر بزرگان پر ایام عرس وغیرہ میں طوائفان مزین ہوکر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں ونیز اکثر گروہ نسوان اہل قبور سے بطریق حاجت برآری یعنی شرک منت ونیاز وزیارات مجتمع ہوتی رہتی ہیں۔ والیانِ ملک اسلام اور مسلمانانِ اہل اختیارات وذی قوت ایسے لوگوں کو غیر ملحوظ احترام شریعت غراء اور رخنہ انداز ملت بیضا اور معلن بہ فسق وگناہ ہیں، بزجر وسختی روک دیئے جائیں یا نہیں؟ اور در صورت عدم ممانعت ہر مسلمان صاحب قدرت سے مواخذہ روز حشر باقی رہے گا یا نہیں؟ عورتوں کو زیارتِ قبور کے باب میں واضح کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجـــــــــــــــــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی رضی لنا الاسلام دینا وجعلنا من خیر الامم قطعا و یقینا۔ وافضل الصلوات، اکمل التسلیمات علیٰ من نزل علیہ الکتاب لکل شیء تبیینا وارسلہٗ داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا مبینا۔ کمل فیہ الکمال ونزھہ من کل عیب وشین فھو لکل من وافیٰ یوم القیامۃ شرف وملجأ وزین سید نا النبی الامی خاتم النبیین عروس مملکۃ رب العٰلمین ہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدٌ اعبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ اولی الجاہ الذین جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ومنھم من قاتلوا وقتلو افنالوا امالا ینا لہٗ ذوالطول۔ ان زارھم النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم والخلفاء الراشدون علیٰ رأس کلِ حول وعلی ابنہ الا مین المکین محی الا سلام والملۃ والشریعۃ والدین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الیٰ یوم الدین وعلینا معھم وبھم یا ارحم الراحمین۔ وبعد!

فیقول العاجز الیٰ اللہ القوی احد خدام الباب الرضوی عبید المصطفی ظفر الدین

Marfat.com

المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی العظیم ابادی البهاری المجروی۔ عامله الله بلطفه الخفی و فضله الوفی فی الحاضر والآتی مستعینا باللہِ الکریم ورسوله الکریم وابنه الغوث محی الدین واولیا ئه اجمعین فی فتح الباب ودفع الحجاب عن وجه الصواب مسمیا المجواب بالاسم التاریخی "مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس" اللّٰهم اجعله خالصا لوجه الکریم ومکفرا لذنوبی بکرمك العمیم وهادیا للضالین والمضلین۔ آمین! انك علیٰ کل شیٔ قدیر وبالاجابة جدیر۔

عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زنان وتماشائے مردمان آثار شرکیہ وارتکاب معاصی انظار ہ اجنبیہ ولہو لعب وطوائفان رقاصان وآلات مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلاشبہہ جائز ودرست ہے کہ الامور بمقاصدها کما فی الاشباه والنظائر لا فضل المتاخرین مولانازین العابدین بن نجیم الحنفی ۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب فاتحہ وقرآن خوانی ہے، تحصیل خیر وبرکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں ۔ اہل سنت وجماعت کثر هم الله تعالی کی کتب تو اس سے مملو ومشحون ہیں ۔ مگر الحمد للہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: "نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست ۔ چہ ایں معنی بہتر وافضل است"۔

ناصر ملت وہابیہ رشید احمد صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں ہے: "ایصال ثواب ہر روز درست اور موجب ثواب ہے"۔

ان کے محرر مذہب مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹی کے براہین قاطعہ ص ۱۳۳ میں ہے:

"اور مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب مستحسن اور مندوب ہے"۔

رہا تحصیل خیر وبرکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پاگل سا پاگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدے کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ بُرا ہے اور ممنوع ہے ۔ باقی تخصیص وتعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے، خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت ۔

سند اول ودوم: "حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلامُ علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے ۔ کما اخرجه محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یاتی قبور الشهداء علیٰ رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار، وابو بکر و عمر

Marfat.com

عثمان اه کذااخرجه ابن المنذر وابن مردویه عن انس رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم کان یاتی احد اکل عام فاذاتفوه الشعب سلم علیٰ قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قاله الامام الجلیل الجلال السیوطی الشافعی فی الدرالمنثور فی تفسیر القران بالماثور و زاد الامام فخر الملة والدین الرازی الشافعی خاتم الخلفاء امیر المومنین علیٰ بن ابی طالب کرم الله تعالی وجهه الکریم فقال والخلفاء الاربعة هکذا یفعلون"۔

"ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال اُحد تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں قبور شہداء کو سلام کرتے۔ سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار فرماتے یعنی سلامتی ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا، پس کیا اچھا ہے عاقبت کا گھر، اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے"۔ والحدیث نقله الحافظ ابن حجر المکی فی حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ "قال کان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم یزور الشهداء باحد فی کل حول واذابلغ الشعب رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار ثم ابو بکر رضی الله تعالی عنه ورواه ابن ابی شیبة فی مسنده عن عبادبن ابی صالح رضی الله تعالی عنه۔

اس استدلال پر مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے مائۃ مسائل مطبوعہ مصطفائی ۱۲۸۳ھ ص ۲۹ پر یہ شبہ دیکھنے میں آیا کہ اولاً یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ اس کتاب کی ہے کہ "اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح حسن، ضعیف، بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔ معہذا یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو نزدیک محدثین کے صحیح نہ ہوئی اور تاوقتیکہ اس کی صحت کا یقین نہ ہولے، کسی چیز کے جواز وعدم جواز پر استدلال نہیں لانا چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے اور بر تقدیر صحت، حدیث مجمل ہے کہ اس حول کے دو معنی ہیں۔ اول سن یعنی یکم محرم اور اول سن موت صاحبِ قبر سے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو۔ پس حدیث لاتجعلوا قبری عیدا ای لا تجتمعوا عند قبری کا جتماعکم للعید کے معارض ہے" اہ مترجماً۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم وفضل کے جوہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔ اولاً یہ کہنا کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو، محض عامیانہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے۔ کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں کہ محل سخن نہ ہوں؟ نہیں نہیں۔ بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتیٰ کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔ دیکھو حدیث اسرا مروی از شریک کہ

Marfat.com

عبدالحق جمع بین الصحیحین میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہما نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاری و مسلم فی کتابیھما شیأ لا یحتمل مخرجا الا حدیثین ثم علیھما فی تخریجه الوھم وقال الخطابی لیس فی ھذ الکتاب حدیث اشنع ظاھرا و لا ابشع مذاقا من ھذا الفصل وقد جزم ابن القیم فی الھدیٰ بان فی روایة شریك عشرة اوھام۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث دربارۂ قصہ اسلام ابی سفیان عکرمہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا ھذا حدیث موضع لاشك فی وضعه آه قال فی تصحیح المسائل ۔ صحاح کو صحاح کہنا امر تغلیبی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''دریں کتب ستہ اقسام حدیث از صحاح وحسان وضعاف موجود است وتسمیہ آں بصحاح ستہ بطریق تغلیب است''۔ ''کتب صحاح ستہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداؤد (۴) ترمذی (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور انہیں صحاح ستہ کہنا امر تغلیبی واکثری ہے''۔

ثانیاً یہ کہنا کہ ''بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے''۔ محض لچر اور پوچ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن وضعیف ہر طرح کی حدیثیں بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی وابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جن پر حکم وضع کیا گیا کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور، نہ صحاح حدیث صحیح پر مقصور۔ پس اس حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن مردویہ اور ابن منذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن وعدم قبول نہیں۔ البتہ اگر نقادِ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا کہ ابن جویر کی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابلِ قبول نہیں، تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ و اذلیس فلیس ۔ علاوہ بریں جب اجلہ اکابر علما مثل امام جلال الدین سیوطی و ابن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم وخاتم الحفاظ ابن حجر ومولانا شاہ عبدالعزیز وامام فخر الملۃ والدین رازی وصاحب شرح لباب المناسک وابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلا وجہ کیونکر رد ہو سکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم وفضل میں زائد ہی تھے، جنہیں حدیث کی تصحیح وتحسین وتضعیف کا مرتبہ خود صاحبِ حدیث سے حاصل تھا صلی اللہ تعالی علیه وعلی اله وبارك وسلم۔

ثالثاً یہ کہنا کہ ''معہذا محدثین کے نزدیک یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو محدثین کے نزدیک صحیح نہ

Marfat.com

ہوئی'' بھی ایسا ہی ہے۔ کیا ہر حدیث کا متصل الاسناد مرفوع ہونا ضرور ہے؟ متصل الاسناد مرفوع ہونا داخل ماہیت صحیح ہے؟ کیا کوئی موقوف یا مرسل حدیث صحیح نہیں ہوتی؟ حدیث صحیح کی تعریف جو شیخ محقق وغیرہ نے التصحیح مایثبت بنقل عدل تام الضبط غیر معلل و لا شاذ فرمائی ہے صحیح نہیں؟ کیا اتنے قید کی اور ضرورت ہے ورفع الیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم ولم یسقط راو من الرواۃ من البین؟ کچھ ذرا انصاف سے فرمائیے تعلیقات صحیح بخاری کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

رابعاً اس حدیث میں مولوی صاحب نے کون سا ارسال یا انقطاع ثابت کیا کہ متصل الاسناد ہونے کا انکار کیا ہے؟ کیا نہ دیکھا کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلا روایت کیا ہو۔

خامساً مرفوع نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ صراحتاً حدیث میں فعل اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مروی۔ پھر مرفوع نہ ہو، چہ؟ شاید مولوی صاحب نے حدیث میں اسمائے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آنکھ بند کرلی یا ان کے مذہب میں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ائمہ صحابہ کا نام بھی مروی ہو تو حدیث موقوف ہو جایا کرتی ہے؟

سادساً باوصف ادعائے حنفیت عدم اتصال اسناد سے صحت حدیث نہ ماننا عجب العجاب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام نیز ائمہ مالکیہ و جمہور ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتصال سند ہرگز شرط صحت نہیں۔ کتب اصول اس کی تقریر تحریر سے مملو و مشحون ہیں۔

سابعاً جناب مولوی صاحب کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ ہمارے امام الائمہ، مالک الازمہ، سراج الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث کا مرفوع ہونا بھی ہرگز شرط احتجاج نہیں کہ وہ آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے ہیں کماھو منصوص علیہ فی کتب الاصول۔

ثامناً یہ کہنا کہ ''تا وقتیکہ کہ اس کی صحت کا یقین نہ ہو لے، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال لانا نہیں چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے''، کس درجہ خلاف عقل و فہم سے بعید ہے۔ استدلال کے لئے حدیث صحیح باستدلال محدثین ہونا ہرگز ضرور نہیں۔ حسن اور ضعیف مروی بطرق عدیدہ بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف فرد بھی معتبر ہے۔

شیخ محقق مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''احتجاج در کلام بجز صحیح لذاتہ مجمع علیہ است و ہمچنین بحسن نزد عامہ علماء و آں ملحق ست بصحیح در احتجاج اگر چہ در رتبہ کمتر است۔ و چوں حدیث ضعیف بتعدد طرق بمرتبہ حسن برسد آن نیز محتج بہ است۔ و آنکہ مشہور است کہ حدیث ضعیف در فضائل اعمال معتبر است، نہ در غیر آں، مفرد اتش مراد است نہ مجموع کہ آں بتعدد طرق داخل حسن است، نہ ضعیف صرح بہ الائمۃ اہ۔ پس نہ ہر حدیث کا متصل الاسنا

مرفوع ہی ہونا ضرور، نہ استدلال حدیث صحیح ہی پر منحصر ومقصور۔ بہتیری (اکثر) حدیثیں موقوف ومرسل بھی ہیں خصوصاً تعلیقات بخاری کہ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا: ''قالوا تعليقات البخاری متصلة صحيحة''۔ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں ہے: ''وتعلیقات در تراجم صحیح بخاری بسیار است وہمہ آن صحیح است وحکم اتصال دارد اھ''۔

اسی طرح بکثرت مسائل کی دلیل میں حدیث موقوف ہی منقول۔ مگر شائد مولوی صاحب نے معنی لغوی کے اعتبار سے فرمایا ہوگا کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے، یعنی غلط حدیث سے استدلال صحیح نہیں یا جان بوجھ کر مصلحتاً ایسا لکھ دیا۔ غرض بہرحال! مجھے ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ چلتی کاروائی دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں۔

فان كان لايدری فتلك مصيبة

وان كان يدری فالمصيبة اعظم

ثامناً احادیث صحاح ستہ کیا سب متصل الاسناد مرفوع ہی ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے؟

تاسعاً ردِ حدیث کے لئے تنگی دائرہ کو اتنی وسعت دی کہ فقط صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی صحاح پر قناعت نہ کی بلکہ یہ جبروتی حکم نافذ ہوا کہ جب تک صحت حدیث پر یقین نہ ہو لے اسناد روا نہیں۔ مولوی صاحب! صحت پر یقین تو احادیث بخاری پر بھی نہیں ہوسکتا جبکہ آحاد ہو۔ یقین کے لئے تواتر یا کم از کم وہ شہرت درکار ہے جسے اصول حنفیہ میں شہرت کہتے ہیں۔ شہرت اصول شافعیہ بھی مرتبہ ظن آحاد سے زیادت نہیں رکھتی۔

عاشراً خدا جانے ان حضرات کو يجوز للوهابی مالا يجوز لغيره کا فتویٰ کہاں سے مل گیا ہے؟ حضرت کی اسی مأتہ مسائل واربعین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اور ان سے جو متصل الاسناد نہیں اور ان سے جو مرفوع نہیں۔ اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزور زبان یا غیظ وجلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں۔

مأۃ مسائل صفحہ ۳۸ جواب سوال بست وسوم (اعمال عباد از خیر وشر براقربا ومعارف ایشاں می رود یا نہ واوشاں درحق احیا خود ہا دعاے کنند یانے کنند) میں ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' امام جلال الدین سیوطی سے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کے صفحہ ۴۲ جواب سوال بست وپنجم (ثواب قرآن شریف ودیگر اعمال صالحہ باموات می رسد یا نہ؟) میں حدیث دارقطنی۔ اسی کے صفحہ ۶۳ جواب سوال سی وسوم (سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور درشرع حرام ست یا کفر یا شرک کبیرہ) میں احادیث امام احمد ابن حنبل، بیہقی عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ وطبرانی، حاکم، بیہقی عن قیس بن سعد وحاکم عن بریدہ، واحمد عن معاذ، وطبرانی عن سراقہ بن مالک وابن ابی شیبہ عن عائشہ وبیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی کے صفحہ ۱۰۱ جواب سوال ہشتاد وپنجم (مقرر کردن حافظ فی روپیہ سہ ختم قرآن یا چہار چہ حکم دارد جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) میں حدیث بیہقی سے دلیل لائے اور ذرا بھی

Marfat.com

خیال نہ کیا کہ ایں احادیث از صحاح نیست کہ محل سخن نباشد بلکہ ازاں کتب است کہ درآں کتب حدیث ہر قسم صحیح وحسن و ضعیف بلکہ موضوع ہم یافتہ می شود۔ اسی طرح اسی مائۃ مسائل کے صفحہ ۴۲ سوال بست وپنجم مذکور کے جواب میں ہے:'' وروی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال یموت الرجل ویدع ولدافیر فع له درجة الخ ۔ اسی کے صفحہ ۵۵ سوال بست ونہم (نماز گذاردن برطرف راسِ قبر یا پائین قبر گناہ، کدام گناہ) کے جواب میں ہے: ورای عمر انس بن مالك يصلى عند قبر فقال القبر القبر والعمريأ مره بالاعادة ۔ اسی کے صفحہ ٦٦ جواب سوال سی و ششم (شامیانہ وخیمہ استادہ کردن برقبر چہ حکم دارد، جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) کی دلیل میں ہے: ورأى ابن عمر فسطاطا على قبر عبدالرحمٰن فقال انزعه يا غلام! فانما يظله عمله اھ وغیرہ مسائل میں حدیث موقوف تحریر فرمائی اور اس کا لحاظ نہ کیا: معہذا نزدِ محدثین ایں حدیث متصل الاسناد مرفوع ہم نیست پس نزد ایشاں صحیح نہ باشد و فتیکہ یقین برصحت آں نشد در مقام استدلال بر جواز شے وعدم آں آوردن نشاید۔ اسی طرح مسائل اربعین مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۶۱ھ کے صفحہ ۷ جواب سوال یکم (وقت تولد طفل کہ در ہر دو گوش وے اذان واقامت می دہند واجب است یا سنت یا مستحب واگر نامش محمد یا احمد نہند، درست است یا نہ؟) میں احادیث مفتاح النجاۃ ومسند ابی یعلیٰ وطبرانی وابن عدی سے دلیل لائے ۔ اسی کے صفحہ ۱۵ جواب سوال ہفتم (تقسیم شیرینی وطعام بعد رمکتب در مردمانِ برادری جائز است یا نہ؟) میں حدیث موقوف قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد آموختن سورہ بقرشتر رانحر نمودہ دوستانِ خود را خورانیدہ بود)۔

حادی عشر یہ فرمان کہ برتقدیر صحت حدیث مجمل ہے اور اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو بالکل بجا اور درست ہے۔ حدیث مذکور کو بحیلۂ اجمال ناقابل عمل بتانا بھی جناب مولوی صاحب ہی ایسے محدث کو زیبا ہے۔ لفظ حول میں اژدحام معانی اور اشتباہ مراد ہی کہاں؟ کیا حول بھی مشترک ہے کہ اول محرم، اول دن موت صاحبِ قبر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ حول کا معنی دورہ ہے، محرم سے بتدا کی جائے یا صفر سے، ذیقعدہ ہو یا ذی الحجہ سے، یکم ہو یا دسویں، بیسویں یا بائیسویں۔ غرض جس جز سے ابتدا کی جائے، اس جز تک دورہ ایام وشہور آجانے کا نام حول ہے۔ فقہائے کرام جو دربارۂ وجوب زکوٰۃ حولان حول فرماتے ہیں، اس سے بھی یہی مراد کہ جس دن مالک نصاب ہو، اس کے ایک سال بعد زکوۃ واجب ہے۔ رہا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کب تشریف لے جاتے؟ جناب مولوی صاحب نے دو احتمال نکالے ہیں۔ ابتدائے محرم اور ابتدائے تاریخ موت صاحب قبر۔ مگر قبل تحریر فتویٰ یہ تو غور کر لینے کی بات تھی کہ تعین سنہ ہجری اور اس کی ابتدا ماہ محرم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں

Marfat.com

کب تھی؟ یہ تو زمانہ خلافت راشدہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔تو احتمال اول تو احتمال ہی ہوگیا۔پس نہ رہا باقی مگر احتمالِ ثانی کہ تاریخ موت صاحب قبر سے سال کے بعد شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔اب بھی اعراس میں یہی ہوتا ہے اور ابتدائے سال وفات یوم وصال ہے تو اسی حدیث سے تعیین یوم وفات کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی اور یہ سنت ٹھہری اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ راس کل حول سے مراد پہلی محرم ہر سال کی ہے تب بھی تو مذہب وہابیت کے گلے پر چھری چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی ٹھہری ہوئی ہے اور تعیین بدعت اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔ چنانچہ مولوی گنگوہی صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ میں ہے:''طریقۂ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے،لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کردینا درست ہے''۔اور یہی مفہوم مولوی صاحب کی مائۃ مسائل اربعین کا ہے کہ فرماتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست''۔اور اس حدیث سے تعیین وتقرر ثابت۔دن موت صاحب قبر کی نہیں۔ابتدائے محرم ہی کی تعیین سہی۔

ثانی عشر حدیث مذکور کو حدیث لا تجعلو اقبری عیداً کے معارض کہنا بھی عجب بات ہے کہ جس امر کا وہاں حکم ہے، یہاں اس کی ممانعت ہے، نہیں، اس لئے کہ حدیث لا تجعلوا میں تو ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس مثل عید کے لہو ولعب کے ساتھ جمع نہ ہو کہ موجب غفلت وقسوت قلب ہے یا یہ کہ میری قبر کو تم عید نہ بنالو، یعنی جس طرح عید۔کے لئے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر ومقصور نہ کردو بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہزاراں ہزار رحمت وبرکت اور ذریعہ حصول انواع سعادت ہے۔

ملا علیٰ قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح لمشکوۃ المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں:''لا تجعلو اقبری عیداً هو واحد الاعیاد ای لا تجعلو ازیارة قبری عیدا او لا تجعلو اقبری مظهر عید فانه یوم لهو و سرور و حال زیارة خلاف ذلك وقیل یحتمل ان یکون للحث علیٰ کثرة زیارة و لا تجعل کالعید الذی لا یأتی فی العام الا مرّتین قال الطیبی نها هم عن الاجتماع لها اجتماعهم للعید نزهة و زینة اه''۔

اور حدیث مذکور کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم یاتی قبور الشهداء الحدیث میں یہ حکم کہاں کہ ہر سال میری قبر پر لہو ولعب وتماشا کناں جمع ہو یا قبر کو میری عید بنالو اور ہر سال دو ہی مرتبہ مثل عید کے جمع ہو بلکہ ہر سرِ سال قبور شہدائے احد تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرمانا مذکور۔پس ایسی حالت میں اس حدیث کو اس کے معارض جاننا بھی خوش فہم ہی کا کام ہے۔

ثالث عشر اس حدیث کا مدلول صرف زیارت قبور جانا اور جواز اعراس پر استدلال کو منع کرنا بھی تعجب خیز

Marfat.com

امر ہے۔آخر کان اور علیٰ راس کل حول بھی لفظ موضوع ہے۔، کچھ معنی رکھتا ہے یا یوں ہی زائد لغو وفضول ہے۔ زیارت قبور تو یا تی قبور الشھداء ہی سے مفہوم ہوتی ہے۔ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے، وہ ہم سے سنئے۔علیٰ راس کل حول تو دلالت تعیین وتخصیص یوم وفات پر کرتا ہے کما قدمنا اور لفظ کان قبل مضارع مداومت پر۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۳۴۱ میں ہے:''و وجه الكراهة مخالفة فعله الذي كان عليه الصلوٰة والسلام يداوم عليه كما يفيده لفظ كان فيما نقدم من الحديث'' انتھیٰ۔غرض اس حدیث کو جواز عرس میں پیش کرنا بے سُود نہیں۔

رہا وہاں لوگوں کا مرتکبِ بدعات ولہو ولعب ہونا، باجے گاجے کھیل تماشے کرنا یہ ہرگز جزو عرس نہیں۔یہ ضرور ممنوع وحرام ہیں اور اس کو داخل ماہیت عرس جاننا کم فہمی یا عناد ہے۔جس طرح اکثر اعراس مع سماع ومزامیر ورقص فواحش ہوتے ہیں بہتیرے اعراس ان سب چیزوں سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امور مذمومہ آلاتِ لہو ولعب سے اس میں کچھ نہ ہوتا، جسے شاید مولوی صاحب نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔علیٰ ہذا القیاس عرس مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا، اسی طرح بدایوں شریف میں برابر ۱۹ر ماہ جمادی الاولیٰ کو عرس حضرت تاج الفحول محبّ الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ۲ر جمادی الآخر کو عرس سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہما کا ہوا کرتا ہے۔ہرگز ہرگز آلات لہو ولعب کچھ نہیں ہوتے۔تو ان وجوہات سے نفس عرس ہرگز ممنوع وناجائز نہیں ہوسکتا، نہ اس کے لئے تقرر یوم میں کوئی خرابی۔مذموماتِ شرعیہ کو منع کرتے، کون منع کرتا ہے؟ یہ نفس وشیطان کا دھوکا ہی ہے کہ نہی عن المنکر کے پردے میں مناع للخیر بناتا ہے۔نعوذ باللہ منه۔

رابع عشر ہاں جناب مولوی صاحب! یہ فرمایئے کہ عبارت میں تعارض تناقض ہونا تو لازم وہابیت ہے۔ اسے تو شاید نفس کشی خیال فرما کر ایک نیک کام جان کر اختیار کیا ہوگا مگر استاد کشی کس مصلحت سے اختیار فرمائی۔یعنی جس چیز کو استاذ واستاذ الاستاذ سب جائز ومستحسن بتاتے اور اس پر عمل درآمد کرتے آئے وہ آپ کے نزدیک ناجائز و ممنوع ہے۔کیا آپ کے برابر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کو علم نہ تھا کہ انہوں نے اسی مسئلہ عرس میں اسی حدیث سے استناد کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ حدیث تو صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ محمد بن جریر طبری کی کتاب کی ہے، جس میں ہر طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔معہذا یہ متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں کہ قابل استدلال ہو۔کیا یہ قواعد ان کو معلوم نہ تھے یا اب جدید آپ کے عہد محدثیت عہد میں وضع ہوئے ہیں۔طرفہ یہ کہ خود اپنا اس پر عمل نہیں۔اپنے لئے بیہقی، دارقطنی، طبرانی سب سے استناد جائز، آثار صحابہ سے استشہاد روا اور ہم سے خاص صحیح مرفوع متصل الاسناد کی فرمائیں۔کیا آپ

Marfat.com

کو معلوم نہیں کہ آپ کے نانا صاحب اسی حدیث سے اپنے فتویٰ مجموعہ زبدۃ النصائح میں استدلال لائے ہیں۔ حضرت معلوم تو ضرور ہے بلکہ آپ نے اپنی ماۃ مسائل میں انہیں کا رد کیا کہ فرماتے ہیں: ''بعضے مردم کہ بجواز اعراس دلیل می آرند''۔ بعض کا ایہام کیا اور تصریح کو خلافِ مصلحت جان کر تصریح نہ کی کہ بعد تصریح نام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مقصود اصلی تغلیط عوام ہاتھ سے جاتا رہے گا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قول کے خلاف میرے قول کو کون پوچھے گا۔

سند سوم تعیین وتخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔ شرعی، عادی۔

اول: وہ کہ خود شرع مطہر نے کسی کام کے لئے کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے، جیسے ایام نحر اضحیہ کے لئے کہ اس سے تقدیم وتاخیر درست نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں جیسے ثلث لیل عشا کے لئے۔

دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے۔ جب چاہیں بجالائیں کسی وقت گناہ نہیں، ہر وقت جائز ہے جیسے ایصال ثواب کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے مگر جب خارج میں اس کا وجود ہوگا، کسی زمانے میں، کسی ہیئت خاص ہی کے ساتھ ہوگا کہ مطلق من حیث ہو ہو بلا تعیین وتخصیص خارج میں موجود نہیں ہوسکتا، جس طرح وجود مطلق بضمن افراد ہوتا ہے، زمانہ بغیر زید، عمرو، بکر کے انسان کبھی نہیں ہوسکتا، اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان ہوگا تو زید عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح جب عرس ہوگا، کسی زمانہ، کسی تعیین وتخصیص ہی کے ساتھ ہوگا۔ سخت تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو وقوع کذب باری تعالیٰ شانہ کے معنی درست بتانے کو اتنی معقول یاد رہی کہ وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے، انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ (یہاں پر وہ صریح الفاظ کفر یہ تھے جن پر علمائے حرمین شریفین نے تکفیر فرمائی۔ انہیں نقلاً بھی اپنے قلم سے لکھنا نامناسب جان کر قلم انداز کیا۔ ۱۲ منہ) اگر چہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ یہاں یہ منطق یاد نہ رہی کہ وجود نوع بے وجود فرد ناممکن ہے اور عرس جب ہوگا تو ضرور کسی ہیئت خاص تعیین وتخصیص ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں تو اس یا وہ گوئی کے کیا معنی اور بلاتعیین کر دینا درست ہے۔ کیوں مولوی صاحب! عرس کرنا بھی اور بلاتعیین؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مہینہ پیشتر سے تعیین نہ کیجئے، ایک ہفتہ قبل بھی نہیں، تو ایک دن، ایک گھنٹہ، پانچ منٹ پہلے تعیین کرنی ضروری یا یہ فعل اضطراری ہے کہ بلا ارادہ وتخصیص وتعیین لوگ جمع ہو جائیں، فاتحہ درود ہونے لگے۔ جب امر اختیاری ہے تو انتظام کے لئے تعیین یوم، تخصیص تاریخ ضروری ہے۔ آخر اپنے مدرسہ دیوبندیہ کے لئے کوئی فتویٰ نہ دیا کہ طریقہ معینہ مدرسہ ہذا کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہوا اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار ہے اور بلاتعیین اوقات مدرسہ وانعال مدرسین واحکام منتظمین درست ہے یا اس کے لئے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ (۱) ۲۳ر ذی الحجہ ۷ بجے صبح

Marfat.com

سے تقسیم انعام کا جلسہ نہایت رونق کے ساتھ بہ موجودگی رؤسائے شہر وممبران مدرسہ وبعض دیگر خیر خواہان بیروں منعقد ہو (ب) طلبہ قرأت خواں شیرینی کے لئے دو دو روپے مدرسہ دیں اور دو دو روپے مولوی غلام محمد راندیری سے دلوائے جائیں (ج) دس دس بارہ بارہ روپے کے وظائف ایک مدت معینہ کے واسطے حاجتمند انٹرنس پاس طلبا کو دیئے جائیں (د) ہر سال کم از کم ایک دفعہ عام ممبران مدرسہ کا اجتماع ضرور ہے (ہ) اہل مشورہ ایسے ہوں کہ ان کو شریک ہونے کا حتی الوسع التزام واہتمام ہو (و) وقت درس موسم سرما میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک اور موسم گرما میں ۶ بجے سے ۱۰ بجے اور ۳ بجے سے ۵ بجے تک ہو (ز) پابندی وقت درس کی جملہ طلبہ کو ضروری ہے (ح) امتحان سالانہ کے لئے شعبان کی تعیین ہو (ط) ۲۵ رشعبان سے ۳ شوال تک مدرسہ میں تعطیل ہو (ی) عربی خواندگی کی آٹھ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررۂ مندرجہ نقشہ کی خواندگی ضرور پوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نہیں تو اپنے لئے دو دو روپیہ کی تعیین، مدت معینہ کی تعیین، انٹرنس پاس حاجتمند کی تعیین، ایک دفعہ عام ممبروں کے اجتماع کو ضروری جاننا، اہل مشورہ صاحب التزام و ہتمام کی تعیین وغیرہ وغیرہ کہاں سے جائز کرلیں اور اُسے بدعت از کل بدعۃ ضلالۃ اور کل ضلالۃ فی النار بتا کر ناری جہنمی مستحق عذاب الیم نہ ہوئے؟

سند چہارم عامۂ مسلمین بلکہ علمائے دین بلکہ ائمہ مجتہدین بلکہ تابعین بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بلکہ خود حضور اقدس طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور خیر کے لئے تعیین وتخصیص ایام واوقات فرماتے آئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ معین فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: كان النبي صلى الله تعالى عليه و سلم ياتي مسجد قبا كل سبت ماشياً و راكباً روضہ شکر ولادت رسالت کو یوم دوشنبہ مقرر فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قال سئل رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم عن صوم الاثنين فقال فيه ولدت وفيه انزل علیّ ای فاصومه شكرا لها تين النعمتين۔

سفر جہاد کے لئے روز پنجشنبہ کی تعیین فرمائی: كما في الصحيح البخاري عن كعب بن مالك رضي الله تعالى عنه انه قال فلما كان رسول الله صلىٰ الله تعالىٰ عليه و سلم يخرج اذا خرج في سفرا لا يوم الخميس۔ انہیں سے ہے: ان النبي صلى الله تعالى عليه و سلم خرج يوم الخميس في غزوة تبوك و كان يحب ان يخرج يوم الخميس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لئے اسی دن کو مقرر کیا كما فيه عن ابي وائل رضي الله تعالى عنه قال كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل يا اباعبدالرحمن

Marfat.com

لو ددت انك ذكر تنا كل يوم قال اما أنه يمنعنى من ذلك انى اكره ان املكم وانى اتخو لكم بالموعظة كما كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السأمة علينا۔

علما نے ہدایت درس کے لئے روز چہار شنبہ کو خاص فرمایا کما فی تعليم المتعلم للامام برهان الاسلام الزرنوجى حكاه عن استاذه الامام برهان الدين المرغينانى صاحب الهداية وقال هكذا كان يفعل ابو حنيفة رضى الله تعالى عنه قال صاحب تنزيه الشريعة وكذا كان جماعة من اهل العلم۔

غرض یہ سب توقیتاتِ عادیہ سے ہیں جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز شنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے روز دوشنبہ کے صوم شکر رسالت رکھنا، سوائے یوم پنجشنبہ کے سفر جہاد یا پند ونصیحت کرنا، سوائے یوم چہار شنبہ کے کتاب شروع کرنا جائز ہی نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس دن ہے اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لئے تعیین یوم وفات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصال ثواب نہ ہوگا یا ثواب میں کمی آجائے گی۔

پھر اسی دن کی تعیین وتخصیص کیوں؟ اولاً معلوم ہو چکا کہ یہی سنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا: عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا لها وعضوا عليها بالنواجذ، رواه احمد وابو داؤد والترمذى وابن ماجه اہل سنت وجماعت كثر هم الله تعالى کے لئے تو اسی قدر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وخلفائے راشدین کافی ہے مگر منکرین کی تسکین خاطر کے لئے مولوی اشرف علی ورشید احمد وخلیل احمد کے پیر جناب حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت پیش ہے۔ بغور ملاحظہ ہو:

''چونکہ ایصال ثواب مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق ہے۔ ادھر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت وتزاید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کرلے۔ اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعیین یوم میں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، جن کا اظہار ضروری نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مفتی عبدالحکیم پنجابی کے اس اعتراض: ''کسانیکہ اقوال آنہا مطابق افعال شاں نیستند، عرسِ بزرگان خود مثل فرض دانستہ سال بسال برمقبرہ اجتماع کردہ طعام وشیرینی درآنجا تقسیم نمودہ مقابر را وثنا یعبد مکنید'' ملخصاً کے جواب میں رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں فرماتے ہیں: ''قولہ عرس بزرگان خود الخ ایں طعن مبنی است برجہل بہ احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض

Marfat.com

شرعیہ مقررہ راہیچکس فرض نمیداند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامدادِ ایشاں باہدائے ثواب وتلاوتِ قرآن و دعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی مستحسن وخوب ہست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز تذکر انتقالِ ایشاں می باشد از دارالعمل بدارالثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات است وخلف رالازم است کہ سلف خود را بایں نوع بر واحسان نماید''۔

مجمع الروایات میں ہے: ''اراد ان یتخذ الولیمة فلیتخذ بادراك یوم موته ویحتاط فی الساعة التی ینقل فیها روحه فی تلك الساعة فینبغی ان یطعم للطعام والشراب فان ارواحهم یفرحون بذالك ویدعون لهم''۔ ''اگر کسی کے فاتحہ کرنے کا ارادہ ہو تو چاہئے کہ موت کے دن موت کے وقت کرے، جس وقت روح اس کی دارفانی سے منتقل ہو کر دارجاودانی کو گئی ہے، اس وقت کھانا کھلائے، پانی پلائے کہ اموات کی روحیں اس سے خوش ہوتی اور اس کے واسطے دعا کرتی ہیں۔

سند پنجم: علاوہ ادلہ مامضت وماسیاتی، اگر مان لیا جائے کہ جواز عرس کی کوئی دلیل نہیں تو کہیں ممانعت بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیا میں اباحت ہے، جب تک کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، ممنوع نہیں ہوسکتی۔ قائل جواز متمسک باصل ہے، اسے دلیل کی کیا حاجت ہے؟ دلیل تو ان وہابی صاحبوں کو دینی چاہئے جو شرک، بدعت، ممنوع، حرام کی پکار پکار رہے ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: ''کان اهل الجاهلیة یاکلون اشیاً و یترکون اشیاء تقذرا فبعث الله نبیه و انزل کتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل فهو حلال و ماحرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو''۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''ازینجا معلوم می شود کہ اصل دراشیا اباحت است''۔

ترمذی وابن ماجہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ''حلال ما احل الله والحرام ماحرم الله فی کتابه و ماسکت عنه فهو مما عفا عنه''۔

ملاعلی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: ''فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة''۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''وایں دلیل است برآنکہ اصل دراشیا اباحت است''۔

ردالمحتار میں ہے: ''وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفیه والشافعیة اه وتبعه تلمیذه العلامه قاسم و قد جری علیه فی الهدایة فی فصل الاحداد و فی الخانیة فی اوائل الحظر والاباحة آه''۔

Marfat.com

مدارك شريف میں تحت ارشاد باری تعالیٰ: ''قل لا اجد فيما اوحي الی محرما'' ہے: وه فيه تنبيه علىٰ ان التحريم انما يثبت بوحي من الله و شرعه لا بهوىٰ النفس۔

اب ان سب حضراتِ مانعین کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ چھوٹے بڑے جوان بڈھے سب مل کر اپنی مجموعی قوت سے ایک آیۂ قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی بصحاح یا اجماع یا تحریم قول امام اعراس متنازع فیہا ثابت کردیں تو البتہ، ورنہ جب اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ منع کرنے والے کون؟ مولوی اسحاق شاہ صاحب جو اصل اشیا میں حرمت یا توقف کے قائل ہوئے ہیں اور اباحت کو رائے طائفہ اور مذہب معتزلہ ٹھہرایا ہے، وہ ان کے قلت تدبر سے ناشی کہ وہ اختلاف زمانہ فترت میں ہے کہ زمانہ فترت میں اشیا میں اصل کیا حکم ہے، حرمت یا توقف یا اباحت۔

علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت کے منہیہ میں فرماتے ہیں: ''الذي يظهر من تتبع كلامهم هو الخلاف قبل الشرع و من ثم لم يجعلو ارفع الاباحة الاصلية نسخا لعدم خطاب الشرع بها فتدبر اه و اقره العلامة بحرالعلوم في فواتح الرحموت و قرره بتقرير آخر وقال فاذن ليس الخلاف الا في زمان الفترة الذي اندرست فيه الشريعة بتقصير من قبلهم اه'' ۔نہ اباحت شرعیہ کہ وہ محققین کی متفق علیہا ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ کوئی خیال کرہی نہیں سکتا کہ باوجود اس علم وفضل کے مولوی صاحب کو اباحت اصلیہ اور اباحت شرعیہ میں فرق وتمیز نہیں۔ تمیز تو ضرور ہوگی مگر اس زمانہ ہی کو زمانہ فترت خیال فرمایا ہوگا اور کیوں نہ ہو کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی تقویۃ الایمان مطبع فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ کی صفحہ ۳۹ پر وہ حدیث جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ (زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزے کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے حتی کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مرجائیں گے جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی) لکھ کر صفحہ ۴۰ پر صاف لکھ دیا: ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا''۔ میں کہتا ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اب ان کے اصل پر زمانہ فترت میں کون سا شک باقی رہ گیا۔ لہٰذا یہ حکم دیا کہ ''اصل اشیا میں یا حرمت ہے نزدیک جمہور کے یا توقف ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے درر اور اشباہ سے یا اباحت ہے جیسا کہ وہ مذہب ایک طائفہ اور رائے معتزلہ ہے''۔ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مولوی صاحب نے عوام کے دکھانے کو اگر چہ عبارات بھی تحریر فرمادی ہیں۔ مگر اس میں الامان وہ تحریف فرمائی کہ لوگ یہی کہیں گے کہ دیانت سے محض بعید ہے۔ ومن شاء الاطلاع علىٰ تحريفاته فعليه بتصحيح المسائل للسيف المسلول مولانا الشاه فضل رسول البدايوني قدس سره الرباني۔

Marfat.com

علاوہ بریں طرفہ یہ کہ دلیلیں مولوی صاحب کی خود متعارض کہ تفسیر احمدی سے اصل حرمت ثابت کی اور اشباہ اور درمختار سے توقف ثابت ہوتا ہے۔ واذا تعارضا تساقطا۔ دلیل تو دلیل مولوی صاحب کی کتب میں تو اقوال ہی متعارض کہ یہاں حرمت یا توقف کی ٹھہرائی اور اربعین میں اباحت پر رائے جمائی۔

صفحہ ۱۴ ساتویں سوال کے جواب میں ہے: ''پس وقت کتب تقسیم شیرینی و طعام مسنون نیست مگر آنکہ ایں تقسیم دریں وقت از قسم مباح باشد''۔

صفحہ ۲۲ چودھویں سوال کا جواب میں: ''از رسوم سلامی و رونمائی در شریعت محمدی اصل چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمائی است مباح است''۔

اے کاش! وہاں بھی آپ کو یہی اصل یاد رہتی اور فرما دیتے: پس بر ہر سال عرس اولیا مسنون نیست مگر آنکہ ایں عرس از قسم مباح باش یا از رسوم اعراس و فاتحہ در شریعت محمدی اصل ایں چیز یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا در آں کہ عرس و فاتحہ است، مباح است۔ غضب تو یہ کیا کہ حسب اقرار خود رسوم سلامی و رونمائی بے اصل ہے، شریعت محمدی میں اس کی اصل پائی نہیں جاتی پھر بھی مباح بتایا اور عرس کا تقرر کہ اصل اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت، ممنوع و ناجائز فرمایا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں کوئی اور کرتا یا کوئی اور شخص لکھتا تو سب یہی کہتے صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذالم تستحي فاصنع ما شئت ع بے حیا باش وآنچہ خواہی کن رواہ الامام احمد فی مسندہ و البخاری فی صحیحہ وابو داؤد و ابن ماجۃ وابن عساکر فی تاریخہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ۔

مگر تعارض وتناقض تو شاید یہاں کوئی عیب نہ ہوگا۔ یہاں جائز تو وہاں حرام، یہاں مکروہ تو وہاں مسنون بتانا لازمۂ مذہب ہے۔ فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ کی عبارت تو دیکھ چکے کہ ''طریقہ متعینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کر دینا درست ہے۔'' بلا تعیین کو جائز بتانا۔ اب اسی کے صفحہ ۱۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ''اور عرس کے باب میں بھی یہی جواب ہے کہ منع ہے''۔ اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی اسحاق شاہ صاحب) لکھتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد لا یجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد الیہا و من الاجتماع بعد الحول ویسمونہا عرسا الخ''۔ یہاں تعیین، بلا تعیین سب کا ایک ہی حکم کہ منع ہے۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب اپنی قدیمی عادت اجتہادی فتوی بے دلیل لکھنے کو کیوں چھوڑ بیٹھے اور عبارت لکھدی۔ شاید یہ خرق عادت اور آپ کی کرامت ہوگی لیکن مجھے تو بوجوہ سخت افسوس ہے۔

Marfat.com

اولاً اس علم وفضل پر کہ بیس عالمگیری جیسی کتابیں آپ کے سینہ شریف میں بند ہیں، اربعین مردودۂ علمائے دین سے دلیل لائے جو اس ہمہ دانی پر بالکل خلاف عقل ہے۔ اصل اشیا میں توقف ثابت کرنے کو قول غیر صحیح درمختار کو پیش کر دیا۔ کتاب کے معتبر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ہر ہر لفظ کالوحی ہو اور وہ اپنی ہر نوع مضمون میں معتمد و مستند ہو، نہ ہر قسم مضمون میں مستند ہونے سے یہ لازم کہ ہر فرد مضمون زلت قدم ولغزشِ قلم سے بری و مامون ہو۔ انبیا و مرسلین و ملائکہ مقربین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیھم وسلم کے سوا کسی کے کلام میں عصمت نہیں آخر الانسان یساوق السھو والنسیان تو ایک مشہور بات ہے۔ یہ مسئلہ صاحب درمختار کا چونکہ غیر صحیح تھا لہٰذا شراح نے اس میں کلام فرما دیا۔

علامہ شامی ردالمحتار میں تحت قول (لما ان الصحیح) فرماتے ہیں: ''اقول و فیہ نظر من وجوہ (الیٰ ان قال) الرابع ان نسبۃ الاباحۃ الیٰ المعتزلۃ مخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الہمام المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیہ اہ و فی شراح اصول البزدوی للعلامۃ الاکمل قال اکثر اصحابنا واکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء التی یجوز ان یردالشرع باباحتھا و حرمتھا قبل ورودہ علیٰ الاباحہ وھی الاصل فیھا حتیٰ ابیح لمن لم یبلغہ الشرع ان یأکل ماشاء والیہ اشار محمد فی الاکراہ حیث قال اکل المیتۃ و شرب الخمر لم یحرما الا بالنہی فجعل الاباحۃ اصلا والحرمۃ بعارض النہی وھو قول الجبائی وابی ہاشم واصحاب الظاہر اہ''۔

ثانیاً مولوی صاحب کا مولانا ممدوح کی مردودہ عبارت سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا، تقریب تمام نہیں ہوتی کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ممانعت عرس ہے اور مولانا ممدوح عرس کو جائز اور دن مقرر کرنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔

ثالثاً قبل استشہاد یہ تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ ان مسائل مختلف فیہا میں قول علیل و اجتہادی بے دلیل، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہی کا کہاں تک معتبر ومقبول ہے۔

رابعاً برتقدیر مستند ہونے قول قاضی صاحب کے مولوی صاحب کو انصافاً اس کی تفتیش ضروری تھی کہ اصل عبارت تفسیر مظہری کیا ہے کہ تصحیح نقل یعنی مطابق اصل ہونے کی توقع مولانا ممدوح سے بالکل نہیں کہ نقل میں عبارت بیچ میں سے جو مضر اپنے دعوے کی ہو دور کر دینا، کہیں بیچ میں ایک فقرۂ مفید اپنے سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دینا، کہیں کسی کتاب کا نام لکھ کر ایک عبارت لکھ دینا جس کا اصلاً اس کتاب میں نام ونشان نہیں، کہیں قولِ مردود پر حوالے میں کفایت کرنا، یعنی لکھ دیا کہ فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں اس بات کو لکھ کر رد کر دیا ہے۔ یہ آپ کی عادت ہے۔ (دیکھو فتویٰ علمائے شاہجہان آباد مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب و جناب مولوی محمد مخصوص اللہ صاحب وغیرہ وغیرہ منسلکہ بسلک تحقیق الحقیقہ مطبع گلزار حسینی بمبئی)

Marfat.com

خامساً بعد تسلیم ان دو باتوں کے کہ قاضی صاحب کا فرمان بجا اور درست ہے اور مولوی صاحب کے مولانا ممدوح نے نقل مطابق اصل فرمائی ہے۔ قاضی صاحب تو اجتماع بعد الحول کالا عیاد کو منع کرتے ہیں، نہ تقرر یوم عرس کو اور مولانا ممدوح کا دعویٰ منع تقرر یوم عرس ہے اور مولوی صاحب کا دعوی مطلق منع ہے۔ رہا قاضی صاحب کا یہ فرمان ویسمونہا عرساً یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ ہرگز اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا، اسے سجدہ کرنا، چراغ جلانا، سال بھر کے بعد مثل عید کے جمع ہونا حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ پس ایسی حالت میں عرس کی ممانعت پر مولانا ممدوح کی اربعین کی عبارت پیش کرنا کتنے بڑے عاقل کا کام ہے۔

سند ششم عرس کو جم غفیر و جماعت کثیرۂ علما و مشائخ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں اور جماعت کثیرہ گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی لقولہ صلی اللہ عیہ وآلہ وسلم لا تجتمع امتی الضلالۃ یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی و فی روایۃ ابن ابی عاصم عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: ان اللہ تعالی قداجارامتی من ان یجتمع علیٰ الضلالۃ وفی روایۃ ابن ماجہ عنہ رضی اللہ تعالی عنہ انّہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان امتی لن یجتمع علی الضلالۃ۔

اسی واسطے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اتباع کا حکم دیا اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ''ید اللہ علی الجماعۃ'' رواہ الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ پیروی کرو بڑی جماعت کی کہ جو ان سے علیحدہ ہوا، جہنم میں پڑا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ''السواد الاعظم یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین'' اھ۔ پس جب اسے جم غفیر علما وصلحا کرتے چلے آئے تو ہرگز ہرگز یہ گمراہی وضلالت نہیں۔

سند ہفتم اس مطلب پر تصریحات ائمہ وعلما سے بہتر تو ان ہی بزرگواروں (مولوی اسحاق صاحب ومولوی رشید احمد وخلیل احمد صاحبان) کی شہادت ہے ؏ مدعی لاکھ بھاری ہے گواہی تیری۔ اور وہ جو تعیین وتقرر کو ناجائز وممنوع بتایا اس سے اس طرح کی تعیین وتخصیص ہوگی کہ لوگ اسے لازم جان لیں اور اعتقاد کرلیں کہ سوا اس دن کے اور کسی دن عرس ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ تعیین وتخصیص یوم تو مولوی گنگوہی اور ان کے شاگرد صاحب مقدوح اور مولانا ممدوح کے

Marfat.com

نزدیک بھی جائز بلکہ بہتر ہے۔

مائۃ مسائل صفحہ ۲۵ میں ہے: ''سوال ،مقرر کردن روز برائے زیارت قبور از روزہا در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ از گناہاں ؟ **جواب:** مقرر کردن روزے از روزہائے ہفتہ بوضعیکہ لازم شمارد و برآں اہتمام سازد از احادیث وروایت فقہ کتب معتبرہ ثابت نشدہ ،مگر در فتاویٰ عالمگیری ایں قدر نوشتہ اگر در چہار روز دوشنبہ وپنجشنبہ وجمعہ وشنبہ زیارت کند بہتراست ۔ عبارتہ ھکذا: افضل ایام الزیارۃ اربعۃ ایام الاثنین والخمیس والجمعۃ والسبت'' اھ۔

فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۲ میں دربارۂ ایصال ثواب ہے: ''روز ولادت اور روز وفات بھی درست ہے''۔

اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی اول سے آخر تک بغور دیکھی ہوئی مقرظ کتاب براہین قاطعہ صفحہ ۹ ے میں فاتحہ مرسومہ کی بابت ہے: ''یہ تخصیصات وتعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو۔کبھی کبھی ترک بھی کردیا کریں''۔

جس سے صاف ظاہر کہ صرف تعیین وتخصیص کو ناجائز وحرام نہیں جانتے بلکہ بہتر اور رسم صالح سمجھتے ہیں۔ ہاں اس التزام واہتمام کو منع کرتے ہیں اور اگر نہیں تو لوگ اسے بھی ان حضرات کے تناقضات میں گن لیں۔اور ہاں صاحبو! یہ کیا انصاف ہے کہ سنیوں کو تو کبھی کبھی ترک کردینے کی نصیحت ہو اور اپنے کاموں میں التزام واہتمام ضروری سمجھا جائے کما قد مر۔

سند ھشتم تعامل علمائے حرمین شریفین ہے کہ جس بات پر وہاں کے حضرات بالاتفاق عمل کرتے اور اس کی عادت رکھتے آئے ،وہ بھی حجت ہے ۔فقہائے معتمدین اور علمائے مستندین مسائل شرعیہ میں اس سے احتجاج کرتے ۔ اس کی موافقت کو مستحب اور اس کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

غنیہ شرح منیہ صفحہ ۴۰۴ بحث تراویح میں ہے: ''وھذا الانتظار مستحب لعادۃ اھل الحرمین''۔ ''ہر دو ترویحہ کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے انتظار کرنا مستحب ہے، بوجہ عادت اہل حرمین کے کہ عادت اہل مکہ کی ہر چار رکعت کے بعد طواف کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اور عادت اہل مدینہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کی چار رکعت تنہا نماز پڑھنا ہے''۔

ہدایہ میں ہے: ''والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویحۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر لعادۃ اھل الحرمین''۔

غنیہ میں ہے: (وان استراح علی خمس تلیمات) ای عقیب عشر رکعات (قال بعضھم لا بأس بہ) ای لایکرہ (قال اکثر المشائخ لا یستحب) ذالک لمخالفۃ اھل الحرمین وقولہ لا

Marfat.com

یستحب کنایة عن الکراھة التنزیھیة"۔ "اور اگر جلسہ استراحت کیا دس رکعت کے بعد، بعضوں نے کہا کچھ حرج نہیں اور اکثر مشائخ نے فرمایا: مکروہ ہے بوجہ مخالفت اہل حرمین کے"۔

عینی شرح کنز میں ہے: "الا ستراحة علیٰ خمسة تسبیحات مکروہ عندالجمھور لا نہ خلاف فعل اھل الحرمین"۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: "فان استراح علیٰ رأس خمس تسبیحات ولم یسترح بین کل ترویحتین اختلفوا فیه قال بعضھم لاباس به وقال بعضھم لایستحب ذالك لانه مخالف لعمل اھل الحرمین"۔

اور بلاشبہہ افعال حسنہ حرمین شریفین میں بلکہ خاص اعراس وزیارت علما ومشائخ وصحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ومقامات متبرکہ تبعین ایام وتوارخ عام طور پر بلانکیر رائج ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں نہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا آمنہ امّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، یازدہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا خدیجہ بنت خویلد امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دوازدہم ربیع الاول شریف کو زیارت مولد النبی الامین علیہ افضل الصلوات من رب العالمین، سیزدہم صفر کو زیارت وعرس سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں دوازدہم ربیع الاول شریف کو محفل میلاد فیض بنیاد یا عرس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دوازدہم رجب المرجب کو عرس وزیارت اسد اللہ واسد رسولہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸ شعبان کو عرس سید ابو صالح مدنی قدس سرہ عظیم محافل وہجوم کثیرہ کے ساتھ جس میں علما وصلحا وسادات وعامۂ اہل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً سبھی ہوتے۔ مزارات طیبات پر حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے، فاتحہ پڑھتے، ان کو وسیلہ بناتے، ان کے طفیل میں جنتیں پوری ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

سند نہم صحیحین میں امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "احب العمل الیٰ الله ماداوم علیه صاحبه وان قل"۔ "محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداومت کرے، اگر چہ تھوڑا ہو"۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اسی عنوان سے ایک باب واضع کیا۔ باب احب الدین الیٰ الله ادومه ۔ امام عینی اسی کے تحت فرماتے ہیں: الثالث فيه فضيلة الدوام علیٰ العمل والحث علیٰ العمل الذی ینمو القلیل الدائم علیٰ الکثیر المنقطع اضعافاً کثیرہ۔

اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کار خیر کو شروع کر کے اس کے ترک پر تہدید فرمائی۔ صحیحین میں ہے: "یا عبدالله لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك"۔ "اے عبداللہ! فلاں جیسا نہ ہونا کہ قیام اللیل کرتا تھا پھر چھوڑ دیا"۔

Marfat.com

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لئے دن تاریخ مقرر ہو، اس پر دوام ہوتا ہے جب وہ تاریخ آتی ہے۔ خیال آجاتا ہے ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزت جل جلالہ نے حج میں یہ تعیین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادراہ کا مالک ہو، طاقت رکھے، اسی سال جائے یا دوسرے سال حج کرے یا کب کرنا چاہئے۔ بہتیرے لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے، امسال حج کریں گے، آئندہ سال حج کو جائیں گے، اسی طرح ہر سال قصد ہی کرتے رہ گئے کہ عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کردیا اور فرض خدائے تعالیٰ کا باران کے سر ہی رہا۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب معتاد ہوا کہ بوجہ مداومت احب العمل الی اللہ میں سے ہو جائے۔

سند دھم عرف عام اہل اسلام ہے کہ اسے علما و صلحا، فقرا و اولیا، مشائخ کرام و صوفیائے عظام شرقاً غرباً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: ''العادۃ محکمۃ و اصلھا قولہ علیہ السلام: ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن''۔

اسی میں ہے: ''واعلم ان اعتبار العادۃ والعرف یرجع الیہ فی الفقہ فی مسائل کثیرۃ حتی جعلوا ذلک اصلا''۔

برجندی میں ہے: ''العرف ایضا حجۃ بالنص قال علیہ السلام ماراہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن''۔

بحر رائق میں ہے: ''لایکرہ الاقتداء بالامام فی النوافل مطلقاً نحو القدر و الرغائب و لیلۃ النصف من شعبان و نحو ذالک لان مارآہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن خصوصا اذااستمر فی بلاد الاسلام والامصار لان العرف اذااستمر نزل منزلۃ الاجماع'' اھ۔

عینی شرح ہدایہ میں در باب عدم ارسال محرم صید ہے: ''وبذالک جرت العادۃ الفاشیۃ وھی من احدی الحجج التی یحکم بھاقال علیہ السلام: ماراہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن قلت والحدیث رواہ البزار والطبرانی و الطیالسی والامام احمد فی کتاب السنۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال السخاوی فی المقاصد الحسنہ ھو موقوف حسن''۔

اور شک نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علما و صلحا و عامۂ اہل اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے اور سے بہتر و مستحسن جانتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حالت معلوم ہو چکی۔ دہلیز الحرمین جدہ میں ہفدہم ۱۷ رمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی، بست و چہارم ۲۴ کو عرس سید ابو سریر، بست و ہفتم، کو عرس حضرت شیخ محمد عقیلی، یمن میں یکم شعبان سے ۱۵ دن

Marfat.com

تک عرس حضرت شیخ محمد بن علوان جن کے نام کی برکت سے اشیائے گم شدہ کا مل جانا، علما نے فرمایا اور بارہا تجربہ ہوا اور برابر ہوتا ہے۔

ردّ المحتار طبع استامبول جلد۳ صفحہ ۵۰۱ میں ہے: ''الانسان اذاضاع له شئی و اراد ان یردالله سبحانه علیه فلیقف علیٰ مکان عال مستقبل القبلة و یقرء الفاتحة و یهدی ثوابها اللنبی صلی الله تعالی علیه و سلم ثم یهدی ذالك لسیدی احمد بن علوان و یقول یا احمدیا ابن علوان ان لم ترد علیٰ ضالتی نزعتك من دیوان الاولیاء فان الله یردعلی من قال ببرکته اجهوری مع زیادة کذافی شرح المنهج للداؤدی رحمه الله آه قلت و قد جربته مراراً فوجد ته صحیحاً و الحمد لله علیٰ ذلك''۔

بغداد مقدس میں حضور پُر نور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا عرس شریف نہم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب ''ماثبت بالسنۃ'' میں بعد ذکر تاریخ وفات حضور فرماتے ہیں: ''فبت بهذه الروایة یکون عرسه تاسع ربیع الآخر و هذا هوالذی ادرکنا علیه سید نا الشیخ الامام العارف الکامل الشیخ عبدا لوهاب القادری المتقی المکی فانه قدس سره کان یحافظ فی عرسه رضی الله تعالیٰ عنه هذاالتاریخ اما اعتمادا علیٰ الروایة وعلیٰ مارایٰ من شیخه الشیخ الکبیر علی المتقی اومن غیره من المشائخ رحمة الله تعالی علیهم و قد اشتهر فی دیارنا هذاالیوم الحادی عشر و هوالمتعارف فی مشائخنا من اهل الهند من اولاده رضی الله تعالی عنه کذا ذکر شیخنا و سیدنا السید البهی الرضی ابو المحاسن سیدی الشیخ موسی الحسینی الجیلانی ابن الشیخ الکامل العارف المعظم المکرم ابی الفتح الشیخ الحامد الحسنی الجیلانی نقلا من اورادالقادریة تصنیف المخدوم الاعظم الاکرم الامجد الافخم ولی الله با لا تفاق الذی یقال له المخدوم السامی الشیخ عبدالقادر الثانی قدس الله تعالی روحه مما نقل فیها عن ابائه الکرام رحمة الله علیهم اجمعین''۔

اسی طرح ہندوستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ، اجمیر شریف میں ششم رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والملۃ والدین قدس سرہ، مارہرہ مطہرہ میں دہم ۱۰ محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ، ۱۸ ربیع الاول شریف کو عرس حضرت سید آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ، ہیژدہم ۱۸ ذی الحجۃ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز، ۱۰-۱۱-۱۲ کو کلیر شریف میں، دوازدہم ربیع الاول شریف کو عرس حضرت علاء الدین

Marfat.com

صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ردولی شریف میں ۱۱؍ جمادی الآخرۃ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیا ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہوگی، جو کسی نہ کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ مرادآباد میں بست وہفتم ۲۷؍ صفر کو عرس شیخ المشائخ شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، نہم جمادی الآخر کو عرس شاہ محبوب علی صاحب، رامپور میں یازدہم صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب، ۱۵-۱۶-۱۷ جمادی الآخر کو عرس مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب قدس سرہ، بریلی میں یکم جمادی الآخر کو عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کانپور میں ۲؍ صفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ۳؍ رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، گنج مرادآباد میں ۲۶ ربیع الاول شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ پٹنہ شریف میں ۹؍ شعبان کو عرس حضرت مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ، بہار شریف میں ۵؍ شوال کو عرس حضور مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف الملۃ والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ، ۴؍ جمادی الآخر کو حضرت جناب حضور شاہ امین احمد صاحب قدسنا اللہ بارواحهم و نفعنا فی الدارین ببر کاتهم کا عرس ہمیشہ بتعیین تاریخ و ماہ وفات بلانکیر رائج ہے۔ وہابیہ لیام خذلهم الله تعالیٰ اپنی بڑکو نباح کلاب سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

ماہ فشاند نور وسگ عوعو کند   ہر کسے بر خلقت خود می تند

قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر بہیئت کذائی موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع و ناجائز نہیں ہوسکتی۔ علما نے صدہا امور میں کہ قرون ثلاثہ میں رائج نہ تھے باوجود محدث ہونے کے حکم جواز بلکہ استحسان دیا، مثلاً نماز میں تلفظ نیت باوجود یکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، نہ خلفائے راشدین، نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت، عامہ متون وشروح وفتاویٰ میں مستحب فرمایا۔

وقایہ میں ہے: ''والقصد مع لفظه افضل''۔

مختصر وقایہ میں ہے: ''و مع اللفظ افضل''۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: ''الذکر باللسان مع عمل القلب سنة فالا ولی ان یشغل قلبه بالنیة ولسانه بالذکر ویده بالرفع''۔

غرر الاحکام میں ہے: ''والتلفظ مستحب''۔

درر الحکام میں ہے: ''اما الذکر باللسان فلا یعتبربه ویحسن ذلك لا جتماع عزیمة''۔

غنیۃ ذوی الاحکام میں ہے: ''**قوله** والتلفظ بها مستحب یعنی طریق حسن احبه المشائخ لانه من السنة لانه لم یثبت عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا

Marfat.com

کما افاده النووی فی اذکاره وغیره فی غیره"۔

اسی طرح مصافحہ بعد صبح۔ نسیم الریاض میں ہے: "الاصح انها بدعة مباحة"۔

اسی طرح قرآن شریف میں اسمائے سور اور آیات کی تعداد لکھنا، اسے مطلا کرنا۔

درمختار میں ہے: "وجاز تحلية المصحف لمافيه من تعظيمه وفيه وعلى هذا لا بأس بكتابة آسامی السور وعددالآی والعلامات فهی بدعة حسنة"۔

جواہر اخلاطی پھر فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: "لابأس بكتابة آسامی السور وعدد الآی وهو وان كان احداثافهو بدعة حسنة وكم من شئی كان احداثاً وهو بدعة حسنة وكم من شئی يختلف باختلاف الزمان والمكان"۔

"قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی گنتی لکھنے میں حرج نہیں اور وہ اگر چہ نو پیدا ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت نئی چیزیں بدعت حسنہ ہوتی ہیں اور بہت چیزوں کا حکم زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین میں نہ تھے، بدلتا رہتا ہے"۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: "ان المسجد كان علىٰ عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مبنيا باللبن وسقفه الجريد وعمده خشب النخل"۔

بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ منڈی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: "ابنوا المساجد واتخذو هاجما"۔ "مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو"۔ رواه ابن ابی شيبة والبيهقی فی السنن عن انس رضی الله تعالى عنه مرفوعاً۔

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر متنبہ ہونے کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہو گئے۔ اس قسم کے امور کو علماء و عامۂ مسلمین نے مستحسن رکھا، کما افتىٰ به سيدی مدظله۔

اسی طرح ختم تراویح کے دن باجماعت دعا کرنا اخیر رکعت میں سورہ اخلاص تین بار پڑھنا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: "تكلموا فی الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان بالجماعة واستحسنه المتاخرون فلايمنع من ذلك وقراءة سوره الا خلاص ثلاث مرات عند ختم القرآن استحسنه مشائخ العراق الافی المكتوبة"۔

اسی طرح مجلس میلاد فیض بنیاد سرکار ابد قرار حضور سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کہ خیر القرون میں اس ہیئت کذائی کے ساتھ معمول نہ تھی پھر بھی علمائے کرام نے اسے جائز و مستحسن فرمایا۔

Marfat.com

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظہار الشکر بمولدہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذالک من وجوہ القربات واظہار المسرات"۔

امام ابوالخیر شمس الملۃ والدین سخاوی وشیخ القراء محمد ابن الجزری وامام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں: "واللفظ للمواہب لازال اہل الاسلام یحتفلون بشہر مولدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویظہرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم ویظہر من برکاتہ کل فضل عمیم"۔

امام حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن "الباعث علیٰ انکارالبدع ولحوادث" میں فرماتے ہیں: "ومن احسن البدع فی زماننا ھذامن ھذاالقبیل (ای البدعۃ المتفق علیٰ جواز فعلہا والاستحباب بہا ورجاء الثواب من حسنت نیتہ فیہا) ما کان یفعل بمدینۃ اوبل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من الصدقات والمعروف واظہار الزینۃ والسرور فان ذالک مع مافیہ من الاحسان الی الفقراء یشعر بمحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعظیمہ واجلالہ فی قلب فاعلہ وشکر اللہ علیٰ ما من بہ من ایجاد رسولہ الذی ارسلہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم"۔

علامہ شیخ صدرالدین بن عمر شافعی فرماتے ہیں: "ھذہ البدعۃ لاباس بہا ولایکرہ البدع الا اذاراغمت السنۃ واما اذالم تراغمہا فلاتکرہ ویثاب الانسان بحسب قصدہ فی اظہارالسرور والفرح بمولد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم"۔

الکوکب الانور علیٰ عقدالجوہر تالیف سید جعفر برزنجی مفتی شافعیہ میں ہے: "اعلم انہ (ای عمل المولد) بدعۃ لانہ لم ینقل عن احد السلف الصالح من القرون الثلاثۃ الفاضلۃ التی شہد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بخیر تہا لکنہا بدعۃ حسنۃ لمااشتملت علیہ من الاحسان الکثیر للفقراء ومن قراءۃ القران واکثار الذکر والصلوٰۃ علیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واظہار الفرح والسرور بہ ولا جل ذالک لماظہرت بعد تلک القرون الثلاثہ لم یزل اہل الاسلام فی سائرالاقطار یحتفلون فی شکر مولدہ خصوصاً فی لیلتہ بعمل المولد فی ولائم مشتملۃ علیٰ کثرۃ المطاعم والاحسان والصدقات والمبرات مع الاکثار من قراءۃ القرآن المجید والذکر وقراءۃ مولدہ"۔

امام محقق حافظ ابوزرعہ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: "الولیمۃ واطعام الطعام مستحب فی کا وقت فکیف اذا انضم الیٰ ذلک السرور بظہور نور النبوۃ فی ھذاالشہر الشریف ولانعلم ذلک من السلف

Marfat.com

یلزم من کونہ بدعۃ کونہ مکروھا فکم من بدعۃ مستحبۃ بل واجبۃ اذا لم ینضم الیٰ ذلک مفسدۃ"۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی شرح ابن ماجہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: "الصواب انہ من البدع الحسنۃ المندوبۃ اذاخلی من المنکرات شرعاً آہ وقال فی فتاواہ عندی ان اصل المولد من البدع الحسنۃ التی یثاب صاحبھا لمافیہ من تعظیم قدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظھارالفرح والاستبشار بمولدہ الشریف"۔

اسی طرح قیام وقت ذکر ولادت پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا عثمان حسن دمیاطی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: "القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فی قرائۃ المولدالشریف تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم امرلا شکَ فی استحسانہ ویحصل لفا علہ من الثواب الحظ الاوفر والخیر الاکبر"۔

عقدالجوہر فی مولدالنبی الازہر تالیف علامہ سید جعفر برزنجی میں ہے: "وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) الشریف ائمۃ ذو ورروایۃ و (ذوو) رویۃ آہ مع زیا دۃ مابین الھلالیںؒ"

الکوکب الانور علیٰ عقد الجوہر تالیف سید جعفر برزنجی ابن ابن ابن المؤلف السید جعفر برزنجی میں ہے:
"، ھذا القیام بدعۃ لااصل لھا لکنھا بدعۃ حسنۃ لاجل التعظیم"۔

القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: "جرت العادۃ بقیام الناس اذاانتھی المداح الیٰ ذکرمولدہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہٖ وسلم وھی بدعۃمستحبۃ لمافیھا من اظھارالفرح والسرور"۔

قال الصرصری نفعنا اللہ بہٖ ۔

قلیل لمدح المصطفیٰ الخط بالذھب علیٰ فضۃ من خط احسن من کتب
وان تنھض الاشراف عند سماعہ قیاما صفوفاً او جثیاً علیٰ الرکب
اما اللہ تعظیما لہ کتب اسمہ علیٰ عرشہ یارتبۃ سمت الرتب

امام مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس "النفحۃ العنبریۃ لا ثبات القیام فی مولد خیر البریۃ" میں فرماتے ہیں: قد استحسن اھل مکۃ المعظمۃ والمدینۃ المنورۃ زادھم اللہ شرفاً وتعظیماً ویقومون عندذکر وضعہ علیہ السلام کما لا یخفیٰ علیٰ الحجاج وقال الامام ابوزید فی مولدہ: 'استحسن العلماء القیامُ عند ذکر الوضع"۔ وقال العلماء الحنبلیۃ: "عند ذکر ولادتہٖ صلی اللہ

Marfat.com

تعالی علیه و سلم القیام واجب لمانه تحضر روحانیته صلی الله تعالی علیه و سلم و علی هذا عمل اهل مکة الشریفة فی زیارتهم موضع ولادته الشریفة"۔

اسی طرح تقلید شخصی کہ اب اہل سنت و جماعت میں ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں منحصر ومحصور ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح پر نہ تھی، بلکہ دوصدی کے بعد شائع ہوئی مگر علمائے کرام نے اس کے وجوب کا حکم فرمایا۔ جوان چہار مذہبوں سے خارج ہو، اسے بدعتی جہنمی فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب "انصاف فی بیان سبب الاختلاف" صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: "بعد المائتین ظهر بینهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم و قل من کان لایعتمد علیٰ مذهب مجتهد بعینه و کان هذا هو الواجب فی ذالك الزمان"۔ "دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہ واجب ہے اس زمانے میں"۔

طحطاویہ حاشیہ درمختار میں ہے: "هذه الطائفة الناجیة قدا جتمعت الیوم فی مذاهب اربعة و هم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمهم الله تعالی و من کان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذاالزمان فهو من اهل البدعة والنار"۔ "اہل سنت کا گروہ ناجی۔ اب چار مذہب میں مجتمع ہے، حنفی مالکی شافعی حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے جوان چار سے باہر ہے، وہ بدعتی جہنمی ہے۔

"الیٰ غیر ذالك من الامور التی لم تکن فی خیر القرن واحد ثت بعدهٗ ذالك و قد اباحها واستحسنها بل أوجبها العلماء۔

بالجملہ عرس مسئول عنہ کی اباحت وجواز میں شک نہیں کہ وہ مجموعہ امور مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امور مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے اور اجتماع سے کوئی حکم منافی آحاد کئے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حسن اس کا حسن، ہر واحد سے زیادہ ہوجاتا ہے جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنیت آحاد کے مفید یقین کی ہوجاتی ہے اور حدیث ضعیف تعدد طرق سے حسن ہوجاتی ہے کما قد مناعن اشعة اللمعات۔ اور جب ان سب امور خیر کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت وہدایت فرمائی اور مزارات شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جاکر اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے؟

(۲) جس جگہ ہو، ہند یا سندھ ایام اعراس وغیرہ میں قوالی ہوتی ہے یا طوائف مزین ہوکر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں۔ چونکہ خود ایسی قوالی حرام، حاضرین سب گنہگار ہوتے ہیں اور ان سب کا گناہ قوالوں پر اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے سر قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ

Marfat.com

میں کچھ کمی واقع ہو یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہ ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اور ان سب حاضرین کے برابر جدا اور ان سب کا مجموعہ ایسا عرس کرنے والے پر۔ یہ وجہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اور ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ کرتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ قوالوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے، بجاتے۔ لہذا قوالوں کا گناہ بھی اسی بلانے والے پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: ''من دعا الیٰ ھدی کان لہ من لہ من الاجرمثل اجور من تبعہٗ لا ینقص ذلک من اجور ھم شیئا و من دعا الیٰ ضلا لۃ کان علیہ من الا ثم مثل آثام من تبعہ لا ینقص ذلک من آثامھم شیأ''۔ ''جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا اتباع کریں، ان سب کے برابر ثواب پائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔ اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے، جتنے اس کے بلانے پر چلیں، ان سب کے برابر اس کے اوپر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ رواہ الائمۃ احمد و مسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ شہیرہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس صلی تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحرو الحریر و الخمرو المعازفحدیث صحیح جلیل متّصل وقداخر جہ الا ئمۃ احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ و الا اسمٰعیلی و ابو نعیم باسانید صحاح لا مطعن فیھا و صحہ جماعۃ آخرون من الائمّہ کما قالہ بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر المکی فی کف الرعاع اہ افادہ سید نا العلام فی عطایا النبو یّہ ۱۲ منہ)'' ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑے اور شراب اور باجوں کو''۔

بعض جہال بدمست یا نیم ملا ہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا تعالی سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالی عنہ وعنہم وعنا بہم فواد الفوید شریف میں فرماتے ہیں: ''مزامیر حرام است'' مولانا فخر الدین زرادی، خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالی عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد ہے: ''اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالی عنھم فبرئی عن ھذہ التھمۃ و ھو مجرد صوت

Marfat.com

القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة الله تعالیٰ"۔ "ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں"۔

للہ انصاف! ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آجکل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد ظاہر الفساد ولا حول ولا قوة الّا بالله العلی العظیم۔ جو لوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انہیں منع کرنا لازم۔

مسلم شریف میں ہے: "من رای منکم منکرآفلیغیره بیده فان لم یقد رفبلسانه فان لم یقدر فبقلبه و ذلك اضعف الایمان وفی روایة ولیس وراء ذلك حبة خردل من الایمان"۔ جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ مٹادے اپنے ہاتھ سے اور جو اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کردے اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہئے کہ دل سے برا جانے اور یہ بہت ہی ضعیف درجے کا ایمان ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس کے اندر رائی کے دانہ برابر ایمان نہیں۔ جس طرح امر بالمعروف اہم فرائض دینیہ ہے، اسی طرح نہی عن المنکر بھی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: "کلا واللهِ لتأ مرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اولیضربن الله قلوب بعضكم علیٰ بعض ثم لیلعنكم كما لعنهم"۔ "یوں نہیں خدا کی قسم! یا تو تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر لعنت اتاری"۔ قال تعالیٰ: 'لعن الذین کفرو امن بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی بن مریم ذلك بما عصواو كانوا یعتدون كانو الایتنا هون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا یفعلون"۔ "بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے کا یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور یہ فعل ان کا سخت بُرا تھا"۔

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: "و فیه دلیل علیٰ ان ترك النهی عن المنكر من العظائم فیا حسرة علیٰ المسلمین فی اعراضهم عنه"۔ "اور اس آیت میں دلالت اس بات پر ہے کہ نہی عن المنکر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں کے حال پر اس کے چھوڑ دینے میں"۔

اگرچہ مانا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب بلکہ بعض صور میں شرع ہی اس کے ترک کی ترغیب دے گی جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہو۔

شرح عقائد جلالی بحث الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں ہے: "و شرطه ای شرط وجوبه و ندبه ان

Marfat.com

لایو دی الیٰ الفتنة فان علم انه یؤدی الیها لم یجب ولم یندب بل ربما کان حراماً"۔ ''مگر جو لوگ ذی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کر دینے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو لوگوں کو روک دیں۔ انہیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا''۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں محیط سے ہے: ''ان الامر بالمعروف علیٰ وجوہ ان کان یعلم با کبر رأیہ انه لو امر بالمعروف ویقبلونه ویمتنعون عن المنکر فالا مرواجب علیه ولا یسعه ترکه"۔ ''اگر جانتا ہے کہ اس کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے، برائی سے باز آئیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتا''۔

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے: ''الانکار القلبی لا یکون کافیاً الا للعاجز عن انکار بیدیه او لسانه"۔ ''انکار قلبی کافی نہ ہوگا مگر اس شخص کے لئے جو عاجز ہے انکار لسانی یا ہاتھ سے منع کرنے سے اور جو شخص اس پر قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت ترک کرے گا، ضرور گنہگار ہوگا''۔

سائل کا مطلقاً اہل قبور سے استمداد کو شرک بتانا، اختلاط وہابیاں سے ناشی۔ اولیائے کرام سے انہیں واسطۂ فیض الٰہی جان کر استمداد و استعانت ہرگز گناہ تک نہیں۔ حدیثوں کی تو گنتی نہیں۔ بے شمار احادیث میں حکم استعانت وارد۔ خود رب العزت جل وعلا فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوٰة۔ اور استعانت کرو صبر اور صلوٰۃ سے اور یقینی قطعی اجماعی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم نہیں دیتا اور نہ شرک میں تفریق ہے کہ صبر و صلوٰۃ خدا تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہوں، انبیا و اولیا نہیں اور اگر یہ شرک ہی ہے تو جب خدائے تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرماتے ہیں تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کا اتباع واجب۔ ایسے شرک پر جس کا اللہ تعالیٰ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں، ان چمر توحیدیوں کی لاکھ توحیدیں قربان۔

قال الله تعالی: ما اتکم الرسول فخذوہ۔ وقال الله تعالي: ومن یطع الرسول فقد اطاع الله۔ وقد افرد الحضرة الشیخ فی ھذاالباب رسالة سما ھا "برکات الامداد لاھل الاستمداد"۔

متعدد احادیث میں زیارت قبور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال ھذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسنده وابن ماجة فی سننه والحاکم فی المستدرك عن حسان بن ثابت رضی الله تعالی عنه مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''نھینا کم عن زیارة القبور فزورھا رواہ محرر المذھب النعمانی الامام محمد بن الحسن الشیبانی فی الآثار عن امامنا الاعظم عن ابن بریدة الاسلمی عن ابیه رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قال وبھذا ناخذ لا بأس

Marfat.com

بزیارۃ القبور للدعا للمیت ولذکر الاٰخرۃ وھو قول ابی حنیفۃ ومسلم وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ"۔

علما کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہیں یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ اصح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: "اختلف المشائخ فی زیارۃ القبور للنساء قال شمس الائمۃ السرخسی الاصح انہٗ لا بأس بھا"۔

جامع الرموز میں ہے: "وزیارۃ القبور مستحب للرجال و کذٰلک للنساء علی الاصح"۔

مختار الفتاویٰ میں ہے: "لا بأس بزیارۃ القبور وھوقول ابی حنیفۃ وظاھر قول یقتضی الجواز للنساء ایضاً لانہ لم یخص الرجال"۔

کشف بزودی علامہ فخر الاسلام علی بن محمد جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ میں ہے: "والاصح ان الرخصۃ ثابت للرجال و النساء جمیعاً"۔

بحر الرائق میں ہے: "الاصح ان الرخصہ ثابتۃ لھما"۔

درمختار میں ہے: "لا بائس بزیارۃ القبور ولوللنساء لحدیث کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا"۔

ردالمحتار میں ہے: "قولہ وبزیارۃ القبور بل تندب کما فی البحر عن المجتبیٰ فکان ینبغی التصریح للا مر بھا فی الحدیث المذکور کما فی الامداد"۔

مگر غنیۃ وغیرہ میں اسے مکروہ فرمایا: ونصہ "ویستحب زیارۃ القبور للرجال و تکرہ للنساء"۔ علما نے اسے تطبیق دی اور فرمایا کہ اگر تجدید حزن و بکاء کے لئے ہے جیسی ان کی عادت ہے تو ناجائز وممنوع ہے اور اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے اور قبور صالحین کے ساتھ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو بوڑھیوں کو اجازت ہے مگر جوان عورتوں کے لئے اجازت نہیں جیسے مساجد میں حضور جماعت سے منع کی گئیں

شامی میں ہے: "وقال الخیر الرملی ان کان ذٰلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علیٰ ماجرت بہ عادتھن فلا یجوز و علیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بُکاءٍ والتبرک بزیارۃ قبور الصالحین فلابأس اذاکن عجائز و یکرہ اذاکن شواب کحضور الجماعۃ فی المساجد اہ و ھو توفیق حسن"۔

Marfat.com

مگر ازانجا کہ احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں، **فتاویٰ رضویہ** میں فرمایا: "اقول قبور اقرباء پر خصوصاً بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزاراتِ اولیائے کرام میں احد الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہٰذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا۔ البتہ خاکبوسی آستانِ عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قرب واجبات سے ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے"۔

خزانۃ المفتین وفتاویٰ عالمگیریہ میں **فتح القدیر** سے ہے: "قال مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ انها افضل المندوبات"۔

مناسک الفارسی شرح المختار میں ہے: "انها قريبة من الوجوب لمن له سعة"۔

شفائے امام قاضی عیاض مع شرح ملا علی قاری میں ہے: "(زيارة قبر ه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم سنّة من سنن المسلمين مجمع عليها) اى مجمع علىٰ كو نها سنة وممن ادعى الاجماع النووى وابن الهمام بل قيل انها واجبة اه والله تعالى اعلم قلت و كذا العلامة ابن حجر فى الجوهر المنظم فى زيارة قبر النبى المكرم۔

اللهم ارزقنا زيارة حرمك و حرمه الابقى وادم علينا الاقامة بحرمة صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الىٰ ان نتوفىٰ و متعنا بشفاعته الا شفىٰ واوردنا حوضه الا صفىٰ واسقنا بكأ سه الا وفىٰ امين واخردعوينا ان الحمدُ لله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله و آله وصحبه اجمعين الىٰ يوم الدين"۔

(اس فتوے پر اخیر میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اور مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ کی تصدیقات بھی ہیں، لیکن ان کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے، اس لئے حذف ہوئیں۔ ۱۲ ساحل)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلى علىٰ رسوله الكريم

امابعد۔ تحریراتِ فریقین نظر سے گذریں۔ محرمین فاتحہ نے جس حیا و دیانت سے کام لیا ہے، عیاں ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔ مسئلۂ فاتحہ کو علمائے اہلِ سنت کثر الله تعالىٰ امثالهم نے اس طرح ثابت فرمایا ہے کہ باحیا مخالف کو بھی بجز تسلیم، چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ بقدرِ ضرورت انہی حضرات کے فیوض سے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے بھی اسے رسالہ " مواهب ارواح القدس لكشف حكم العرس" میں بعض تصریحات اور دس سندیں اس مضمون پر ذکر کیں۔ اگرچہ روئے سخن وہاں جانبِ عرس تھا مگر حکم، فاتحہ وعرس دونوں کا ایک۔ فالبيان والبيان والدليل والدليل۔ اس تحریر میں تمام

Marfat.com

لغو و بے تعلق مباحث مناظرہ وحملہ ہائے ذاتی این وآن و بہ ہماں وفلاں سے قطع نظر اور صرف وضاحت مرام وازاحت اوہام مقصود۔ وماتوفیقی الا بالملک المعبود۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مجمل ومختصر جواب، موضح حق وصواب، دافع شک وارتیاب، نافع اولی الالباب ہو۔ ناظرین سے مامول کہ براہ بشریت خطا پائیں، دامن عفو میں چھپائیں اور حق کے لئے بحکم " انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال" امید قبول۔ وما توفیقی الا باللہ العزیز الجلیل وھو حسبی ونعم الوکیل فاقول باللہ التوفیق وبہ الوصول الیٰ ذری التحقیق۔

اموات مسلمین وعلمائے عاملین وصلحائے کاملین وانبیاء ومرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم کو فاتحہ ودرود وقرآن خوانی وطعام خورانی وغیرہا اعمال صالحہ کا ثواب پہنچانا گو بتعیین تاریخ ودیگر قیود جائزہ رائجہ ہو، بے شبہ جائز ومباح بلکہ مستحسن ومندوب وشرعاً مقصود ومطلوب ہے۔ جس کے لئے قطع نظر تمام اسنادو دلائل وتصریحات معتمدان فرقۂ مخالفین وتلویحات ائمۂ منکرین، اصل اشیاء میں مذہب صحیح ومعتمد ومختار جمہور حنفیہ کرام خصہم اللہ باللطف والاکرام پر اباحت ہونا ہی کافی ووافی دلیل ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے۔ اسے دلیل کی کیا حاجت؟ دلیل تو ان حضرات کو دینی چاہئے جو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرتے، حرمت یا لااقل کراہت کی پکار پکارتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رہا یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے بھی یا خواہ مخواہ قائل جواز متمسک باصل ہے؟ اجلۂ اکابر علمائے اہل سنت نے ایسے واضح اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا ہے کہ

گر آں جملہ راسعدی املاکند مگر دفتر دیگر انشا کند

مگر بمضمون " مالا یدرك كله لا يترك كله" ان میں سے صرف بعض کا افاضہ اور بنظر اتمام حجت تاکہ پھر کسی کو، پرانا مغالطہ، اور ''دھوکے کی ٹٹی'' کہنے کی جرأت نہ ہو، تحریرات معتمدین مخالفین بلکہ ائمۂ منکرین کا اضافہ ضرور۔

قال عز من قائل: " هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" (البقرة ۲۹) ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے " (کنز الایمان)

علامہ حافظ ابن ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: ''قد استدل الکرخی وابو بکر الرازی والمعتزله بقوله خلق لكم على ان الاشياء التي يصلح ان ينتفع بها خلقت مباحة في الاصل۔ ''

مشکوۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: '' كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء ويتركون اشياء تقذرا فبعث الله نبيه وانزل كتابه واحل حلاله وحرم حرامه فما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو (مشكوٰة المصابيح كتاب الصيد، باب ما يحل اكله وما يحرم)''۔

شیخ محقق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''ازایں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔''

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں تحت حدیث " الحلال ما احل الله فی كتابه والحرام ما حرم الله

Marfat.com

فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ رواہ الحاکم فی المستدرک عن سلمان الفارسی" فرماتے ہیں:" فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ"

اشعۃ اللمعات میں ہے:''وایں دلیل است برآں کہ اصل دراشیاء اباحت است۔''

مرقاۃ میں زیر حدیث " ان اللہ فرض فرائض ولا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا" ہے:'' دل علیٰ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔''

علامہ قاسم ابن قطلو بغا، شاگرد رشید محقق علی الاطلاق اپنے بعض تعالیق پھر علامہ حموی ''غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر'' میں تحت قول "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" تحریر فرماتے ہیں: "ذکر العلامۃ قاسم بن قطلوبغا فی بعض تعالیقہ ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند جمھور اصحابنا۔"

ھدایہ فصل حداد میں ہے:'' الاباحۃ اصل''۔

علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اشباہ میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا اور اس پر مسائل متفرع فرمائے۔ حیث قال:" ویتخرج علیھا ما اشکل حلہ فمنھا الحیوان المشکل امرہ والنبات المجھول سمیتہ۔"

حموی میں ہے:'' قولہ النبات المجھول الخ یعلم منہ حل شرب الدخان''

ردالمحتار جلد ا ص ۱۰۹ میں ہے:''صرح فی التحریر ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ اہ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ قاسم وجریٰ علیہ فی الھدایۃ فی فصل الحداد وفی الخانیۃ من اوائل الحظر والاباحۃ وقال فی شرح التحریر" ھو قول معتزلۃ البصرۃ وکثیر من الشافعیۃ واکثر الحنفیۃ لا سیما العراقیین قالوا" والیہ اشار محمد فی من ھدد بالقتل علیٰ اکل المیتۃ او شرب الخمر فلم یفعل حتیٰ قتل بقولہ خفت ان یکون اثما لان اکل المیتۃ وشرب الخمر لم یحرما الا بالنھی عنھما فجعل الاباحۃ اصلا والحرمۃ بعارض النھی ویقول ایضا انہ قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی، الشیخ اکمل الدین فی شرح اصول البزدوی اہ۔"

اس میں علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:'' لیس الاحتیاط فی الافتراء علیٰ اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ او الکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔''

علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں، کہاں تک کوئی لکھے۔ اب ایک دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگر چہ وہ وسعت علم وفسحت ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں۔ اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونتیسویں سوال ''رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہبند باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواوں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں ہے''ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔

Marfat.com

بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط''۔

یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے''۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا''۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفرادہا جائز ہیں تو جو امور بانفرادہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنالینا، دھوکے کی ٹٹی ہے''۔ نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ۱ س ۱۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی'' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی طرح اسی کے ص ۳۷ سوال ''رنگ انگریزی پڑیا کا جو بکس میں آتا ہے، رنگنا کپڑے کا اس سے درست ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بوجہ رنگت کے یا کسی اور وجہ سے؟'' کے جواب میں لکھتے ہیں: ''رنگ انگریزی میں شراب پڑتی ہے۔ لہٰذا اس رنگ کا استعمال درست نہیں۔'' اسی طرح اس کے ص ۸۵ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ''پڑیا کا رنگ تو بسبب نجاست شراب کے، مرد وعورت دونوں کو درست نہیں۔'' دیکھئے حرمت بوجہ عارض شراب مانا، جو صاف بتا رہا ہے اصل میں اباحت ہے۔ ہاں اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ یہ نہ کہا کہ فقہ کی کتاب میں انگریزی پڑیا کے رنگ کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالکل بے اصل ہے، نہ یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو، ممنوع وناجائز رہے گا''۔ نہ یہ کہا کہ انگریزی پڑیا کا رنگ کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک اس کا منقول ہونا یا کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ ہو، تب تک یہ بدعت سیئہ رہے گا۔ وغیر ذلک من التقریرات التی لا طائل لہ تحتہا۔

اسی طرح ص...... پر سوال ''کانچ کی چوڑیاں جو عورتیں پہنتی ہیں جائز ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا '' درست ہیں۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ'' دیکھئے حکم درستی دے کر، آیت شریفہ لکھ کر یہ پوچھا کہ اسے حرام کس نے کیا؟ یعنی جب حرام کسی نے نہیں کہا، تو اصل اباحت پر درست ہے، وہ تقریریں جاری نہ کیں۔

Marfat.com

اسی طرح ص ۴۹ پر سوال، نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں، موجب کراہت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں لکھا ''مصلی کے آگے اگر جوتا مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں۔ لہذا کچھ حرج نہیں''۔ کراہت کا نہیں منقول ہونا ہی اباحت کو بس ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ نفیس تقریر جاری نہ کی کہ ''مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ دین سے منقول نہیں۔ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جانیں۔ لہذا مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، بدعت ولعنت ہے۔ وغیر ذلک من الاحکام۔

پس تقریر بالا سے جب ثابت ہو چکا کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسے ''پرانا مغالطہ اور ''دھوکے کی ٹٹی'' کہنا صریح مغالطہ ہے۔ تو جب تک مخالفین فاتحہ بہیئت کذائی کی حرمت یا کراہت، ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہ کریں گے، اپنی اصل پر رہے گا۔ حرام یا بدعت یا مکروہ وغیرھا نہ ہوگا۔

رہا محشی روداد اور ''صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا، محض ''پادر ہوا'' اور ''رود رفتنا'' اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں مروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبد الرحیم ولکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف ادا کیا وغیر ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف ''المرء یقیس علی نفسه'' کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: ''الاصل فی الاشیاء الاباحة'' حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔ عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار، یہ ہے۔ ان میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے ''المختار الاباحة عند جمهور الحنفية و الشافعية'' اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فاتحہ کے جواز میں دلیل کو پیش کرنا، بے موقع کیوں؟ کیا جو چیز یا اس کے تمام اجزاء، قرآن وحدیث سے ثابت ہوں وہاں اس قاعدہ کو پیش کرنا بے موقع لکھ دیا ہے یا صرف رائے شریف ہے؟ جسے تصنیفاتِ علماء تک دسترس، وہ اس کی صدہا نظیریں کتب ائمہ میں پائے گا۔ ایک نظیر حاضر ہے۔

زینت کے بارے میں کھلے الفاظ قرآن شریف کے ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ'' الآیة (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ! کس نے حرام کی اللہ کی زینت'' (کنز الایمان) موجود تھے۔ پھر امام برہان مرغینانی نے ام ولد اور منکوحہ بنکاح

Marfat.com

فاسد پرعدم احداد کی دلیل میں فرمایا:'' لانہا ما فاتہا نعمۃ النکاح لتظہر التعسف والاباحۃ اصل'' (الہدایہ ۲/ ۴۰۸)۔قرآن شریف سے ثابت ہونے کے بعدپھر الاباحۃ اصل پیش کرنا بے موقع ہے یا نہیں؟اعظم گڑھی صاحب کا کہنا'' تیسرا قول مسلم الثبوت اوراس کی شروح سے نقل کیا ہے باوجودیکہ حق تحریف خوب ادا کیا ہے''،منصف مزاج خیال کرسکتا ہے کس درجہ اپنے موقع محل پر ہے۔اس نقل میں کیا تحریف ہوئی؟ کیا کوئی فقرہ درمیان سے اپنے مخالف گھٹادیا یا کچھ الفاظ زائد کردیئے،کیا کیا؟شاید اپنے خیال میں پورے مسئلہ سے دوسرے مسئلہ تک عبارت نہ لکھنے کو تحریف خیال کررہے ہیں۔

جناب من!ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ استدلال ایک جملہ سے ہواور دلیل،صفحہ دوصفحہ یا کما بیش کی عبارت نقل کردی جائے۔ہاں نقل میں کچھ الفاظ انھوں نے ضرور چھوڑدیئے مگروہ اہل سنت کو مضر،نہ وہابیہ کو مفید۔اب میں آپ کے لئے پوری عبارت نقل کرکے پوچھتاہوں کہ اس عبارت سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا اور مجیب کو کیا ضرر ہوا؟۔

فاضل بہاری فرماتے ہیں " واما الخلاف المنقول بین اہل الحق ان اصل الافعال الاباحۃ کما ہو مختار اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذہب الیہ غیرہم وقال صدر الاسلام الاباحۃ فی الاحوال والحظر فی الانفس فقیل ہذا الخلاف وقع بعد الشرع بالادلۃ السمعیۃ ای دلت علیٰ ان ما لم یکن فیہ دلیل التحریم ماذون فیہ او ممنوع عنہ وفیہ ما فیہ"

بلکہ خدا انصاف دے تو آپ کو مجیب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے پوری عبارت نقل نہ کرنے سے آپ کی دو جہالت فاحشہ پر پردہ ڈالا۔عبارت منقول کے قبل یہ الفاظ ہیں" واما الخلاف المنقول بین اہل الحق" ۔دیکھئے کیسا رد ہے آپ کے قنوجی صاحب کا کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔اہلِ حق کے درمیان جو خلاف ہے،جس کے دونوں فریق اہلِ حق۔یا صاف لفظوں میں مسلم الثبوت کا دوسرا نسخہ دیکھئے" بین اہل السنۃ"تو جس کے قائل اہل سنت اور نہ صرف اہلِ سنت بلکہ علماء واکابرِ اہلِ سنت کہ عوام کیا اوران کی بات کیا؟تو ضرور یہ خلاف اکابرِ علماء اہلِ سنت میں ہے۔مشتہر صاحب اپنی کمالِ عقل مندی ووسعتِ علم سے جسے پرانا مغالطہ اور'' دھوکے کی ٹٹی'' فرمارہے ہیں۔سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ع بےحیاباش وہرچہ خواہی کن

اسی طرح اخیر کی عبارت بھی آپ کا کھلا رد ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ اکثر حنفیہ وشافعیہ کا مذہب اصل اشیاء میں تحریم کا ہے تو وہابیہ کو کیا مفید ہے؟کہ صحیح مذہب پر یہ خلاف تو زمانۂ فترت کا ہے۔دیکھئے فاضلِ بہاری نے'' قائلین بعد الشرع'' کے قول کو'' قیل'' کے ساتھ تعبیر فرمایا،جو مشہور ہے کہ ضعف کی طرف جاتا ہے۔پھر اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ صاف فرمایا'' وفیہ ما فیہ''۔

حضرت بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں:'' اذ یظہر من تتبع کان الخلاف قبل ورود الشرع ومن ثم لم یجعلوا رفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع فتدبر"

حضرت بحر العلوم نے اس کی طرف اشارہ فرماکر اس مضمون کی ایک تمہید کے بعد بہت واضح طور پر تصریح فرمائی: ''

Marfat.com

فـاذن ليس الخلاف الا فی زمن الفترة التی اندرست فيه الشريعة بتقصير من قبلهم"۔ کہ اذکیاء تو ''فیہ مافیہ'' ، ہی سے سمجھ لیں گے۔ مگر متوسطین اگر اس سے نہ سمجھ سکے تو ''منہیہ'' سے ضرور حق جان لیں گے۔ مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ ''فیہ مافیہ'' کا مطلب بجز ''اس میں وہ ہے جو اس میں ہے'' کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور ''فتدبر'' دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ لہذا اضاف فرمایا'' فاذن الخ''

اب ذرا انصاف سے کہئے کہ مجیب نے تحریف کی یا اس نے آپ پر احسان کیا اور آپ نے احسان فراموشی فرمائی۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم۔

جناب من! تحریف اسے کہتے ہیں جو قدیم زمانہ سے منکرانِ فاتحہ کرتے چلے آئے۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' بعض کبراء طائفہ کی بعض بعض تحریفات دیکھئے اور برعایت فرمایئے کہ دراصل تحریف اسے کہتے ہیں۔ میرا محض افتراء تھا جو مجیب کو لکھا ''حق تحریف خوب ادا کیا''۔ سب وہابیہ کے پیشوا اور مولیٰ متنبی سلاسل الوہابیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی کی ''تقویت الایمان'' ملاحظہ ہو۔ آیہ کریمہ '' وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ '' الأية (يونس : ١٨) ''اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے'' (کنز الایمان) لکھ کر ترجمہ کیا ''اور پوجتے ہیں وے اللہ سے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دے، نہ کچھ نقصان۔'' آفت کی ف لکھ کر یہ فائدہ چڑھایا ''یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں، ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔'' کہئے! وہ آیت کہ کفار کے حق میں نازل ہوئی، براہِ دیانت مسلمانوں پر ڈھالنا، يعبدون من دون الله کا مطلب ''جن کو لوگ پکارتے ہیں'' لینا تحریف ہے کہ نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

آیہ کریمہ "اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا الآيه"(مريم : ٩٣) ''آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے'' (کنز الایمان) لکھ کر مطلب یہ لکھا ''کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا'' یہ کس لفظ کا مطلب ہے؟ اور اگر یہ سالبہ کلیہ صحیح ہو تو " وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ'' (الحشر: ٦) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بڑھ کر کھلی تحریف دیکھئے۔ " وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا" (مريم : ٩٥) کا مطلب لکھا ''اور ہر کوئی اپنے معاملہ میں اس کے روبرو اکیلا اکیلا حاضر ہونے والا ہے''۔ اور اگلی آیت " اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا،(مريم : ٩٦) ''بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھا کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کردے گا'' (کنز الایمان) آیہ کریمہ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ الآية (الأنبيـــاء : ٢٥) ''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے''۔ (کنز الایمان) لکھ کر فائدہ لکھا ''یعنی جتنے پیغمبر اللہ کے ہیں، اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانئے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانئے''۔ کہئے! فـاعبدون کا معنی ''اللہ کو مانیئے اور کسی کو نہ مانیئے'' اس کا کھلا مطلب کہ رسول، کتاب، ملائکہ جن، دوزخ، جنت وغیرھا ضروریات کسی چیز کا ماننا روا نہیں، بلکہ نہ ماننے کا حکم، اور وہ بھی ایسا مستمر کہ سب شریعتوں میں اس کا حکم آیا۔ ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظيم۔ کہئے صاحب یہ تحریف ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

Marfat.com

غرض یہ سوختنی کتاب تمام اسی قسم کی تحریف سے بھری پڑی ہے۔ جہاں آیت یا حدیث لکھ کر فائدہ چڑھایا، کوئی نہ کوئی آفت ڈھائی۔

اب دوسرے امام مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کو دیکھئے ان کی بھی ''مائۃ مسائل'' و ''مسائلِ اربعین'' اسی قسم کی تحریفات سے پُر ہے۔ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو آپ کے مولوی امداد مصنف رسالہ ''امداد المسلمین'' نے کی کہ صلوٰۃ الرغائب ونماز نصفِ شعبان کے بارے میں کہا: ''اگر چہ بعض فقہاء نے جیسے صاحبِ درمختار وغیرہ، حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ لیکن ائمۂ محققین واجلۂ فقہاء کرام مثلاً امام ابوشامہ اور امام یافعی اور ابن حجر مکی اور صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی، غرض سب محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز مذموم بلکہ اس پر بہت کچھ تشنیع کی ہے اھ ملتقطا''۔ حالانکہ امام یافعی نے باب نقلِ قولِ ذم، اپنی تحقیق فرمائی کہ تنہا پڑھے اور سنت نہ جانے تو حرج نہیں۔

"حيث قال نعم لو صلاهما انسان وحده مع اعتقاده انهما ليس بسنة، لم ارى بذلك باسا" اه مختصراً۔

ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں: "ويحافظ الرواية وسائر السنن وكل ما ورد فضيلته كصلاة الرغائب وليلة النصف من شعبان وكانوا يواظبون عليها۔"

اسی طرح ملک مظفر سلطان اربل کہ مولد شریف میں غایت درجہ اہتمام بجالاتا، ڈپٹی صاحب نے اس جرم پر خفا ہو کر تاریخ ابن خلکان سے اس کا فسق ثابت کرنے کو چند فقرے نقل کئے اور ان کی نقل میں حسبِ دابِ طائفہ دو تین حرف جو مذمت پر دال تھے، نقل کئے۔ باقی تعریفوں کے عظیم دفتر ہضم۔ دیکھئے جہاں پر مذمت نقل کی، اسی جگہ اسی بیان میں یہ عبارت اڑا گئے" كان له في فعل الخير غرائب ولم يسمع ان احدا فعل في ذلك ما فعله"کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ " انه كان لا يتعاطى المنكر" کیا یہ الفاظ نہ تھے؟" كان كريم الاخلاق كثير التواضع حسن العقيدة"، کیا یہ الفاظ نہ تھے؟" لو استقصيت في تعداد محاسنه لطال الكتاب في شهرة معروفة غنية عن الاطالة"۔

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ''معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے''۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: ''فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلاف و تفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگر چہ در غیر قدوم سفر نیز باشد''۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منھ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ''تفہیم المسائل'' ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے ''مطالب المومنین'' سے نقل کیا" يكره الانتفاع بالقبر" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ''قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں''۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: " يكره التمتع بالمقبرة وان لم يبق آثاره" قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگر چہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

Marfat.com

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔اسی لئے ''اگر چہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو،لہذا تصریح کردی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا،اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟۔کہیے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

جناب قنوجی نے اسی کے ص ۱۸، ۱۹ پر مسئلہ بناء علی القبر میں عبارت تنویر الابصار'' ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیه بناء وقیل لا باس به'' کی نسبت دعویٰ کیا کہ لا باس به کی ضمیر تطیین کی طرف ہے نہ بناء کی۔اور براہ تغلیط عوام،طوالع الانوار کا حوالہ دے دیا حالانکہ طوالع میں خود مرجع دونوں بیان کیا ہے۔عبارت اس کی یہ ہے'' قیل لا باس به ای بالتطیین والبناء'' کہیے یہ تحریف ہوئی یا نہیں کہ باوجودیکہ طوالع میں صاف خلاف مذکور تھا،اس کو ہضم کرکے اور الٹا الزام طوالع کے سر دھرا؟

اسی کے ص ۵۲ پر شد الرحال کے مسئلہ میں طوالع کی صرف اتنی عبارت نقل کی کہ امام الحرمین اپنے استاد سے منع نقل کرتے ہیں کہ کبھی مکروہ کہتے، کبھی حرام اور امام سب کو ممنوع یا قریب بہ عبث کہتے ہیں۔حالانکہ ان دونوں قولوں کے بیچ کا یہ ٹکڑا'' وقال الشیخ ابو علی لا یحرم ولا یکره'' اور اخیر سے اس کی ترجیح'' بقوله فیترجح ما قاله ابو علی''۔کہیے جناب اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں۔

یہ سب جانے دو۔معتمد الکل فی الکل،اپنے آقا و مولیٰ و بکل شیء اولیٰ، گنگوہی صاحب، براہینِ قاطعہ طبع جدید ص ۵۱ پر جب علم غیب کی نفی پر اترتے،تو لکھتے ہیں:''اور شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں''۔وہ تو یہ سفید ''سچ'' لکھ کر چلتے بنے۔اب آپ ہی لوگ مہربانی فرما کر دکھایئے کہ شیخ محقق نے کہاں روایت فرمایا ہے؟ شیخ محقق نے تو مدارج شریف میں صاف تحریر فرمایا:

''ایں جا اشکال می آرند کہ دربعض روایات آمدہ است کہ گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من بندہ ایم،نمی دانیم آنچہ پسِ ایں دیوار است۔جوابش آنست ایں سخن اصلے ندارد وروایت بداں صحیح نہ شدہ است''۔

دیکھیے حکایت کا روایت بنایا اور صاحب کتاب نے ایک قول مردود نقل کرکے اس کا رد کیا کہ ''ایں سخن اصلے ندارد وروایت بداں صحیح نشدہ'' گنگوہی صاحب نے ابتدا سے الفاظِ نسبت، آخر سے عبارتِ رد اڑا دی۔اور بیچ کا جملہ پکڑ کر صاحب کفایت کی طرح نسبت کردی۔انصاف سے کہیے! اس کا نام تحریف ہے یا اُس کا جو مجیب نے کیا؟

بیانات سابقہ ابین من الشمس واظہر من الامس سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔تو جب تک مانعین، فاتحۂ مروجہ کی حرمت یا کراہت کا ثبوت نہ دیں گے،حرمت یا کراہت کا حکم محض غلط اور خبط بے ربط ہے۔

سندِ دوم جسے...... صاحب نے پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی فرمایا، وہ یہ کہ فاتحہ مجموعہ امور خیر کا ہے اور مجموعہ خیر کا خیر ہی رہتا ہے۔اجلۂ اکابر علماء اسی دھوکے کی ٹٹی اور پرانے مغالطہ سے صدہا مسائل پر دلیل لائے۔

Marfat.com

مواقف الکلام میں ہے: "وان حصول کل حرف مشروط بانقضاء الآخر فیکون له اول فلا یکون قدیما فکذ المجموع المرکب منها۔"

شرح عقائد نسفی میں حدوث جواہر واعراض سے حدوث عالم پر استدلال کیا کہ جب اجزا حادث ہیں، مجموعہ بالضرور حادث ہوگا۔ (ناقص الآخر)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از موضع بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان ۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور تعزیہ پر مہندی اور ملیدہ اور کھچڑہ وغیرہ چڑھانا یعنی تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم یعنی نشان چڑھانا کیسا ہے اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

تعزیہ داری رائج الوقت قطعا بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشے بقصد تبرک، بے آمیزش منہیات، جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ وروضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں، اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاتحہ امام ہمام ودیگر شہداء کرام واولیائے عظام وسائر اہل اسلام کھچڑہ، ملیدہ پر ہو یا کسی اور کھانے کپڑے وغیرہ پر یا تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ مگر وہ فاتحہ تعزیہ کی نہ ہو کہ تعزیہ کو ثواب پہنچانے کے کوئی معنی نہیں۔ نہ تعزیہ رکھ کر ہو کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اسائت ادب ہے۔ خصوصا جب کہ تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی اور نزول رحمت سے بالکل اجنبی اور ذکر شہادت شریف نظم میں ہو یا نثر میں، جب کہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہلبیت طاہرین وصحابہ مکرمین وغیرہ محرمات سے بالکل خالی ہو، بلا شبہ جائز ومستحسن وموجب ثواب ونزول رحمت وہاب ہے اور اگر شناعات مذکورہ پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ ہے۔ نص علیه الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقة۔

اس لئے یہ مرثیے کہ رائج ہیں، مطلقا حرام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کوبی وماتم ونوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی۔" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ مذہب اہل سنت میں تعزیہ بنانا اور مجلس مرثیہ خوانی وکتاب خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور شربت سبیل وطعام نذر حسین معین کردہ کا، جیسے بعض مسلمان ایام محرم میں کیا کرتے ہیں اور تعزیہ پہ چڑھایا ہوا کھانا، پینا کیسا؟ اور اگر کوئی مسلمان سنی مذہب ہو کر تعزیہ وعلم شدہ بناوے یا اس کی زیارت کے

Marfat.com

واسطے جاوے یا اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھاوے یا جو لوگ کھانا و شربت وغیرہ پیش تعزیہ رکھتے ہیں، یہ ان پر فاتحہ دیوے یا دلاوے اور جو کچھ اس پر چڑھایا گیا ہے پیے، اور ایام محرم مجالس تعزیہ داری میں مثل شیعہ مرثیہ خوانی و کتاب خوانی میں سرگرم رہے اور شیعہ کی مجالس میں شریک رہے اور بعد مجالس کے تبرک لے کر نوش کرے اور اپنی مجلس میں شیعوں سے مرثیہ پڑھوائے، اس پر خوشی اور دفع غم میں ہر اوقات روافض کی طرح عزاداری، نذر، منت، مجلس، مرثیہ خوانی معین کیا کرے اور جب مجلس ترتیب دے، رولانے پٹانے کی غرض سے مرد اور عورتیں فراہم کرے اور ارتکاب ان تمام امور کو ذخیرہ نکوئی اور ثواب عظیم تصور کرے۔ اور دعویٰ کہ ہم یقینی محب امام و اہل بیت رسول علیہ السلام ہیں اور کسی بزرگ کے نام زد کر کے کسی مسلمان نے چھڑی و جھنڈا و نشان وغیرہ نصب کی ہو یا گور مصنوعہ قائم کیا ہو اور ان پر لوگ روپیہ پیسہ اور شیرینی، مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھاوے یا ان پر مرغی و بکرا وغیرہ ذبح کرے اور یہ شخص اس کھانے اور لباس کو کھائے پیے اور نقدیات وغیرہ کلھم کو پاک اور طیب سمجھ کر صرف میں لائے اور اس کو اپنی ملک و جاگیر آبادی بتلائے اور وہی شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حکم ہے؟ اور وہ خورد و پوش وغیرہ کیسا ہے؟ اور اگر تعزیہ داری کی خدمت یا صلہ یا جھنڈا و نشان نصب کردہ وغیرہ پر کسی نے زمین و مکان وغیرہ دیا ہو، اس زر آمدنی و اشیائے مسطورہ سے نفع اٹھانا کیسا؟ فقط بینوا توجروا۔

دوسرا سوال: ایک شخص قوم کا فقیر، توانا تندرست، صاحب نصاب ہے۔ کسی اور طرح پر بھی معاش حاصل کر سکتا ہے مگر عادۃً مدام لوگوں کے گھر جا کر در بدر روٹی وغیرہ مانگتا پھرا کرتا ہے۔ اور وقت نماز وہی شخص مسجد میں پیش امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہے۔ اس ذلت گداگری کو معیوب نہیں سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے، یہ ہمارا پیشۂ آبائی، ریاضت و درویشی میں شمار ہے۔ ایسے فقیر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اہل نصاب کو سوال کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟ و نیز کسی ایسے ہٹے کٹے آدمی کو کہ زر و مال قابل نصاب نہیں رکھتا مگر اپنی معاش کسی پیشہ اور محنت و مزدوری وغیرہ سے بہم پہونچا سکتا ہے، ترک کر کے صرف ذلت دریوزہ گری میں قوت و پوشش وغیرہ رکھنا اس پر کیا امر قرار پائیگا؟ فقط

تیسرا سوال: بعد ختم وعظ، سامعین کا عالم واعظ سے مصافحہ کرنا درست یا مسنون ہے یا بدعت یا ممنوع؟ فقط

چوتھا سوال: قریب و بعید اگر قریہ و شہر میں مرض وبائی حیضہ و طاعون کا غلبہ ہو، اس مقام پر اور لوگوں کا آمد و رفت رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور مرض مذکورہ، کسی وجہ سے ایک کا دوسرے کو لگنا، آیا صحیح ہے جیسا کہ عوام میں شہرت رکھتا ہے یا محض غلط؟ اور جس مقام پر یہ مرض لاحق ہو وہاں سے ساکنین کا بخوف موت اور بنیت دفعیہ مرض اور جگہ چلا جانا کیسا؟ اور دوسری جگہ پہونچ کر مسلمان کا مرنا کیسا سمجھا جائیگا؟ بیان کرو جزائے نیک پاؤ گے۔

الجواب

تعزیہ مروجہ زمانہ کہ مجموعہ صدہا خرافات و ہزارہا واہیات ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین و اہل بیت

Marfat.com

طاہرین وصحابہ معظمین ومشائخ مکرمین ونوحہ ومرثیہ ممنوعہ وتکلف وتصنع غم پروری وسینہ کوبی وگریبان دری وغیرہا محرمات سے خالی ہوں، بلاشبہ جائز ومستحسن وموجب نزول رحمت ذی المنن ہے۔ اور اگر شناعات پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ۔ کما نص علیہ العلماء فی کتبہم۔ یوں ہی فاتحہ امام علی جدہ الکریم وعلیہ السلام ودیگر بزرگان دین واولیاء کرام وسائر اہل اسلام شیرینی، مالیدہ، شربت پر ہو یا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر، تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہونچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں براق یا اور کسی کی شکل بنی ہو، سخت اسائت ادب ہے مرتب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ کہ ایسے شخص کے فسق میں شک کہ تعزیہ وعلم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں مثل روافض مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا، شیعوں سے میل جول، سلام وکلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تبرا سے خالی نہیں ہوتی، ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جاننا، اپنی مجالس میں ان خبثاء سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں رونے پیٹنے کی غرض سے مرد عورتیں فراہم کرنا، اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب جاننا، اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھڑی، نشان، جھنڈا قائم کرنا، یا معاذ اللہ گور مصنوعہ قائم کرنا، کس قدر سخت تر حرام ہے۔ حدیث میں ہے: "من زار قبراً بلا مقبور فهو ملعون" جو جھوٹی مصنوعی قبر کی زیارت کو جائے، وہ ملعون ہے۔ اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ، پیسہ، اشرفی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں، ان کا حکم لقطہ ہے۔ یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بے اجازت صراحۃ یا دلالۃ لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔ صراحۃ کا یہ معنی ہے کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہدے کہ جو اسے لے لے وہی مالک ہے۔ تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہوا اور وہ اسی بنا پر لے تو مالک ہو جائے گا۔

ردالمحتار کتاب اللقطہ میں شرح سیر کبیر سے ہے: "القی شیأ وقال من اخذه فهو له فلمن سمعه او بلغه ذالك القول ان يأخذه والا لم يملكه۔"

اور دلالت حال کی یہ صورت ہے کہ عرف وعادت واضح طور پر حکم کرے کہ یہ چھوڑنا، پھینکنا، چڑھانا، اسی غرض سے ہے کہ جو پہلے اس کا مالک ہو جائے جیسے لوگ شادی میں دولہا کے گھوڑے یا دلہن کی پالکی پر سے روپے نچھاور کرتے ہیں یا آرائش کی مٹھائیاں لٹواتے ہیں یا بعد نکاح شکر چھوہارے لٹاتے ہیں یا جیسے عورتیں مسجد کی طاق میں گلگلے وغیرہ رکھ جاتی ہیں یا جیسے لوگ کھیت کاٹ کر کچھ بالیاں لگی ہوئی چھوڑ جاتے ہیں کہ غریب لوگ انہیں چن لیتے ہیں جیسے دیہات میں سیلا بیننا کہتے ہیں ان میں سیروں اناج نکلتا ہے یا جیسے پالیز والے ختم پر کچھ خربوزے چھوڑ جاتے ہیں اور لیجانے والے کو مانع نہیں آتے۔ تو ان سب چیزوں کا بوجہ عرف وعادت لینا جائز اور لینے والا اس کا مالک ہے۔ وفیہ عنہ ویقررہ ان مجرد الالقاء من غیر کلام یفید هذا الحکم کمن نثر السکر والدراهم فی العرس وغیره

Marfat.com

خزانۃ المفتیین میں ہے: ''کذا من دخل ارض رجل للا حتشاس او لا لتقاط السنبلة ان ترکها صاحبها فصار ترکه کا لا باحة۔'

عالمگیری میں تا تارخانیہ سے ہے: ''مبطخة بقیت فیها بطاطیخ فانتهبها الناس قال الفقیه ابو بکر اذا ترکها اهلها لیا خذ من شاء من ذلك فلا باس۔''

اور اگر یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو چاہے لے لے بلکہ ان چیزوں کا اس قبر پر رکھنا، رہنا منظور ہو تو اس کا لینا، اس سے نفع اٹھانا، سب ناجائز ہے۔ اس کا حکم ہندوؤں کے سانڈھ اور ان روپوں کا ہے جو وقت غسل دربار سے گنگ وغیرہ میں ڈالتے ہیں لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔

عالم گیریہ میں ہے: ''لو سیب وانه قال لاحاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا یکون له'' وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کا لوٹانا واجب ہے۔ لان الفاسق من فعل کبیرة او اصر علیٰ صغیرة۔

صغیری میں ہے: '' یکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالك لایجوز تقدیمه هو روایة عن احمد وکذا المبتدع۔''

غنیۃ میں ہے: ''لو قدموا فاسقاً یاثمون۔''

ابو السعود، حاشیہ کنز جلد اول میں ہے: ''علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اهانته شرعاً فمفاده کون الکراهة تحریمیة۔''

درمختار میں ہے: ''کل صلاة ادیت مع کراهته تجب اعادتها۔''

وہ وقف باطل ہے کہ وقف امور خیر کے لئے ہوتا ہے اور یہ قربت نہیں۔ وہ زمین ومکان ملک مالک پر باقی ہے۔ اگر اس کی اجازت سے انتفاع ہے، تو جائز ہے ورنہ حرام۔

تنویر الابصار میں ہے: ''وشرطه ان یکون قربة فی ذاته''۔ واللّٰه تعالی اعلم ۔علمه جل مجده اتم واحکم

(۲) ایسا شخص بھی فاسق ہے۔ اس کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اہل نصاب کو سوال حرام۔ اسی طرح فقیر توانا تندرست کو سوال ناجائز وممنوع ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ان المسالة الا لاحد ثلثه رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتی یصیبها ثم یمسك ورجل اصابته جانحة اجتاحت ماله فحلت له المسالة حتیٰ یصیب قواما من عیش ورجل اصابته فاقة حتی یقوم من ثلثة من ذوی الحجج من قومه لقد اصابت فلانا فاقة فحلت له المسألة حتیٰ یصیب قواما فی عیش فما سواهن من المسالة

Marfat.com

یا قبیصة سحتٌ' یا کلھا صاحبھا سحتا۔ "

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں:

(۱) جو شخص کسی کی دیت یا غرامت کا ضامن ہو اس کے لئے سوال حلال ہے جب تک اتنا مال پالیوے پھر رک جائے۔

(۲) جو شخص کسی آفت میں مبتلا ہو کہ ہلاک ہوگیا، مال اس کا اس کے لئے بقدر سدّ حاجت سوال درست ہے۔

(۳) جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو کہ تین شخص اس کی قوم سے گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہونچا ہے۔ تو ان تینوں شخصوں کے لئے سوال حلال ہے اور ان کے سوا اوروں کے لئے اے قبیصہ! سوال حرام ہے۔ کھاتا ہے سائل حرام کو۔"

اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: "من سال الناس اموالھم تکثر فانما یسال الناس جھرا فلیستقل او لیتکثر" "جو شخص لوگوں سے مال زیادہ ہونے کے لئے سوال کرے یعنی مال نصاب بقدر ضرورت رکھتا ہو اور وہ سوائے اس کے نہیں کہ لوگوں سے جہنم ٹکڑا مانگتا ہے۔ ایسا ہر شخص کو اختیار ہے۔ چاہے زیادہ کرے یا کم، جتنا سوال کرے گا، اتنا ہی ٹکڑا جہنم کی کا اس کے لئے ہے۔

اور وہ امام احمد ہی مسند ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: "مایزال الرجل یسال الناس حتیٰ یاتی یوم القیامة لیس فی وجھه مزعة لحم۔"۔ "یعنی ہمیشہ رہتا ہے آدمی کہ سوال کرتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔ لوگ اس سے پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا تھا۔"

چوتھی حدیث میں ہے: "السائل کدوح یکدح بھا الرجل وجھه فمن شاء القی علیٰ وجھه ومن شاء ترکه۔ "۔ "سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنا منہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنے منہ پر باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

پانچویں حدیث میں ہے: "من سال وعندہ مایغنیه فانما یستکثر من النار۔"

جو شخص سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ زیادہ کرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔

چھٹی حدیث میں ہے: من سال من غیر فقر فکانما یاکل الجمر "جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرے پس جہنم کا انگارا کھاتا ہے۔" رواہ الا مام احمد فی مسندہ وابن خزیمة والضیاء عن حبش بن جنادة رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

ساتویں حدیث میں ہے: "لان یاخذ احدکم حیلة فیاتی بحزمة حطب علیٰ ظھرہ فیبیعھا فیکف اللہ بھا وجھه خیر من ان یسال الناس اعطوہ او منعوہ۔ "البتہ یہ کہ ایک تمہارا، رسی لے کر لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لائے اور اسے بیچ کر کھائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے۔ دیا یا نہ دیا۔"

اور اس کو جائز اور ریاضت درویشی سمجھنا اور بھی گناہ۔ شریعت مطہرہ میں نفس ریاضت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ جو

Marfat.com

موافق شریعت ہو۔ ورنہ جوگیوں نے تو وہ وہ ریاضتیں کیں اور کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کبھی نہ ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) درست و مسنون ہے، نہ بدعت و مشؤن۔ کہ نفس مصافحہ احادیث کثیرہ شہیرہ، قولیہ، فعلیہ سے ثابت اور زمان برکت نشان، سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم، ہر قرن، ہر زمان میں رائج و موجود و مسنون و محمود رہا۔ فقد صافحت (۱) سیدنا و مرشدنا مجمع الطریقین، مرجع الفریقین، مجدد المأة الحاضرة، مؤید الملة الطاهرة حضرة الشيخ حمد رضا خان متّع الله المسلمين بطول بقائه (۱) والسيد الشاه ابا الحسين احمد النورى نور الله مرقده الشريف بالنورى المعنوى والصورى (۲) صافحا سيدهما و سندهما و شيخهما السيد آل رسول الاحمدى المار هروى قدس سره (۳) صافح السيد السند عمه السيد آل احمد الملقب باچهى ميان المار هروى قدس سره (٤) صافح السيد التقى السيد الشاه حمزة الحسنى البلجرامى الواسطى (٥) صافح السيد طفيل محمد الاترولوى (٦) صافح البارع الا ورع السيد مبارك فخر الدين البلجرامى (۷) صافح الشيخ الا فخم استاذه و مولاه الشيخ نور الحق (۸) صافح الشيخ المقتدى والده و شيخه و استاذه الشيخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوى قدس سره (۹) وهو قد صافح الشيخ عبد الوهاب بن فتح الله البروجى (۱۰) وهو قد صافح الشيخ محمد ابن افلح اليمنى (۱۱) وهو قد صافح الشيخ عبد الرحمن بن على الديبع (۱۲) وهو قد صافح الشيخ زين الدين الشرجى (۱۳) وهو قد صافح شمس الدين ابا الخير الجزرى (١٤) وهو قد صافح الشيخ ابا المحاسن السرمدى (١٥) وهو قد صافح الشيخ ابا الثنا محمود بن على بن بغدادى (١٦) وهو قد صافح الشيخ عبد الصمد البغدادى (۱۷) وهو قد صافح الشيخ يوسف ابن الحافظ ابى الفرج عبد الرحمن بن على الجوزى البغدادى (۱۸) وهو قد صافح ابا الفضل محمد ابن جعفر الخزاعى (۱۹) وهو قد صافح الامام العباس احمد بن محمد سعيد المطوعى (۲۰) وهو قد صافح الشيخ ابا غانم ابن زكريا (۲۱) وهو قد صافح الشيخ محمد ابن كامل (۲۲) وهو قد صافح الشيخ ابانان العطار (۲۳) وهو قد صافح سيدنا ثابت البنانى (٢٤) وهو قد صافح سيد نا انس ابن مالك رضى الله تعالى عنه قال (٢٥) "صافحت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلم ارخزا ولا قزاً الين من كف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" والحديث رواه البخارى وابن عساكر فى تاريخه والخطيب وقد ذكره الشيخ جارالله بن فهد فى كتاب المواهب السنيه الديباجى وابن المفضل والتميمى فى مسلسلتهم۔

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام سے ملتے، ان سے مصافحہ فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے: "قلت لابى ذرهل كان رسول الله صلى الله عليه يصافحكم اذا لقيتموه؟ قال مالقيته قط الا صافحنى۔"

Marfat.com

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ سے رسول ﷺ مصافحہ فرماتے جب تم حاضر خدمت ہوتے؟ کہا جب بھی میں حاضر خدمت ہوا، حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ رواہ ابو داؤد عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنترۃ۔

''صحابہ کرام جب بھی آپس میں ملتے، معانقہ کرتے۔ اور جب جدا ہوتے مصافحہ کرتے۔''

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے: ''کان رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا۔''

بہتیری حدیثوں میں حضور ﷺ نے مصافحہ کے فضائل بیان فرمائے، مصافحہ کرنے والوں کو قبل جدا ہونے کے عفو گناہ کی خوش خبری دی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا۔'' ''نہیں ہیں کوئی دو مسلمان کہ آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں مگر قبل جدا ہونے ان دونوں کے ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے''۔ رواہ الامام احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ ایضا عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ''عن النبی ﷺ اذا التقی المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفراہ غفرلھما۔'' ''جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور خدا کی حمد کریں، اس سے مغفرت چاہیں، بخشدئے جاتے ہیں گناہ ان کے۔'' رواہ ابو داؤد عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ''ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایا ھما کما تناثر ورق الشجر۔''

''جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔'' رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی شعب الایمان بسند صالح عن حذیفۃ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھی حدیث میں ہے: ''ان المسلم اذا لقی اخاہ فاخذ بیدہ تحاتت عنھما ذنوبھما۔'' ''مسلمان جب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑتا (یعنی مصافحہ کرتا) ہے، ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی۔

پانچویں حدیث میں ہے: ''مامن مسلمین التقیا فاخذ احدھما بید صاحبہ الا کان حقا علی اللہ عز وجل ان یحضر دعاؤھما ویفرق بین ایدیھما حتیٰ یغفرلھما''۔ ''جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔'' رواہ الامام احمد برجال ثقات وابو یعلیٰ والبزار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چھٹی حدیث میں ہے: ''لا یلقی مسلم مسلما فیرحب ویاخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب کما تناثر

Marfat.com

ورق الشجر "۔ ''جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ گر جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے ''۔رواہ البزار عن روایۃ مصعب بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آٹھویں حدیث میں ہے: "قال رسول اللہ ﷺ ان المسلمین اذا التقیا فتصافحا وتسائلاانزل اللہ بینھما مأۃ رحمۃ تسعۃ وتسعین لابشّھما واطلقھما وابرّھما واحسنھما مسائلۃ باخیہ"۔ ''جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، حق سبحانہ تعالیٰ سو رحمت نازل فرماتا ہے، واسطے بشاش ترین اور کشادہ پیشانی سے ملنے والے اور ان دونوں میں نیکوتر اور احسن کے لئے اور ایک اس کے بھائی کے واسطے۔ رواہ الطبرانی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نویں حدیث میں ہے:'' اذا التقیٰ الرجلان المسلمان فسلم احدھما علیٰ صاحبہ فان احبھما الی اللہ احسنھما بشرا فاذا تصافحا نزلت علیہ مأۃ رحمۃ للبادی منھا تسعون وللمصافح عشرۃ''۔ ''جب دو مرد مسلمان ملیں اور ایک دوسرے پر سلام کریں پھر جب مصافحہ کرتے ہیں، ان پر سو رحمتیں اترتی ہیں۔نوے ابتدا کرنے والے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لئے۔رواہ البزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دسویں حدیث میں ہے:'' المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینھما ذنب الا سقطہ''۔ '' جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، سب جھڑ جاتا ہے۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی روایۃ لو کانت ذنوبھما مثل زبد البحر۔ '' اگر چہ ان دونوں کے گناہ سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔

ان تمام احادیث میں کہ فضائل مصافحہ ارشاد ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے عام و مطلق ارشاد فرمایا تو بحکم عموم واطلاق اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا۔حکم عام جمہور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے سب افراد کو شامل ہو۔

اور تلویح حاشیہ توضیح میں ہے:'' وعند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع مایتناولہ من الافراد قطعا ویقینا عند مشائخ القرآن وعامۃ المتأخرین وظنا عند الجمھور الفقھاء او المتکلمین وھو مذھب الشافعی والمختار عند مشائخ سمر قند۔''

پھر ایک فرد کے ساتھ جواز، دوسرے پر کراہیۃ کا حکم، حسب تصریح مجدد ملت وہابیہ بے فائدہ وبدعت ہے۔محرر مذہب رشیدی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی براہین قاطعہ طبع دوم ص ۳۷ میں ہے ''لفظ عام کے معنی میں معنی خاص لینے کا کوئی فائدہ نہیں'' اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ ''مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے'' اور جب مطلق مصافحہ کی اجازت دی بلکہ مسنون بتایا اور اس سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہ فرمایا تو بحکم قاعدہ لم یستثن داخلا مصافحہ بعد نماز فجر وعصر ونماز عید وختم وعظ وغیرہ سب مجاز و ماذون و مستحب و مسنون رہا۔اگر یہ شبہ ہو کہ جب احادیث میں مطلق مصافحہ آیا تھا تو پھر بعد نماز فجر یا عصر اور عید و وعظ کی کیا خصوصیت؟ ہر وقت کیا کرو اور جب نہیں کرتے بلکہ انہیں خاص وقتوں میں، تو معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے عام کو خاص اور

Marfat.com

خاص کومقید کردیا، نہ مانعین نے۔تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ ان اوقات کے سوا اور کسی وقت مصافحہ کرنا جائز نہیں۔بخلاف وہابیہ کے کہ وہ ان وقتوں میں ناجائز بتاتے ہیں۔تو عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرنے والے وہ ہوئے، نہ ہم۔ رہا خاص کسی وقت کی عادت کرلینا، یہ اس کو اس مصافحہ مسنونہ سے نہیں نکالتا۔ کما صرح به الشاه ولی الله الدهلوی فی المسوی شرح المؤطا عن النووی حیث قال: "قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء واماما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علیٰ هذا الوجه لكن لاباس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها فی بعض الاحوال وفرطوا فيها فی كثير من الاحوال لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التی ورد الشرع با صلها اقول هكذا ينبغی ان يقال فی المصافحة يوم العيداه" قلت فعلیٰ هذاالمصا فحة بعد الوعظ۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۴) طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''الفار من الطاعون كالفار من الزحف"۔ ''طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔''

اور اللہ عزوجل کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے: ''فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"۔ ''وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔''

اور اسی طرح جہاں طاعون ہو، وہاں سے جانا بھی نہ چاہئے کہ فرمایا حضور علیہ السلام نے: ''اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تد تدخلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها"۔ ''جب سنو تم کسی جگہ طاعون ہونا، تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، اگر وہاں ہو تو بھاگو نہیں۔''

ہاں اگر کوئی شخص تقدیر پر صابر اور کامل الامان ہو اور "لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" (التوبة: ۵۱)'' ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا''۔ (کنزالایمان) کی بشاشت اس کے دل میں ساری ہو کہ اگر طاعون شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہو جائے، تو پشیمانی نہ ہو کہ ناحق آیا، بلانے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ ہو، تو خوب ہوا کہ اس بلا سے نکل آیا، تو اسے اجازت ہے۔وہاں سے آنے اور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ والتفصيل التام لهذه المسئلةفی فتاویٰ سيدنا وشيخنا المسماة بالعطايا النبوية فی الفتاوی الرضويه المحلد الرابع من كتاب الحظر والاباحة ۔والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ اعلیٰ حضرت، تاج العارفین، سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی یکم صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعون کی جگہ سے دوسری جگہ یا دوسرے محلہ میں آنا اور دوسری جگہ سے طاعون زدہ مقامات میں آنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

Marfat.com

الجواب

طاعون زدہ مقامات سے بھاگنا سخت گناہ واشد کبیرہ ہے۔اوراس میں کوئی خصوصیت شہر ومحلہ کی نہیں، بھاگنے کی نیت سے ایک قدم بھی چلنا حرام ہے۔

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیه واذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا عنه ـ"

"جب تم کسی زمین میں طاعون ہوتا سنوتو اس پر داخل نہ ہو۔اور جب وہاں طاعون آئے، جہاں تم ہوتو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو"۔ رواه الشیخان وابو داؤد والنسائی ومالك واحمد عن عبد الرحمٰن بن عوف والبخاری ومسلم عن اسامة بن زید رضی الله تعالیٰ عنهم۔

امام اجل احمد بن حنبل اپنے مسند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف ومن صبر فیه کان له اجر شهید ـ"

"طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا اور جو اس میں صبر کئے بیٹھا رہے، اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

ابن سعد نیز امام احمد، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:" الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں سے بھاگ جانا"۔

طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم فوائد ابن ابی بکر بن خلاد میں انھیں سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"الطاعون شهادة لامتی وحز اعدائکم من الجن غدة کغدة البعیر تخرج فی الاباط والمراق۔ من مات فیه، مات شهیدا ومن اقام فیه کان کالمرابط فی سبیل الله ومن فرّ منه کان کالفار من الزحف"۔

"طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونچا ہے۔اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی ہے کہ بغل اور پیٹ سے نیچے نرم جگہوں میں نکلتی ہے۔ جو اس میں مرے شہید مرے۔اور جو اس میں ٹھہرا رہے وہ راہِ خدا میں سرحد کفار پر بانتظار جہاد اقامت کرنے والے کے مانند ہو۔اور جو اس سے بھاگ جائے وہ جہاد سے بھاگ جانے والے کے مثل ہے۔"

جہاد سے بھاگنے والے کے متعلق فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ" (الانفال: ١٦) "تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی"۔ (کنز الایمان)

اللهم احفظنا والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مزارات اولیا تو مزارات عالیہ ہیں، عام مسلمانوں کی قبریں مستحق اکرام وتعظیم اور ان کی توہین شرعا سخت ممنوع

Marfat.com

وگناہ ہے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی نارواوار ایسا کرنا گناہ ہے، کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔
علامہ زاہدی قنیہ میں تصریح فرماتے ہیں:''یاثم بوطأالقبور لان سقف القبر حق المیت۔''
اور تحفۂ بدائع وغیرہ میں ہے:''ان ابا حنیفة کره وطء القبر۔''
علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں شرح درر سے ناقل:''یکره ان یوطا القبر لما روی عن ابن مسعود لان اطاء علیٰ جمرة احب الیَّ من ان اطاء علیٰ قبر مسلم۔''
اس میں محیط سے ہے: ''یکره ان یطاء بالرجل'' بلکہ پاؤں رکھنا تو درکنار قبر پر سر رکھنا ٹیک لگا کر سونا یہ سب ناجائز ہے۔
حضرت سیدنا ابوقلابہ بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''انی ذهبت من الشام الیٰ البصرة فنزلت الخندق فتوضات وصلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علیٰ قبر قمت ثم اتیت فاذا صاحب القبر یشتکی ویقول لقداذیتنی اللیلة'' رواه ابن ابی بکر بن ابی الدنیا۔
حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں:''میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے شخص! تو نے رات بھر مجھے ایذا دی۔''
امام احمد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا'' لا توذ صاحب هذا القبر''۔
اب عقل سلیم سے فیصلہ طلب ہے کہ جب شرعاً جن پر پاؤں رکھنا حرام، سر رکھنا حرام، ٹیک لگانا حرام، کہ ان سب میں میت کو ایذا پہونچتی ہے اور مسلمانوں کو جس طرح زندگی میں ایذا دینا جائز نہیں اسی طرح بعد وفات بھی ناجائز۔تو کس طرح ایک جگہ سے اکھیڑ کے دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہوگا؟ اور پھاوڑا کدال چلانا، قبر کو کھود ڈالنا، میت کو نکال کر اس کی تحقیر وتوہین کرنا، کس طرح درست ہوسکتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسائل مرسلہ شاہزادہ علی خاں از سرسپاہی ڈاکخانہ شاہی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ
(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کی زیارت پر چادر یا سجدے دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(۲) میلاد شریف پڑھنا، ذکر پیدائش سرور کائنات پر کھڑا ہونا اور تاریخ دن تقرر کرکے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(۳) سر پر سہرہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(۴) میاں شیخ سدو وغیرہ کا مرغا، بکرا پالنا اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

Marfat.com

الجواب

(۱) چادر چڑھانا، شیرینی پر فاتحہ دلانا، اپنا مطلب کہہ کران کے وسیلہ سے مانگنا، بلاشبہ درست ہے۔ سجدہ حرام ہے۔

(۲) سب کچھ درست ہے۔ والتفصیل فی الرسالۃ المبارکۃ "اذاقۃ الاثام لما نعی عمل المولد والقیام"
واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) سہرا صرف پھولوں کا ہو تو جائز ہے لعدم المانع ولان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ وہابیہ کا اس کو ناجائز ٹھہرانا، تشبہ بالکفار بتانا، محض جہالت وخیال خام ہے۔ جو امر فی نفسہ شرعاً مذموم نہ ہو اس میں بلا قصد مشابہ ہونا، منع نہیں ہے بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا اگر چہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو، جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر'' من تشبہ بقوم فھو منھم'' بھی صادق۔ ورنہ اگر مطلقاً اشتراک، موجب ممانعت ہو تو انگرکھا، کرتہ، ٹوپی پہننا وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہو جائیں کہ یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پردے کا فرق کفایت کرتا ہے، یہاں بھی شعار نہ ہونا کافی ہے۔

درمختار میں ہے:'' التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبیہ۔''
واللہ اعلم۔

(۴) اصل اس میں وقتِ ذبح خاص ذابح کی نیت وقول کا اعتبار ہے اگر چہ پہلے سے شیخ سدو میاں یا کسی کے نام سے مشہور ہو۔

ردالمحتار میں ہے:'' المدار علیٰ المقصد عند ابتداء الذبح'' اور یہی معنی آیہ شریفہ ''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' (البقرۃ:۱۷۳)''اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا''۔ (کنزالایمان) کے ہیں۔ فقط مشہور ہو جانا کسی کے نام سے موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمامی جانور حرام ہو جائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے ضرور مشہور ہوتا ہے۔ (مثلاً عمرو کی گائے، خالد کی بکری، زید کا مرغا وغیرہ وغیرہ)

جلالین میں ہے: "ای ذبح علیٰ غیر اسمہ تعالیٰ وتقدس" جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔
قال فی المدارک والبیضاوی والکبیر واللفظ للاخیر" یعنی وما ذبح علیٰ الاصنام" وما فی الجلالین اعم واشد مطابقۃ للفظ۔

ردالمحتار میں ہے: 'من ظن انہ لا یحل فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ ینحس لایذبح فیلزم ھذاا لجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب وما ذبح للولائم والاعراس"

اور جب ذبیحہ حلال ہوا تو کھانا بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔" (الانعام : ۱۱۹) تمہیں کیا ہوا کہ نہ اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ از رامپور مرسلہ علی شاہ ۲۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان شخص جو علم سے واقف ہے، بیان کرتا ہے کہ ۱۵ یا ۱۶ سال سے میرے داڑھی نکلی ہے۔ جب سے اب تک برابر داڑھی منڈواتا اور کترواتا ہوں اور ایسا کترواتا ہوں کہ جلد سے ملی رہے یعنی بالکل معلوم نہ ہو کہ داڑھی نکلی ہے۔ اور وقت مرگ تک ایسے ہی منڈواتا اور کترواتا رہوں گا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ گناہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے یا گناہگار؟ بینوا وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب

ایسا شخص سخت گناہگار، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق نار وغضب جبار ومورد لعنت پروردگار ہے۔ اور باوصف اس علم کے کہ وہ گناہ ہے، اس کا یہ اصرار واظہار کہ تادم مرگ مرتکب رہے گا اس پر اور سخت تر ہے۔ قال تعالیٰ: " وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ "۔ (البقرۃ: ۲۰۶) ''اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔'' (کنز الایمان)

فتح القدیر، بحر الرائق، درمختار، غنیۃ وغیرہا میں ہے: واللفظ للغنیۃ: " الاخذ من اللحیة وھو دون القبضة کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد واخذ کلھا فعل المجوس الاعاجم والیھود والھنود وبعض اجناس الافرنج "۔

درمختار میں ہے: " قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته والمعنی المؤثر التشبه بالرجال اھ " مختصراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: " لعن الله المتشبھین من الرجال بالنساء "۔

اس مسئلہ میں تمام تفصیل وبیان جلیل کتاب مستطاب " لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ " میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جزی اللہ المجیب ویثیب۔ یہ سوال پہلے بھی آیا۔ اُس عبارت میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ کلام زید میں اس فعل کا صغیرہ ہونا، ارادہ مداومت تادم مرگ کی علت نہ تھا۔ بلکہ اس کا کلام ''منڈواتا رہوں گا'' تک نقل کر کے سائل نے لکھا تھا: ''یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ ہے''۔ ایسا وہ لفظ کہ ''یہ بھی کہتا ہے'' قلم سے متروک ہوا، جس نے اس جملہ کو اس ارادہ کی تعلیل کر دیا اور کلام زید کے معنی یہ ہو گئے کہ تادم مرگ ایسا ہی کرے گا، اس لئے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، صرف صغیرہ گناہ ہے۔ اس کی مداومت چنداں محذور نہیں۔ اگر واقعی کلام زید اس طرح ہے تو اس کا حکم اور سخت تر گناہ ہوگا کہ یہ کلام صاف جانب استخفاف جا رہا ہے اور گناہ کو ہلکا سمجھنا، نہایت شدید واشد ہے کہ حد کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسئلہ مرسلہ مولوی محمد قاسم علی کلیمی دہلوی از میران پور کٹرہ، شاہجہاں پور ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں کہ کوئی شخص حنفی المذہب اپنا مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جائے یا اور کوئی مذاہب اربعہ سے اختیار کرلیوے تو یہ بدلنا مذہب کا کیا حکم رکھتا ہے؟ فقہائے حنفیہ کے نزدیک تبدیلِ مذہب کرنے والے پرتعزیر ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر بحوالہ کتب فقہیہ جواب تحریر فرما کر اپنی مہر سے مزین فرما کر روانہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہاں ایسا شخص قابل تعزیر ہے: ''فی الدر عن السراجیة قبیل السرقة: "ارتحل الیٰ مذهب الشافعی رحمه الله تعالیٰ یعزر"۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

الجواب صحیح: ہاں بلاضرورت شرعیہ ایسے تبدیل مذہب کرنے والا ضرور مستحق تعزیر ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ اگر چہ مذہب چاروں حق ہے۔ مگر یہاں حنفیت چھوڑ کر باقی تین مذہب سے کوئی مذہب اختیار کرنا، جس کے نہ یہاں علماء ہیں، نہ کتابیں، علم چھوڑ کر جہل اختیار کرنا ہے۔ یہ سب اس حالت میں ہے کہ واقعی شافعی ہوا ہو اور اگر غیر مقلد ہوا اور حیلہ کے لئے شافعیت کا نام لیتا ہے تو کھلا گمراہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبه عبده احمد رضا غفر له بمحمد المصطفی صلی الله علیه وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ غلام ربانی از پیلی بھیت محلہ غفار خاں ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلام جو باہم مسلمانوں میں کرنا چاہئے، شرعاً مسلمانوں کو ہنود سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام کو اہل ہنود کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہنود کو بے ضرورت ابتدا بالسلام حرام ہے۔ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فسلم علی المسلم ...... بالمعروف یسلم علیه اذا لقیه ویجبه اذا دعاه الحدیث یہود ونصاریٰ کہ شریعت مطہرہ نے ان کو مشرک سے نہیں گنا ہے، ان پر بھی ابتدا بالسلام کی ممانعت فرمائی۔ حدیث میں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: '' لاتبدو الیهود ولا النصاری بالسلام'' مگر جب وہ ابتداء بالسلام کریں تو جواب سلام میں حرج نہیں۔

بزازیہ میں ہے:'' فی السیر لاباس برد السلام اهل الذمة والنهی عن البداءة الا اذا کان محتاجا فلا باس بها ایضا۔''

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:'' انما یکره ان یبتدئهم بالسلام واما اذا ابتدء الکافر فلا باس بان یرد علیه لکن لا یزید علیٰ قوله وعلیك هکذا فی الخلاصة والعلمگیریه۔''

Marfat.com

ہاں اگر کسی ضرورت سے کریں تو مضائقہ نہیں۔اور یہی قول علقمہ اورنخعی کا ہے۔

خزانہ میں ہے:'' وان کان للمسلم الیه حاجة لا باس بالسلام علیه لان فیه لیس توقیر۔''

مگر اس کا ہندوستان کے رواج کے موافق تو بضرورت بھی انہیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں ،کافی ہے لالہ صاحب ، بابو صاحب ، منشی صاحب ، وغیر ذلک۔ رہا ہنود کے یہاں کھانا، اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ان کے یہاں کھانے سے عام مسلمانوں کو نفرت یا سبب بدنامی یا انگشت نمائی ہو تو شرعاً ناجائز ہے جیسے بھنگی کے یہاں کھانا۔اور اگر یہ بات نہیں، تب بھی شک نہیں کہ عام ہنود سخت ناپاکیوں میں آلودہ اور متلوث ہیں مگر شریعت آسان ہے۔جب تک کسی شئ میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو، ہمارے لئے بحکم قاعدہ کلیہ'' الاصل الطهارة'' پاکی وحلال ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:'' قال محمد وبه ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفة واصحابه کذا فی الظهیریة۔'' مگر گوشت کہ وہ مطلقاً حرام ہے۔ہاں اگر حلال گوشت مسلمان کے سامنے پکا ہو کہ ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہیں ہوا ہو تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

روافض کے گھر کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، کس واسطے کہ یہ لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں، اہل سنت و جماعت کو کھانے میں ناجائز کھلاتے ہیں؟

الجواب

اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شے ملادی ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی۔

قال الله عزوجل: '' وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف : ۱۵۷) ''اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا'' (کنزالایمان) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو، تب بھی روافض و دیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "لا تجالسوهم ولا تواکلوهم ولا تشاربوهم ولا تناکحوهم" ان کے پاس نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ نہ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا۔ رواہ العقیلی والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جواہر پور تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ الحمد شریف کے اندر بے قاعدہ پڑھنے کی وجہ یعنی ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے حرف کے لفظوں سے ملا کر پڑھنے کی وجہ اور یا کسی بے قاعدگی سے شیطان کا نام آجاتا ہے یا ہو جاتا ہے یا نہیں اور کن مواضع میں؟ بینوا توجروا

Marfat.com

الـــجـــواب

یہ جوعوام میں رائج ہے کہ ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے لفظ کے حرفوں میں ملا کر پڑھنے سے مثلاً دُلِــلُ هِــرَبُ کَیوُ کَنعُ کَنَسُ تَعَلَی بِعَلَی کَیُ شیطان کا نام آجاتا ہے، محض غلط اور اختراعات باطلہ سے ہے۔ علما نے ان سکنات کو برا جانا، اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں غنیۃ سے ہے: ''قال فی فتاوی الحجۃ'' اذا بلغ فی الفاتحۃ ''ایاك نعبد و ایاك نستعین'' لا ینبغی ان یقف علیٰ قوله ایاك ثم یقول نعبد و انما الاولیٰ و الاصح ان یصل ایاك نعبد و ایاك نستعین اه'' فلا اعتبار بمن یفعل ذلك السکت من الجهال المتفقهین بغیر علم اه''۔

اس میں علامہ علی قاری کی منح الفکر یہ سے ہے: ''اقول ما اشتهر علیٰ لسان الجهلاء من القراء ان فی سورۃ الفاتحۃ للشیطان کذا من الاسماء فی مثل هذه التراکیب من البناء فخطاء فاحش و اطلاق قبیح ثم سکتهم عن نحو دال الحمد و کاف ایاك و امثالها غلط صریح۔'' و اللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سلیمان محلہ مہولی، باسدیو پور ضلع مونگیر ۱۶ ربیع الاخر ۱۳۴۶ھ

جناب مولانا دام مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری گذارش یہ ہے کہ (۱) اہل صرف کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رسالہ ص ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''ثلاثی مزید مطلق بے ہمزہ وصل کے پانچ باب ہیں اور اس کے باب اول کا ہمزہ قطعی ہے، وصلی نہیں۔ اس لئے حالت وصل میں نہیں گرتا۔ باب اول افعال۔ پھر لکھتے ہیں ''علامت اس کی فاکلمہ کے قبل ہمزۂ قطعی ہونا ہے۔'' قطعیت ہمزہ کا مطلب تو یہی ہے کہ حالت وصل میں اس کا قائم رہنا واجب اور ضروری ہے۔ پھر ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قاعدہ ہمزہ منفردہ متحرک ماقبل صحیح ساکن غیر نون انفعال و یائے تصغیر ہو تو حرکت اس کی نقل کر کے ماقبل کو دے کر اس کو گرا دینا جائز ہے۔ ایک کلمہ میں ہو تو جیسے لیسَئل یا دو کلمہ میں جیسے قدَ فلح کہ اصل میں قد افلح تھا اور یسأل تھا'' انتخاب ملخصا۔ افلح باب افعال کا ماضی ہے مگر اس قاعدے کی رو سے قد کے لانے کے بعد اس کے ہمزہ کا گرا دینا جائز ہے تو پھر قطعیت ہمزہ کا کیا مطلب ہے؟ اور قدَ فلح قد افلح میں کیا فرق رہا؟ اس صورت میں ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو و بیکار ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہوں میں آیا ہے۔ ہر جگہ باثبات ہمزہ ہے، باسقاط ہمزہ کہیں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی پیش کردہ مثال کی رو سے قرآن شریف میں قد افلح کی جگہ قدَ فلح پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی قراءت قراء سبعہ میں سے کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ اگر قدَ فلح پڑھنا جائز ہے تو پھر اس قاعدے کی رو سے قرآن مجید میں جس جگہ اثبات ہمزہ ہے وہاں اسقاط ہمزہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سل بنی اسرائیل کی جگہ اسئل بنی اسرائیل، فاسئلوا اهل الذکر فسلوا اهل الذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کیوں؟ مہربانی فرما کر جواب مع دلائل تحریر کر کے ذیل

Marfat.com

کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجتا ہوں۔ والسلام
مکرر گذارش ہے کہ جواب پرنسپل صاحب ودیگر مدرسین صاحبان سے دستخط کرالیں تو بہتر ہے۔

الـــــــجـــــــواب

(۱) ہمزہ وصل وہ ہے کہ وجہ کلام میں اس کا گرانا ضروری ہو، باقی رکھنا خطا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں مطلقاً ہر جگہ باتفاق جمیع قراء تمامی ہمزۂ وصل گرا دیئے جاتے ہیں۔ بخلاف ہمزۂ قطعی کے کہ وہ درجہ کی وجہ سے کلام سے نہ گرے گا بلکہ باقی رکھا جائے گا۔ رہا بقاعدۂ تخفیف ہمزہ کا گرنا تو وہ کچھ اس قسم کے ہمزہ پر موقوف نہیں بلکہ اصلی ہمزہ بھی اس قاعدے سے گر جائے گا۔ جیسے یسأل کہ ہمزہ عین کلمہ ہے اور یقرء کے آخر کا ہمزہ زائد نہیں۔ پس اسی قاعدہ سے یقر ہو گا لم ار کہ اصل اس قاعدے سے لـــم ـــر ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ علامات مضارع ہے غرض اس قاعدہ کی رو سے ہر طرح کا ہمزہ اصلی زائد، قطعی زائد سب گر جائے گا اور وجہ کلام میں ہمزہ وصلی گر جائے گا، ہمزہ قطعی نہ گرے گا کہ ہمزہ وصلی زائد محقق ہے۔ صرف بقدر ابتداء سکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے تو جب کوئی کلمۂ اولیٰ میں آئے گا، یہ ہمزہ گر جائے گا۔ قد فلح اور قد جتنب میں فرق ظاہر ہے۔ اول یہ کہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور قد جتنب پڑھنا واجب ہے۔ قد افلح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں ہماری قراءت میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے قد افلح ہی پڑھنا اولیٰ ہے اور قد اجتنب پڑھنا غلط ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قد فلح کا ہمزہ اس قاعدے سے گرا ہے، نہ فقط اول میں لفظ کے آنے سے۔ بخلاف قد جتنب کے کہ اگر یہ قاعدہ سرے سے نہ ہوتا جب بھی فقط درج کلام اور اول اس کے کسی لفظ کا آجانا ہی اس کے گرا دینے کو کافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو اور بیکار نہیں ہے۔

(۲) بے شبہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح کی قراءت قراء کی مروی اور منقول ہے۔
تیسیر علامہ ابو عمرو عثمان حرانی متوفی ۴۴۴ھ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰ میں فرماتے ہیں:

"اعلم ان كان يلقى حركته المهمزة على الساكن يتحرك بحركتها و تسقط من اللفظ الخ" پھر اس کی تین قسم کر کے اول ودوم کے بعد تیسری قسم کو بیان کرتے ہیں۔ "والثالث ان يكون سائر حروف المعجم نحو قوله تعالىٰ من امن الخ۔"

امام شاطبی شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

وحرك لورش كل ساكن اخر صحيح بشكل الهمز واحذفه مسهلا

نیز اسی مجموعہ قراءت میں رسالہ طیبہ حافظ محمد ابی جزری ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں:

وانقل الى الآخر غير حرف مد لورش الا كتابيه اسد

Marfat.com

اس قاعدہ عامہ سے استدلال اگر چہ اثبات مدعیٰ میں تام ہے مگر خاص اسی قد فلح کی تصریح بھی مفسرین نے فرمادی۔

تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی جلد۵ص ۴۸۰ سورہ مومنون میں ہے: ''وقرء ورش عن نافع قد فلح باستبقاء حركة الهمزة على الدال وحذف فيها لفظا لالتقاء الساكنين كما قال ابو البقاء وهى الهمزة الثالثة بعد نقل حركتهما والدال الساكنة بحذف الاصل لانه لا يعتد بحركتها العارضة۔''

اور بلاشبہ اسی قاعدہ کی رو سے، جس جگہ یہ قاعدہ پایا جاتا ہو اس جگہ ہمزہ کو گرا دینا جائز ہے اگر چہ مروی اثبات ہو۔

تیسیر ص۲۷ میں ہے: ''ابن كثير والكسائى وسلوا الله من فضله وسل الذين اذا كان امرا مواجها وكان السين والواو والفاء بغير همزة حيث وقع الوجوه فى أتمام القرأت العشرة۔''

حافظ شیخ محمد ص ۱۶۷ میں ہے: ''ونقل خلف واسال وفاسئل وسلوا وفاسئلوا كالكسائى۔''

معلوم ہوا کہ واسئلوا کو وسئلوا اور فاسئلوا کو فسلو پڑھنا صرف قاعدے کی رو سے جائز ہی نہیں ہے بلکہ عبد اللہ ابن کثیر دارمی مکی اور علی بن ہمزہ نحوی کسائی کوفی اور خلف ابن ہشام بزاز سے مروی ومنقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتاب الفرائض ۱۲

مسئلہ از شہر مرسلہ بعض اصحاب اہلسنت بواسطہ مولانا حسن رضا خاں ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اس کے ایک وارث نے اس کی تجہیز وتکفین وفاتحہ سوم وچہلم کے مصارف اپنے مال سے کئے۔ متروکہ ہندہ سے یہ کل مصارف مجرا دیئے جائیں گے یا نہیں یا بعض؟ اور بعض کون کون سے؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

صرف مصارف تجہیز وتکفین اگر مطابق سنت کے ادا کیا ہو یعنی جس قدر صرف کفن دفن میں ہوا، بشرطیکہ اس میں قدر سنت پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو، اور اگر پانچ کپڑوں یا کفن مثل سے زیادتی کی تو یہ بھی مجرا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا، جو اس نے بطور خود کیا۔

عقود الدریۃ میں ہے: خانیہ اور اس میں عیون سے ہے:'' اذا کفن الوارث المیت من مال نفسہ والاجنبی لا''۔

وراس میں فتاویٰ القرویہ اور اس میں جمع الفتاوی سے ہے:'' ان کفنہ باکثر من کفن المثل لا یرجع لان احد الورثۃ لا یملکہ وھل لہ ان یرجع فی الترکۃ بقدر کفن المثل قالوا لا یرجع لان اختیارہ ذلک دلیل التبرع اہ''۔

اور کفن ودفن کے علاوہ فاتحہ سوم وچہلم وغیرہا کے مصارف مجرا نہ ہوں گے۔

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے:'' التجھیز لا یدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذلک لیس من الامر اللازمۃ فالفاعل لذلک ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا لو کان اجنبیا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ......۲۶ رجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ میں کہ یہ جواب اور تصحیح صحیح ہیں یا غلط؟ بر تقدیر ثانی صحیح جواب کیا ہے؟ (نقل سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی بیماری کی حالت میں ڈھائی مہینہ پیشتر مرنے سے کہا کہ مکان میں نے اپنے پسر زید کو دیا، چاہے مجھ سے لکھوالو۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا درمیان ایک لڑکی زینب اور پسر زید کے کتنے سہام پر منقسم ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: اس صورت میں گو ہندہ نے کل مکان پسر کو ہبہ کر دیا مگر مرض کی وجہ سے ہبہ فی الثلث ہوگا اور دو ثلث درمیان

Marfat.com

بیٹا بیٹی کے حسب قاعدہ فرائض تقسیم ہوگا هکذا یعلم من الفقه و الله تعالیٰ اعلم۔ عبدالوہاب البھاری عفا اللہ عنہ الباری

الجواب صحیح بشرطیکہ قبضہ موہوب لہ کا یا اس کے متولی کا حالت حیات ہندہ پایا گیا ہو۔

محمد یٰسین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سرائے خادم بریلی۔

الجواب

جواب اور تصحیح دونوں غلط ہیں۔ اولاً صورت مسئولہ میں (کہ اپنے وارث کو ہبہ کیا۔) بوجہ مرض ہبہ فی الثلث نافذ ماننا، تمامی نصوص شرعیہ فقہیہ کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کی ٹھاننا ہے۔ دعویٰ حنفیت اور نہ صرف حنفیت بلکہ سرگروہ احناف کرام بن کر اس طرح تصریحات علماء احناف کرام سے ڈیڑھ اینٹ کی چننا، فاضل بہاری سے سخت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے۔ عبارات کتب تو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ہبہ بے اجازت مغیرہ دیگر ورثہ محض باطل و بے اثر ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں ہبہ، حکم وصیت میں ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۴۳۷ میں فرماتے ہیں: "تحریره في مرض موته وقوله بانه وهبته وصية۔" اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، لغو ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصہ میں اصلا نافذ نہیں ہوسکتی۔

علامہ سراج الدین اوشی فتاویٰ سراجیہ مطبوعہ مصطفائی کانپور ص ۴۴ میں فرماتے ہیں: "الوصية للوارث تنفذ باجارة الورثة بعد الموت۔"

اگر فتاویٰ و مطولات پر نظر نہ تھی تو وقت افتاء حواشی درسیات ہی ملاحظہ فرمائے ہوتے کہ اس میں صاف تصریح فرماتے ہیں: "الوصية للاجانب بالزائد على الثلث وللاقارب مطلقا بدون الاجازة اه بقدر الحاجة" (السراجی مطبع النظامی ص ۳ هکذا فی حاشیۃ الشریفی المطبوع فی شوکۃ الاسلام لکھنؤ ص ۹)۔

ثانیاً آپ کا دو ثلث درمیان بیٹا بیٹی کے تقسیم کرانا، بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ بلکہ بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و وارث اخر و تقدیم مقدم کل مکان ہندہ کا بموجب "للذكر مثل حظ الانثيين" تین سہام پر منقسم ہوکر، دو سہم پسر اور ایک دختر کو ملے گا۔

ثالثاً مجیب صاحب کا "هكذا يعلم من الفقه" تحریر فرمادینا، عجب دلاوری و بکف چراغے، ہے۔ اجتہاد بے بنیاد اور فقہ کی طرف اسناد؟ حضرت مجیب صاحب! یہ بیتھو شریف نہیں کہ چونے پر عدم جواز تیمم کا فتویٰ دے کر ساختہ حدیث کے دامن میں چھپ بیٹھے۔ جب کسی نے لقمہ دیا تو فوراً فرمایا! ہاں: وہ حکم فقہ کا ہے اور میں نے حدیث کی رو سے کہا ہے اور پھر حنفی کے حنفی بلکہ سرگروہ احناف کرام۔

رابعاً مصحح صاحب نے اگرچہ حکم شرعی یاد فرما کر بشرطیکہ الخ بڑھا کر مجیب صاحب کی اصلاح چاہی ولکن صدق القائل ع لن يصلح العطار ما افسده الدهر

Marfat.com

خامساً قبضۂ متولی کی بھی ایک ہی کہی۔ مولانا! نابالغ کے لئے ولی ہوتا ہے اور متولی وقف پر۔ اللھم احفظنا من الغباوۃ و الغوایۃ۔

بالجملۃ کل ترکہ ہندہ تین حصہ ہو کر ایک زینب اور دو حصے زید کو ملیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱- زید نے انتقال کیا۔ دو لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی وارث چھوڑا۔ ہر ایک وارث کو شرعاً کتنا کتنا حصہ متروکہ چیزوں میں ملے گا؟

۲- زید کی متروکہ اشیاء میں مکان بھی ہے تو کیا مع اس کی زمین کے اس مکان میں لڑکی کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور بصورت شق اول کیوں؟

۳- زید کے وارثوں میں جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی ہے۔ تو کیا اس حاصل کردہ زمین میں لڑکی اور بیوی کو بھی حصہ ملے گا یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۴- زید کے انتقال کے بعد وارثوں نے مکان بنایا۔ اس میں کچھ اسباب مثلاً دھرن، کڑی وغیرہ زید کے بڑے لڑکے کے سسرال کی ہے۔ تو کیا ان اسبابوں میں اور وارثوں کا بھی حصہ ہوگا؟

۵- نمبر ا میں جو ورثاء مذکور ہیں۔ قبل اس کے کہ جائداد متروکہ زید آپس میں تقسیم کی جائے، زید کا بڑا لڑکا نوکری کرتا ہے اور چھوٹا کاشتکاری، بڑے لڑکے نے اپنی نوکری کے ذریعہ سے کچھ زمین حاصل کی تو کیا اس زمین میں کل وارثوں کو حصہ ملے گا یا کسی کو نہیں یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۶- اہلیہ زید نے قبل تقسیم جائداد، اپنی لڑکی سے کچھ روپیہ قرض لے کر شرکت میں خرچ کیا۔ تقسیم جائداد کے وقت زید کے چھوٹے لڑکے نے اپنی والدہ کے کہنے سے اپنے حصہ رسدی قرض کا دو آدمی کے مقابل میں اقرار کر کے اس دین کے بدلے میں اپنی ہمشیرہ کو کچھ زمین ہی زبانی بلا دستاویز دے دیا تھا۔ اب کچھ روز کے بعد زید کا چھوٹا لڑکا اس دین سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مصلحتاً دین کو لازم کر لیا تھا۔ کیا شرعاً وہ لازم کردہ دین چھوٹے لڑکے پر واجب الادا ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی سید ابوالقاسم در بھنگوی ۲۱ شعبان، ۲۴ ستمبر ۱۹۴۰ء

الجواب

۱- کل ترکہ زید کا چالیس حصہ ہو کر ثمن یعنی پانچ حصے بیوی اور سات حصے بیٹی اور چودہ چودہ حصے دونوں بیٹے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- زید کے ترکہ میں جو کچھ رائی رتی ہوگا، مکان، دوکان، اثاث البیت وغیرہ سب کا سب، ورثاء کو بحصہ رسدی ملے

Marfat.com

گا۔لڑکی کا حصہ بھی واجب ہے۔قال تعالی:" لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ "(النساء : ۱۱) "بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔(کنزالایمان) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳- جواب مطابق نمبر۲ ہے۔جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی اور زید کی ملک ہے۔وہ اس کے مرنے کے بعد تمام ورثاء وحصہ مقررہ کے مطابق ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

۴- زید کے انتقال کے بعد جس وارث کو جو چیز بذریعہ خریداری یا ہبہ،سسرال سے یا کسی جگہ سے حاصل ہو،وہ خاص اس کی ملک ہوگی۔وہ زید کے ترکہ میں دیگر ورثاء کو نہ ملے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

۵- بڑے لڑکے نے نوکری کے ذریعہ سے جو زمین حاصل کی اور وہ اس کے نام سے ہے،وہ اس کی ملک ہے۔اس میں کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔اس لئے کہ ترکہ زید کی ملک میں تقسیم ہوگا،نہ اس کے بیٹے کی کمائی اور اس کی حاصل کردہ شئے میں۔واللہ تعالیٰ اعلم

۶- جو روپیہ اہلیہ زید نے اپنی لڑکی سے قرض لیا اور جس کے حصے رسدی کا زید کے چھوٹے لڑکے نے اقرار کیا تو بموجب قائدہ مقررہ "المرء یوخذ باقرارہ" وہ دَین اس کے ذمہ واجب ہے۔اس کی ادائگی اس کے ذمہ لازم ہے،انکار بے سود ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین از روئے شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکیم نظام الدین صاحب نے،جس کو عرصہ بارہ سال ہوا انتقال کیا اور چھوڑا چار لڑکے ایک لڑکی،ایک بیوی کو۔

۲- حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے حین حیات میں متعدد شادیاں کیں۔ایک بیوی سے ایک لڑکی صدیقہ،ایک بیوی سے ایک لڑکا نصیر الدین،ایک بیوی سے دو لڑکے معین الدین ونعیم الدین اور ایک بیوی سے ایک لڑکا محمد اسحاق اور ایک بیوی مسماۃ منیرن۔حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے وقت بڑے لڑکے نصیر الدین کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی اور شادی باپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔باپ کی جگہ پر پیشہ طبابت کرنے لگے۔معین الدین کی عمر بیس سال تھی اور شادی ہو چکی تھی۔اور دو لڑکے نابالغ تھے۔نعیم الدین جس کی عمر بارہ سال تھی اور محمد اسحاق جس کی عمر چھ سال تھی۔صدیقہ کی عمر تیس سال،شادی شدہ تھی۔

۳- از روئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔بحساب انگریزی آنہ پائی کے لکھا جائے تاکہ تقسیم میں آسانی ہو۔

۴- حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تمام جائداد بڑے لڑکے حکیم نصیر الدین کے حصے میں آئی۔اور برابر مطب کی آمدنی سے جو باپ کی راج گدی تھی،فائدہ اٹھا رہے ہیں۔دریافت طلب یہ بات ہے کہ باپ کی گدی اجمال میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ فائدہ اور نقصان اسی گدی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔یعنی گدی سے جواب تک فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ رقم بھی اجمال میں شامل کر دی جائے گی یا نہیں؟

Marfat.com

۵- اگر چند شخص مل کر اپنی رائے اور تخمینہ سے بغیر لحاظ شریعت، متوفی کا متروکہ، تقسیم کر دیں تو ایسے اشخاص عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی تقسیم کو ماننا چاہئے کہ نہیں؟ فقط بینوا بالکتاب و توجروا بیوم الحساب

الجواب

حسب ضابطہ فرائض بعد تقدیم ما یقدم ہ کل ترکہ حکیم نظام الدین کا ۷۲ حصے ہو کر ۹ حصے مسماۃ بی بی منیرن زوجہ متوفی اور ۱۴-۱۴- چاروں لڑکے نصیر الدین، معین الدین، نعیم الدین، محمد اسحاق اور ۷ر حصے دختر مسماۃ صدیقہ کو ملیں گے۔ ترکہ میں بڑے چھوٹے، شادی شدہ، کنوارے کی کوئی تفریق نہیں، نہ اولاد میں ایک بیوی یا چند بیویوں سے ہونے میں کچھ فرق ہے۔ سب اولاد ہونے میں برابر ہیں، ترکہ میں بھی برابر ہوں گے۔ جو جائداد یا اشیاء ملک حکیم نظام الدین کی ہے، سب ترکہ میں تقسیم ہوں گے، چاہے کسی کے قبضہ میں ہو۔ اگر کوئی شخص خلاف شریعت متوفی کا ترکہ تقسیم کرے گا، وہ باطل و بے اثر ہوگا۔ "اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ"(الانعام: ۵۷/ یوسف: ۴۰/ یوسف: ۶۷) ''حکم نہیں مگر اللہ کا''۔ (کنز الایمان) ایسے لوگ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ ایسی تقسیم کو ماننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سب ورثہ بخود مصالحت کرلیں اور کوئی شخص کم یا زیادہ لینے پر آپس میں بلا دباؤ و اکراہ کے راضی ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ لیکن خلاف شرع کسی کا حصہ کم دینا یا متروکہ مورث میں سے کسی چیز کا، کسی وارث کا دبا لینا اور قبضہ ناجائز کر لینا، صحیح نہیں۔ تخریج مسئلہ کی حسب قاعدہ فرائض اس طرح ہوگی۔ رہا آنہ پائی کے حساب سے مسائل کا مطالبہ کرنا، یہ بے سود اور بے نتیجہ محض ہے۔ اگر ترکہ صرف ایک روپیہ ہوتا تو ایک بات تھی ورنہ پھر پائیوں کی کسرات کو پائی بنانا اور پائیوں سے آنہ کرنا اور ان آنوں کو روپیہ کر کے تقسیم کرنا یہ خود ایک مشکل کام ہوگا۔ لیکن حسب خواہش سائل آنہ پائی بنا کر بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

مسئلہ، ت ۷۲　　حکیم نظام الدین

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مسماۃ بی بی منیرن	نصیر الدین	معین الدین	نعیم الدین	محمد اسحٰق	مسماۃ بی بی صدیقہ
۹/۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۲ر	۳/۱ر۳	۳/۱،۱ر۳	۳/۱،۱ر۳	۳/۱،۱ر۳	۳/۲،۶ر۱

یعنی روپیہ میں سے ۲ر حق زوجہ مسماۃ بی بی منیرن کا ہوا اور چاروں لڑکے میں ہر ایک ۳ر ۱ پائی ۳/۱ یعنی انگریزی پائی کی تہائی اور مسماۃ بی بی صدیقہ دختر کا اس کا نصف ۶ر۱ پائی اور انگریزی پائی کا دو تہائی۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ابوسعید پور، مجید پور، اعظم گڑھ مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں حنفی ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب حنفی نے انتقال کیا اور ان کے

Marfat.com

ورثاء شیعہ مذہب ہیں اور بعض اہلسنت و جماعت ۔ پس متروکہ متوفیٰ موصوف الذکر سے شریعت اہلسنت و جماعت کو ہی دی جائے یا غیر ملت کو بھی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کے ورثاء شیعی المذہب اگر حضرات شیخین خواہ ان میں سے ایک کی بھی شان میں گستاخی کرتے ہوں، اگر چہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفہ برحق نہ جانتے ہوں یا قرآن شریف میں تحریف وتبدیل کے قائل ہوں یا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم آناء اللیل وآناء النہار کو حضرات انبیاء کرام سابقین علیہم الصلوٰۃ من رب العالمین سے افضل بتاتے ہوں یا روافض کے مجتہدان حال (جنہوں نے اپنے فتووں میں ان کفریات کا اقرار کرلیا ہے) کے پیرو ہوں یا لااقل انہیں دینی عالم وپیشوا جانتے ہوں تو وہ کتب معتمدہ فقہیہ کی تصریحات اور عامہ اہل ترجیح وفتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہیں۔

درمختار، طحطاوی، خلاصہ، خزانۃ المفتیین، فتح القدیر، وجیز امام کردری، جوہرہ نیرہ، تبیین، بدائع، اتحاف الابصار والبصائر، فتاویٰ القرویۃ، واقعات المفتیین، برجندی، فتاویٰ ظہیریہ، مجمع الانھر، شرح کنز ملا مسکین، نظم الفرائد، تیسیر المقاصد، بحر الرائق، حاشیہ علامہ شلبی علی التبیین میں ہے:" فی الروافض من فضل علیا علی الثلثۃ فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فھو کافر ۔"

'' رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔''

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں بہت سی یقینی اجماعی کفریات بیان کرکے فرماتے ہیں: "وکذلک من انکر القرآن او حرفا منہ او غیّر شیئا منہ او زاد فیہ ۔"

'' یعنی اور اسی طرح وہ بھی قطعاً اجماعی کافر ہے جو قرآن شریف یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کچھ بدلے، قرآن میں اس موجود سے کچھ زیادہ بتاوے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

از دفتر بید اہل السنت والجماعت بتاریخ ۱۰ ر ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ کیم ماہ بنگلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت اہل السنت والجماعت، حنفی المشرب میں زمانہ قدیم سے فاتحہ مروجہ کا رواج چلا آرہا ہے۔ مندرجہ ذیل نمازوں کے بعد دعاؤں میں فاتحہ اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے بلند آواز میں الفاتحہ کہتا ہے اور امام کے ساتھ مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار پڑھا کرتے ہیں۔ پھر امام اور مقتدی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دعا ختم کرتے ہیں۔ جن نمازوں میں فاتحہ مروجہ پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

Marfat.com

(۱) فجر کی نماز کے بعد دعا میں (۲) نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا میں (۳) خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں (۴) نماز جنازہ کے بعد دعا میں (۵) قبرستان میں موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

تقریباً چار ماہ ہوئے، مسجد کی امامت کے لئے ایک امام صاحب کا تقرر ہوا۔ امام موصوف نے فاتحہ مروجہ کے پڑھنے سے یکسر انکار کر دیا۔ وہ نہ نماز فجر کے بعد دعا میں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، نہ بعد نماز جمعہ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دعاء ثانی میں، نہ خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں، نہ نماز جنازہ کے بعد دعا میں، نہ موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

ہم اہلسنت و جماعت، حنفی المشرب ہیں۔ اس لئے آپ سے ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ فاتحہ مروجہ کے مذکورہ بالا طریقہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں تاکہ حق وصواب ظاہر ہو جائے اور سب لوگ صحیح راہ اختیار کریں۔ بینوا وتوجروا

المستفتی غلام دستگیر خان، صدر جمعیت بید اہل السنت والجماعت جنوبی ہند

الجواب

فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس کی اصل احادیث شہیرہ کثیرہ صحیحہ سے ثابت۔ اور اس کے جواز واستحسان پر بہت سی تصریحات علماء کرام ومفسرین عظام ومحدثین فخام وصوفیائے ذوی الاحترام سے قائم ہیں۔ جس میں کلام نہ کرے گا مگر وہابی بے شعور یا منکر مغرور۔ "مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ" (النور : ۴۰) "اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں"۔ (کنز الایمان)

سورہ فاتحہ کی فضیلت، احادیث میں اس قدر وارد جن سے ادنیٰ اہل علم بھی ناواقف نہیں ہو سکتا۔ اس کو افضل القرآن فرمایا، اس کی قراءت دو ثلث قرآن کے برابر قرار دی، "لا مثل لها فی القرآن" اس کی شان میں فرمایا۔

مولانا عبد العزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں: "این سورہ را نامہا بسیار ست۔ از آنجملہ قرآن عظیم زیرا کہ ایں سورہ در جمیع سور اعظم وافضل ست در ثواب"۔

اسی میں ہے: "عبید بن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت می کند کہ فاتحۃ الکتاب برابر ثلث قرآن ست در ثواب ودر روایات بسیار کہ نزد حاکم ...... الکتاب۔ در شعب الایمان نیز آنہا را تصحیح نمودہ لفظ افضل القرآن درحق ایں سورہ وارد شدہ وابونعیم ودیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت می کند از آنچہ ہیچ چیز کفایت نمی کند واگر فاتحۃ الکتاب را در یک پلہ ترازو بنہند وتمام قرآن در پلہ دیگر۔ فاتحۃ الکتاب ہفت چند قرآن آید الخ"

اور سورۂ اخلاص کی فضیلت سے تو مسلمان کا بچہ بچہ واقف "قل هو الله احد تعدل ثلث القران" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی لئے فاتحہ مروجہ میں تین مرتبہ پڑھنا معمول کہ قرآن کا ثواب حاصل ہو۔ رواه الامام مالك والامام احمد فی مسنده والبخاری وابو داؤد والترمذی عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ورواه

Marfat.com

البخاری عن قتادہ بن النعمان ورواہ مسلم عن ابی الدرداء ورواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ورواہ النسائی عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجہ عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، عن معاذ ورواہ الامام احمد عن ام کلثوم بنت عقبۃ ورواہ البزار عن جابر ورواہ ابو عبیدۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم وفی روایۃ" من قرء قل ھو اللہ احد فکانما قرء ثلث القران"۔ رواہ الامام احمد والنسائی عن ابی اوفیٰ روایتہ "من قرء قل ھو اللہ احد ثلث مرات فکانما قرٔ القران اجمع" رواہ العقیلی عن رجاء بن حیوۃ رضی اللہ عنہما۔

اور درود شریف کی برکت کا کیا کہنا۔ اس سے محروم سوائے بدنصیب ازلی کے کون ہوگا؟ کہ وہ " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ (الاحزاب: ۵۶)　''اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔ (کنزالایمان) کی تعمیل حکم ہے۔ درود شریف کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو مجلدات ہو جائیں۔ غرض فاتحۂ مروجہ میں تین چیز پڑھی جاتی ہے۔ اور تینوں کا ثواب ابر باراں سے زیادہ وسیع اور آفتاب سے زیادہ روشن۔ رہا ان اوقات خاص میں فاتحہ وقل و درود شریف پڑھنا، یہ کوئی بات پوچھنے کی نہیں۔ اس لئے کہ جو امر شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے بلا قید زمان ومکان واشخاص وارد ہو، اس کو جو شخص جس وقت کرے گا اور جس مکان میں بجالائے گا، سب اسی امر مشروع کا ایک فرد قرار پائے گا جب تک کہ خاص اس کی ممانعت وارد نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: "اعلم ان المصافحۃ سنۃ مستحبۃ عند کل لقاء وما اعتادہ الناس بعد صلاۃ الصبح والعصر لا اصل لہ فی الشرع علیٰ ھذا الوجہ ولکن لا باس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ وکونھم محافظین علیھا فی بعض الاوقات ومفرطین علیھا فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحۃ التي ورد الشرع باصلھا۔"

اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ ''الحجۃ الفائحہ بطیب التعیین والفاتحۃ ''اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ' عمدۃ الفاتحۃ فی ادلۃ جواز العرس والفاتحۃ ''اور فقیر غفرلہ کا رسالہ'' مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس ''میں درج ہے۔ من شاء التفصیل فلیراجع الیھا واللہ اعلم ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

کتبہ الفقیر ظفر الدین القادری عفی عنہ بمحمد المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ۱۲ ربیع الثانی ۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۶۰ء

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے...... بنک گھر میں جمع تھی۔ اس نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے ایک غیر شخص کے نام ہبہ نامہ عوض حق الخدمۃ کا لکھا کر اس کے رجسٹری کرادی۔ ہنوز وہ دستاویز

Marfat.com

ہبہ نامہ اس موہوب لہ کو واپس نہیں ملی اور نہ روپیہ بنک گھر سے اس کو وصول ہوئے۔اب بعد لکھانے اور رجسٹری کرانے کے زید کو خیال آیا کہ میں نے ورثائے شرعی کو محروم کر کے ایک غیر شخص کے نام روپیہ ہبہ کر دیا۔اس واسطے اب وہ اس کو ہبہ کو ناجائز رکھتا ہے اور اس کو فسخ کر کے روپیہ خود وصول کرنا چاہتا ہے۔تو یہ فسخ ہبہ جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنے روپیہ کے واپس لینے کا مختار ہے یا نہیں؟اور زید چونکہ دو ماہ سے سخت علیل ہے۔اس وجہ سے یہ ہبہ نامہ غیر شخص کے نام لکھایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میرے مرنے کے،میرے وارث شرعی مالک ہو جائیں۔بینوا وتوجروا۔

الجواب

ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔تو اگرچہ ہبہ نامہ لکھ کر اس کی رجسٹری کرادی لیکن جب روپیہ بنک گھر سے وصول نہ ہوئے تو یہ ہبہ محض ناتمام و بے اثر رہا۔

درمختار میں ہے:''وتتم الهبة بالقبض الكامل۔''

اسے ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے۔اور اسے ایسا ہی کرنا چاہئے،کہ بلا وجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سخت شنیع ہے۔

حدیث میں ہے:"من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة۔" والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

Marfat.com

(یہ چار فتاویٰ فائنل پرنٹ نکلنے کے بعد دستیاب ہوئے۔اس لیے موضوعات کا خیال کیے بغیر انھیں ضمیمے کے طور پر شامل کرلیا گیا۔احقر اس سلسلے میں محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی زید کرمہ کا ممنون ہے۔۱۲ساحل)

مسئلہ از بہار شریف محلہ خانقاہ مسئلۂ مولوی محمد سعید ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

مشفقی مخلصی جناب مولوی ظفر الدین صاحب مدمجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد التماس خدمت ہے چند مسائل یہاں لوگوں میں درپیش ہیں۔ان کو آپ مہربانی کر کے مع سوال اس کا جواب مع عبارات کثیرہ اور حوالہ کتب کے لکھ کر اور جناب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر بہت جلد ضرور ارسال فرمائیے۔خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ (۱) فرائض خمسہ اور نماز عیدین وجمعہ ونوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دو بار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمداً یا سہواً پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور برتقدیر سہواً سجدۂ سہو لازم کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سہوں میں تکرار سورۂ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدۂ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عمداً یا سہواً پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا تکرار اور ضم سورہ کا تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مخلص الاخوان واحب الخلان مکرمی اکرمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رکے برتقدیر ثانی عمداً یا سہواً فان التکرار لا جل الحصر انما یکون عمدا تو یہ تین صورتیں ہیں۔پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر وعیدین کو مشتمل یا سنن مؤکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متناول یا نفل مطلق میں، یہ چار ہوئیں اور بلحاظ انقسام بہ منفرد وامام و لا ثالث لهما لان المقتدی لا حظ له فی القراءة وازانجا کہ جمعہ وعیدین میں انفراد نا متصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی خمسہ جمعہ عیدین وتر سنن نوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کما لا یخفی ان سب کا حکم مجمل یہ ہے کہ صور مذکورہ میں سہواً کچھ نہیں اور عمداً غیر فرائض میں منفرد کو مطلقاً جائز۔ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل کرے رہے۔فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت۔

عالمگیریہ میں فرمایا: اذا کرر آیة واحدة مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلك غیر مکروه و ان کان فی الصلاة المفروضة فهو مکروه فی حالة الاختیار واما فی حالة العذر والنسیان فلا باس به هكذا فی المحیط.

Marfat.com

باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ فرائض میں عمداً ہوا تو صرف کراہت ہے اور عمد میں سجدۂ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نماز میں قصور تھا جس کے جبر و تلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورہ میں تکرار سورہ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بہ تکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت۔ اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کر کے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورۂ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کما سیاتی تصریحه من العلامة الشامی قدس سره السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ وعیدین میں (کہ عادۃً ان کی جماعت بڑی ہوتی، مجمع عام خواص وعوام ہوتا ہے) فتنہ وتشویش بے علماں کے خیال سے بحالت سجدۂ سہو ساقط جانا۔

عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے: السهو فی الجمعة و العيدين و المكتوبة و التطوع واحد الا ان مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو فی العيدين و الجمعة لئلا يقع الناس فی فتنة.

سورۂ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل و بعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہر حال سہواً یا عمداً یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمۃ القراءۃ میں ہوگی کہ خمس غیر الفجر کی ماعدا الاولین ہے یا لازمۃ القراۃ میں کہ مذکور کے سوا جملہ رکعات فرائض وواجبات وسنن ونوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بہ منفرد وامام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر ازانجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں کما تقدم ساٹھ جملہ بہتر صور ہوں گی کما لایخفی علی متعلم ذهین فضلا عن فاضل مثلكم فطين ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدۂ سہو نہیں۔

شرح منیہ میں ہے: وقيد بالاولين لا ان الا قتصار علی مرة فی الاخريين ليس بواجب حتی لا يلزمه سجود السهو بتكرار الفاتحه فيهما سهوا.

ہاں قصداً ہو تو تکرار دو صورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کے لیے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

ردالمحتار میں ہے: ولو تعمده لا يكره مالم يؤدالی التطويل علی الجماعة او اطالة الركعة علی ماقبلها.

درمختار میں ہے: ولو تعمده لايكره مالم يؤدالی التطويل علی الجماعة او اطالة الركعة علی ماقبلها.

درمختار میں ہے: اطالة الثانية علی الاولی يكره تنزيها اجماعاً.

ردالمحتار میں ہے: فی شرح المنبة الاصح كراهة اطالة الثانية علی الاولی فی النفلايضا.

اوران ساٹھ میں اگر عمداً ہو تو مطلقاً ناجائز وگناہ مگر دو صورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں، صرف ممانعت ہے لترك واجب القراءة نماز کی حاجت نہیں لعدم ترك واجب الصلاة اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترك الواجب وهو ضم السورة اور اگر سہواً ہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کمامر اور دو صورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترك شئ من الواجبات.

Marfat.com

ذخیرہ وغیرہ میں ہے: فلو قرء ھافی رکعة من الاولیین مرتین وجب سجود السھولتاخیر الواجب وھو السورة و کذالو قراء اکثر ھاثم اعادھا کما فی الظھیریة.

عالمگیریہ میں ہے: ولو کررھا فی الاولیین یجب علیه سجود السھو بخلاف مالوا عادھا بعد السورة او کررھافی الاخریین کذا فی التبیین.

ردالمحتار میں ہے:اما لو قرء ھا قبل السورة مرة وبعد ھا مرة فلا یجب کما فی الخانیة واختاره فی المحیط والظھیریة والخلاصة وصححه الزاھدی لعدم لزوم التاخیر لان الرکوع لیس واجبا باثرالسورة فانه لوجمع بین سور بعد الفاتحة لا یجب علیه شی کذا فی الحز.

اسی میں قبیل امامت ہے: انھم نصوا ان القراء ة علی الترتیب من واجبات القراء ة فلو عکسه خارج الصلاة یکره فکیف لا یکره فی النفل.

اس کے بیان واجبات میں ہے: انھم قالوا یجب الترتیب فی سورالقران فلو قرأ ه منکوسااثم لکن لایلزمه سجودالسھولان ذلك من واجبات القرأة لامن واجبات الصلاة کما فی البحر.

یہیں سے ظاہر ہوا کہ تکرار فاتحہ وتکرار سورت کا حکم مختلف ہے وقد مضی التفصیل علیه التعویل ھذا ماعند ھذا لعبد الذلیل والعلم بالحق عند ربنا العلی الجلیل وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد وآله اجمعین بالتکریم والتجبیل۔والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ڈھاکہ مشرقی بنگال مرسلۂ مولانا حافظ حسن الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد وفات حضرت ﷺ جو شام چلے گئے تھے وہاں سے پھر واپس تشریف لائے یا نہیں اور مدینۂ منورہ میں شاہزادوں کے حکم سے اذان دی یا نہیں اور وہیں مدفون ہوئے یا نہیں اور قصیدہ حضرت بلال کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں مگر اکثر کا قول ہے کہ شام میں انتقال فرمایا اور حلب میں مدفون ہوئے۔

اصابہ میں ہے:ثم خرج بلال بعد النبی ﷺ مجاھدا الی ان مات بالشام پھر بعد وصال اقدس ﷺ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے شام گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اسی میں ہے: قال البخاری مات بالشام فی زمن عمر امام بخاری نے کہا کہ حضرت بلال نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں شام میں انتقال فرمایا۔

اسد الغابہ میں ہے:و ذھب الی الشام فسکن فیه حتی مات پھر حضرت بلال شام چلے گئے یہاں تک کہ وہیں انتقال فرمایا۔

تقریب التہذیب امام ابن حجر میں ہے:مات بالشام. شام میں انتقال فرمایا۔

Marfat.com

اصابہ میں ہے: وفی المعرفة لابن مندة انه دفن بحلب.

اسد الغابہ میں ہے: وقال علی بن عبد الرحمٰن مات بلال بحلب و دفن علی باب الاربعین علی بن عبد الرحمٰن نے کہا کہ بلال نے حلب میں انتقال فرمایا اور باب الاربعین مین مدفون ہوئے۔

اسی میں ایک قول کاتب واقدی کا نقل کیا کہ دمشق میں انتقال فرمایا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے اور ایک روایت میں ہے: بعد شام جانے کے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا اے بلال! کیا تجھے اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ہماری زیارت کرے۔ پس یہ غمگین ہوکر جاگے! اور مدینہ طیبہ کے قصد سے سوار ہوئے اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور روتے اور لوٹتے تھے کہ صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے حضرت بلال دونوں صاحبوں کو چومتے اور گلے لگاتے پس دونوں نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج صبح کی اذان تم دو پس مسجد کی چھت پر چڑھے اور فرمایا اللہ اکبر گونج اٹھا مدینہ اور جب کہا اشهد ان لا اله الا الله زیادہ ہوا گونجنا اس کا پھر جب کہا اشهد ان محمدا رسول الله پردے والی عورتیں اپنے پردوں سے نکل آئیں ذکرھا فی اسد الغابة۔ اور قصیدۂ حضرت بلال میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از دوست پور ضلع سلطانپور مرسلۂ حاجی عبد اللہ خانصاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد منہدم تھی۔ اس کو ایک شخص نے اس طور پر درست کرا کے چھت پٹوائی جو کہ شہید ہونے والی ہے، بالکل غیر مستحکم۔ راجوں کا بیان ہے کہ یہ بہت جلد شہید ہو جائے گی۔ اسی لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ چھت کو گرا کر دیواروں پر کھپریل ڈلوادیں تاکہ دیواریں بھی محفوظ رہیں اور سایہ بھی ہو جائے۔ آیا ان کو یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وقف کی تعمیر اسی طرح چاہیئے جس طرح اصل میں تھی کما نص علیه فی الاشباه وفتح القدیر وغیرهما تو اگر اہل محلہ استطاعت رکھتے ہیں کہ کمزور چھت کو مستحکم کر دیں یا اسے اتار کر مضبوط الحکم چھت بنوادیں تو چھت ہی بنوائیں اور اگر استطاعت نہیں اور چھت کے گر جانے کا ظن غالب ہے تو جائز ہے کہ اس کے بدلے کھپریل ڈلوادیں پھر جب استطاعت ہو اس وقت بنوائیں و اللہ یعلم المفسد من المصلح .

مضمرات پھر ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے: مسجد منبی اراد رجل ان ینقضه ویبنیه احکم لیس له ذلك لانه لا ولایة له اه .

ردالمحتار پھر تاتارخانیہ میں ہے: الا ان یخاف ان ینهدم ان لم یهدم ۔ والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ از اٹاوہ مرسلۂ مولانا مولوی عبد المصطفیٰ وصی علی صاحب

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک زوج و زوجہ میں کسی امر خانگی پر ضد بڑھ گئی۔ زوج نے کہا دیکھو اگر تم میرا کہنا نہ مانوں گی تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں۔ اس پر زوجہ نے سخت کلامی کی۔ زوج نے کہا تم پر طلاق ہے۔ جب دونوں کا غصہ فرو ہو چکا تو سخت پشیمان ہوئے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ تین طلاقیں مانی جائیں گی یا صرف پچھلی ایک طلاق مانی جائے گی کیونکہ اوّل دو بار میں محض طلاق کا قصد اور آمادگی پائی جاتی

Marfat.com

ہے، نہ صریح طلاق۔ البتہ تیسری بار میں طلاق صریح ہے۔ پس یہ طلاق رجعی ہوئی یا نہیں اور شوہر پھر رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ طلاق بائن ہے تو کس قسم کی ہے؟ آیا شوہر زوجہ سے پھر نکاح کرسکتا ہے یا حتی تنکح زوجا غیرہ کی حد میں آگئی؟

(۲) حیوان قربانی کا پوست وکلہ وپارچہ وامعا وغیرہ فروخت کر کے قیمت اس کی نذر تعمیر مسجد کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کا جانور ایسے فروخت کرنے والے سے خرید کرسکتا ہے کہ فروشندۂ جانور مذکور خریدار کا مقروض ہے۔ زر قرضہ میں قیمت حیوان قربانی کی خریدار محسوب کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) قصاب کو قبل ذبح قربانی کے صاف کرنے اور بنانے کی اجرت معین کرلینی چاہیئے یا بعد قربانی کرنے کے بطور خود قصاب مذکور کو اس کی اجرت دی جائے صور تہائے مذکورہ میں مفصل طور پر ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) صرف ایک طلاق رجعی ہوئی کہ دونوں پہلے قول اس کے تعلیق تطلیق ہیں نہ تعلیق طلاق اور ان سے عرفاً ارادۂ عزم ظاہر ہے اور دونوں بار دیکھو کا لفظ معنی تخویف کی طرف ناظر ہے و لا یثبت الطلاق بالشك ہاں! اس سے بہ نیت ایقاع طلاق یہ کہے تو طلاق مغلظہ ہوگئی۔ اب بے حلالہ حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کرسکتے ہیں اگر مسجد کے لیے بیع کیا ہو اور اپنے لئے بیچا پھر ارادہ مسجد میں دینے کا کرلیا تو نہیں دے سکتا بلکہ فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے لانه حصل بوجه خبيث.

عالمگیریہ میں ہے: ويتصدق بروثها اه واذا كان هذا بالروث فالتصدق بالاطراف وغيرها اولیٰ اور ظاہر ہے کہ اس تصدق سے مراد صدقۂ واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے جو جمیع قربات کو شامل کما حققته فی رسالتی اعلام الساجد بصرف جلود الاضحية الى المساجد۔ والله تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) قبل ذبح یا بعد ذبح کے اختیار ہے، البتہ قبل بنانے کے مقرر کرلینا چاہیئے۔

عالمگیریہ کتاب الاجارۃ شرائط انعقاد اجارہ میں ہے: ومنها ان تكون الاجرة معلومة.

اجرت دینے میں اس کا ضرور خیال رہے کہ اجرت اپنے پاس سے دے۔ اضحیہ کے گوشت یا پوست سے ادائے اجرت صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ولا يعطي اجرجزار من الاضحيه لقوله ﷺ لعلي رضي الله عنه تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط اجر الجزار منها شيئا. اضحیہ کی جھول اور مہار کو صدقہ کردے اور اس سے کچھ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔ رواه الائمة الستة الا الترمذی عنه رضي الله تعالیٰ عنه۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کتابیات

Marfat.com

Marfat.com

مآخذ و مراجع

تفسیر

نمبر	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سن وفات
۱	افضل القرآن	شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۲	البحر المحیط	شیخ اثیر الدین ابو حیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۳	تفسیر ابن ابی حاتم	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۴	التفسیر لابن جریر طبری (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۵	التفسیر لابن کثیر	علامہ اسمٰعیل بن عمر دمشقی	۷۷۴ھ
۶	تفسیر ابن مردویہ	احمد بن موسیٰ ابن مردویہ	۴۱۰ھ
۷	التفسیر لابی السعود (ارشاد السلیم)	علامہ ابو السعود محمد بن محمد العمادی الحنفی	۹۸۲ھ
۸	التفسیرات الاحمدیۃ	احمد بن ابو سعید معروف بہ ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۹	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۱۰	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۰۰۴-۹۱۱ھ
۱۱	تفسیر جمل علی الجلالین	سلیمان ابن عمر عجیلی معروف بہ جمل	۱۲۰۴ھ
۱۲	التفسیر الحسینی	شیخ یحیٰی بخاری گجراتی بن محمود ابن محمد الحسینی	
۱۳	التفسیر للخازن (لباب التاویل فی معانی التنزیل	علاء الدین علی بن محمد الخازن	۷۴۱ھ
۱۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی	
۱۵	تفسیر الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	
۱۶	تفسیر الفتوحات الربانیہ	عبد العزیز الحکیم	

Marfat.com

۱۷	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
۱۸	التفسیر الکشاف	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ
۱۹	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۷۲۸ھ
۲۰	تفسیر النہر الماد من البحر	شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۲۱	التفسیر للواحدی	امام علی بن احمد بن محمد ابوالحسن الواحدی نیشاپوری	۴۶۸ھ
۲۲	التفسیر الیمنی		
۲۳	تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس	ابوطاہر محمد ابن یعقوب فیروزآبادی	۸۱۷ھ
۲۴	جامع احکام القرآن	قاضی ابوعبداللہ محمد بن احمد ابوبکر بن عربی قرطبی مالکی	۶۷۱ھ
۲۵	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۶	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ قونوی	
۲۷	الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی	۹۱۱ھ
۲۸	روح المعانی	سید محمود بن عبداللہ آلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ
۲۹	فتح البیان فی مقاصد القرآن	صدیق حسن خان بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۳۰	فتح الرحمان لطالب آیات القرآن	فیض اللہ علمی زادہ	
۳۱	مدارک التنزیل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۳۲	معالم التنزیل	ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ

حدیث

۱	اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۲	احیاء علوم الدین	امام ابوحامد محمد ابن محمد غزالی	۵۰۵ھ
۳	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۵	الاستیعاب	ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی	۴۶۳ھ
۶	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

Marfat.com

۷	الافراد	شہروار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۸	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود ابوعبیدہ بن حسن بغدادی معروف بہ ابن النجار	۶۴۳ھ
۹	التاریخ	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۱۰	التاریخ للبغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۱	تاریخ دمشق	علامہ علی بن الحسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی	۵۷۱ھ
۱۲	التاریخ	عبدالجبار الخولانی	
۱۳	التذکرۃ للقرطبی	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۱۴	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۱۵	التعلیق الممجد حاشیہ الموطا امام محمد	ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۴۳ھ
۱۶	جامع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۷	جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۱۸	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۹	الجامع الصغیر فی الحدیث	جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۲۰	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۲۱	الدر المنظیم فی مولد النبی الکریم	علامہ سیف الدین ابوجعفر بن عمر الحمیری الحنفی	
۲۲	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ
۲۳	دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۴	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۲۵	سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۲۶	سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۷	سنن دارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵ھ
۲۸	سنن دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی	۲۵۵ھ
۲۹	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
۳۰	شرح ابن ماجہ	جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ

Marfat.com

۳۱	شرح جامع ترمذی	محمد ابوالطیب سندھی	۱۱۰۹ھ
۳۲	شرح جامع صغیر	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۳۳	شرح الشفا	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۳۴	شرح المسلم	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۳۵	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۶	شرح المواھب اللدنیہ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۷	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۳۸	الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی	۵۴۴ھ
۳۹	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶ھ
۴۰	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴ھ
۴۱	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴۲	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ
۴۳	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	۳۲۰ھ
۴۴	طبقات اصفہانیین		
۴۵	طیبی شرح مشکوٰۃ	شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی	۷۴۳ھ
۴۶	عقود الجواہر المنیفہ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۴۷	عون المعبود علیٰ سنن ابی داؤد	ابوالطیب شمس الحق بن شیخ امیر علی عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
۴۸	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۴۹	فتح المغیث	امام محمد ابن عبدالرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۵۰	فوائد ابن ابی بکر بن خلاد	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۵۱	القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ/ مترجم خرم علی بلہوری	۱۱۷۶ھ
۵۲	الکامل	ابواحمد عبداللہ ابن عدی	۳۶۵ھ
۵۳	کتاب الآثار	امام محمد ابن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۵۴	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی دنیا القرشی	۲۸۱ھ

Marfat.com

۵۵	کتاب الصحابہ	ابوموسیٰ المدینی	
۵۶	کتاب العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۵۷	کتاب الفتن	نعیم ابن حماد	
۵۸	کتاب القبور	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۵۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵ھ
۶۰	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر صدیقی	۹۸۱ھ
۶۱	مرقات شرح مشکوٰۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۶۲	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۶۳	مسند امام اعظم	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ
۶۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ
۶۵	مسند ابویعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
۶۶	مسند ابوداؤد طیالسی	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴ھ
۶۷	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲ھ
۶۸	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۶۹	المستدرک	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵ھ
۷۰	المسویٰ شرح الموطا	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲ھ
۷۲	مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵ھ
۷۳	مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۷۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۷	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۷۸	الموضوعات الکبیر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

Marfat.com

۷۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۸۰	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۱	نسیم الریاض	شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۸۲	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	امام ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۸۳	وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	علی بن عبداللہ سمہودی	

عقائد، اصول، فقہ

۱	الابانہ	السنجری	
۲	اتحاف الابصار والبصائر		
۳	اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	؍؍
۵	اسعاف المبطا برجال الموطا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم	۹۷۰ھ
۷	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰ھ
۸	الجام الصاد عن سنن الضاد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹	امداد المسلمین		
۱۰	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی	۷۵۸ھ
۱۱	ایذان الاجر فی اذان القبر	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۲	الایضاح		
۱۳	الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث	امام حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۱۴	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	۹۷۰ھ
۱۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷ھ
۱۶	براہین قاطعہ	خلیل احمد انبیٹھوی	۱۳۴۶ھ
۱۷	برکات الامداد لاہل الاستمداد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ

Marfat.com

۱۸	البنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابومحمد عینی	۸۵۵ھ
۱۹	تبیین الحقائق	امام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۲۰	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکرالمرغینانی	۵۹۳ھ
۲۱	تحذیرالناس	مولوی قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
۲۲	تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناءاللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۲۳	ترغیب الصلوٰۃ		
۲۴	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۵	تصحیح المسائل	علامہ فضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۲۶	تعالیق قاسم بن قطلوبغا	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۷	تعلیم المتعلم	امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ	
۲۸	تفہیم المسائل		
۲۹	تقویۃ الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۳۰	تکملۃ الرازی		
۳۱	تنبیہ الولاۃ		
۳۲	تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۳۳	تنویرالابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ ابن احمد تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۳۴	توضیح تلویح	علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۳۵	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ
۳۶	تیسیر المقاصد		
۳۷	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲ھ
۳۸	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل معروف بہ ابن قاضی	۸۲۳ھ
۳۹	جامع المضمرات		
۴۰	جدالممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۱	جواب استفتائے رویت ہلال	امیر شریعت اول، پھلواری شریف، پٹنہ	

Marfat.com

۴۲	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۴۳	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰ھ
۴۴	حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلاتین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۵	حاشیۃ الدرالمختار	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی	۱۰۶۷ھ
۴۶	حاشیۂ درر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶ھ
۴۷	حاشیہ شرح عقائد	علامہ حسن شہید	
۴۸	حاشیہ شرح عقائد	علامہ احمد بن موسیٰ خیالی	۸۶۲ھ
۴۹	حاشیۃ الشریفی للسراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶ھ
۵۰	حاشیۃ العلامہ الشلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱ھ
۵۱	حاشیۃ کنز الدقائق	قاضی القضاۃ ابوالسعود بن محمد عمادی حنفی	۹۸۲ھ
۵۲	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی	۶۰۰ھ
۵۳	الجتہ الفائحۃ بطیب التعیین والفاتحۃ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۴	الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ	علامہ عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳ھ
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۶	حسن التوسل	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۵۷	حلیۃ المجلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹ھ
۵۸	خزانۃ المفتیین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ھ کے بعد
۵۹	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۶۰	درر الحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۶۱	الدرالمختار علی تنویر الابصار	علامہ علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸ھ
۶۲	الدرالمنتقی شرح الملتقی		
۶۳	ذخیرۃ العقبی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵ھ
۶۴	ردالمحتار علی الدرالمختار	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۶۵	روح المسائل فی الفروع	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ

Marfat.com

۶۶	زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۶۷	زیادات امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۶۸	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	
۶۹	السراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی
۷۰	سل الحسام الهندیة		
۷۱	سلک تحقیق الحقیقة	مطبوعہ گلزار حسینی بمبئی	
۷۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن البیری	۱۰۹۹ھ
۷۳	شرح شرعة الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱ھ
۷۴	شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۷۵	شرح العقائد	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۷۶	شرح العقائد	علامہ جلالی	
۷۷	شرح عباب		
۷۸	شرح عقود رسم المفتی	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۷۹	شرح الفقہ الاکبر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۸۰	شرح القدوری	علامہ محمود زاہدی	
۸۱	شرح حاشیة الکنز	ملا مسکین معین الدین الہروی	۹۵۴ھ
۸۲	شرح اللباب		
۸۳	شرح المجمع		
۸۴	شرح مختصر وقایہ	محمود بن الیاس رومی (۸۵۱ھ میں مکمل کی)	
۸۵	شرح مختصر وقایہ	عبدالعلی برجندی (۹۳۲ھ میں مکمل ہوئی)	
۸۶	شرح المقاصد	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۸۷	شرح مسلم الثبوت	علامہ عبدالحق خیرآبادی	۱۳۱۶ھ
۸۸	شرح الوقایة	صدر الشریعة عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷ھ
۸۹	شرح وہبانیہ	علامہ محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰ھ

Marfat.com

۹۰	شرعۃ الاسلام	امام رکن الاسلام محمد ابن ابوبکر	۵۷۳ھ
۹۱	شرنبلالیہ	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۹۲	صراط مستقیم	مولوی اسمعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۹۳	صغیری شرح منیۃ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶ھ
۹۴	الصواعق المحرقہ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۹۵	طحطاوی علی الدرر	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۶	طحطاوی علی المراقی	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۷	طریقہ محمدیہ ترجمہ درردوہیہ		
۹۸	العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹۹	عقود الدریۃ	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۰۰	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ
۱۰۱	عمدۃ الفاتحہ فی ادلۃ جواز العرس والفاتحہ	مولانا سلامت اللہ رامپوری	
۱۰۲	العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶ھ
۱۰۳	عینی شرح کنز	علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۰۴	غررالاحکام	قاضی محمد ابن فراموز ملاخسرو	۸۸۵ھ
۱۰۵	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ
۱۰۶	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۱۰۷	فتاوی اسعدیہ	سید اسعد بن ابی بکر حسینی مدنی	۱۱۱۶ھ
۱۰۸	فتاوی آہو		
۱۰۹	فتاوی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۱۰	فتاوی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدھلوی	۷۸۶ھ
۱۱۱	فتاوی الحجۃ		
۱۱۲	فتاوی حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر الہیتمی	۹۷۳ھ
۱۱۳	فتاوی خلاصہ	طاہر ابن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ

Marfat.com

۱۱۴	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	علامہ خیر الدین ابن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱ھ
۱۱۵	فتاویٰ رحمانیہ		
۱۱۶	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۱۱۷	تفسیر السراج المنیر	محمد الخطیب الشربینی	۹۷۷ھ
۱۱۸	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵ھ
۱۱۹	فتاویٰ عزیزیہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	فتاویٰ شیخ الاسلام البلقینی		
۱۲۱	فتاویٰ صوفیہ		
۱۲۲	فتاویٰ ظہیریہ	ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد	۶۱۹ھ
۱۲۳	فتاویٰ عالمگیریہ	جمعیت علمائے اورنگ زیب	
۱۲۴	فتاویٰ مولانا عثمان حسن دمیاطی	مولانا عثمان حسن دمیاطی	
۱۲۵	فتاویٰ علامہ قاری الہدایۃ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶ھ
۱۲۶	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۲۷	فتاویٰ قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۲۸	فتاویٰ الکبریٰ لصدر الشہید		
۱۲۹	الفتاویٰ القرویۃ		
۱۳۰	الفتاویٰ الولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الوالوالجی	۵۴۰ھ
۱۳۱	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد (بہ ابن الہمام)	۸۶۱ھ
۱۳۲	فتح اللہ المعین	سید محمد ابو السعود الحنفی	
۱۳۳	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶ھ
۱۳۴	فواتح الرحموت	بحر العلوم عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵ھ
۱۳۵	فوائد متفرقہ		
۱۳۶	فیصلہ ہفت مسئلہ	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	۱۳۱۷ھ
۱۳۷	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸ھ

Marfat.com

۱۳۸	القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم	علامہ شمس الدین بن القطان	
۱۳۹	القہستانی		
۱۴۰	الکافی شرح الوافی	ابوالبرکات عبداللہ بن محمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۴۱	کشف الغمۃ عن جمیع الامہ	امام عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۱۴۲	کشف الاصول	امام فخرالاسلام علی بن محمد بزدوی	۴۸۲ھ
۱۴۳	کنزالدقائق	امام عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰ھ
۱۴۴	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۴۵	مائۃ مسائل	مولوی اسحاق دہلوی	۱۲۶۲ھ
۱۴۶	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۴۷	مبسوط سرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۱۴۸	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان معروف بہ داماد آفندیؒ،	۱۰۷۸ھ
۱۴۹	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۵۰	مجمع الروایات		
۱۵۱	مجمع الفتاویٰ		
۱۵۲	المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۵۳	المحیط	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶ھ
۱۵۴	المحیط للسرخسی / المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱ھ
۱۵۵	المختار		
۱۵۶	مختار الفتاویٰ		
۱۵۷	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۸	المدخل	ابوعبداللہ محمد ابن محمد ابن امیر الحاج العبدری	۷۳۷ھ
۱۵۹	مراقی الفلاح بامداد الفتاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۶۰	مسائل اربعین	مولوی اسحاق	۱۲۶۲ھ
۱۶۱	مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق	ابوالقاسم بن بکر لیثی سمرقندی	

Marfat.com

۱۶۲	المستطرف		
۱۶۳	المسلک المتقسط شرح منسک المتوسط	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۶۴	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹ھ
۱۶۵	مصباح الدجیٰ	امام حسان بن محمد صغانی ہندی	۶۵۰ھ
۱۶۶	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹ھ
۱۶۷	مغنی المستفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۶۸	ملتقط (فی فتاویٰ ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶ھ
۱۶۹	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶ھ
۱۷۰	مناسک الفارسی		
۱۷۱	منحۃ الخالق	سید محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۲	المنح الفکریۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۷۳	المنسک المتوسط	رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی	۹۶۲ھ
۱۷۴	المنیۃ/منیۃ المصلی	سید محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵ھ
۱۷۵	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۱۷۶	المواہب	علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی	
۱۷۷	نسخۃ الخلائق		
۱۷۸	النظم	زندویستی	
۱۷۹	نظم الفرائد	عبد الرحیم شیخ زادہ	
۱۸۰	النقایۃ مختصر الوقایۃ	امام عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵ھ
۱۸۱	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۸۲	نور الشمعۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۳	النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۴	الوافی	عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۸۵	واقعات المفتیین		

Marfat.com

۱۸۶	الوجیز للکردری	بدر الدین محمد بن محمود الکردری خواہرزادہ	۶۵۱ھ
۱۸۷	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳ھ
۱۸۸	الوقف والابتدا	ابو جعفر نحاس	۳۳۸ھ
۱۸۹	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ

سیرت، تصوف وغیرہ

۱	الابریز فی علم سیدنا عبد العزیز		
۲	احسن الوعا لآداب الدعا	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۳	اذاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۴	الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵	بہجۃ الاسرار شریف	یوسف بن جویر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳ھ
۶	التیسیر	علامہ ابو عمرو عثمان خرانی	۴۴۴ھ
۷	جامع الاصول فی الاولیاء وانواعھم	ضیاء الدین احمد مصطفیٰ کمشخانوی مجددی	
۸	الجوہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۹	رسالہ طیبہ	حافظ محمد ابی جزری	
۱۰	ذیل المدعا لاحسن الوعا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۱	سبع سنابل شریف	میر عبد الواحد بلگرامی	۱۰۱۷ھ
۱۲	شاطبیہ	علامہ شاطبی	۵۹۰ھ
۱۳	عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر	سید جعفر برزنجی شافعی	
۱۴	فوائد الفواد شریف	محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا مرتبہ حضرت امیر علاء سنجری	۷۲۵ھ ۱۳۳۶ء
۱۵	شرح البردۃ	شیخ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۷ھ
۱۶	شرح البردۃ	علامہ خالد الازہری	
۱۷	شرح البردۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

Marfat.com

۱۸	شرح عین العلم	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۹	قصیدہ بردہ شریف	امام ابو عبداللہ محمد بن سعید بن حسن بوصیری	۶۹۶ھ
۲۰	قصیدہ دالیہ	سیدی ابو الحسین حمدونی شاذلی	
۲۱	قصیدہ غوثیہ	محبوب سبحانی محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی	۵۶۱ھ
۲۲	قوت القلوب	امام ابو طالب مکی	۴۳۷ھ
۲۳	القول المنجی علی مولد البرزنجی	مفتی مالکیہ شیخ محمد بن احمد	
۲۴	کشف القناع عن اصول السماع	مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ محبوب الٰہی	
۲۵	کنز العلوم واللغۃ		
۲۶	الکوکب الانور علی عقد الجوہر	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ
۲۷	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱ھ
۲۸	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۹	مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
۳۰	ملفوظات	سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت	
۳۱	ملفوظات عزیزی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۳۲	ملفوظات	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	۷۸۲ھ
۳۳	النفحۃ العنبریہ لاثبات القیام فی مولد خیر البریۃ	امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۳۴	نفحات الانس	علامہ عبدالرحمٰن جامی	۸۹۸ھ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

Marfat.com

[ملک العلما کے دست مبارک سے تحریر شدہ ایک فتوے کا عکس]

(۴) یہ حدیث صحیحین میں بغیر میری نظر سے نہیں گزری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد و ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم العبد الآبق حتى يرجع وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون۔ امام ترمذی نے فرمایا حسن غریب۔ نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا ايما رجل ام قوما وهم له كارهون لم تجز صلاته۔ نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لفظوں سے مروی ہے من ام قوما وهم له كارهون فان صلاته لا تجاوز ترقوته۔ نیز جمع الجوامع و کنز العمال میں بروایت ابو سعید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انه اتاه قوم برجل فقالوا ان هذا يؤمنا ونحن له كارهون فقال له انك لخروط اتؤم قوما وهم لك كارهون۔ نیز اس حدیث کو بیہقی و عراقی نے علی بن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معناً روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابی داؤد اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق جبر بعضہا بعضا کے لائق حسن ٹھہری حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم و نفی حصول نماز پر دال ہے مگر علما نے بعض کو اس پر حمل کرکے ورد کے طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کرکے کراہت کا فتویٰ دیا ہے مگر یہ کراہت اس صورت میں ہے جب کراہت و نفرت کسی امر دینی و سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ اب خیال خود ہی مذموم ہے کما فی الدر المختار شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کرکے لکھا وهم له كارهون بمعنى مذموم شرعا الا ان الامامة تفاعل ... يستحقه العبد دونوں میں پیتے تقدم قوم کے امام بنا اور نماز پڑھانا منع ... ادا ہو اور نماز ادا ہو

Marfat.com

Marfat.com

تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی
واحد منفرد شرح
شرح صحیح بخاری
المعروف بہ
جمال السنۃ

جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والاصول

فتاوٰی رضویہ
امام احمد رضا خان بریلوی
33 جلدیں

فتاوٰی اجملیہ
مفتی شاہ محمد اجمل قادری
مکمل 4 جلدیں

فتاوٰی فقیہ ملت
علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی
مکمل 2 جلدیں

فتاوٰی مصطفویہ
مفتی اعظم ہند مولانا مصطفٰی رضا خان
مکمل

حبیب الفتاوٰی
مفتی حبیب اللہ اشرفی نعیمی

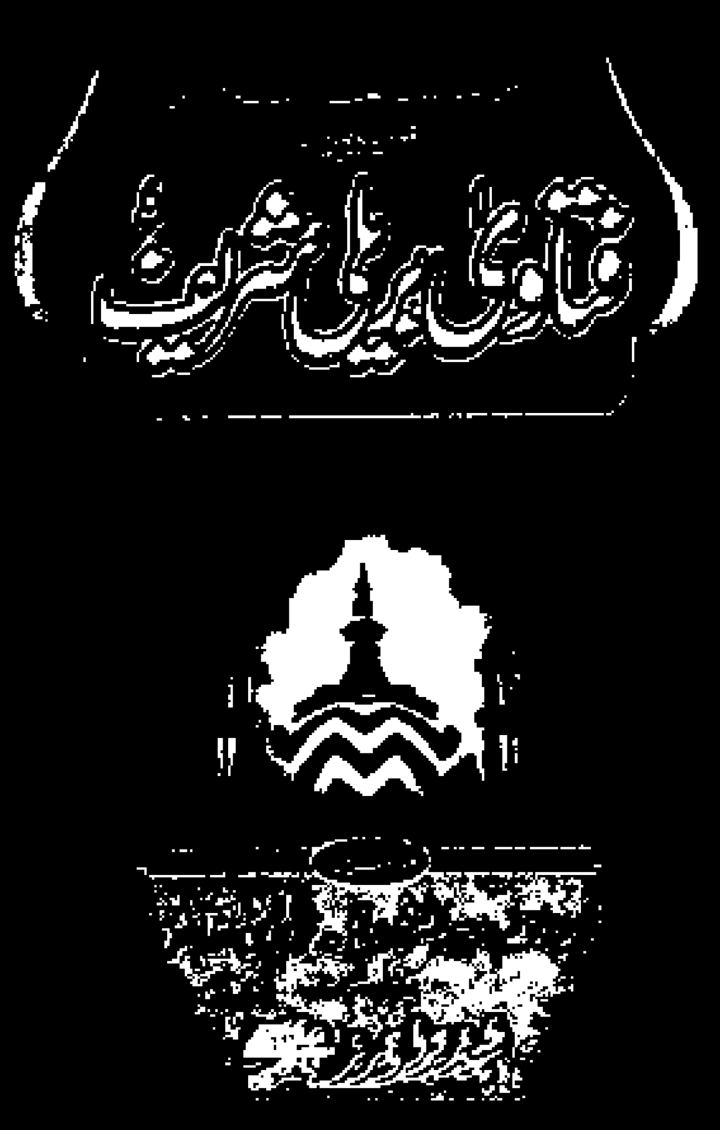

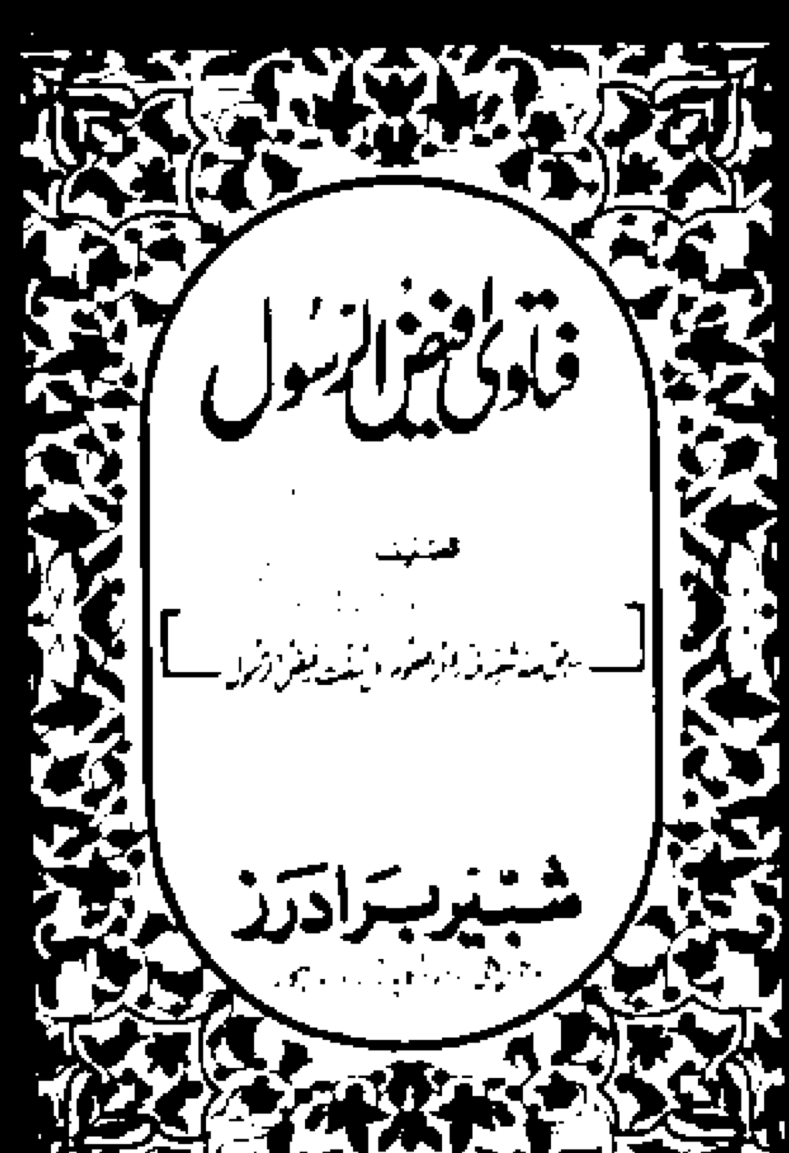

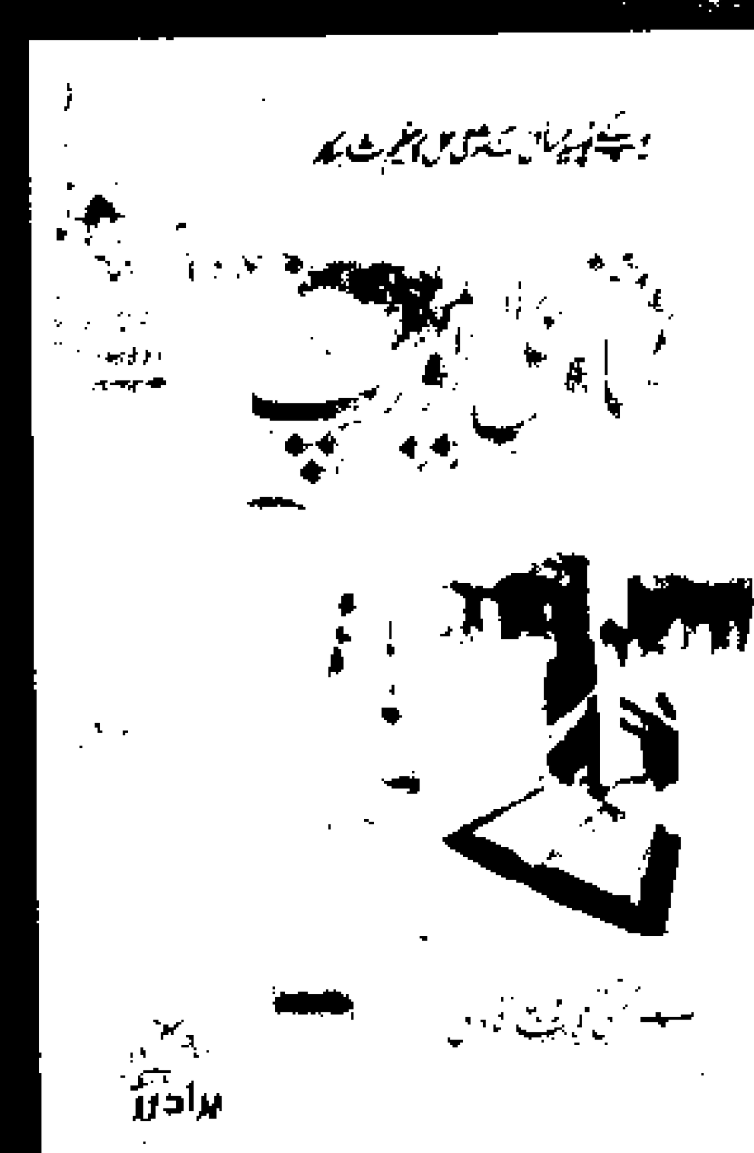

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006
شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

Marfat.com